يُرِيْدُ اللهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ (سورۃ انفال: ۷،۸)

ترجمہ: اللہ چاہتا ہے کہ حق کو اپنی باتوں سے ثابت کردے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق ثابت کردے اور باطل کو مٹادے اور اگرچہ (اس سے) گنہگار ناخوش ہوں۔

کتاب شہادت

اس کتاب میں اسلام کے اُن عظیم الشان واقعات پر جن پر پردہ پڑا ہوا تھا پوری روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ ثابت کیا گیا کہ جس طرح جنگ صفین و جمل ایک بے بنیاد افسانہ اور بعد کی گھڑت ہیں، اسی طرح امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ بالکل غلط اور محض بے بنیاد ہے۔

پہلا مقدمہ

مصنفہ

مرزا حیرت دہلوی

کرزن پریس دہلی انڈیا
المطبوعہ
۱۴۲۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم

فہرست

شمار	عنوان	صفحہ

عرض ناشر

علوم اسلامی میں اس وقت سب سے زیادہ مظلوم موضوع غالباً تاریخ کا موضوع ہے۔ دشمنانِ اسلام نے اپنی دشمنی، کینہ، حسد اور بغض کی بناپر اس موضوع کو پوری طرح مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔ منافقین و مجرمین نے اپنے نفاق و جرم کی پردہ پوشی کرنے کی خاطر طرح طرح کے جھوٹے اور بے بنیاد واقعات اور روایات سے تاریخ اسلام کو داغدار کر دیا ہے۔ لیکن بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی کیونکہ دین کے محافظ اور شریعت کے نگہبان ادارے بھی اس کے ساتھ بے اعتنائی برتنے میں کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ قصہ سازوں ،مفاد پرستوں اور روایت فروشوں کو اس بات کی مکمل آزادی مل گئی جو مرضی چاہیں کریں۔ کوئی ان کو روکنے والا ہی نہیں ہے۔ لہٰذا تاریخ اسلام کے متعلق کتب ضد و نقیض سے بھری ہوئی نظر آتی ہیں۔ آج امتِ مسلمہ کے ہر فرقہ کے پاس اسلام کی اپنی ایک الگ تاریخ ہے۔ رفتہ رفتہ ان تواریخ کی غلط روایات کو عقیدہ کا مقام دے دیا گیا ہے۔ تاریخ میں نقل کیے گئے بعض واقعات خصوصاً واقعہ کربلا یا ان کے مصادر اتنی اہمیت کے حامل نہ ہونے کے باوجود دین کے ستون و بنیاد کی حیثیت حاصل کر چکے ہیں اِن کے بارے میں شکوک وشبہات کا اظہار تو کجا استفسار کرنے کو بھی نا قابلِ معافی جرم قرار دیا جاتا ہے۔ واقعات کربلا کے متعلق تاریخ سے ناواقف لوگوں نے اپنی بسر اوقات کے لیے جن کہانیوں اور افسانوں کو ملا جلا کر پیش کیا ہے ان میں اکثر و بیشتر تو ایسے ہیں جو بے سند کتابوں میں بھی نہیں ملتے اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جعل کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ اور نقد و تصحیح کے دروازے بند کر کے قفل لگا دیئے گئے ہیں۔ آج اگر کوئی فرد کسی مخلص باصفا بلکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ، علماء تک کو ان روایات کا جعل، دلائل محکم سے ثابت بھی کر دیتا ہے۔ تو بھی تمام حقائق تسلیم کر

کر یہ سب لغویات کو اپنا عقیدہ بنائے ہوئے ہیں۔ اس شہادت کو جو عظمت واقتدار آج دیا جارہا ہے۔ جس کے سامنے اور صحابہ کرام کے متفصل ومنصوص شہادتیں بالکل بے وقعت ہوئی جاتی ہیں۔ یہ نہیں ہونا چاہیے۔ خاص کر فتح مکہ سے پہلے کے جہادات اور شہادتیں تو ضرور ایسی ایسی کئی شہادتوں سے بہت زیادہ فضیلت والی ہیں اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی کچھ کم مظلومانہ نہیں ہے یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ نہیں کہ دشمنان اسلام یہود اور صلیبی طاقتیں ہی ان ماتمی حضرات کے ساتھ مکمل تعاون اور اتحاد کئے بیٹھے ہیں۔ امریکہ نے حال ہی میں بیس ملین ڈالر کی خطیر رقم شیعوں میں صرف تعزیہ داری کے لئے دیئے ہیں تفصیل کے لئے دیکھئے شیعہ مشہور عالم کی کتاب ''اُفقِ گفتگو'' اب آپ ذرا انصاف سے کام لیتے ہوئے خود ہی کہئے۔ صحیح معنوں میں اگر کوئی بھی فرد ان ماتمی حضرات کے عزائم کی نقاب کُشائی کرتا ہے تو اپنوں ہی میں سے مذمتیں اور اختلافات کو ہوا دے کر فسادات کا بازار گرم کرنے کے الزامات کی بھر مار کر دی جاتی ہے، اصل مسئلے کو پس پشت ڈال کر صرف چند مفادات کی خاطر ان ماتمی حضرات کو اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے خاص انداز میں مدد فراہم کی جاتی ہے۔ اسی غیر تسلی بخش صورت حال کا نتیجہ ہے کہ اس وقت پاک وہند میں پانی مہنگا اور مسلمانوں کا خون ارزاں ہے۔ دشمن کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کو کم از کم شہید تو کہتے ہیں۔ لیکن خود اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں اگر کوئی کسی سازش کی تحت ذبح ہو جائے تو اُسے مذہب کی طرف سے سزا قرار دیا جاتا ہے۔ ایسی صورت حال سے دوچار ہونے کے بعد انسان متحیر ہو کر سوچنے لگتا ہے کہ ایسی تنگ حالتوں میں کیا کیا جائے۔ ایسے وقت میں انسان کے دل پر ہمیشہ دو طرح کے خیال گزرتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ دوسرے یہ کہ ہم کو کچھ کرنا چاہیے پہلے خیال کا یہ نتیجہ ہوا کہ کچھ نہ ہو سکا۔ اور دوسرے خیال سے دنیا میں بڑے بڑے عجائبات ظاہر ہوئے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ (سورۃ شوریٰ آیت نمبر ۲۷ سپارہ ۲۵)

اور وہ ایسا رب ہے کہ جب لوگ ناامید ہو جاتے ہیں۔ تو مینہ برساتا ہے۔ اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے۔

آج سٹیج اور منابر پر مذہبی بھانڈوں اور اکثر جہلا کا قبضہ ہے۔ یہ لوگ یا تو اپنی جہالت کی وجہ سے سمجھتے ہی نہیں یا پھر ایسا نہیں ہے پڑھے لکھے ہیں۔ تو سامعین کی خوشنودی کو اللہ تبارک تعالیٰ کی رضا پر ترجیح دیتے ہیں حد تو یہ ہے فرضی قصے، غلط روایتوں کو خلاف واقعہ ہونے کو تسلیم کر لینے کے بعد بھی اپنے خطبات میں بیان کرتے ہیں اور سینہ بہ سینہ منتقل کرتے چلے جاتے ہیں۔ فکر و تخیل کی ان میں کمی نہیں چاہیں تو اپنی گفتار سے پوری دنیا میں بسنے والوں کو صحیح فکر کا پیغام دے سکتے ہیں۔ یہ تھوڑے نہیں ہیں دھاڑے کا دھاڑا ہے۔ ہر جگہ، ہر موڑ، ہر نکڑ اور ہر بازار میں جھنڈے گاڑے بیٹھے ہیں۔ مذہبی مالیات پر بھی ان کی مکمل گرفت ہے۔ اور ہر قسم کی مراعات ان ہی کی تحویل میں ہیں۔ یاد رکھئے بھیک منگے کبھی مزاحمت نہیں کر سکتے۔! اگر سب مذہبی معاملات کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ کر یہ سوچ لیا جائے کہ یہ کچھ انصاف سے کام لیں گے۔ خام خیالی کے سوا کچھ بھی نہیں ہم تمام دانشور علماء اور باشعور امت مسلمہ کے ہر فرد سے درخواست کرتے ہیں کہ تحقیقی روش کو صرف احکام فقہ تک محدود نہ کیجئے، تاریخ اسلام میں تمام تر واقعات کو افسانہ سازوں کے ہاتھوں میں نہ دیں۔ اس پر تحقیق کرنے والوں کو اجازت دیں تاکہ کھلے مباحثوں اور مذاکروں کا انعقاد کر سکیں۔ تحقیقی مقالہ جات، استفسارات اور جوابات پر مشتمل باوقار مجلات کا اجراء کیا جائے تاکہ علمی بنیادوں پر نئی تحقیقات اور تجاویز سامنے آسکیں ہم اس کتاب کو شائع کر کے کسی پر احسان نہیں کر رہے ہیں۔ تاریخ کا ایک رخ یہ بھی ہے جسکو صدیوں سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ ہم تو مولف کو ذاتی طور پر جانتے تک نہیں۔ تاریخ کے طالب علموں کے لئے اس میں جانچنے اور جاننے کے لئے بہت کچھ ہے۔ ہمارا یہ پیغام کسی بھی ممکنہ صورت میں جہاں تک ہو سکے پہنچا دیجئے۔ ہمارا

مقصد صرف اور صرف تاریخ کی اس تحقیق کو آشکار کرنا ہے۔ آج میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں اپنے ہی اختیار کردہ اس مقصد کا سست رو خادم ہوں۔ کسی فرقہ کے جھوٹے سچے مذہب پر حملہ کرنا ہمارا مقصود نہیں اور نہ ہی کسی بھی فرقہ کے خلاف ہمارے کچھ عزائم ہیں۔ یہ بات تہذیب و متانت کے خلاف ہے کہ میں ان لوگوں کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں اس کتاب شہادت کو دوبارہ جمع کرنے میں یا کسی صورت میں میری مدد فرمائی میں ان سب احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

فقط کم ترین

غازی حسین العباس مہدی

کراچی، دہلی

۱۰ محرم ۱۴۲۵ ہجری

اقتباسات:

مرزا حیرت اور ان کی کتابِ شہادت

(مفتی محمد طاہر مکّی کی کتاب سقوط دہلی کے بعد برصغیر کے نامور مؤرخین سے ماخوذ)

سقوطِ دہلی کے بعد برصغیر کے سب سے اہم اور نامور مورخ جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں سرسیّد مرحوم تھے اور ان کا تحقیقی ذوق اور مشہورِ عام روایات سے مرغوب نہ ہونے کا مزاج ان کے معاصر اور بعد میں آنے والے تقریباً تمام مورخین نے حسبِ استطاعت اپنانے کی کوشش کی ان ہی میں ایک مؤرخ و مصنف مرزا حیرت دہلوی تھے۔

امراؤ مرزا عرف مرزا حیرت دہلوی یکم جنوری ۱۸۶۸ء کو یعنی سقوط دہلی کے گیارہ سال بعد مرزا محمد ابراھیم بیگ کے ہاں پیدا ہوئے. دلّی کے مشہور عربک سکول میں تعلیم پائی. تاریخ اور وقائع نگاری کی طرف خاص رغبت تھی۔ کرزن گزٹ جاری کیا جو ہفتہ وار رسالہ تھا۔ اس میں ۲۳ مارچ ۱۹۰۹ء سے پہلا مقدمہ چھپنا شروع ہوا (ہر ہفتے آٹھ صفحے) اور ۸ جولائی ۱۹۱۳ء کو چوتھا مقدمہ چھپ کر مکمل ہوا اس کے بعد ۱۵ جولائی ۱۹۱۳ء سے کتاب شہادت (ہر ہفتے آٹھ صفحے) چھپنی شروع ہوئی جو بعد میں مقدمہ کتاب شہادت اوّل دوم سوم چہارم اور کتاب شہادت حصہ اوّل کی مجلدات کی شکل میں کئی بار شائع ہوئی کتاب شہادت حصہ دوم شائع ہونا شروع ہوئی ہی تھی کہ مخالفین نے مرزا کے پریس کو آگ لگا دی جس سے مطبوعہ کتب کا بہت سا ذخیرہ اور یہ چھٹی جلد مکمل طور پر ضائع ہوگئی اور شہادت حسین کے متعلق ان کی تحقیق پورے طور پر سامنے نہ آسکی. اگر کتاب شہادت جلائے جانے کا یہ حادثہ نہ ہوا ہوتا تو غالباً یہ کتاب آٹھ یا نو مجلادات پر مشتمل ہوتی کیونکہ چھٹی جلد بھی (جس کی طباعت کے موقعہ پر مرزا حیرت کے پریس کو آگ لگائی گئی) حضرت علی کے باقی حالات پر مشتمل تھی جس میں دلائل سے جمل

وصفین کی جنگوں کے مرقوع کا انکار کیا گیا تھا. غالباً ساتویں جلد میں یہ بحث مکمّل ہوتی آٹھویں جلد میں حضرت حسنؓ اور نویں جلد میں حضرت حسینؓ کے حالات پیش کیئے جاتے. مرزا صاحب کثیر التصانیف بزرگ تھے ان کی جن کتابوں کا ہمیں علم ہوسکا وہ درج ذیل ہیں۔

تالیفاتِ مرزا حیرت

کتب مذہبی:

علوم قرآن:۔ اردو ترجمہ قرآن کریم انگریزی ترجمہ قرآن. مقدمہ تفسیر الفرقان۔ الہام ووحی۔

علوم حدیث:۔ اردو ترجمہ بخاری شریف تین جلد. اردو ترجمہ مشکوۃ شریف چار جلد. ترجمہ دارمی شریف. تعارف فن اسماء الرجال

سیرت:۔ دنیا کا آخری پیغمبر (قرآن کی روشنی میں سیرت طیبہ) سیرت محمدی. سیرۃ الرسول چھ جلد۔

سوانح صحابہ:۔ خلافت شیخین. حیات حضرت عائشہؓ صدیقہ. حیات حضرت فاطمہؓ. سوانح عمری حضرت علیؓ. کتاب شہادت پانچ جلد. تازیانہ شہادت.

سوانح بزرگان دین:۔ سوانح حضرت لقمان. سوانح امام ابوحنیفہ۔ حیات مجاہد اعظم (صلاح الدین ایوبی). تاریخ چراغ دہلی. سوانح بوعلی شاہ قلندر. حیات طیبہ (سوانح شاہ اسماعیل شہید)

غیر مذہبی سوانح:۔ ترجمہ تزک بابری. سوانح نور جہاں بیگم. حیات حمیدیہ (سلطان عبدالحمید خان) تین جلد. ترجمہ تزک امیر عبدالرحمٰن خان. سوانح ابوالحسن بیوقوف. عمرو عیار. علی بابا چالیس چور جعفر کذّاب. جعفر زٹلی. سوانح شیطان ۲ جلد

تاریخ:۔ خلافت عثمانی. تاریخ عالم (امیر تیمور سے بہادر شاہ ظفر تک) ایک ہزار صفحات۔ تاریخ ہند ۲ جلد. ترجمہ تاریخ الحکماء. تاریخ حریت. بغاوت نامہ ۱۸۵۷ء

ادبیات: ۔ترجمہ الف لیلہ.ترجمہ حاجی بابا اصفہانی (ایرانی سفرنامہ).مشاطئہ بغداد (خلافت عباسی کی تباہی میں دشمن عورتوں کا کردار)۔سیرِ گل فروشاں.ڈرامہ انصاف.مضامین حیرت.انشائے حیرت.وغیرہ۔

ملّا واحدی اور مرزا حیرت: ۔دلّی کی مشہور ادبی شخصیت مُلّا واحدی نے اپنے زمانے کی دلّی کے مشاہیر کا تذکرہ کرتے ہوئے مرزا حیرت کا ان الفاظ میں تعارف کرایا ہے۔

مرزا حیرت بڑے طرّ ار انسان تھے.کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ اُنھوں نے ٹھیک طریقہ سے پڑھ لکھ لیا ہوتا اور اپنی صلاحیتوں کا استعمال کیا ہوتا تو ہندوستان بھر میں اُن کا جواب نہ تھا.مرزا حیرت نے اپنے اخبار کرزن گزٹ میں اجمل خان پارٹی کے خلاف تابڑتوڑ مضامین شائع کیے مگر حکیم اجمل خان کا اقبال یاور تھا. جسے خدا رکھے اسے کون چکّھے .اُن کے ہر مخالف نے منہ کی کھائی .اور مخالفت تو اولیا انبیاء کی ہوتی رہی ہے. مرزا حیرت وہی بزرگ ہیں جنھوں نے سیّدنا حضرت امام حسینؓ کے کارنامہ شہادت سے انکار کیا تھا اور انکار پر ایک ضخیم کتاب لکھی تھی.کمال یہ تھا جس زمانہ میں انکار شہادت پر کتاب تصنیف کر رہے تھے .اُسی زمانہ میں جمعہ کے جمعہ شہادت پر تقریریں کرتے تھے .اور ایسی تقریریں کرتے تھے.کہ سننے والوں کی روتے روتے ہچکیاں بندھ جاتی تھیں.مرزا حیرت کا دفتر آخر میں تو میرے بالکل نزدیک کلاں محل میں آ گیا تھا.انکار شہادت کی تصنیف اور بیان شہادت کے زمانہ میں دفتر جامعہ مسجد کے شمالی دروازہ کے سامنے پائے والوں کے پاس شیش محل میں تھا.شیش محل عظیم الشان مکان ہے.سارا مکان اور اُس کا صحن سُننے والوں سے بھر جاتا تھا.اور خلقت باہر سڑک پر کھڑی رہتی تھی.کہ شاید کوئی بھنک کان میں پڑ جائے.میکروفون (لاؤڈ سپیکر) اُس وقت نہیں تھے ورنہ شاید راستے رک جاتے.مرزا حیرت جیسا بولتے تھے ویسا ہی لکھتے تھے.حالانکہ ضابطہ کی تعلیم نہ جدید قسم کی پائی تھی نہ قدیم قسم کی.لیکن قرآن مجید کا ترجمہ کیا تھا اور اُسے مولوی نذیر احمد کے ترجمہ سے ٹکرایا تھا فارسی میں شعر کہنے۔کے مدعی تھے.

ہر کس و نا کس صرف دیکھ کر مرعوب ہو جاتا تھا. اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی حُسن مردانہ عطا فرمایا تھا .ایک لطیفہ یاد آ گیا سر عبدالقادر نے سُنایا تھا. اُس زمانہ میں. جبکہ مرزا حیرت کا عروج تھا اور عبدالقادر شیخ عبدالقادر ایڈیٹر مخزن تھے .آل انڈیا محڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا مدّراس کی طرف کہیں سالانہ اجلاس تھا. شیخ عبدالقادر اوران کے احباب میر غلام بھیک نیرّ گ. مسٹر عبدالعزیز (فلک پیما) اور شیخ خوشی محمدؐ گورنر کشمیر وغیرہ اجلاس کی شرکت کرنے لاھور سے روانہ ہوئے میر نیرنگ کے سوا سب انگریزی لباس میں تھے. مدراس قریب آیا تو تین چار سیٹھ وضع کے مسلمان اِن کے ڈبے میں آ کر بیٹھے اور جیسا کہ قاعدہ ہے انھوں نے شیخ عبدالقادر اوراُن کے احباب سے باتیں شروع کی پوچھا آپ کہاں جارہے ہیں. اِنہوں نے بتادیا. پوچھا. کہاں سے آرہے ہیں انہوں نے کہالاہور سے. بس لاہور کا نام سننا تھا کہ سیٹھ صاحبان کھڑے ہوگئے. اوران لوگوں کے ہاتھ چومنے لگے. یہ حیران کہ ہمارے ہاتھ کیوں چومے جارہے ہیں. پوچھا. بھائیو! کیا ماجرا ہے. ہمیں کیوں کانٹوں میں گھسیٹتے ہو. بولے آپ لاہور سے جو آرہے ہیں. پوچھا. لاہور سے آرہے ہیں تو کیا ہوا. بولے. لاہور دلّی کے نزدیک ہے. اور دلّی میں مرازحیرت جیسا بزرگ موجود ہیں۔

(میرے زمانے کی دلّی از ملا واحدی صفحہ نمبر ۲۵۵ تا ۲۵۷ شائع کردہ.. گلڈ انجمن کتاب گھر نمبر ۳ صدر کوآپریٹو مارکیٹ وکٹوریہ روڈ کراچی نقش ثانی اضافہ شدہ)

مرازحیرت اور ندوہ:۔ مرزا حیرت صاحب کو تحریک شاہ اسماعیل شہید اور تحریک ندوۃ العلماء سے بڑی دل چسپی تھی. شاہ صاحب کے متعلق ان کی سوانح حیات طیّبہ کے نام سے بڑی مشہور ہے. ندوہ کے متعلق جب قدامت پسندوں نے خصوصا مولانا احمد رضا خان بریلوی صاحب اوران کے حلقہ نے جارحانہ مہم جوئی شروع کی۔ اور بقول خود ان کے ندوہ کی مخالفت میں دوسو سے زیادہ رسائل اور پوسٹرز شائع کئے گئے تو ربیع الثانی ۱۳۱۴ ہجری میں مرازحیرت دہلوی نے ان کے جواب اور ندوہ کے حق میں ایک رسالہ لکھا۔ جس کے متعلق موجودہ ناظم ندوہ مولانا ابوالحسن علی ندوی کی نگرانی میں بانی ندوہ مولانا محمد علی مونگیری کی سوانح پر لکھی گئی

کتاب (سیرت مولانا محمد علی مونگیری) کے چوتھے باب میں بڑی تعریف کی گئی ہے اور اس کے کئی اقتباسات نقل کئے گئے ہیں مؤلف سیرت محمد علی مونگیری لکھتے ہیں!

ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ ہجری میں مرزا حیرت دہلوی (مصنف سیرتِ محمدؐ یہ وحیات طیّبہ وحیات اعظم) نے ''مقاصد ندوۃ العلماء اوراس کی مخالفت'' کے نام سے ۱۳۱ صفحہ کا ایک رسالہ تصنیف کیا اور اس میں بُہت طاقتور اور موثر طریقہ پر ندوہ کی پوری وکالت کی. تاریخ اور موجودہ حالات اور وقت کی تقاضوں کی روشنی میں ندوہ کی اہمیت وضرورت واضح کی اور مسلمانوں کو اس تفرقہ انگزی پر غیرت دلائی۔ ایک جگہ لکھتے ہیں!

دینی علوم سے بے بہرہ ہو گئے ان کی مسجدیں وخانقاہیں ویران پڑی ہیں چاروں طرف دھواں دھار اعتراضات آریہ وعیسائی کرر ہے ہیں۔ مگر کوئی خبر نہیں۔ اور خبر کہاں سے ہو. اسلام کی تردید سے فرصت ملے تو وہ دوسرے مذاہب کا مقابلہ کرنے پر آمادہ ہوں۔ اگر مسلمان علماء کی کل تصانیف جمع کی جائیں گی. تو فی صدی پانچ تو کسی اور قصّوں کی نکلیں گی بچانوے اسلام اور مسلمانوں کی تردید اور تکفیر میں نکلیں گی۔

مرزا حیرت کے اس بیان کی تائید کرتے ہوئے سیرت محمد علی مونگیری کے مؤلف اس سے پہلے بھی ان کے کئے اقتباسات پیش کر چکے ہیں. مثلاً اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۰۱ پر لکھتے ہیں اور حق یہ ہے کہ ملّت اسلامیہ کی شیرازہ بندی کو منتشر کرنے. اس کی قوت کو کمزور کرنے اور دشمن کو اندر گھُسنے کا موقع جتنا ان داخلی اختلافات نے دیا ہے اُتنا خارجی حملوں نے نہیں. مذہبی تفریق اور تعصب اس درجہ پہنچ گیا تھا کہ اس کی نظیر شاید ہندوستان کی تاریخ میں. نہ اس سے پہلے صدیوں میں ملے گی. اور نہ اس کے بعد کے زمانہ میں. مناظروں تکفیرو تفسیق، دشنام طرازی وافترا پردازی سے آگے بڑھ کر بات مقدمہ بازی اور فوج داری تک جا پہنچی تھی. اور ایک دو نہیں خاصی تعداد میں ایسے مقدمے غیر مسلم حکام کے سامنے پیش ہونے

لگے جن پر غیر مسلموں کو ہنسنے کا موقع ملتا تھا اس کا نتیجہ یہ تھا کہ نہ صرف انگریزوں اور ہندوؤں کو بلکہ خود مسلمانوں کو اپنے دین اور ثقافت سے یک گونہ بدگمانی پیدا ہو رہی تھی. اُن کے سامنے ایک طرف انگریزوں کا اتحادِ عیسائیوں کی ہم آہنگی اور سرگرمی تھی. دوسری طرف جماعتی تعصب کے یہ افسوس ناک مظاہر تھے جن کے تصوّر سے ایک مسلمان کا سر شرم سے جھک جاتا ہے. مرزا حیرت دہلی نے دو سگے بھائیوں کی لڑائی کا افسوسناک اور چشم دید واقعہ قلم بند کیا ہے. جس کو پڑھ کہ مسلمانوں کی زبوں حالی کی تصویر نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے۔

''میں نے یہ خونی منظر اپنی آنکھ سے دیکھا ہے میں نے سگے بھائیوں کو لڑتے ہوئے خود ملاحظہ کیا ہے. میں نے یہ جگر کاشق کرنے والا فکڑا بڑے بھائی کی زبانی جب اس نے چھوٹے بھائی کا ہاتھ توڑ ڈالا ہے خود سنا ہے. افسوس ہم مسلمان ہی نہ پیدا ہوتے تو یہ دردناک حادثہ نہ ہوتا جب چھوٹا بھائی گرا ہے اور ایک ہولناک چیخ ماری ہے تو بڑے بھائی کا دل بھر آیا. اور خون برادری زور زور سے اس کی رگوں میں جوش مارنے لگا۔ ہاتھ سے لکڑی پھینک دی دوڑ کر اپنے بھائی سے لپٹ کر رونے لگا اور مذکورہ بالا فقرہ کہہ کر ان مولویوں کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہنے لگا جنھوں نے لڑوایا تھا اور. یہاں تک نوبت پہنچا دی تھی. اس جھگڑے میں صرف پنجابی تھے. (پنجاب کے آدمیوں سے مراد نہیں ہے بلکہ ان لوگوں سے مراد ہے جو دلی میں مشہور رہیں)''

انہی پنجابیوں کے متعلق مرزا حیرت نے لکھا ہے کہ:۔

''یہ وہ لوگ تھے جو یتیم خانوں اور تعلیم گاہوں کے قیام میں پیش پیش رہتے تھے اور ہر اجتماعی اور مفید منصوبہ میں بڑھ چڑھ کر مالی امداد دینے کے لئے تیار رہتے تھے، اور اسلام کے نام پر بڑے بڑے کام اور قربانی کے لئے سب سے آگے نظر آتے تھے۔''

لیکن ان لوگوں کی اس صلاحیت اور قوت کا جو میدان بدقسمتی سے علماء نے ان کے

لیے پسند کیا اس کا ذکر ابھی گزرا ہے. چنانچہ یہی قوم دیکھتے دیکھتے بأسهم بينهم شديد کی زندہ تصویر بن گئی. اور مختلف صفات اور صلاحیتوں کے افراد جو ایک لڑی میں پیوست تھے باہم دست وگریبان اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے نظر آنے لگے. اور ان کو دین و مذہب اور شرافت وانسانیت کا بھی پاس نہ رہا مرزا حیرت دہلوی کے رسالہ (مقاصد ندوۃ العلماء) سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں کوٹلہ والی مسجد میں صرف آمین بالجہر پر جھگڑا اتنا بڑھا کہ دو الگ الگ پارٹیاں بن گئیں. ایک پارٹی چاہتی تھی کہ آمین۔ زور سے کہا جائے ایک چاہتی تھی کہ چپکے سے اس پر سخت لڑائی ہوئی. متعدد آدمی زخمی ہوئے پھر مقدمہ چلا اس پر ہزاروں روپیہ برباد ہوا اس کا نتیجہ یہ ہوا دونو پارٹیوں میں ہمیشہ کے لیے نفرت وعدوات پیدا ہو گئی اور پھر آج تک ختم نہ ہوئی اسی طرح میرٹھ میں مقلدین وغیر مقلدین کی کشمکش اتنی بڑھ گئی کہ ہائیکورٹ تک مقدمہ پہنچا مرزا حیرت اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"چیف جسٹس نے جسٹس محمود کو (جب انھوں نے چیف جسٹس کے فیصلہ پہ نقطہ چینی کی) مقدمہ فیصلہ کرنے کا اختیار دیا مسٹر محمود نے جو کچھ فیصلہ کیا وہ ایسا سمویا ہوا تھا کہ اگر دونوں فریق اس پر رضامند ہو جاتے تو پھر آگے کوئی جھگڑا نہ ہوتا، مگر نہیں، نئے نئے مقدمے پیدا ہو گئے اور وہ نئی نئی شاخیں نکلیں کہ باہم گہری مخالفت کی بُنیاد قائم ہو گئی جس کا سلسلہ ابھی تک ختم نہیں ہوا۔"

اس کے علاوہ وہ علی گڑھ کا مشہور مقدمہ زہر خورانی اس افسوسناک صورت حال کی ایک اور مثال ہے مولانا لطف اللہ صحاب کو زہر دیا گیا لیکن وہ تکلیفیں اٹھانے کے باجود بچ گئے لاٹھیاں چلیں مقدمہ بازی ہوئی اور وہ سب کچھ ہوا جو مسلمانوں کا سر شرم سے جھکا دینے کے لیے کافی اور ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ کا ایک بدنما داغ ہے۔ بقول مرزا حیرت کے کہ:۔

اگر یہ تمام کیفیت مفصل طور پر لکھی جائے اور مستقل کتابی صورت میں اس ماتمی حالت کو لایا جائے تو یہ وہ تاریخ ہو جو صدہا برس تک ہمای آئندہ مہذب نسلوں کو

خصوصاً اور غیر قوموں کو عموماً ہم پر اور موجودہ اسلام پر خندہ زنی کا موقع دے گی۔
(سیرت محمد علی مونگری صفحہ ۱۷۵ مولفہ سید محمد حسنی پاکستان میں عکسی ایڈیشن مجلس نشریات السلام کراچی)

حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰہ :۔ سقوط دہلی کے بعد اور، انگریزوں کے مکمل قبضہ کی وجہ سے جو صورتحال پیدا ہوئی. اس میں مسلم مفکرین کو اپنے مآخذ کی طرف دوبارہ توجہ دینے کی ضرورت پیش آئی. یوں کہنے کو تو ہر مسلمان خواہ اس کا تعلق کسی بھی فرقہ سے ہو خواہ وہ اہلسنت کے حنفی. شافعی. مالکی. حنبلی. ظاہری. اہل حدیث یا اہل قرآن ہوں خواہ اہل سنت سے باہر کے زیدی شیعہ. جعفری اثناء عشری شیعہ. بوہری اسماعیلی شیعہ آغا خانی اسماعیلی شیعہ. دروزی، نُصیری شیعہ. یا مہدوی شیعہ وغیرہ ہوں. سب یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم ہمارا سب سے پہلا اور سب سے اونچا مآخذ اور فائنل اتھارٹی ہے. لیکن یہ بات بس تحریر اور قول کی حد تک ہے عملاً زندگی کے ہر شعبے اور ہر معاملے میں قرآن کریم کو معیار حق کوئی فرقہ بھی نہیں مانتا ہر ایک اپنے اپنے اکابر اور بزرگوں کی تحقیقات کو فائنل سمجھتا ہے. قرآن کریم کا اول تو ترجمہ کے ساتھ کوئی مطالعہ نہیں کرتا اگر کرلے تو اسے بھی اپنے اکابر کی تحقیقات کی روشنی میں دیکھتا ہے. یہ توفیق نہیں ہوتی کہ جہاں ضرورت ہو وہاں مختلف اکابر کی تحقیقات کا قرآن کریم کی روشنی میں تقابلی جائزہ لے کر آخری اتھارٹی قرآن کریم کو قرار دے نہ کہ اکابر کو، حقیقت یہ ہے کہ بغیر اس مزاج کو اپنائے مسلم نشاۃ ثانیہ کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا.

مصورِ پاکستان مفکر مشرق علامہ محمد اقبال اپنے خطبات تشکیل جدید الٰہیات اسلام کے الاجتہادی فی الاسلام والے خطبہ میں فرماتے ہیں.

"آج جو مسئلہ ترکوں کو درپیش ہے کل دوسرے بلاد اسلامیہ کو پیش آنے والا ہے اور اس لیے سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی قانون میں کیا فی الواقع مزید نشو نما اور ارتقاء کی گنجائش ہے؟ لیکن اس سوال کے جواب میں ہمیں بڑی زبردست کاوش اور محنت سے کام لینا پڑے گا. گو ذاتی طور پر مجھے یقین ہے. کہ اس کا جواب اثبات میں ہی دیا جاسکتا ہے. بشرطیکہ. ہم اس مسئلہ

میں وہی روح برقرار رکھیں جس کا اظہار کبھی حضرت عمرؓ کی ذات میں ہوا تھا وہ امت کے اولین دل ودماغ ہیں جو ہر معاملے میں آزادئ رائے اور تنقید سے کام لیتے تھے اور جن کی اخلاقی جرأت کا یہ عالم تھا کہ حضور رسالت مآب ﷺ کی حالت نزع میں یہاں تک کہہ دیا کہ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی کتاب ہی کافی ہے۔" (تشکیل جدید الٰہیات اسلام ترجمہ سید نذیر نیازی صفحہ ۲۵۱)

مرزا حیرت بھی علامہ محمد اقبال کے ہم خیال ہیں. مرزا صاحب کو قرآن کریم اور محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے بڑی دل چسپی تھی. اس لیے قرآن فہمی عام کرنے کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے صاحبزادوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اور ان کے کام کو آگے بڑھاتے ہوئے قرآن کریم کا اردو اور انگریزی ترجمہ. سیرت پر کئی کتب خصوصاً قرآن کریم کی روشنی میں مطالعہ سیرت پر کتابچہ. بخاری ومشکوٰۃ وغیرہ کے ترجمے شائع کئے. آیات بینات کے مصنف نواب محسن الملک. مولوی مہدی علی خان جو خاندانی طور پر شیعہ تھے. مگر جدید مطالعہ اور سرسیّد کے زیر اثر قرآن کریم کے قریب آئے. اور اپنا خاندانی مذہب چھوڑ کر قرآن کے دامن میں پناہ لی اور اسی کی روشنی میں آیات بینات لکھی. ان ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مرزا حیرت نے بھی قرآن کریم کی روشنی میں کتاب شہادت لکھنا شروع کی تھی اپنی اس کتاب کی ابتدا ہی میں انھوں نے یہ بات بتادی ہے کہ ہمارا معیار اور نصب العین وہی نعرہ فاروقی حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰه (بخاری مسلم) ہے. جو حضرت عمر فاروق اعظم نے محمد الرسول اللہ کے آخر وقت میں بلند کیا تھا. اور جس کی تمام صحابہ اور خود محمد الرسول اللہ ﷺ نے عملاً تائید فرمائی تھی ورنہ اگر یہ نعرہ غلط ہوتا تو کوئی صحابی اٹھ کر اس کی تردید کرسکتا تھا. بلکہ اگر خود محمد الرسول اللہ اُسے درست نہ سمجھتے تو حضرت عمرؓ کو ڈانٹ دیتے. اور اس کی تردید کردیتے۔ مرزا حیرت اپنے اس اصول کے متعلق کتاب شہادت کے پہلے مقدمہ کے شروع ہی میں تفصیل سے لکھتے ہوئے بتاتے ہیں۔

اے چاند و سورج اور کروڑہا ستاروں کو فضا میں ایک مرکز پر قائم رکھنے والے اللہ تیرے احسانات کو ہم کہاں تک گنوائیں تو نے روحانی اور جسمانی دونوں نعمتیں ہمیں بخشی ہیں۔

شکر نعمت ہائے تو چندانکہ نعمت ہائے تو

ان نعمتوں میں ایک نعمت بہت بڑی تو نے ہمیں اپنی کتاب دی جو متقیوں کی ہدایت کرتی ہے اور اس میں کسی طرح بھی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ وہ کتاب. فرقانِ حمید یعنی قرآن کریم ہے جسمیں یہ دعویٰ کیا گیا ہے. وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ (سورہ بقرہ:۲۳) ''یعنی قرآن کریم جو ہم نے اپنے بندہ محمد رسول اللہ پر نازل کیا ہے اگر تمہیں اس میں ہمارے کلام ہونے میں شک ہے تو اسکی آزمائش کی سہل ترکیب یہ ہے کہ تم اس جیسی ایک ہی سورت بنالاؤ جس کے ہر جملہ میں معرفت اور حکمت کے صدہا راز پوشیدہ اور ظاہر ہیں مگر ایسا نہیں کر سکتے پھر کیوں اپنا راستہ جہنم میں کرتے ہو۔'' غلط روایتوں کی کتابوں کو چھوڑ دو جن میں سوائے فضول اور گمراہ کرنے والی کہانیوں کے کچھ بھی نہیں رکھا اور قرآن مجید کو مضبوطی سے دانتوں میں پکڑ لو جسکی نسبت خالق ارض وسما ہدایت کرتا ہے.
خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ . (سورۃ الاعراف:۱۷۱) اور پکڑو جو ہم نے دیا تمہیں (یعنی قرآن کریم) زور سے اور یاد کرتے رہو جو اس میں لکھا ہوا ہے شاید تمہیں ڈر ہو اور پھر تم محبوب کبریا اور اسکے راشدین صحابہ کو بُرا کہنے سے محفوظ رہو اور ان کی سچی بزرگی تمھارے دل پر پوری نقش ہو جائے۔ مسلمان ہو کر قرآن کریم کو پس پشت ڈالنے والے بدنصیب گروہ تو اِدھر اُدھر کی ناپاک کہانیوں کی کتابیں تو اچھی طرح دیکھتا ہے مگر قرآن کریم کو تو نے اپنے اوپر حرام کر لیا ہے. دیکھ خدا تعالیٰ تیری نسبت کیا حکم کرتا ہے.
نَبَذَ فَرِيقٌ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ. (سورۃ بقرہ:۱۰۱) کتاب پانے والوں میں سے ایک جماعت نے اللہ کی کتاب اپنے پس پشت ڈال دی گویا کہ انہیں معلوم نہیں قرآن مجید کا پڑھنا اسے یاد کرنا اور اس پر عمل

کرنا یہ سب تم نے بالائے طاق رکھدیا کیا اسی منہ سے تم سرخروئی حاصل کرنا چاہتے ہو اور تمہیں اپنی نجات کی امید ہے۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے. وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا. اور اللہ کی کتاب کو ہنسی میں نہ اڑاؤ اور اسے مذاق نہ ٹھہراؤ دیکھنا تمہارے لئے یہ کسی طرح بہتر نہیں ہے۔ کم بختو جانے دو اور دیرینہ خباثت کو دلوں سے نکال دو. اور وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا. (سورۃ آل عمران:۱۰۳) مضبوط پکڑو اللہ کی رسی سب ملکر اور پھوٹ مت ڈالو. پھر خداوند تعالیٰ ارشاد کرتا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا . فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا. اے لوگو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس سند پہنچ چکی ہے. اور ہم نے تم پر واضح روشنی اتاری سو جو یقین لائے اللہ پر اور اسکو مضبوط پکڑا تو ان کو داخل کرے گا اللہ رحمت میں اور فضل میں اور انہیں اپنی طرف سیدھی راہ سے پہنچائے گا. یہ دیکھ کے کلیجہ شق ہو جاتا ہے کہ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰه کہنے سے تمہارے تن بدن میں مرچیں لگ جاتی ہیں اور تم جل بھن جاتے ہو اور پھر تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ ہم مسلمان ہیں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ٥ خداوند تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے. قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ ، سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ. تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور بیان کرتی ہوئی کتاب آئی ہے جس سے اللہ راہ پر لاتا ہے اور جو کوئی سلامتی کے راستہ پر اسکی رضامندی کا طالب ہو کے چلتا ہے وہ اسے اپنے حکم سے تاریکی سے روشنی میں لاتا ہے اور انہیں سیدھی راہ چلاتا ہے مگر وہ گروہ جب اس سے یہ کہا جائے کہ ہمارے لئے کتاب اللہ بس ہے تو وہ ناک بھوں چڑھاتا ہے۔ بھلا کیونکر ہو سکتا ہے کہ اسے بے ایمانی کی تاریکی سے روشنی میں نکلنا نصیب ہو وہ ابدالآباد اسی تاریکی میں پڑا رہے گا۔ مجتہدوں کے خرافات اور نالائق باتوں کو جس گروہ نے

اپنا دستور العمل بنالیا اور قرآن مجید کو چھوڑ دیا ان کے راہ راست پر آنے کی کیونکر امید ہوسکتی ہے۔ اسکا فیصلہ اے رب کریم تو نے کیا صاف الفاظ میں فرمایا۔ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ. (الانعام:۱۵۳) اور بیشک میری یہ راہ ہے سیدھی سو اسپر چلو اور مت چلو کئی راہیں. پھر یہ راہیں تمھیں اسکی راہ سے متفرق کردینگی. یہ تمھیں خوب جتادیا ہے. شاید تم بچتے رہو. خدائے تعالیٰ کی کتاب ترک کرنے سے بجائے خدا پرستی کے تعزیئے پرستی، ضریح پرستی ، دُلدل پرستی حسینؓ پرستی، علیؓ پرستی، میراں پرستی، سدو پرستی، قبر پرستی تم نے اختیار کر لی. بھلا متفرق راہوں سے منزل مقصود یعنی خداوند تعالیٰ کی مرضی کیونکر حاصل ہوسکتی ہے. تمہارے ساتھ جو کچھ رب العزت سلوک کرے گا. اس کا بیان خود اس نے اپنی کتاب میں فرمادیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے. سَنَجْزِی الَّذِیْنَ یَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰیٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا یَصْدِفُوْنَ . (سورۃ الانعام:۱۵۷)

جو ہماری آیتوں سے کترا کے چلے گئے ہیں. ہم انہیں بغیر سزا دیئے نہیں رہنے کے وہ سزا یا عذاب طرح دینے کا دیا جائیگا. اور بہت ہی بُری طرح کا عذاب ہوگا. وہ امام یا مجتہد یا قبلہ و کعبہ جنھوں نے خدا پرستی کی جگہ علیؓ پرستی اور حسینؓ پرستی وغیرہ دنیا میں قائم کی کیونکر. اس شدید عذاب سے بچ سکتے ہیں؟ انہیں تو ان کے اعمال کی خوب سزا مل رہی ہے۔ مگر اسوقت تمھارے لئے خدا وند تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کرنے کا زمانہ ہے کاش تم سمجھو اور نصیحت حاصل کرو. وَاتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ. چلو اس پر جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے اور اسکے سوا ہر گز ہر گز ان اماموں کے پیچھے نہ چلو جو اپنی طرح تمھیں بھی جہنم کا وارث بنادینگے. ان صریح باتوں پر تو بہت کم دھیان رکھتے ہو. تمہارے اماموں نے تمھیں بالکل کہیں کا نہیں رکھا وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور تمھیں بھی گمراہ کیا بس ان کی پیروی چھوڑ دو اور خدا کی روشن کتاب کو اپنی حقیقی نجات کی کنجی سمجھ کے اپنے اماموں اور مجتہدوں کی شاعرانہ تراش کو سنڈاس میں پھینک دو. تمہارے

اماموں اور مجتہدوں نے افترا کیا ہے. حضرت علیؓ جو مثل اور بندوں کے ایک عاجز بندے خدا کے تھے. کو فضیلت دے کر خدا کے ساتھ ملا دیا ہے اور ہر وقت انہیں خدا سے سرگوشی کرنے والا بیان کیا ہے. کہیں علیؓ کیوجہ سے حضرت آدم کو معتوب بنایا کہیں نوح وسلیمان، داؤد، یعقوب علیہم السلام کو خدا کا نہیں بلکہ حضرت علیؓ کا دست نگر بتایا ہے. کہیں خدا پر افتراء باندھا ہے کہ اس نے حضرت علی کو جنوانے کے لئے آسمان سے بہت سے فرشتے، حوریں اور جبریل کو بھیج دیا تھا. کہیں ذات باری کے نور سے حضرت علیؓ کے نور کو پیدا کیا ہے. کہیں علیؓ (☆) کو مثل خدا کے دائم اور حی وقائم بتایا ہے۔

☆ جن باتوں کا ہم نے یہاں اشارہ کیا ہے کہ کیا کیا باری تعالیٰ پر افتراء کئے گئے اس کا مفصل ذکر آگے چل کے معجزات وفضائل علی ابن ابی طالبؓ اور حسینؓ وغیرہ میں مع حوالہ کتب آئے گا۔

اسی طرح حضرت امام حسین کے معاملہ میں تم نے خدا پر افترا باندھا ہے. کہیں یہ لکھا ہے کہ خدا نے جبریل بھیج کے بی بی فاطمہؓ کی چکی پسوائی. غرض اس قسم کی افترا پردازیاں تمہارے اماموں اور مجتہدوں نے جو فیصلہ خداوندی کے مطابق جہنم کے سچے وارث ہیں خداوند تعالیٰ کی ذات پر کی ہیں. کہ کسی گمراہ سے گمراہ فرقہ نے بھی ایسے افترا اپنے خالق پر نہ باندھے ہونگے. تمہیں معلوم ہے کہ خداوند تعالیٰ نے تمہارے متعلق اپنی کتاب مبین میں کیا فیصلہ کیا ہے. چنانچہ وہ فرماتا ہے. فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ اُولٰٓئِکَ یَنَالُھُمْ نَصِیْبُھُمْ مِّنَ الْکِتٰبِ پھر اس سے ظالم کون ہے جو افتراء کرے اللہ پر یا جھٹلائے اسکے حکم کو وہ لوگ عذاب کا وہ حصہ پائیں گے جو کتاب میں یعنی قرآن مجید میں لکھا جا چکا ہے. وہ بدنصیب گروہ ہے جو حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ کہنے والے کا جانی دشمن ہو گیا. اور ابتک اس والا شان قائل کی ذات اقدس واطہر میں بدزبانی کر کے اپنے مجتہدوں اور اماموں سے زیادہ اپنے کو جہنم کا وارث قرار دے رہا ہے. مگر خدا تعالیٰ حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ کہنے والے کی بڑی کھلے الفاظ میں تائید کرتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے. وَالَّذِیْنَ یُمَسِّکُوْنَ بِالْکِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ. جن لوگوں نے ہماری

کتاب سے تمسک کیا اور نماز قائم کی ہم ایسی نیکی کرنے والوں کا ثواب ضائع نہیں کرتے اس سے زیادہ صریح الفاظ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰه کہنے والے کیلئے اور کیا ہو سکتے ہیں مگر جن لوگوں نے حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰه کو جھٹلایا اور اس سے ناک بھوں چڑھائی ان کو اس صورت سے عذاب دیا جائے گا۔ کہ وہ مطلق نہیں سمجھنے کے کہ یہ عذاب کیونکر اور کس طرح نازل ہو رہا ہے۔ مثلاً خداوند تعالیٰ نے اس گمراہ گروہ کی صورتیں مسخ کر دیں ہیں کہ اگر ایک شخص سو آدمیوں میں کھڑا ہوا ہو تو علیحدہ پہچانا جاتا ہے۔ یہی عذاب ایسا ہے کہ انہیں اسکی مطلق خبر نہیں۔ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (الاعراف :۱۸۲) اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم انہیں ایسا سہج سہج پکڑینگے کہ انہیں ہماری گرفت کی مطلق خبر نہیں ہونے کی۔ سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں اور جو ابھی تک اس حکم یا وعید خداوندی سے غافل ہیں۔ وہ آئندہ اتنی بات ضرور سمجھ لیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خوش نہیں ہے۔ تیرا فرمان اے رب العرش بالکل سچ ہے اور کوئی بات تو نے ہماری ہدایت کے متعلق باقی نہیں چھوڑی کہ ہمیں علیؑ پرستی اور حسین پرستی کی اُس لئے ضرورت ہو تو خود فرماتا ہے وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ اپنے محبوب سے خطاب فرماتا ہے۔ اور اتاری ہم نے تجھ پر کتاب بیان کرنے والی ہر چیز کی اور ہدایت کی اور رحمت اور حکم برادروں کے لئے خوشخبری۔ جب لکل شئے کے الفاظ صاف طور پر موجود ہیں پھر کیوں نہیں جھوٹی روایتوں کی کتابوں کو جلا دیا جاتا کیونکہ ان کتابوں کے مصنفوں نے خدا پرستی کو بہت کچھ نقصان پہنچایا ہے جو کچھ انہوں نے اپنی قوم کے لئے مسالہ جمع کیا ہے۔ وہ ایسا متعفن۔ غلیظ اور ناپاک ہے کہ اگر اسے پیش کر دیا جائے تو لوگ تھوتھو کرنے لگیں اور حکومت کا قانون ضرور ان فحش باتوں پر باز پرس کرے۔ تزکیہ نفس اور پاکیزگی کیلئے تو قرآن مجید بس ہے تمام مخلوق اور کائنات کا ذرہ ذرہ بآواز بلند یہ پکارتا ہے حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰه بڑی ہے تیری شان اے رب کریم۔ تیرا جلال تمام عالموں پر محیط ہو آمین۔

کسی کی مصیبتیں بیان کرنے سے کبھی نجات نہیں مل سکتی۔ بدنصیب اور شور بخت

مجتہدوں نے یہ فتویٰ دے دیا ہے کہ کسی کی فرضی مصیبتوں پر رونا جنت کی کنجی ہے. قرآن مجید سے یہ لوگ ایسا بھاگتے ہیں جیسا لاحول سے شیطان کافور ہوتا ہے. قرآن مجید کی وقعت اپنے مریدوں میں کم کرنے کے لئے وہ جھوٹی باتیں انہوں نے تراشی ہیں کہ دیکھ کے ایک خدا پرست شخص کے آنسو نکل آتے ہیں. جیسا کہ امام جعفر یا باقر والی اونٹ کی ہڈی ہے. (☆)

☆ اس ہڈی والی روایت کا مفصل بیان اپنی جگہ آئے گا۔

کافی کلینی والے نے ان میں سے ایک شخص کی زبانی اپنے مرید کو یہ کہلوا دیا تھا کہ تمہارے قرآن سے اس ہڈی پر تین حصے زیادہ عبارت لکھی ہوئی ہے. اور اس میں کل وہ باتیں ہیں جو بنی آدم کو قیامت تک پیش آنے والی ہیں جسکے معنے یہ ہیں کہ قرآن مجید اس ہڈی کی تحریر کے آگے ایک بے وقعت چیز ہے یہی لوگ ہیں کہ جب ان کے آگے خدا کا کلام پڑھا جاتا ہے تو پیٹھ موڑ کے چلتے ہوتے ہیں. اور انہیں اونٹ کی ہڈی کے مقابلہ میں سخت برا لگتا ہے.

وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا. وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا (الاسراء: ۴۵-۴۶)

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے آپ کے قرآن پڑھتے وقت ہم ان میں اور آپ میں ایک پردہ ڈال دیتے ہیں اور انکے دلوں پر اوٹ قائم کر دیتے ہیں تا کہ سمجھنے کی توفیق ہی نہ ہو اور ان کے کان ثقیل کر دیتے ہیں. پھر ان کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ ادھر قرآن پڑھا گیا اور ادھر وہ بدک کے بھاگے جب حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰه کہنے والے کے جانی دشمن ہیں پھر وہ کب گوارا کرینگے کہ ان کے آگے کتاب اللہ پڑھی جائے اور انہیں اسکے سننے کی برداشت ہو. قرآن مجید کا صریح معجزہ یہ ہے کہ اس سے روحانی شفا حاصل ہو، اور تمام باطنی امراض جاتے رہیں. مگر ان لوگوں کے جنہوں نے اپنے روحانی امراض کو محسوس کر لیا ہے اور اس بات پر ایمان لے آئے ہیں کہ خدا کا کلام ہمیں روحانی بیماریوں سے چنگا کر دیگا. مگر جنکا۔ ایمان اس پر نہیں

ہے انہیں سوائے گمراہی کے کچھ حاصل نہیں ہوسکتا جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے. وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَاهُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا. (الاسراء:۸۲) ایمان والوں کی رحمت ہے اور قرآن مجید روحانی امراض کا علاج ہے مگر ظالموں کو نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا. بلکہ ان کا روحانی نقصان ترقی کرتا رہتا ہے. جو کتاب آسمان سے حق کے ساتھ نازل کی گئی ہو اور ایک مبشر اور نذیر کی مبارک زبان سے عامہ خلائق کے آگے پڑھی گئی ہو اسکی نسبت یہ کہنا بلکہ اس پر ایمان رکھنا حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کیا اعلیٰ درجہ کی ایمانداری اور روحانی برتری نہیں ہے وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا. (الاسراء:۱۰۵) اور ہم نے یہ قرآن سچ کے ساتھ اتارا اور اے محمد ابن عبد اللہ تجھے سچ کے ساتھ بشیر اور نذیر بنا کے بھیجا. ابدی محرومی میں پڑ جائیں وہ لوگ جو قرآن مجید کو جو حق کے ساتھ اتارا گیا ہے اپنا دستور العمل نہ بنائیں خدا وند تعالیٰ اپنے دیدار کے شرف سے انہیں ہمیشہ محروم رکھے۔

مگر جس نیک اور روشن ضمیر گروہ نے حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کو اپنا وظیفہ بنالیا ہے. جن میں سے لاکھوں آدمیوں نے اس آسمانی کتاب کے نقوش کو اپنے دل پر لکھ لیا ہے اور جو ہر وقت قرآن مجید ہی کی روشن آیتوں کا ورد رکھتے ہیں. اور جو پاکباز گروہ رمضان المبارک کے مہینہ میں شب کو روزہ کھول کے اور نماز مغرب کے بعد نہایت خضوع وخشوع کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں قرآن مجید پڑھنے کھڑا ہوجاتا ہے اور ان میں رقیق القلب قرآن سنتے وقت روتے اور سجدے میں گر پڑتے ہیں وہی خداوند تعالیٰ کے پاک اور فرمانبردار بندے ہیں. خداوند تعالیٰ انہیں راستباز لوگوں کی نسبت فرماتا ہے۔ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْلَا تُؤْمِنُوْا اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا. وَّ يَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا. (الاسراء:۱۰۷تا۱۰۹)

خداوند تعالیٰ اپنے حبیب کی زبان میں اس نافرمان مخلوق کے آگے جو حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ کہنے سے جل جاتی ہے یہ فرماتا ہے. تم مانو یا نہ مانو مگر جنہیں علم معرفت ملا ہے ان کے آگے جب قرآن مجید پڑھا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں پاک ہے ہمارا رب اور بیشک ہمارے رب کا وعدہ شدنی ہے اور وہ زاری اور خلوص سے نہایت خشوع کے ساتھ اپنے رب کا جلال دیکھتے ہوئے پیشانیاں ٹھوڑیوں کے بل زمین پر ٹکا دیتے ہیں اور اپنے رب کے حضور میں حاضر ہو کے نہایت اخلاص. نہایت فروتنی اور انتہا درجہ عاجزی سے بفرط محبت وادب نجات کے حقیقی وارث ہیں. باقی کتاب اللہ کے نہ سننے والے اور حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ پر منہ بنانیوالے مقہور بارگاہ صمدی ہیں.

وہ بدنصیب جو خداوند تعالیٰ کی آیتوں سے منہ پھیرتے ہیں دنیا میں بھی خسارہ سے رہیں گے اور آخرت میں اندھے گنے جائیں گے. انہیں سعادت دارین حاصل ہی نہیں ہونیکی. کتابِ خدا کے آگے قصے کہانیوں کو ترجیح دینا اور ہر وقت ان ہی کا ورد رکھنا اشرف المخلوقات کے لئے زہر ہلاہل ہے. پھر طرۃ یہ کہ ان واہی تباہی کتابوں سے خداوند تعالیٰ کا قرب ڈھونڈنا کیسی خیرہ چشمی اور سوءِ ادبی ہے. اے احسان فراموش ظالم انسان تزکیہ نفس اور ابدی نجات کے لئے قرآن مجید کے سوا اور کوئی کتاب تو پیش کرسکتا ہے. جس سے روحانی نجات کا راستہ ملے۔ نہیں ہرگز نہیں. تو یقین جان اگر تو نے خدا کو چھوڑ دیا تو نہ یہاں تیری فلاح ہوگی اور نہ تجھے وہ حقیقی بصارت دی جائے گی جس سے تو اپنے خالق کا جلال دیکھ سکے. تیرے خالق نے تیرے لئے اپنی پاک کتاب میں خود اسکا فیصلہ کر دیا ہے چنانچہ فرماتا ہے وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیْشَۃً ضَنْکاً وَّ نَحْشُرُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَعْمٰی. قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْٓ اَعْمٰی وَقَدْ کُنْتُ بَصِیْرًا. قَالَ کَذٰلِکَ اَتَتْکَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَھَا وَ کَذٰلِکَ الْیَوْمَ تُنْسٰی. (طٰہٰ: ۱۲۴ تا ۱۲۶) اور جس نے ہماری یاد سے منہ

پھر اس کو ہم تنگی کی گزران میں مبتلا کر دیتے ہیں اور قیامت کے دن ہم اسے نابینا اٹھائیں گے وہ بدنصیب فریاد کرے گا کہ اے میرے رب میں تو زندگی میں اندھا نہ تھا تو نے آج مجھے اندھا کیوں کر دیا۔ بارگاہ خداوندی سے ارشاد ہوگا کہ تو نے ہماری آیتوں کو یعنی ہماری کتاب کو زندگی میں بھلا دیا تھا اُسکا بدلہ یہ ہے کہ اب ہم تیری طرف سے اپنی رحمت کی نظریں پھیر لیتے ہیں اور تجھے بھلا دیتے ہیں۔اور اسی طرح ہمارا یہ ارشاد ہے وَكَذٰلِكَ نَجْزِىْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى. (طٰہٰ:۱۲۷) کہ جو شخص حد سے تجاوز کر گیا اور اپنے رب کی کتاب اور اسکی روشن آیتوں پر ایمان نہ لایا تو اسے آخرت کا عذاب وہ چکھایا جائے گا جو انتہا درجہ سخت اور دیرپا ہے۔

تم آخر اپنے خالق کے ارشاد کو کہاں تک ٹالتے رہو گے اخیر ایک دن اس نازیبا حرکت سے تمہیں پچھتانا پڑے گا تمہارے ہی لئے تو یہ کتاب اتاری گئی اور تمہارے ہی لئے اسمیں ہدایت بھری ہوئی ہے جس کی شہادت خود یہ کتاب دے رہی ہے۔ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ. (الانبیاء:۱۰) ہم نے تمہاری طرف کتاب نازل کی ہے اور اس میں تمہارا ذکر ہے کیا تمہیں اتنی بھی عقل نہیں ہے۔کہ تم اس بات کو سوچو کہ تمہارے خالق کی طرف سے تم پر کتنا بڑا احسان کیا گیا ہے مگر تم ایسے نادان ہو کہ اسے نہیں سمجھتے۔ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ. بلکہ غضب یہ کرتے ہو کہ ایسے رحیم کریم حقیقی محسن کے ذکر سے اعراض کر جاتے ہو وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ. (الانبیاء:۵۰) اور یہ ایک برکت کی نصیحت ہے جو ہم نے اتاری۔اے بدنصیبو کیا تم اسکو نہیں مانتے وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يُّرِيْدُ یہ قرآن مجید کھلی کھلی اور صاف صاف نصیحتوں سے مملو ہم نے اتارا ہے اصل بات تو یہ ہے کہ اس کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی اللہ ہی جسکو چاہتا ہے توفیق دیتا ہے۔اور عقل پیدا کر دیتا ہے۔اپنی ڈھٹائی اور

ہٹ سے تم نے یہ روز بد اپنے لئے خود خرید لیا ہے کہ اپنے شریر النفس اماموں کی کتابوں پر گرویدہ ہو کے تم نے کلامِ خدا چھوڑ دیا. اسی لئے گمراہی کی تیرہ و تار گھٹا نے تمہیں چاروں طرف سے گھیر لیا تمہیں پھر بھلا کیونکر اسکی توفیق ہو سکتی ہے کہ تم اُس ان دیکھے اکیلے رب کی کتاب پر ایمان لاؤ اس پر عمل کرو اور خالص اسی کو اپنا دستور العمل بناؤ. اس ہولناک دن سے ڈرو جب فوج فوج اپنے خالق کے سامنے جمع کئے جاؤ گے اور اس وقت دریافت کیا جائے گا کیوں تم نے قرآن مجید پر عمل نہیں کیا. اور کیوں تم نے ہماری کتاب کی آیتوں کو جھٹلایا اُس وقت نہ میاں مجتہد کام دینگے اور نہ امام اور نہ کوئی قصہ نویس اور نہ خدا کے عاجز بندے علیؓ، حسنؓ، حسینؓ خالق ارض و سما فرماتا ہے. وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ. (النمل:۸۳) اور جس دن گھیر کے بلائینگے ہم ہر فرقہ میں سے ایک جماعت کو جو ہماری باتیں جھٹلاتی تھی.

حَتّٰى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ وَ وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ. (النمل:۸۴-۸۵) جب یہ سب لوگ حاضر ہو جائینگے تو دریافت کیا جائے گا کہ تم نے میری باتوں کو کیوں جھٹلایا کیا قرآن مجید کی کھلی کھلی نصیحتیں تمہاری سمجھ میں نہ آئی تھیں۔ بولو تم نے اپنی جانوں پر کیسا غضب ڈھایا سوائے تمہاری شرارت کے اور کیا سمجھا جاسکتا ہے اُس وقت یہ لوگ سرنگوں ہونگے اور حرف زدن کا یارا اُن میں نہ ہو گا خجالت سے گردن نیچی کئے کھڑے رہیں گے. اور پھر دائمی محرومی کے گھر بھیج دیئے جائیں گے.

ان انقطاعی فیصلوں اور وعیدوں کے بعد خداوند ارض و سما نے اپنے حبیب کی زبانی آخر یہ کہلوادیا. وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ. وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ. (النمل:۹۱-۹۲) مجھے

تو یہی حکم ہے کہ میں حکم برادر بنا رہوں اور تمہیں قرآن سنا دوں. قرآن سُن کے جس نے ہدایت پالی تو اپنا ہی کچھ بھلا کیا اور جو بیکار رہا تو خداوند تعالیٰ کی طرف سے ڈر سنانے والا ہوں. تم جانو تمہارا کام جو حکم مجھے ہوا تھا کہ خدا کا کلام تمہیں سنا دوں میں نے پورا کر دیا اب ایمان لانا نہ لانا تمہارا فعل ہے"۔ (کتاب شہادت کا پہلا مقدمہ صفحہ نمبر ۱۷ تا ۲۵)

تعارف کتاب شہادت:۔ مرزا حیرت کے اس اصول کا مطالعہ کرنے کے بعد مناسب ہے کہ ہم ان کی کتاب شھادت کی ہر جلد کے مندرجات کا مختصر تذکرہ کر دیں.

پہلا مقدمہ:

حمد ونعت اور اپنے اصول حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ کو بیان کرنے کے بعد اس پہلے مقدمہ میں خلفائے راشدین. حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ حضرت عمر فاروق اعظمؓ، حضرت معاویہؓ اور حضرت خالد بن ولیدؓ پر جو اعتراضات کئے گئے ہیں ان کا جواب دیا گیا ہے.

دوسرا مقدمہ:

کتابِ شہادت کے دوسرے مقدمہ میں تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ حضرت علیؓ کی شیعہ امامت قرآن کریم سے ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ جن آیتوں کا مطلب اپنی مصنوعی روایات کا ضمیمہ لگا کر توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ان کوششوں کی کیا حقیقت ہے آخر میں حضرت علیؓ کی شخصیت وسوانح کے متعلق اپنے نقطہ نظر کا خلاصہ ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔

"ہم حضرت علیؓ کو جو کچھ سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ آپ ایک دیندار، راستباز مسلمان تھے اور مثل دیگر صحابہ کے حضور انور آپ پر بھی نظر التفات رکھتے تھے. آپ کا ظاہر وباطن ہمیشہ یکساں رہا اور آپ مثل دیگر حجازی عربوں کے نہایت بہادر اور دلیر تھے خوارج جو آپ کو کافر مطلق کہتے ہیں جھوٹے ہیں اسی طرح دوسرے گروہ کے لوگ جنہوں نے آپکو نبی سے ملا دیا ہے وہ بھی

دوروغ گو ہیں۔ رسول اللہ نے کبھی آپ کو امام نہیں بنایا نہ آپ نے اس بات کا دعویٰ کیا کہ مجھے رسول اللہ امام بنا گئے ہیں۔ یہ بھی خداوند تعالیٰ کی بہت بڑی حکمت تھی آپ امام نہیں بنائے گئے۔ کیونکہ آپ میں انتظامی قابلیت کی اس قدر کمی تھی کہ آپ کا کوئی مقرر کردہ گورنر آپکا مطیع ہو کے نہیں رہا. دوسری کمی یہ تھی کہ آپ نے اپنے نالائق رشتہ داروں کو بڑے بڑے اور ذمہ داری کے عہدے سونپ دیئے تھے. چونکہ انتظامی مادہ آپ میں بہت کم تھا آپ دوسرے کی قابلیت کا بھی موازنہ نہیں کر سکتے تھے. آپ کے مقرر کردہ گورنروں یا عاملوں کو آخور کی بھرتی کہنا بے جانہ ہوگا۔ کیونکہ نہج البلاغت میں جو شیعی علماء بڑے فخر سے آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں حضرت علی کے رونے پیٹنے کی داستانیں بھری ہوئی ہیں کہ فلاں عامل بیت المال کا روپیہ اُڑا رہا ہے اور فلاں نے عیش اُڑانے کے لیئے سینکڑوں لڑکیاں محل میں بھر لی ہیں۔ اب تم اپنی حالت سنبھالو ورنہ جہاد کرونگا نہ کسی کی حالت درست ہوئی اور نہ آپ نے اپنے رشتہ داروں کو گورنریوں سے علیحدہ کیا۔ زاہد تھے عابد تھے. متقی تھے. سب کچھ تھے مگر جہانداری کا دماغ خدا تعالیٰ نے آپ کو نہیں بخشا تھا. آپ بالکل مجبور تھے اچھا دماغ کیونکر پیدا کر سکتے تھے۔ حضرت فاروق اعظمؓ تو ایک طرف، انتظامی قابلیت میں تو حضرت معاویہؓ سے بھی آپ کو کوئی نسبت نہ تھی. کیونکہ حضرت معاویہؓ کی جہانداری اور ملکی انتظام کی قابلیت کا ادنیٰ نمونہ یہ ہے کہ آپ کی کل رعایا آپ سے انتہا درجہ خوش تھی اور فوج تو آپ پر جان فدا کرتی تھی یہاں تک کہ خود حضرت علیؓ نے اس کی تعریف کی ہے اور یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر حضرت معاویہؓ اس بات پر راضی ہو جائیں کہ ایک سپاہی کے بدلہ مجھ سے کئی کئی سپاہی لے لیں تو میں اس تبادلہ پر بہت خوش ہوں گا. ہر مقام پر جو اُنھوں نے اپنے فوجی لوگوں کو بُرا بھلا کہا ہے. اس سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ خود اپنی ہی فوجوں کو اپنے قابو میں رکھنے کی قابلیت آپ میں نہ تھی. یہ ساری باتیں بطور مشاہدہ کے ہیں جن سے کوئی بھی انکار

نہیں کرسکتا. اس زمانہ میں سچی سچی باتیں کہنے والا بُرا لگتا ہے اور لوگ اپنے تعصب میں اندھا دھند جو چاہتے ہیں اُس کی نسبت کہہ گزرتے ہیں مگر عقلمند سمجھتے ہیں کہ یہی سچی باتیں عین اسلام ہیں اور فی الحقیقت کسی کی ناک بھوں چڑھانے سے اصل واقعات پر پردہ نہیں پڑ سکتا۔ ہمارے دل میں حضرت علیؓ کی اُتنی ہی محبت ہے جتنی ایک پاک اور صادق مسلمان کی ہو سکتی ہے ہم اُنھیں ایک راستباز مسلمان سمجھ کے اُن کی عزت کرتے ہیں مگر ساتھ ہی اُن کمزوریوں کو بھی تسلیم کرتے ہیں جو فطری طور پر ان میں ودیعت ہوئی تھیں. وہ شیر دل تھے. جان باز تھے. حضور انور رسول خدا کے فدائی تھے سب کچھ تھے مگر امامت اور خلافت کے لئے ان کا دماغ قدرت کی طرف سے موزوں نہیں بنایا گیا تھا. وہ اچھے مشیر بننے کی ایک حد تک قابلیت رکھتے تھے مگر حکومت کرنے کا مادّہ اُن میں پیدا ہی نہیں ہوا تھا. چنانچہ اسکا اقرار خود حضرت علیؓ نہج البلاغۃ میں کرتے ہیں کہ ”بہ نسبت خلیفہ ہونے کے میں وزیر ہونا زیادہ پسند کرتا ہوں۔“ مطلب یہ ہے کہ اپنی قابلیت کا احساس خود حضرت علیؓ کو بھی تھا. اور آپ چونکہ راست باز تھے اس لئے اپنی کسی کمزوری کو چھپاتے نہ تھے۔

ضمیمہ مقدمہ دوم یہاں ختم ہوتا ہے۔ جس تحقیق اور انصاف سے یہ مقدمہ لکھا گیا ہے پڑھنے والا بالاضطرار اسکی داد دے گا. کوئی بات ایسی تحریر نہیں کی گئی جس کی بنیاد کمزور ہو یا اُس کا کچھ جواب ہو سکے. ہاں یہ مجھے دعویٰ ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے بے کم و کاست سب سچا ہے اور تمام شیعی دنیا مل کے بھی کسی ایک بات کی معقول تردید نہیں کرسکتی. انشاء اللہ (کتاب شہادت کا دوسرا مقدمہ صفحہ نمبر ۲۲۳ تا ۲۲۴)

تیسرا مقدمہ:

کتاب شہادت کے تیسرے مقدمہ میں حضرت علیؓ کے متعلق اُن مبالغہ آمیز اوصاف کی تحقیق کی گئی. جو حضرت علیؓ کو تمام انبیاء سے بڑھ کر اور رسول اکرم ﷺ کے ہمسر قرار دینے کے لیے گھڑے گئے ہیں. اور جن کے ذریعے حضرت علیؓ کو تمام صحابہ حتیٰ کہ

صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ سے زیادہ افضل اور مستحق خلافت قرار دینے کی سعی لاحاصل کی جاتی ہے اسی تیسرے مقدمہ میں ایک جگہ صفحہ نمبر ۱۹۴ پر جمل وصفین کے متعلق لکھتے ہیں۔

خود حضرت علیؓ ہی نے اِن لڑائیوں سے ہمیشہ اپنی ندامت اور نارضامندی کا اظہار کیا جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اِس بارے میں اُن کے پاس کوئی ایسی شرعی دلیل نہ تھی جو اُنکی رضامندی اور خوش دلی کا باعث ہوتی. خوارج سے جو جنگ علیؓ لڑے تھے اُس کی نسبت اپنی خوشنودی کا اظہار اُنہوں نے بارہا کیا ہے. جس سے معلوم ہوا کہ علی کو یقین تھا کہ یہ جنگ اللہ اور رسول اللہ کی اطاعت اور اللہ کے مقرب بننے کا پورا باعث ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ خوارج سے جنگ کرنے میں نصوص نبویہ اور ادلہ شرعیہ ایسی ہیں جو اُسے واجب کرتی ہیں۔

یہ جو کچھ ہم لکھ رہے ہیں فریقین سُنی وشیعہ کے مسلمات میں سے ہے مگر ہماری تحقیق میں جمل اور صفین کی جنگیں ایک افسانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں. ہم جو کچھ ان جنگوں کی بابت تسلیم کرتے ہیں اُسکا ذکر ایک مستقل باب میں آگے کریں گے. یہاں ہم اسقدر لکھنا چاہتے ہیں کہ اگر صفین اور جمل کی لڑائیوں کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر علی ومعاویہ مشکل سے رہ سکیں گے اور اُن کی نسبت نصوص بنویہ اور ادِلہ شرعیہ کا وہ فتویٰ دینا پڑے گا جسے نہ سنی قبول کریں گے اور نہ شیعہ ۔نہ اُنہیں گوارا ہوگا کہ حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے روایتی احترام کو مٹا کے اُنہیں ان جنگوں کے بعد ان کی اصلی صورت میں دکھایا جائے۔ (کتاب شہادت کا تیسرا مقدمہ صفحہ نمبر ۱۹۴)

اس جملہ معترضہ کے بعد ہم پھر اپنے اصلی مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

مرزا حیرت اپنی تحقیقات کو بڑی خود اعتمادی سے پیش کرتے ہیں اسی تیسرے مقدمہ کے آخر میں اپنی محنتوں کے متعلق تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"جس تحقیق اور انصاف سے یہ مقدمہ لکھا گیا ہے. اس کی تصدیق وہی لوگ کر سکتے ہیں. جنھیں صحیح روایتوں کا پورا علم ہے اور جو درائیت اور تنقید کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں. اور جنھوں نے حضور انور کے احوال عربی تمدن. اور صحابہ کے آثار اور معاشرت میں غور کیا ہے. یقیناً اِس کا ایک ایک استدلال اٹل ہے اور تمام دنیا مل کے بھی اس کو نہیں توڑ سکتی. ہم

نے ابتداء میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ محض خیال آفرینی پر ہمارے استدلال اور تنقید واقعات کی بناء نہیں ہوگی. بلکہ ہر واقعہ کا ایسا بدیہی ثبوت دیا جائے گا کہ لوگ آنکھوں سے دیکھ لیں گے. الحمد اللہ کہ اس میں کامیابی ہوئی. کسی کی مجال یہ نہیں ہے کہ اسکے کسی استدلال کو ضعیف ثابت کر سکے. اسکا توڑنا تو کجا.! عالم اور پڑھے لکھے شیعہ دم بخود ہیں اور کچھ ہوں ہاں نہیں کرتے. سچی بات یہ ہے کہ وہ کر بھی نہیں سکتے تحفہ وغیرہ کا جیسا اُنہوں نے جواب دیا ہے مگر اِس کے خلاف قلم اُٹھانا محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے. اسکی بیّن دلیل یہ ہے کہ شیعی علمی دنیا بالکل سناٹے میں ہے اور وہ اسی طرح سناٹے میں رہے گی. بدیہی بات کا جواب ہی کیا ہو سکتا ہے. ہر بات آنکھوں سے دکھادی پھر بھلا اِسکی تکذیب ہوش مند کیونکر کر سکتا ہے میں اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر کرتا ہوں کہ اپنے اِس مشن میں مجھے پوری کامیابی ہوگئی مسلمانوں پر جدید تحقیق کا دروازہ کھل گیا انہیں سچے سچے واقعات معلوم ہوگئے اور جن باتوں پر پردہ پڑا ہوا تھا. وہ روز روشن کی طرح چمکنے لگیں. غرض اصلی اور سچے واقعات ہر کہ ومہ کو معلوم ہوگئے . اِس سے مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونکی ہوئی معلوم ہوتی ہے. وہ زمانہ قریب آنے والا ہے کہ شیعہ سنی کا یہ جھگڑا تعلیم یافتہ جماعت میں بالکل مٹ جائے گا. ایک گروہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جو سچی باتوں کی قدر کرنے لگا ہے اور یہ گروہ سنی شیعہ دونوں میں سے بنا ہے۔ پرانے تعصبات جو محض جہالت کی وجہ سے پیدا ہوگئے تھے دور ہونے لگے ہیں اگر حق پوچھئے تو شیعہ سنی دونوں کے لیے کتاب شہادت نے آبِ حیات کا کام کیا ہے. شروع شروع میں لوگ اس کے نام سے بیزار تھے مگر اب اُن کی یہ بیزاری خواب وخیال ہوگئی ہے اور بڑے شوق سے اُس کا مطالعہ کرتے اور اصلی واقعات کے کھلنے سے خوش ہوتے ہیں. الحمد اللہ (کتاب شہادت تیسرا مقدمہ صفحہ ۲۱۶)

چوتھا مقدمہ:

کتاب شہادت کے چوتھے مقدمہ میں سنی شیعہ الٰہیات کے مسائل کا تقابلی مطالعہ قرآن کریم اور عقل عامہ (CommonSense) کی روشنی میں کیا گیا ہے اس مقدمہ کا ابتدائی نصف حصہ تاریخی سے زیادہ علم کلام کے فنی مباحث پر مشتمل ہے. دوسرے نصف حصہ میں اہل سنت پر کئے گئے اعتراضات کا جواب ہے۔

کتاب شہادت کی پہلی جلد:

سابقہ چار مقدمات کے بعد جس میں سے ہر مقدمہ سینکڑوں صفحات پر مشتمل ایک ایک جلد کی صورت میں ہے یہ کتاب حضرت علیؓ کی سوانح کے متعلق ہے اس کے آخر میں اگلی جلد کا تذکرہ کرتے ہوئے مرزا حیرت لکھتے ہیں.

"یہ شیعی داستان نویسوں کی عنایت ہے کہ کہانیوں کا اتنا انبار ہو گیا۔ حضرت علیؓ کے واقعات زندگی کے بیان میں یہ پہلی جلد ختم ہوئی ہے. دوسری جلد اس کے بعد آپ دیکھیں گے اس جلد میں جنگ صفین کا پورا قصہ وضاحت سے بیان ہو گا. آپ کے سیاسی. اخلاقی اور انتظامی معاملات پر پوری روشنی ڈالی جائے گی. نہج البلاغہ اور ایک دیوان پر جس کی نسبت آپ سے دی جاتی ہے پوری بحث ہوگی. آپ کی شہادت کی من وعن ساری کیفیت بیان کی جائے گی آپ کی نصائح اور ضرب الامثال کی پوری حقیقت کھولی جائے گی. غرض یہ دوسری جلد زیادہ دلکش ہوگی انشاء اللہ. اس کے بعد اصلی حالات سارے بیان کر دیئے جائیں گے جن پر اب تک پردہ پڑا ہوا ہے اس پہلی جلد میں جہاں تک انکشاف حالات ہوا ہے یہ بھی اس صدی کا ایک معجزہ ہے کہ وہ حالات جن سے علماء بھی نا آشنا تھے عامہ خلائق کے سامنے آ گئے. دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ ہو گیا۔ (کتاب شہادت جلد پہلی صفحہ ۵۲۶ تا ۵۲۷)

وفات:

مرزا حیرت صاحب نے ساٹھ برس کی عمر پائی اور ۱۹۲۸ء کے اوائل میں وفات پا گئے چھ بچے اور ایک بچی یادگار چھوڑے. ناصر الملک بی اے ولی عہد چترال جو دہلی میں فوجی تعلیم کی غرض سے آئے ہوئے تھے بنفس نفیس اظہار ہمدردی کے لئے دفتر میں تشریف لائے اور اپنی دو رباعیاں پیش کیں۔

(۱)

حیرت بنوشت قصۂ شاہِ شہید
حیرت نہ سپرد راہ جز راہِ شہید
مُردن بہ رہ علم شہادت باشد
گوئیم زحیرت ، حق آگاہ شہید

(۲)

چہ خوش گفت است دانائے کہ موت از زندگانی بہ
صفائی می دہد دل را . الم از شاد مانی بہ
خصوصاً حق شنا ساں را بہ مردن رغبتے باشد
کہ از رویائے بے اصلی' حیاتِ جاودانی بہ

ولی عہد چترال پرنس ناصر الملک کی ان دو رباعیات کے بعد حضرت امجد لاہوری کے چند قطعات بھی ملاحظہ ہوں۔

عالم کی ہے موت اِک عالم کی فنا
اور زندگی اس کی ہے اِک عالم کی بقا
گو موت کی دوا نہیں ہے امجدؔ
ہے علم مگر جہل کے عالم کی دوا

۲

اک شائق علم وزبان حیرت تھے
اور عالم خوش بیان حیرت تھے
تاریخ پہ تھا عبور ایسا امجدؔ
گویا کہ زبان داستان حیرت تھے

۳

دہلی کی زباں کے تھے وہ شیدا
تحریر سے ہے یہ رنگ ہویدا
لکھتے تھے کہ وہ سلیس اُردو امجدؔ
حیرت کے اس کمال پر ہر اک تھا شیدا

آخر میں مرزا حیرت کی ایک نظم پیش خدمت ہے جس سے انہوں نے ''ایک سچے عاشق زار مسلم کا قرآن کریم سے خطاب'' کے تحت اپنے تاثرات نظم کئے ہیں. تمہیدی سطور میں ہے لکھتے ہیں کہ اس نظم کا مقصد شاعری کا اظہار نہیں ہے بلکہ ایک سچے مسلم کی دلی وجد انگیز حالت کا اظہار کیا گیا ہے۔

عظمتِ قرآن کریم پر ایک عاشق صادق مسلم کا اظہار

(نتیجۂ افکار حضرت علامہ مرزا حیرت دہلوی)

اے قولِ پاک یزداں اے معجز نمایاں — اے نقش لوح محفوظ اے جان ورروح انساں
ہر لفظ میں ہے تیرے اک شان کبریائی — ہر قول میں ہیں تیرے سو معجزے درخشاں
تیرا شرف ہے بالا وہم و خیال سے بھی — تیری ہے وہ بزرگی جس کا نہیں ہے امکاں
سر چشمہ ہدایت کہنا تجھے بجا ہے — اے اصل دین وایماں اے پُر جلال فرقاں
اسرار وہ ہزاروں تجھ میں چھپے ہوئے ہیں — کہنہ کی جن کی اب تک پہنچا نہیں ہے انساں

دل سے فدا ہیں تجھ پر دین خدا کے پیرو
ہے تو ہی فخر اُن کا ہیں تجھ پہ ہی وہ نازاں

طرزِ بیاں نے تیری رام اُن کو کر لیا ہے
ناطق ہے اور حجت اُن پر ترا ہی فرماں

پتّہ ہے کس کا اِتنا کھولے زباں جو تجھ پر
زہرہ یہ کس نے پایا جو دو بدو ہو آ کر

جائے نزول تیری مکّہ ہے اور مدینہ
تیرا پیارا مولد بیت خدا ہے پہلا

کرتا ہے فخر تجھ پر تنہا نہ اک عرب ہی
نازاں نہیں ہے تجھ پر صرف ایک خاکِ بطحا

اب ہندو چین و ماچیں کرتے ہیں ناز تجھ پر
ہے شام و روم تجھ پر پھولا نہیں سماتا

تیرا ہے فیض جاری مشرق ہی میں نہ تنہا
مغرب میں گونجتی ہیں تیری صدائیں ہر جا

جتنا کہ تو ہے مشکل آسان بھی ہے ایسا
فاضل جہاں ہے ششدر، اُمّی وہاں ہے گویا

عقبیٰ کا صاف رستہ ہم کو بتا دیا ہے
سچ پوچھئے تو یہ ہے تجھ سے خدا کو پایا

تیرہ صدی ہوئی ہیں دنیا میں تجھ کو آئے
تیرا جلال اب بھی ہے روز شب چمکتا

ہو گی نجات اُن کو دنیا کے کب خطر سے
ہیں بدنصیب وہ ہی بھٹکیں جو تیرے در سے

بر حق ہے تیرا دعویٰ سچی ہے تیری حجت
لونڈی ہے تیری گھر کی ادنیٰ سی اک فصاحت

سب جن و انس مل کے دل سے اگر یہ چاہیں
لائیں بنا کے کوئی تیری سی ایک سورت

ممکن نہیں ہے ممکن ہرگز نہیں ہے ممکن
ہو نا نہیں کبھی یہ ہو جائے گر قیامت

مُردوں کو ہاں جلانا آسان ہے بلاشک
مع جسم آسماں پر جانے میں ہے نہ دِقّت

ناممکنات عالَم ممکن ہے اور آساں
لیکن نہ بن سکے گی تیری سی ایک سورت

تو ہے کلام باری کافی ہے بس یہ کہنا
پھر کیونکہ چل سکے گی آگے ترے طلاقت

دنیا کے کل مسلماں رکھتے ہیں دل میں تجھ کو
اور جانتے ہیں اپنی اس میں ہی بس سعادت

جو ہیں ہٹے کے پھوٹے اور عقل کے ہیں دشمن
ان پر تیرے دلائل اب تک نہیں مُبرہن

ہے فخر قاصدی کا روح الامیں کو تیری
کرتے ہیں خود محمد تیری بڑی بزرگی

حاصل شرف ہوا ہے کل انبیاء کو تجھ سے
عصمت کی ان کی تو نے دی آن کر گواہی

ادنیٰ گدا ہیں در کے تیرے بہت سلاطیں
عظمت ہے تیری غالب، ہے رعب تیرا ساری

اندھے کا تو دیا ہے لنگڑے کا تو عصا ہے
حامی یتیم کا ہے اور رانڈ کا ہے والی

میداں میں جنگجو کا تو ہے سے دل بڑھاتا
ہے ہاتھ میں تیرے ہی بالکل ظفر کی کنجی

دنیا کے سرکشوں نے مانا ترا ہے لوہا مغرب کے آج دل پر پوری ہے دھاک بیٹھی
مظلوم کی حمایت کی ہے مدام تو نے تو رحم کا ہے مصدر انصاف کا ہے حامی
کیا جان ہے کسی کی تیری طرف جو دیکھے حافظ ترا ہے باری اور اُسکے کل فرشے

(مرزا حیرت کے سوانحی حالات کے لیے ہمارے پیش نظر ان کی بہوامین خاتون بیگم عثمانیہ مرزا عثمان غنی صاحب محل تبامیاں بھوپال کی شائع کردہ کتاب ''دنیا کا آخری پیغمبر'' مؤلفہ مرزا حیرت کا دوسرا ایڈیشن ہے. جس میں اخبار دُرّہ عمرؓ مورخہ ۲۸ مارچ ۱۹۲۸ء کے حوالے سے یہ معلومات دی گئی ہیں. مرزا حیرت کی نظم بھی اسی کتابچہ سے لی گئی ہے.)

تبصرہ:۔ نواب محسن الملک اور مرزا حیرت دونوں ہم عصر تھے، ان سے ذرا پہلے اسلام اور تاریخ اسلام پر لکھنے والی ایک اور مشہور شخصیت مولوی چراغ علی (نواب اعظم یار جنگ) کی تھی. ان میں سے نواب محسن الملک اور مولوی چراغ علی تو خاندانی شیعہ تھے، سرسید کے گہرے دوست اور معتقد تھے. مرزا حیرت کا غالباً ننھیال شیعہ تھا، تربیت شیعہ ماحول کے زیر اثر پائی. مگر ان تینوں حضرات کا تحقیقی ذوق اپنے خاندانی مذہب پر قانع نہ رہ سکا. ان میں سے نواب محسن الملک کی کتاب ''آیات بینات'' (تین حصے) ہر جگہ مشہور ہیں. اس کا فارسی اور عربی خلاصہ بھی ہو چکا ہے. مولوی چراغ علی اور مرزا حیرت کی کتابوں نے اتنی شہرت نہیں پائی. اگرچہ ان کی محنتیں بھی رائیگاں نہیں گئیں اور ان کے اثرات کسی نہ کسی حد تک موجود ہیں مرزا حیرت کی کتاب ''کتابِ شہادت'' کے اثرات تقسیم برصغیر کے بعد شائع ہونے والی محمود احمد عباسی کی کتاب (خلافت معاویہؓ و یزید) تک میں پائے جاتے ہیں. مولوی چراغ علی (نواب اعظم یار جنگ) کی سب سے اہم انگریزی کتاب کا ترجمہ بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے ''اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام'' کے نام سے دو حصوں میں کیا ہے اور اس کے شروع میں مؤلف کے حالات بھی پیش کیے ہیں۔ مسلم برصغیر کی تمدنی تاریخ کے مؤلف شیخ

محمد اکرم (سی ایس پی) نے "موج کوثر" میں اس کی بڑی تعریف کی۔ بہرحال ان حضرات نے اپنی استطاعت کے مطابق مروجہ مذہب اور مروجہ تاریخ کا قرآن کریم کی روشنی میں جب مطالعہ شروع کیا، تو انہیں بہت سے مسائل و معاملات اور بعض مشہور واقعات و حادثات، حقیقت کے خلاف نظر آئے. اب تک تو یہ ہوتا تھا کہ لوگ بجائے قرآن کریم کی روشنی میں روایات کو دیکھنے کے، روایات کی روشنی میں قرآن کریم کا مطالعہ کرتے تھے، حتیٰ کہ بعض لوگ تو اپنی فرقہ پرستانہ روایت کے تحت قرآنی بیانات ہی کا انکار کر دیتے تھے. (نعوذ باللہ من ذلک) مثلاً

ا. قرآن کریم نے رسول اللہ کی ایک سے زیادہ حقیقی بیٹیوں کی صراحت کی ہے (وَبَنَاتِکَ ۳۳/۵۹) مگر بعض لوگ یہ کہنے کی جرأت کرتے ہیں کہ رسول اللہ کی حقیقی بیٹی صرف ایک حضرت فاطمہ تھیں. باقی تین بیٹیاں حقیقی نہیں سوتیلی تھیں. حالانکہ یہ بات خود ان لوگوں کی سب سے مستند کتاب "اصول کافی" کی روایات کے بھی خلاف ہے اور قرآن کریم کے ارشاد کے بھی خلاف ہے کیوں کہ سوتیلی بیٹی کے لئے قرآن کریم میں (رَبَائِبُ ۴/۲۳) کا لفظ آ رہا ہے. جب کہ رسول اللہ کی بیٹیوں کیلئے قرآن کریم نے یہ لفظ استعمال نہیں کیا. بلکہ بَنَاتْ کا لفظ استعمال کیا ہے جو حقیقی بیٹیوں کے لئے آتا ہے، اور اُسے بھی جمع کے صیغے کے ساتھ استعمال کیا ہے. جس کا مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ کی سوتیلی نہیں بلکہ حقیقی بیٹیاں تھیں اور تعداد میں کئی تھیں، ایک نہیں تھی۔ اس قرآن کریم کی صراحت کے ساتھ سنی شیعہ خارجی تمام فرقوں کی متفقہ روایات میں بھی قرآن کریم کے اس ارشاد کے عین مطابق رسول اللہ کی چار حقیقی بیٹیوں کا ذکر ہے مگر فرقہ پرستانہ مزاج کے تحت متواتر روایات حتیٰ کہ قرآن کریم کی صریح بات کا بھی انکار کر دیا گیا۔

مثال نمبر 2 قرآن کریم نے کئی جگہ حضرت ابراہیم کے والد آذر کا تذکرہ کیا ہے. مثلاً (وَاِذْقَالَ اِبْرَاهِیْمُ لِاَبِیْهِ آذَرَ ۶/۵) اور ہر جگہ انہیں ابراہیم کا باپ کہا ہے. مگر بعض

روایات پرست حضرات کہتے ہیں کہ آذر والد نہیں تھے چچا تھے کیونکہ بقول اُن کے بعض روایات میں ان کے والد کا نام تارح آیا ہے اور ویسے بھی ایک پیغمبر کے والد کا مشرک ہونا اچھا نہیں معلوم ہوتا، اس خواہش کی خاطر یہ لوگ تیسرے درجہ کی مشکوک روایات کو تو اہمیت دیتے ہیں اور قرآن کریم کی صراحت کو نظر انداز کر دیتے ہیں، حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ چچا کے لئے خود قرآن کریم نے بھی وہی مشہور لفظ (عـــمّ) کا استعمال کیا گیا ہے۔ جو عربی میں رائج تھا۔ اگر آذر حضرت ابراہیم کے چچا (عَمہٗ) ہوتے تو قرآن کریم کے کسی ایک جگہ تو آذر کے لئے یہ لفظ استعمال کیا ہوتا کہ (وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ لِعَمِهٖ آذر) لیکن قرآن کریم نے کسی ایک جگہ بھی آذر کو چچا نہیں کہا بلکہ لابـــه ابراہیمؑ کا باپ کہا ہے۔ جس بات کو ایک جگہ نہیں کئی جگہ قرآن کریم نے ارشاد فرمائے۔ اس کے باوجود کوئی شخص نہ مانے تو نرم سے نرم الفاظ میں بھی اسے کیا کہیں؟

یہ دو مثالیں سمجھنے سمجھانے کیلئے کافی ہیں ورنہ اس قسم کی دسیوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں کہ قرآن کچھ فرما رہا ہے اور فرقہ پرست، روایت پرست اور اکابر پرست حضرات کچھ کہہ رہے ہیں۔ مزید حیرت یہ ہے کہ اس قسم کی روایت پرستانہ یا فرقہ پرستانہ رویہ پر کوئی تعجب کا اظہار بھی نہیں کرتا، البتہ بعض ایسے تاریخی معاملات کی تحقیق کر کے ان کا انکار کیا جائے۔ جن سے قرآن کریم پر کوئی حرف نہیں آتا۔ نہ ان کے متعلق معاصر تاریخیں پائی جاتی ہیں۔ کہ انہیں اصول تاریخ کے خلاف قرار دیا جائے تو لوگ ایسی تحقیق کو بڑی تعجب کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ حالانکہ ہونا اس کے برعکس چاہیئے تھا مگر قرآن کریم کے معاملہ میں حساس نہ ہونے کی وجہ سے صورت حال یہاں تک پہنچ چکی ہے اور اپنی اس کوتاہی کا احساس بھی نہیں ہے۔

وائے ناکامی! متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

غور فرمایئے! اگر کوئی مورخ و محقق رسول اللہ کے چچا حضرت عباس اور حضرت علی کے درمیان جائیداد کی وجہ سے لڑائی ہونے اور ایک دوسرے کو گالی دینے کے واقعہ کا انکار کرے (جو بخاری و مسلم میں موجود ہے) یا حضرت حسنؓ کے خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قبول کرنے کے موقعہ پر حضرت حسنؓ اور حسینؓ آپ کی آپس کی لڑائی ہونے کا انکار کرے یا جنگ جمل و صفین وغیرہ کا انکار کرتا ہے تو اس سے قرآن کریم کی کیا خلاف ورزی ہوتی ہے؟ زبانی روایات کے علاوہ اس زمانہ کی کون سی مستند معاصر تاریخ پائی جاتی ہے جس کی خلاف ورزی ہوتی ہو؟ نہ یہ متفقہ متواتر واقعات ہیں جن کو ماننا لازمی ہو. شروع زمانہ سے اب تک بہت سے اہل علم بلکہ پوری پوری جماعتیں ان کی منکر رہی ہیں. مثلاً جمل و صفین کے متعلق۔

۱. علامہ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری اپنی کتاب ''تلخیص الجبیر'' میں لکھتے ہیں. قد حکی عیاض عن ھشام و عباد انھما انکرا وقعۃ الجمل اصلاً و رائسا (یعنی قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ ہشام اور عباد نے واقعہ جمل کا سرے سے انکار کیا ہے.

۲. علم کلام کی مشہور کتاب شرح مواقف (مقصدِ سابع) میں ہے کہ اما الفتن و الحروب الواقعۃ بین الصحابۃ فالھشامیۃ انکروا وقوعھا یعنی صحابہ کرام کے درمیان جو فتنے اور جنگیں ہوئیں، معتزلہ کے فرقہ ہشامیہ نے ان کے وقوع کا سرے سے انکار کیا. یہ تو دوسری اور تیسری صدی ہجری کے دانشوروں اور اہل علم کا ذکر ہے.

متاخرین میں سرسید کے دست راست مولوی چراغ علی (نواب اعظم یار جنگ) نے اپنی کتاب تعلیقات میں جو پادری عمادالدین کی کتاب تواریخ محمدی کے جواب میں لکھی تھی اور جس کا ایک حصہ سیرت نبوی پر انگریزی میں ''محمد دی ٹرو پرافٹ'' کے نام سے شائع ہوا تھا. ان تمام واقعات کا انکار کیا ہے. (حضرت ماریہ قبطیہؓ کے ہاں رسول اللہ کے ابراہیم نامی صاحبزادے کی ولادت سے متعلق روایات کو بھی انہوں نے غلط قرار دیا ہے). ان

کے بعد مرزا حیرت نے کتاب شہادت لکھنی شروع کی. بعد میں خواجہ عباداللہ اختر نے بھی اپنی کتاب خلافتِ اسلامیہ (مطبوعہ ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور) میں اسی قسم کے خیالات ظاہر کیے ہیں. اپنے بعض دوسرے مضامین میں خواجہ صاحب نے اویس قرنی اور سلمان فارسی کے متعلق لکھا ہے کہ ان دونوں حضرات کا وجود صوفی اور عجمی حضرات کے نہاں خانہ تخیل کی پیداوار ہے. ورنہ ان دونوں کا حقیقی وجود نہیں تھا. ان مؤرخین ومؤلفین کے علاوہ اہل قرآن حضرات کا نقطہ نظر بھی یہی ہے کہ جنگ جمل وصفین کا کوئی وجود نہیں. ان کے ماہانہ رسالہ بلاغ القرآن کا تحفظ ناموسِ صحابہ نمبر ملاحظہ ہو. (N-110 سمن آباد لاہور.)

شیعہ نقطہ نظر:۔ رہا معاملہ حضرت حسینؓ کی شہادت کا تو اس کے متعلق ایک نقطہ نظر تو شیعہ حضرات کا ہے جن کے نزدیک حضرت حسینؓ کا قاتل بظاہر اس وقت کا خلیفہ یزید اور اس کا کوفہ کا گورنر ابن زیاد تھے لیکن تفصیل سے دیکھیئے تو ان کے نزدیک اصل قاتل سُنی اور ان کے وہ بزرگ صحابہ ہیں جنہوں نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی. اور کسی صحابی نے بھی حضرت حسینؓ کا ساتھ نہیں دیا تھا بلکہ گہرائی سے دیکھیئے تو ان کے نزدیک حسینؓ کے قتل کی بنیاد اسی دن رکھ دی گئی تھی جس دن بقول ان کے علی کا حق غصب کر کے حضرت ابوبکرؓ نے خلافت پر قبضہ کر لیا تھا. پھر عمرؓ اور عثمانؓ نے یہ قبضہ جاری رکھا. بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ معاویہؓ و یزید خلیفہ ہو گئے اور قتل حسین کا حادثہ پیش آیا. شیعوں کے ہاں ایک شعر بہت مشہور ہے جس کا ایک مصرعہ یہ ہے۔

کہ کشتہ شد حسین اندر سقیفہ

یعنی جب حسین تو دراصل اسی وقت قتل کر دیئے گئے جب سقیفہ میں حضرت ابوبکرؓ کو صحابہ کی اکثریت نے خلیفہ منتخب کر لیا تھا. (نہ ابوبکرؓ خلیفہ منتخب ہوتے نہ معاویہ کو خلیفہ بننے کا موقعہ ملتا نہ ان کا بیٹا یزید خلیفہ ہوتا نہ حسین قتل ہوتے) اس سب کچھ کے باوجود ہوش مند شیعہ مؤرخین کو بھی بادل نخواستہ سہی یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ شہادت حسینؓ کی روایت ایسی عجیب و

غریب اور متضاد ہیں کہ دنیا کے سامنے انہیں ثابت کرنا بڑا مشکل کام ہے. حضرت حسینؓ پر لکھنے والے موجودہ دور کے سب سے بڑے شیعہ مؤرخ شاکر حسین امروہوی اپنی کتاب ''مجاہد اعظم'' میں اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہیں کہ کربلا کے حوالہ سے بے تحاشا جھوٹ گھڑا گیا وہ لکھتے ہیں:

''صدہا باتیں طبع زاد تراشی گئیں. واقعات کی تدوین عرصہ دراز کے بعد ہوئی. رفتہ رفتہ اختلافات کی اس قدر کثرت ہوگئی کہ سچ کو جھوٹ سے اور جھوٹ کو سچ سے علیحدہ کرنا مشکل ہوگیا. ابومخنف لوط بن یحییٰ ازدی، کربلا میں خود موجود نہ تھے اس لئے یہ سب واقعات انہوں نے بھی سماعی (دوسروں سے سن کر) لکھے ہیں لہٰذا مقتل ابومخنف پر بھی پورا وثوق نہیں۔ پھر لطف یہ کہ مقتل ابومخنف کے متعدد نسخے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف البیان ہیں اور ان سے صاف پایا جاتا ہے کہ خود ابومخنف واقعات کے جامع نہیں بلکہ کسی اور ہی شخص نے ان کے بیان کردہ سماعی واقعات کو قلمبند کر دیا ہے''

''مختصر یہ کہ شہادت امام حسینؓ کے متعلق تمام واقعات ابتدا سے انتہا تک اس قدر اختلافات سے پُر ہیں کہ اگر ان کو فرداً فرداً بیان کیا جائے تو کئی ضخیم دفتر فراہم ہو جائیں. اکثر واقعات مثلاً اہلبیت پر تین شبانہ روز پانی کا بند رہنا، فوجِ مخالف کا لاکھوں کی تعداد میں ہونا، شمر کا سینۂ مطہر پر بیٹھ کر سر جدا کرنا، آپ کی لاش مقدس سے کپڑوں تک کا اتار لینا، نعش مطہر کا لکد کوب سم اسپاں کیا جانا، سَرَاُدِقات اہلبیت کی غارت گری، نبی زادیوں کی چادریں تک چھین لینا وغیرہ وغیرہ. نہایت مشہور اور زبان زد خاص وعام ہیں، حالانکہ ان میں بعض سرے سے غلط، بعض مشکوک، بعض ضعیف، بعض مبالغہ آمیز اور بعض من گھڑت ہیں. (مجاہد اعظم مؤلفہ شاکر حسین امروہوی ۱۷۸).

کربلائی قصوں کے قدیم ترین راوی ابومخنف لوط ہیں جو حادثہ کربلا کے کافی عرصہ بعد پیدا ہوئے ۱۵۷ھ یا ۱۷۰ھ میں یعنی شہادت حسینؓ کے کم از کم سو سال بعد

وفات پائی. ان کے متعلق تمام أئمہ حدیث متفق اللفظ ہیں کہ یہ کذاب (بہت جھوٹے) اور شیعی محترق یعنی کٹر شیعہ تھے. ان کے بہت عرصہ بعد مشہور مورخ ابن جریر طبری، جن کی وفات ۳۱۰ھ میں ہوئی. نے کربلا کے واقعات انہیں ابومخنف کی روایت سے قال ابومخنف کہہ کہہ کر درج کئے ہیں پھر لطف یہ کہ ان ابومخنف کے نام سے بھی مختلف روایتیں موجود ہیں جو بقول شاکر حسین امروہوی صاحب "ایک دوسرے سے مختلف البیان ہیں اور ان سے صاف پایا جاتا ہے کہ خود ابومخنف واقعات کے جامع نہیں بلکہ کسی اور ہی شخص نے ان کے بیان کردہ سماعی (سنے سنائے) واقعات کو قلم بند کر دیا ہے" (مجاہد اعظم صفحہ نمبر ۱۷۸)

اس الجھی ہوئی اور پیچ در پیچ صورت حال میں حقیقت تک پہنچنا جس قدر مشکل کام ہے اسے اہل نظر ہی سمجھ سکتے ہیں.

دوسرا نقطہ نظر: ۔شیعہ نقطہ نظر کے بالکل برعکس ان اہل علم اور دانشور حضرات کا نقطہ نظر ہے جو حضرت حسینؓ کی کربلا میں شہادت کے قائل ہی نہیں ہیں موجودہ دور میں ان کے سب سے نمایاں ترجمان مرزا حیرت دہلوی اور ڈاکٹر شبیر احمد☆(۱) فلوریڈا امریکہ) میں ہیں.

☆ڈاکٹر صاحب کی ایک کتاب برگ حشیش ہے. جس میں قادیانی حضرات کا تنقیدی مطالعہ کیا گیا ہے. اس کتاب کا دیباچہ روز نامہ نوائے وقت لاہور کے ایڈیٹر جناب مجید نظامی کی قلم سے ہے۔اسی کتاب کے شروع میں ڈاکٹر صاحب کی کئی اور کتابوں کا تذکرہ ہے. جس سے چند کے نام یہ ہیں ۱۔ میں کرسچن کیوں نہیں ہوں۔(اسلام میری نظر میں) ۲۔ نبی کاملﷺ ۳۔ انتخاب احادیث رسول (جو قرآن کریم کے مطابق ہیں.) ۴. ہندو رام راج کے خواب. ۵. اسلام فاردی جونیئر. ۶. کرشنا سے آمنہ تک. ۷. مسیح و مہدی کب آرہے ہیں؟ (رجال کی حقیقت) ۸. کربلا کی حقیقت. ۹. اسلام کے مجرم. ۱۰. اکیسویں صدی کس کی ہے؟ ۱۱. ہمارے قائد اعظم (سوانح عمری) (ڈاکٹر صاحب کا امریکہ کا پتہ ہم نے اسی کتاب سے نوٹ کیا ہے) ۱۲۔ خراج عقیدت حضور سرور کائناتﷺ کا ریڈیل کے لیکچرار کا ترجمہ) اس کتاب کے آخر میں ڈاکٹر جاوید اقبال (علامہ اقبال کے صاحب زادے) کا یہ ارشاد درج ہے۔

" حالیہ برسوں میں ڈاکٹر شبیر احمد عالم اسلام کے روشن خیال سکالر کی حیثیت سے سامنے آئے ہیں۔ بہت سے صاحبان نظر، انہیں اردو زبان کا بہترین ادیب و مصنف قرار دے رہے ہیں. میری

رائے میں وہ عصر حاضر میں علامہ اقبال کے بہترین ترجمان ہیں. آپ ڈاکٹر شبیر احمد کی کوئی اردو یا انگریزی کتاب پڑھنے کے بعد ان خیالات سے غالباً متفق ہوں گے (ڈاکٹر جاوید اقبال)"

اسی صفحے پر ڈاکٹر شفیق الرحمٰن ہلال امتیاز کے تاثرات ان الفاظ میں درج ہیں. "ڈاکٹر شبیر احمد اپنی پر لطف اور شگفتہ تحریروں میں تاریخ اور سماجیات کے گہرے مطالعہ کو بہت خوبصورتی سے کام میں لاتے ہیں. بلاشبہ وہ اردو ادب کے لاثانی تخلیق کار ہیں." پاکستان میں اس آخری کتاب (خراج عقیدت کا پتہ یہ ہے) طلوع پبلیکیشنز- 22 حبیب بنک بلڈنگ چوک اردو بازار لاہور.

ڈاکٹر صاحب کی کتاب انگریزی اردو دونوں زبانوں میں شائع ہو چکی ہیں. ان کا پتہ یہ ہے۔

6440 NW 53 ST, LauderHillLauderHill, FL 33319 U.S.A.

فون :2115 -746 (954)-8798 - 747 (954)

مرزا حیرت کے تفصیلی دلائل تو ان کی کتاب شہادت کی ان جلدوں سے معلوم ہوئے ہیں جو کرزن پریس دہلی میں چھپ رہی تھیں مگر دہشت گردوں نے ان کے کتب خانہ اور پریس کو آگ لگادی۔ جس کی وجہ سے ان کی کتاب شہادت کی مطبوعہ پانچ مجلدات کا بہت بڑا حصہ جل کر تباہ ہو گیا جس کی وجہ سے یہ کتاب بازار میں عام طور سے دستیاب نہیں ہے. اس سے بھی بڑھ کر یہ نقصان ہوا کہ باقی مجلدات چھپ ہی نہ سکیں اور ایک تاریخی تحقیق ضائع ہو گئی۔

بہر حال مختصراً اُن کا نقطہ نظر یہ تھا کہ حضرت حسینؓ نے گورنر کوفہ اور اس کے نمائندہ کو جو تین شرطیں پیش کی تھیں اور جو سنی شیعہ دونوں کی معتبر کتابوں سے ثابت ہیں وہ یہ تھیں.

۱. جہاں سے (یعنی مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ سے) میں آ رہا ہوں. مجھے وہاں واپس جانے دو.

۲. مجھے دمشق یزید کے پاس جانے دیا جائے. تاکہ میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دوں. وہ میرا چچازاد بھائی ہے، وہ جو چاہے میرے متعلق فیصلہ کرے۔

۳. مجھے اسلامی سلطنت کی کسی ایسی سرحد پر بھیج دیا جائے. جہاں کفار سے جہاد ہو رہا ہو. تاکہ میں وہاں کفار سے جہاد کرتا ہوا شہادت پا جاؤں.

مرزا حیرت کی تحقیق کے مطابق اس آخری شرط پر مصالحت ہو گئی تھی اور بقول ان کے نہ ہونے کی کوئی وجہ بھی نہیں تھی. کیونکہ اس طرح حضرت حسینؓ کا وقار بھی محفوظ رہتا اور گورنر

کوفہ بھی حضرت حسینؓ کے قتل سے بچ جاتا۔ اور کوفی شیعوں کی سازشیں بھی ختم ہو جاتیں۔ لہٰذا یہ مصالحت ہوئی اور اس مصالحت کے نتیجہ میں حضرت حسینؓ رومیوں کے مقابلہ کے لئے اسلامی سرحد پر قسطنطنیہ تشریف لے گئے۔ اور یورپی مسیح کفار سے لڑتے ہوئے قسطنطنیہ کے قریب 20 صفر کو شہادت پائی۔ اس لئے امام ابن عساکر کی تاریخ دمشق میں حضرت حسینؓ کی شہادت دس محرم والی مشہور عام روایت کے علاوہ ایک دوسری روایت 20 صفر کو یوم شہادت کی بتائی ہے۔

لاہور کے مشہور اہل قلم مولانا پیر غلام دستگیر نامی اپنی کتاب "امیر معاویہؓ" میں لکھتے ہیں کہ مجھ سے مرزا حیرت دہلوی نے کہا کہ ممالک اسلامیہ کی سیاحت کے دوران میں نے قسطنطنیہ کے قریب حضرت حسینؓ کی شہادت گاہ جو "مقام حسینؓ" کے نام مشہور ہے خود دیکھی ہے۔

تیسرا نقطہ نظر: ۔ان دو نقطہ نظر ہائے نظر کے علاوہ تیسرا نقطہ نظر عظیم سنی اکثریت کا ہے۔ جو حضرت عبداللہ بن عمر (بخاری شریف) سے لے کر امام غزالی تک ان کے تمام اکابر کا رہا ہے۔ اور سنی شیعہ دونوں کی روایات بھی اس نقطہ نظر کی تائید میں ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک درحقیقت حضرت حسینؓ اور ان کے گھرانے کے قاتل کوفی شیعہ ہیں۔ جس طرح کوفی شیعوں کے بزرگوں مالک اشتر وغیرہ نے دھوکہ دے کر اور حضرت علیؓ کے لشکر میں شامل ہو کر حضرت طلحہ و حضرت زبیر کو شہید کیا اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی توہین کی، اسی طرح کوفی شیعوں نے حضرت حسینؓ کو پہلے تو خطوط لکھ لکھ کر اور اپنے نمائندے بھیج کر کوفہ آنے کے لئے تیار کیا۔ اور جب وہ ان پر اعتماد کر کے تیار ہو گئے تو ان کے ساتھ غداری کر کے کوفہ کے گورنر ابن زیاد سے مل گئے پہلے حضرت حسینؓ کے نمائندے مسلم بن عقیل کو شہید کیا، پھر ابن زیاد کی فوج میں شامل ہو کر کربلا میں حضرت حسینؓ کے مقابلہ پر آ گئے۔ حضرت حسینؓ نے انہیں بار بار سمجھایا کہ اگر تمہیں میرا ساتھ نہیں دینا تھا تو تم نے مجھے خطوط لکھ لکھ کر کیوں بلایا؟ مگر ان بدبختوں نے حضرت حسینؓ کو بھی جھٹلا دیا اور کہا کہ ہم نے آپ کو کوئی خط نہیں لکھا۔ صرف اتنا ہی نہیں کیا بلکہ حضرت حسینؓ اور حکومت کے درمیان مصالحت کی جو بات چل رہی تھی اسے ناکام کرنے کے

لئے کوفی شیعوں کے ایک اہم فرد شمر نے حضرت حسین پر حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا. سب کو معلوم ہے کہ یہ شمر شیعان علی میں سے تھا۔ جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے طرف داروں میں تھا. رشتہ میں حضرت علیؓ کا سالہ اور حضرت حسین کے برادران جعفر وعباس وغیرہ کا ماموں تھا. (جلاء العیون) اہل سنت کے اس نقطہ نظر کو موجودہ زمانے میں خود شیعہ کتابوں سے امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی نے اپنے رسالہ النجم میں پوری تفصیل کے ساتھ پیش کیا، جسے مولانا کے ایک معتقد مولانا عبدالشکور مرزاپوری نے النجم کے فائلوں سے مرتب کر کے "شیعہ کتابوں کی رو سے" قاتلان حسینؓ" نامی ضخیم کتاب کی شکل میں شائع کیا ہے۔ خود امام اہل سنت حضرت مولانا لکھنوی نے بھی "قاتلان حسینؓ کی خانہ تلاشی" کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے۔ مولانا لکھنویؒ کی یہ کتاب اور مرزاپوری صاحب کی مرتب کردہ پہلی کتاب (جسے اب بعض لوگوں نے "شہادت حسینؓ" کے عنوان سے بھی شائع کر دیا ہے۔ کا غور سے مطالعہ کرنے والے ہر شخص پر یہ حقیقت مکمل واضح ہو جاتی ہے کہ واقعی کوفی شیعہ حضرت حسینؓ کے اسی طرح قاتل ہیں جس طرح ان کوفیوں کے بزرگوں مالک اشتر وغیرہ نے حضرت طلحہ وحضرت زبیر کا قتل سبائیوں اور مالک اشتر وغیرہ نے حضرت علی کے لشکر میں شامل ہو کر اور مصالحت ہو جانے کے باوجود دھوکہ سے جنگ چھیڑ کر کیا تھا. اور حضرت حسینؓ کا قتل ان کے شیعوں نے ان کے ساتھ غداری کر کے اور ابن زیاد کی فوج میں شامل ہو کر کیا. جمل اور کربلا دونوں جگہ ان بزرگوں کو شہید کرنے سے سبائیوں کا واحد مقصد یہ تھا کہ اس طرح مسلمانوں کے اتحاد کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان کو خانہ جنگی کی آگ میں دھکیل کر تباہ و برباد کر دیا جائے. انہیں معلوم تھا کہ ان کی ان حرکتوں سے حکومت وقت بھی بدنام ہوگی اور مختلف قبائل کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا کر وہ اسلامی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی اپنی آرزو بھی پوری کر سکیں گے. افسوس یہ گروہ اپنی اس خوفناک آرزو کو پورا کرنے میں کامیاب رہا. جمل کے موقع پر حضرت طلحہؓ وحضرت زبیر اور حضرت علیؓ کے درمیان مصالحت کو کامیاب نہیں ہونے دیا. اور کربلا میں حضرت حسین اور حکومتِ وقت کے درمیان مصالحت نہیں ہونے دی. کربلا میں

حضرت حسینؓ کے ساتھ کوفی شیعوں نے کس طرح غداری کی اور انہیں خطوط لکھ لکھ کر بلانے کے باوجود، حکومت کی فوج میں شامل ہو کر حضرت حسینؓ کے مقابلہ پر کس طرح آئے اس کی تفصیل شیعوں کی کتابوں کے حوالہ سے ان دونوں کتابوں میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں. اور کربلا سے پہلے سبائیوں نے اور کوفیوں کے بزرگ مالک اشتر وغیرہ نے جنگ جمل کے موقع پر حکومت (حضرت علیؓ) کی فوج میں شامل ہو کر حضرت طلحہؓ وزبیرؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان مصالحت ہو جانے کے باوجود کس طرح جنگ کی آگ بھڑکائی اور طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو شہید کیا اس کی مختصر تفصیل سب سے قدیم اور مشہور مورخ ومفسر امام ابن جریر طبری کی زبانی سنئے وہ اپنی کتاب تاریخ طبری میں لکھتے ہیں۔

کہ جب حضرت طلحہؓ وزبیرؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان مصالحت ہوگئی تو سبائیوں (شیعوں) کے علاوہ ہر شخص شاداں وفرحاں تھا. اس موقعہ پر سبائی (شیعہ) سرغنہ مشورے کے لئے جمع ہوئے کہ اب کیا کرنا چاہیے. ان میں ابن السودا یعنی ابن سبا اور مالک اشتر خاص طور پر قابل ذکر ہیں. انہوں نے آپس میں بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ قصاص لینے پر دونوں فریقوں میں مصالحت ہو رہی ہے. حضرت علیؓ اس بات پر طلحہؓ وزبیرؓ کے ساتھ متفق ہو گئے ہیں. اب تک دونوں فریق جدا جدا تھے لیکن دونوں فریقوں کے اتحاد کے بعد ہماری تعداد بہت کم رہ جائے گی. مالکِ اشتر بولا طلحہ وزبیر رضی اللہ عنھم کا ارادہ تو معلوم ہے مگر علیؓ کے دل کا حال نہیں کھلتا کہ وہ کیا کرنے والے ہیں. خدا کی قسم ان سب فریقین کی رائے ہمارے حق میں ایک ہی ہے اور ان کی صلح یقیناً ہمارے خون پر ہوگی. (تاریخ طبری جلد چہارم سنہ ۳۶ھ زیر عنوان نزول امیر المومنین ذی قار)

دیر تک مشورے ہوتے رہے اور لوگوں نے اپنی اپنی رائے پیش کی ان میں مالک اشتر کی رائے قابل ذکر ہے جس نے کہا تھا کہ حضرت علیؓ کو قتل کر دینا چاہیے تا کہ ایک نیا ہنگامہ کھڑا ہو جائے اور مسلمانوں میں نئے سرے سے افراتفری پیدا ہو جائے. یہ مالک اشتر

شیعان علیؓ کا بہت بڑا لیڈر سمجھا جاتا ہے۔ مگر اس کی اس تجویز سے معلوم ہوتا ہے ان شیعان علیؓ کو درحقیقت حضرت علیؓ سے کوئی عقیدت یا ہمدردی نہیں تھی اسلام کو نقصان پہنچانے اور مسلمانوں کے درمیان فتنہ پیدا کر کے خونریزی کرانے کے لئے یہ حضرت علیؓ کی فوج میں شامل ہوئے تھے۔ آخر میں ابن سوداء یعنی ابن سبا کی رائے پر اتفاق ہوگیا۔ اس کی تقریر درج ذیل ہے:

فقام ابن السوداء فقال یا قوم ان عزکم فی خلطة الناس فصا العوهم و اذا التقی الناس عذا فانشبو القتال ولا تفرغوهم للنظر فاذا. من انتم معه لا یجده بد امن ان یمتنع ویشغل الله علیا والطلحة والزبیر و من رای رابهم عما هو تکرهونه وابصروالرائی وتفرقوا علیه الناس لایشعرون.

ابن سوداء (ابن سبا) نے کہا کہ میری جماعت والو! تمہاری کامیابی لوگوں میں گھلے ملے رہنے میں ہے اس لئے ان سے نبھاتے رہو، اور کل جب دونوں لشکر کے لوگ آپس میں ملیں تو جنگ شروع کر دو اور انہیں سوچنے سمجھنے کی مہلت نہ دو۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ جن لوگوں کے ساتھ تم گھلے ملے ہوئے ہو (یعنی حضرت علیؓ کا لشکر) وہ بھی جنگ میں حصہ لینے پر مجبور ہو جائیں گے اور اللہ تعالی طلحہؓ اور زبیرؓ کی توجہ اس بات کی طرف سے ہٹا دے گا جسے تم نا پسند کرتے ہو، یعنی ان کے درمیان مصالحت کامیاب نہ ہو، سب نے اس مشورے کو پسند کیا اور یہ سازش کر کے سب اپنی اپنی جگہ چلے گئے۔ اور دوسرے ان کے اس منصوبے سے بالکل بے خبر رہے۔ (تاریخ طبری جلد چہارم سنہ ۳۶ھ عنوان بالا)

جب دونوں فریقین میں صلح ہوگئی دونوں لشکر مطمئن ہو گئے اور جنگ کا خیال ہی دلوں سے جاتا رہا تب بھی ابن سبا اور اسکے کے متعین مالک اشتر وغیرہ قاتلین عثمانؓ اس فکر میں رہے کہ کس طرح ان دونوں فریقوں کے درمیان جنگ کرادی جائے۔

وجعلوا یتشاورون لیلتهم کلها حتی اجتمعوا علی انشاب الحرب فی السر

وبذلک خشیة ان یفطن بما حاولو، من ابشر فقد و امع الغلس وما یشعر به
جیر انهم انسلوا الی ذلک الا مر انسلا لا وعلیهم ظلمة.

یہ سبائی سرغنے رات بھر مشورے کرتے رہے تھے یہاں تک کہ جنگ چھڑوا دینے
کے مقصد پر سب کا اتفاق ہوگیا. اس منصوبہ کے بارے میں انہوں نے بہت راز داری سے
کام لیا تھا. کہ کہیں کوئی ان کے شر سے واقف نہ ہو جائے چنانچہ یہ لوگ رات میں حملہ کے لئے
اس طرح اٹھے کہ ان کے قرب وجوار کے لوگوں کو بھی کوئی خبر نہیں ہوئی. اور منہ اندھیرے اپنے
اس منصوبے پر عمل کرتے ہوئے انہوں نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ اور حضرت طلحہؓ زبیرؓ
کے لشکر پر حملہ کر کے جنگ کی آگ بھڑکا دی۔ (طبری جلد چہارم سنہ ۳۶ھ زیر عنوان امر القتال)

دونوں فریق جو سو رہے تھے اس حملے کے ہنگامے سے جاگے، ہر ایک نے یہی
سمجھا کہ فریق ثانی نے غداری کر کے حملہ کر دیا ہے اس لئے دشمن کے پلان کے عین مطابق
ہر فریق اپنے دفاع کے لئے جنگ میں شریک ہوگیا، اس طرح حضرت طلحہؓ وحضرت زبیرؓ
کو شہید کر کے اور دونوں فریقوں میں دشمنی اور انتقام کی آگ بھڑکا کر مالک اشتر اور اس کے
ساتھی شیعوں نے اپنی آرزو پوری کر لی. کوفی شیعوں نے یہی طرز عمل حضرت حسینؓ کو شہید
کرتے ہوئے اختیار کیا. اور آج بھی ان کا رویہ یہی ہے. وہ بظاہر اتحاد بین المسلمین کا نعرہ
لگاتے ہیں لیکن در پردہ سنی مسلمانوں کو باہم لڑوا کر اپنی چودھراہٹ قائم رکھتے ہیں۔

نتیجہ: ہم نے تینوں نقطہ ہائے نظر کے قائلین کے دلائل آپ کے سامنے پیش کر دیئے ہیں.
ذاتی طور پر ہم جمہور اہل سنت کے نقطہ نظر کو صحیح سمجھتے ہیں. لیکن جمل وصفین وکربلا میں حضرت
حسینؓ کی شہادت کے جو منکر ہیں ہم ان کی تحقیقات کو بھی دہشت گردی کے ذریعے جلانے یا
انہیں قتل کرنے کے قائل نہیں ہیں. ان کا نقطہ نظر قرآن کریم کی مخالفت کرنے والے ان فرقہ
پرستوں اور روایت پرستوں کے نقطہ نظر سے (جن کی دو مثالیں) ہم پہلے پیش کر چکے ہیں. بہر

حال بہتر ہے۔تاریخی تحقیقات پر (اگر وہ قرآن کریم کے خلاف نہیں ہیں) کھلے مباحثہ اور مکالمہ کی ضرورت ہے۔ فکرونظر میں اسی سے توانائی اور استحکام آتا ہے اور علم اسی طرح ترقی کرتا ہے.

قانون کی حدود میں رہ کر اگر شیعوں کو کام کرنے اور اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کا حق ہے تو اہل قرآن یا معتزلہ یا خارجیوں کو یہ حق کیوں حاصل نہ ہو؟ اصولوں کے تحت حریتِ فکر کا حق اگر ایک شہری کو حاصل ہو تو دوسرے شہری سے اس کا یہ حق کس طرح چھینا جاسکتا ہے؟ دلیل کا جواب دلیل سے ہونا چاہیے نہ کہ قاتلانہ حملہ کر کے یا کتابوں کو جلا کر یا توڑ پھوڑ کر کے یا کتاب کو بین کرا کے اور اپنی ہنگامہ پسندی اور فرقہ پرستی اور دہشت گردی کا مظاہرہ کر کے؟

افسوس موجودہ دور کے ایرانی ہیرو خمینی صاحب اپنے اس اعلان سے کہ سلمان رشدی جہاں ملے واجب القتل ہے. (حالانکہ وہ ان کے ملک کا شہری بھی نہیں تھا) خود تو ہیرو بن گئے مگر ان کے اس قسم کے جذباتی طرز عمل نے برداشت کے ماحول کو مزید نقصان پہنچانے اور ساری دنیا میں اسلام کو دہشت گرد مذہب کے طور بدنام کرنے میں بڑا کردار ادا کیا۔خمینی کے انتقال کے بعد ایرانی حکومت کے سربراہ نے اگرچہ قتل کا یہ اعلان تو واپس لے لیا اور اس طرح خمینی کی غلطی مان لی مگر نا عاقبت اندیشانہ رویہ سے ساری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کی جو بدنامی ہوئی اس کا مداوا کیسے ہوگا؟ افسوس اس جذباتی اور برداشت نہ کرنے والے مزاج کی وجہ سے خمینی انقلاب کے بعد ایران کے تمام پڑوسی ممالک میں (پاکستان سمیت) قتل و دہشت گردی ایک خوفناک لہر اٹھی ہوئی ہے. جو ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی ورنہ اس سے پہلے کم از کم پاکستان میں سنی شیعہ سمیت خارجی اہل قرآن وغیرہ تمام فرقے بڑے امن وسکون سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ اب بھی جب تک ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو برداشت کرنے کا مزاج پیدا کرنے کی کوششیں نہیں کی جائیں گی۔ سکون کی فضا واپس نہیں آسکے گی۔

علامہ تمنا عمادیؒ

خدا ہی سزا وار حمد و ثنا ہے — کہ وہ خالق و مالک و ماسوٰی ہے
وہ ہر حالِ مستقبل وحال و ماضی — بعلم حضوری خود جانتا ہے
مسلمانوں! اگر ایمان ہے خدا پر — اگر تم کو پاس رسول خدا ہے
تو رکھو صحابہ سے حسنِ عقیدت — کہ ایمان کامل کا مقتضا ہے
صحابہ سے رکھو عقیدت کہ تم کو — انہیں کے ذریعے سے سب کچھ ملا ہے
علی و معاویہ ہیں بھائی بھائی — کہ لڑیں بھائی بھائی یہ کیسے روا ہے
نہ آپس میں ان کے کدورت تھی کچھ بھی — نہ ان میں کسی کو کسی سے کچھ گلہ ہے
نہ باہم محبت ہو ممکن نہیں ہے — کہ دینی اخوت کا رشتہ لگا ہے
جو کہتا ہے ان میں عداوت تھی باہم — وہ جاہل صداقت سے ناآشنا ہے
برابر رہے دونوں میں رشتے ناطے — تو خوش قسمتی کے سوا اور کیا ہے
روایت کو چھوڑو حقیقت کو دیکھو — حریف ایک کا دوسرا کب رہا ہے
یہی تو ہیں قرآن کے پہلے مخاطب — انہی کی طرف تو خدا کی ندا ہے
انہی کو تھی حاصل معیت نبی کی — ہر اک ان کا بعد از نبی مقتدا ہے
اشاعت ہوئی دین و ملت کی کن سے — یہ دیکھو، دیانت سے گر دیکھنا ہے
کیا مال و جان قربان کس نے؟ — بتاؤ اگر کچھ بھی خوف خدا ہے
ہوئے ہیں فتوحات اسلام کن سے — ذرا سوچو، گر یاد روز جزا ہے
بُرا تم نہ آلِ اُمیّہ کو سمجھو — بُرا ہے جو ان کو بُرا کہہ رہا ہے

بنائے خدا ہادی و مہدی انہیں کو نبی ہی نے جن کے لئے کی دعا ہے
اُمیہ تھے ہاشم ہی کے بھتیجے محبت کا دونوں میں رشتہ رہا ہے
وہ شیطان ہے جو کتابوں میں لکھے فلاں فلاں ان میں پابند حرص و ہوا ہے
علیؓ کی حمایت کو حیلہ بنا کر بُرا سب صحابہ کو ثابت کیا ہے
علیؓ کی حمایت بھی دکھلانے کو ہے چھپا اس حمایت میں کذب و ریا ہے
غرض یہ علیؓ کے بھی ہرگز نہیں ہیں انہیں بغض سب سے کھلا یا چھپا ہے
وہ دل جو ہو حب صحابہ سے خالی وہ حب علیؓ سے بھی خالی پڑا ہے
علیؓ کو کبھی دوست بن کر ستایا کبھی بن کے دشمن ستانے لگا ہے
ستانا بہر حال ہے کام اس کا ستانے کو اس نے علی کو چنا ہے
ستایا علیؓ کو ہے کس کس طرح پھر اولاد کو ان کی رسوا کیا ہے
جناب علیؓ کو ستاتے رہیں گے حسنؓ کو مدائن میں زخمی کیا ہے
ان ہی نے علیؓ اور آلِ علیؓ پر ذرا، دیکھو تاریخ میں گیا گیا کِیا ہے
قاتل حقیقت میں شیعہ ہی تھا ابن ملجم نسب اس کا لیکن عجم سے ملا ہے
عیالِ(۱) علیؓ نے تو قتل علیؓ کا خود الزام شیعوں کو اپنے دیا ہے
یہ کس منہ سے کہتے ہیں اپنے کو مسلم ذرا ان کو آتی نہیں کچھ حیا ہے
انہیں پنجتن کے ہے پنجے میں طیبہ صحابہ میں اب کون باقی بچا ہے؟

(۱) حضرت سکینہ بنت حسینؓ اپنے شوہر مصعبؓ بن زبیرؓ کے قتل کے بعد کوفہ سے مدینہ چلیں ہیں اور کوفہ والے رخصت کرنے کو آئے تو انہوں نے فرمایا:۔

قتلتم ابی وجدی واخی و عمی و زوجی وایتمتمونی صغیرۃ وایمتمونی کبیرۃ

یعنی تم لوگوں نے میرے باپ، میرے دادا، میرے بھائی، میرے چچا، اور میرے شوہر کو قتل کیا۔ مجھ کو بچپن میں یتیم کیا اور جوانی میں بیوہ کردیا۔ (از تاریخ کوفہ صفحہ ۲۴۷)

یہ کذاب راوی یہ جھوٹے مؤرخ تعصب نے اندھا جنہیں کر دیا ہے
تھا اگلوں میں بغض و عناد و تعصب ہر اک کا عداوت سے سینہ بھرا ہے
گھڑی ایک بات اور روایت بنائی اسے پھر کتابوں میں خود لکھ لیا ہے
زہے ان روایت پرستوں کا ایمان کہ چشم درایت پر پردہ پڑا ہے
انہیں دین اسلام سے ہے عداوت نبی و صحابہ سے کینہ چھپا ہے
درایت کے آیت کے بالکل مخالف روایت کا اک ذخیرہ کیا ہے
نہیں تو بااسناد جعلی دیا ہے انہیں جن کا تصنیف ہی مشغلہ ہے
روایت گھڑنے لگے مل بیٹھ کر سب بھری ہر روایت میں سو سو افترا ہے
روایات کذّاب کوفہ کے آگے وہ قرآنی فضل و شرافت سب ہوا
لکھے کیسے ایسے روایات سب نے کہ روح ان سے لرزاں ہے دل کانپتا ہے
درایت سے لو کام، روایت کو چھوڑو روایت پرستی مرضِ لادوا ہے
معاذ اللہ ان کذب بافوں کے شر سے بھلا جھوٹ کی بھی کوئی انتہا ہے
یہ کذاب دجال، دشمن خدا کا کوئی کذب باف اس سے بڑھ کر ہوا ہے؟
مگر اختلاف روایات توبہ کہ غماز جھوٹ کا خود حافظہ ہے
کوئی کچھ ہے کہتا کوئی کچھ ہے سناتا وہ اِس کو تو یہ اُس کو جھٹلا رہا ہے
کہا حق کو باطل تو باطل کو حق ہر اک کذب کو صدق ثابت کیا ہے
روایت کے پردے پہ تصویریں لائے تو رنگ غلو و تعصب بھرا ہے
گھڑے اپنے جی سے غم افزا فسانے پھر اگلوں سے اُن کو روایت کیا ہے
یہ پچھلے مورخ ہیں بعض ایسے جھوٹے کہ اگلوں کو بھی مات ہی کر دیا ہے
حقیقت میں سو سال بعد اس کتھا کو فقط ابن مخنف نے جی سے گھڑا ہے

تعجب تو یہ ہے کہ دنیا کے اندر کسی نے نہ سوچا نہ اب سوچتا ہے
اگر قصہ کربلا ہوتا سچا اگر ہوتا سچ جو سبھوں نے لکھا ہے
خلاف خلیفہ و ہنگامہ مچتا سمجھتا کہ محشر بپا ہو گیا ہے
تو ابن زبیر اور ان کے ورکر اُسی وقت کرتے جو اَب ہو رہا ہے
نکلتا علم اور نکلتا اکھاڑا ادھر ہے اَسُپر اُدھر تعزیہ ہے
حقیقت میں یہ قصہ کربلا تو صدی دوسری میں بنایا گیا ہے
نہ تھا جانتا کوئی پہلی صدی میں کسی کا ادھر وہم بھی کب گیا ہے
گلے گی نہ دال ابن مخنف کی اُس دن اُسی دن تو سچ جھوٹ کا فیصلہ ہے
فسانہ بھی وہ جو کہ محض افترا ہو غلو اور تعصب سے مذہب بنا ہے
بنایا گیا دوستداروں کو دشمن جو قاتل تھے اُن کو فدائی لکھا ہے
تو اُن قاتلوں کے جو تھے بیٹے پوتے روایت کا انبار اُن سے لگا ہے!
قیامت میں کھل جائے گی ہر حقیقت کہ سارے حقائق سے واقف خدا ہے
مجوسی منافق ہیں کوفی مورخ کہیں آستینوں میں چھپ کر ڈسا ہے
دروغ کے لبادوں میں طبقہ بہ طبقہ محدث، مفسر، مؤرخ بنا ہے
وہ کوفی وہ بصری وہ مصری فسادی کہ فطرت میں جن کے فریب و دغا ہے
یہ جھوٹے مؤرخ یہ کذاب راوی خدا جانے کس عقل سے لکھ رہا ہے
روایات گھڑ گھڑ کے پھیلا رکھی ہیں کتابوں میں پھر ان کو داخل کیا ہے
وہی تھے فسادی وہی پھر ہیں راوی وہی پھر مورخ یہ شان خدا ہے
مگر تم روایت کی عینک اتارو درایت کی عینک حقیقت نما ہے
راویت کو رکھو درایت کے آگے تو پھر جھوٹ سچ کا کھلا فیصلہ ہے

کہیں مومنوں کو منافق بنایا کسی جا منافق کو مومن کہا ہے
خلاف خلیفہ اک طومار باندھا وہ بندر سے اور کتوں سے کھیلتا ہے
کریں جس سے بیعت تمامی صحابہ اُسے کہنا وہ "فسق میں مبتلا ہے"
بتانا ہے سارے صحابہ کو فاسق کہ خود فسق ہے فسق پر گر رضا ہے
کسی کو بھنبھوڑا اگر مثل اژدر انہیں فتح ایران کا غصہ بڑا ہے
خاتمہ کیا مجوسی حکومت کا سارے عجم سے ملی گویا فتح عجم کی سزا ہے
عجم کے سبایا عجم کے موالی جہاں جو بھی ہے اس میں اک ولولہ ہے
مسلمانوں سے جذبہ انتقامی ہر اک عجمی کے دل میں سمجھو وبا ہے
انہیں فتح ایران کا لینا ہے بدلہ نکالیں گے جو غصہ دل میں بھرا ہے
خدا کے لئے سوچیں اہل دیانت اگر کچھ بھی پرائے روز جزا ہے
تو اس کی روایت پر ایمان لا کر اسے دین اپنا بنا کیوں لیا ہے
کوئی تاجِ ابلیس رکھے ہے سر پر کوئی پہنے معصومیت کی قبا ہے
نہ ہے ان کو کچھ پرسش حشر کا ڈر نہ شرمِ خلائق نہ خوفِ خدا ہے
یہاں فتنہ توزی کا ہے کارخانہ مجوسی نژادوں کا یہاں جمگھٹا ہے
یہ سب ہیں موالی اہلِ عجم سے مجوسی نمک سے ہی ہر اک پلا ہے
یہ کذب بافی کی گرکہِ پُرانی یہاں فتنہ پردازوں کا اک جتھا ہے
پڑھو تم جو تاریخ کو تو یہ سمجھو قلم در کفِ آلِ ابنِ سبا ہے
غلو اور تعصب کا جنگل ہے اس میں ادھر شیر ہے اور اُدھر اژدھا ہے
انہیں دین اسلام سے ہے عداوت نبی اور صحابہ سے کینہ چھپا ہے

یہ سب کر لیں دنیا میں دشمن خدا کے — خدا نے تو دن فیصلے کا رکھا ہے
خدا سے نہ چلے گی کذب بانی — کہ وہ عالم الغیب سب جانتا ہے
مخالف ہو قرآن کے جو بھی روایت — سمجھ لو وہ کذاب کا افتراء ہے
بچے گا نہ وہ دارو گیر د خدا سے — بہت سخت روز جزا کی سزا ہے
یہ میرا قصیدہ قصیدہ نہیں کچھ — یہ اک نالۂ دل یہ شور بُکا ہے
کچھ اعدا کی ہیں سازشوں کے فسانے — تساہل کا اسلاف کے کچھ گلا ہے
جو اس کو پڑھیں ڈال دے اُن کے دل میں — کہ انصاف سے کام لینا بھلا ہے
تعصب کی نظروں سے ان کو نہ دیکھیں — کہ دوزخ میں اہل تعصب کی جا ہے
حدیث اور قرآن میں مومنوں کو — غلو اور تعصب سے روکا گیا ہے
الٰہی تمنا پہ تو رحم فرما — کہ تیرا یہ بندہ بے نوا ہے

❁

علامہ خواجہ قمر الدین سیالوی

برصغیر پاک ہند میں بسنے والے فرزندان اسلام کیلئے انیسویں صدی بڑے درد و کرب کی صدی تھی۔ ہندوستان کی وسیع وعریض مسلم مملکت بیسیوں چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ چکی تھیں۔ ریاست کا حکمران اپنی ذاتی وجاہت کیلئے یوں از خود رفتہ ہو چکا تھا کہ اسے نہ ملت کا غم تھا.نہ اسلام کا درد اور نہ ہی قوم اسلام کے آفتاب کے غروب ہونے کا کوئی دکھ مسلمان آپس میں دست وگریباں تھے. ہندوستان میں اسلامی سلطنت کا مقام اپنا اثر و رسوخ کھوتا جارہا تھا. اس سے بھی زیادہ الم ناک بات یہ تھی کہ مسلمانوں کا رشتہ اپنے رب کریم اور رحیم سے کمزور ہوتا جارہا ہے.عقیدے اور عمل کی مختلف بدعتوں نے اسلامی معاشرہ کو نڈھال اور بے وقعت بنا دیا تھا.مسجدیں ویران، مدرسے بے چراغ، خانقاہیں جہاں کبھی اللہ کریم کے نیک بندے تشریف فرما ہوا کرتے تھے. اب روباہ کیش اور حقیقت میں اسلام سے بالکل بے بہرہ ملنگوں اور قلندروں نے قبضہ کر کے امام باڑوں میں تبدیل کر دیں تھیں.اسلام دشمنی اور امت کا شیرازہ بکھیرنے میں یہ گروہ پیش پیش نظر آتے تھے. آپ خود سوچیئے جہاں امرا ایک دوسرے کو بچھاڑنے کی سازشوں میں دن رات سرگرم ہوں جہاں عوام اپنے منبع حیات سے روز بروز دور ہوتے جا رہے ہوں وہاں عقائد کی تباہی و بربادی کے علاوہ اور کس چیز کی توقع کی جاسکتی ہے.تو ہموم پرستی اور فکری قلاشی ہی وہاں براجمان ہوسکتی ہے۔ جھوٹی روایت پرزور.اسی فتنوں کے دور میں ماتمی فتنہ سیلاب بے رحم کی طرح اُمڈ کر آیا. اور کئی شکلوں میں کہیں محبت علی، شیدائے حسین، محبان اہل بیت، کے لبادے اوڑ کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مجرمانہ عزائم کی تکمیل میں جُٹ گئے.اسی عرصہ میں ماتمی فتنہ نے ہر قسم کی مزاحمت سے بے خوف ہو کر اپنے مذموم عقائد کی بنیادیں مضبوط کرتے چلے گئے. اپنے وسائل کو منظم کر کے اپنی مکروہ سازشوں کی تکمیل کے لئے بہت

طویل منصوبہ بندی کی سول محکموں میں پہلے ہی ان کے لوگ قابض تھے۔اس عرصہ میں انہوں نے بری، بحری اور فضائی افواج میں اپنی پوزیشنیں مستحکم کرلیں .یہی وہ گروہ ہے آج کل جو خلفاء راشدین رضوان اللہ علیم اجمعین کی خلافت راشدہ کے انکار میں شور وشر کے مظاہرے کررہا ہے.

امت مرحومہ کی آخرت تباہ کرنے اور اس دنیا میں فتنہ اور فساد کی آگ کو مشتعل کرنے میں جو ہنگامے برپا کیے جارہے ہیں تو اس فتنہ پردازی اور شرانگیزی پر پردہ ڈالنے کیلئے محبت وتولی اہل بیت (رضوان اللہ علیھم اجمعین) کی اقتدا اور پیروی کا دم بھرا جاتا ہے۔ اگر اہل بصیرت مرقبہ اہل تشیع (ماتمی) نظریات کا بغور مطالعہ کریں اور دوسری طرف اللہ تعالی اور اس کے رسول اللہ کے ارشادات گرامی اور سلف صالحین کے ایمانی جدبات اور انکی محیر العقول اسلامی خدمات کی انجام دہی اور ان کی عقل وادارک سے بالاتر قربانیاں مطالعہ کریں۔تو وہ حضرات نہایت آسانی کے ساتھ یہ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ اہل تشیع کے نظریہ اور شریعت اسلامی کے درمیان مکمل مخالفت اور مناقضت کی نسبت ہے۔اور ان کا دعوی محبت اہل بیت سراسر بے دلیل ہے. مذہب شیعہ کی ابتداء کب اور کیسے ہوئی یہ ہمارا موضوع نہیں سرادست یہ گزارش کرنا ہے کہ اہل تشیع نے اپنے مخصوص مذہب کی بنیاد ایسی روایت پر رکھی ہے جو انتہائی محدود ہے حدیث کے عینی شاہدین یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علھیم اجمعین جن کی تعداد اور تاریخ کی رو سے ڈیڑھ لاکھ کے قریب یا بجز اہلِ تشیع کے، باقی تمام اقوام عالم پیغمبر اسلام رسول اللہ کے ساتھ اسلام لانے والوں کی تعداد اس سے کم نہیں بتاتے تو اس قدر تعداد میں سے صرف چند چار یا پانچ آدمیوں کی روایت قابل تسلیم اور باقی تمام کے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیھم اجمعین کی روایات نا قابلِ تسلیم کرتے ہیں دوسرا جن اصحاب اور اماموں سے لینا جائز بتاتے ہیں ان کے متعلق اس ضروری عقیدہ کا دعوی کرتے ہیں کی تقیہ اور

کذب بیانی ان کا دین اور ایمان تھا (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) اب اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ ایک علمبردار تشیع جونہی ان حضرات سے کوئی حدیث سنے گا اور کسی امر کا اظہار معلوم کرے گا تو اس کے لئے یقین کرنا ضروری ہے۔ کہ صحیح اور حق بات تو قطعاً انہوں نے کہی ہی نہیں۔ جو بھی ان سے روایت کی گئی ہے سراسر بے حقیقت اور واقعات کے خلاف ہے۔ لہذا جو روایات بھی اہل تشیع کی کتابوں میں لکھی گئی ہیں. سراسر کذب اور واقعات کے خلاف ہیں میں اس مقدمہ کو اہل فکر کے غور و خوص کے سپرد کرتا ہوں اور گزارش کرتا ہوں کہ جنگ جمل وصفین اور واقعات کربلا اور دیگر تمام لغو قصے کہانیاں امت مسلمہ کے اتحاد پر ضرب لگانے کیلئے گھڑی گئی ہیں ایک انصاف پسند انسان تو صرف یہی رائے قائم کرسکتا ہے۔ ان روایات پر غور کرنے کے بعد خدارا انصاف سے کہیے بہر صورت ان روایات کو صحیح کہنا اپنی بے دینی اور بے ایمانی پر واضح دلیل پیش کرنا ہے۔ اب رہا قرآن کریم تو اس کے متعلق بانیان مذہب تشیع اور رازدارانِ فرقہ مذکورہ وغیرہ اس قرآن کریم کا صراحتاً انکار کرتے نظر آتے ہیں. لکھتے ہیں.

ابوبکر کے اردگرد لوگ جمع تھے تو مجمع میں پہنچنے کے وقت حضرت علیؓ نے بلند آواز یہ کلمات کہے "لوگو میں رسول اللہ کی رحلت کے بعد آپ کے غسل دینے اور اسکے بعد جمع قرآن میں مشغول رہا یہاں تک کہ میں نے قرآن جمع کرلیا۔ اور وہ مکمل اس کپڑے میں موجود ہے۔ اللہ کی ہر نازل کردہ آیت کو میں نے جمع کردیا ہے. اور اس کے ایک ایک آیت میں رسول اللہ کو سنائی ہے اس میں آپ نے مجھے اس کی تاویل بتائی تو حضرت علی نے کہا یہ اللہ کی کتاب اس طرح جس طرح نازل فرمائی تھی عمر نے کہا ہمیں نہ تیری ضرورت ہے نہ تیرے قرآن پڑھنے کی ہمارے پاس مکمل جمع شدہ قرآن جسے عثمان نے جمع کیا تھا۔ اور کتابت بھی کی تھی۔ موجود ہے یہ سن حضرت علی نے کہا اللہ کی قسم اچھا آج کے بعد تم میں سے اسے کوئی نہیں دیکھے گا۔ اور میرے بیٹے مہدی کے ظہور تک واپس نہیں آئے گا۔

(انوار نعمانیہ صفحہ نمبر ۳۴۴ تبریز طبع قدیم، ایران طبع جدید جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۱۰۴)

مذکورہ روایت بہت طویل ہے جو نفس الرحمٰن فی فضائل سلمان باب نمبر ۱۱۔ احتجاج طبری صفحہ نمبر ۵۳ طبع قدیم طبع جدید صفحہ نمبر ۱۰۷ پر موجود ہے تفصیل کے لیے دیکھ لیجئے. ہم نے اختصاراً ذکر کر دیا ہے. اور مزید ان لوگوں کی جسارتیں دیکھئے لکھتے ہیں.

ما ادعی احد من الناس انه جمع القرآن کما انزل الا کذاب وما جمعه وعفظه کما انزله الله تعالی الاعلی بن ابی طالب ولائمة منبعده علیهم السلام. (الشافی ج: ا ص: ۲۶۱ مطبوعه تهران)

جس شخص نے بھی یہ دعوی کیا کہ اس نے قرآن اسی طرح جمع کیا ہے جس طرح نازل ہوا تھا تو وہ کذاب ہے. قرآن جس طرح نازل ہوا تھا. اس طرح نہ کسی نے جمع کیا اور نہ حفظ کیا بجز علی بن ابی طالب اور ان کے بعد کے ائمہ کے

اور بھی پڑھیے لکھتے ہیں.

وان عند نا لمصف فاطمة علیها السلام ومایادریهم مامصحف فاطمة قال مصحف فیه مثل قرانکم هدا ثلاث مرات والله مافیه من قران حرف واحد.

(اصول کافی ج ۱ صفحہ نمبر ۱۴۶ مطبوعہ قم ایران)

اور ہمارے پاس مصحف فاطمہ علیہا اسلام بھی ہے اور یہ (صحابہ و تابعین) کیا جانیں کہ مصحف فاطمہ کیا ہے. مصحف فاطمہ تمہارے تین قرآنوں کے برابر ہے. اللہ کی قسم اس مصحف میں اِس قران کا ایک حرف بھی نہیں.

اور اپنی اطمینان کیلئے قارئین اگر دیکھنا چاہیں تو مزید نمونے اس اصول کافی کے صفحہ نمبر ۶۷۰ تا ۶۷۱ پر بھی نظر ڈالتے جائیں. اور اگر اس قرآن کریم سے صراحتاً انکار کی شان کسی حد تک تفصیل سے دیکھنا چاہیں. تو اصول کافی صفحہ نمبر ۲۶۱ تا ۲۶۸ اور ناسخ التواریخ جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۴۹۳، ۴۹۴ اور تفسیر صافی جلد نمبر ۱ صفحہ نمبر ۱۴ مطالعہ فرمائیں اور بانیان مذہب تشیع کو داد دیں کہ کس طرح صراحت اور وضاحت کے ساتھ اس فرقے نے سرے سے

قران کریم ہی کا انکار کیا ہے اے میرے محترم اسلامی بھائیو قرآن اور حدیث کا اسطرح انکار ہو تو بتایئے! کہ مذہب اسلام اور شریعت مقدسہ کسی طرح بھی ممکن الوجود ہو سکتی ہے؟ ممکن ہے میری اس تحریر کا جواب اور اسکا رد اپنی کسی تاویل کے ذریعہ سے دینے کی زحمت کریں تو میں عرض کرتا ہوں میں نے جتنے حوالے پیش کیئے ہیں ان کا مطالعہ فرما لینے کے بعد یہ تکلیف کریں کہ سال شریف تشریف لا کر یہ تمام کتب اور حوالے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ تا کہ تا ویلات کی زحمت کی ضرورت ہی نہ رہے. ہم یہ بس کچھ صرف اس لئے پیش کر رہے ہیں کہ وہ علمائے جو اپنی آنکھوں پر سیاست پر اور اپنے مفادات کی پٹی باندھے ہوئے ہیں اور اپنی تا ویلات کے ذریعے سے ان رافضیوں کو تحفظ فراہم کرنے کا ذریعہ بنے ہوئے ہیں دیکھ لیں

سنیو! ذرا اپنی آنکھیں کھولو اور دیکھو کہ کس دیدہ دلیری سے قرآن کریم کا انکار کر رہے ہیں. تم ان سب باتوں کے باوجود بھی رافضیوں کو امت مسلمہ کا ایک فرقہ تسلیم کرتے ہو؟..... نہیں نہیں بالکل نہیں کوئی بھی مسلمان ایسے رافضیوں کو امت مسلمہ کا ایک فرقہ تسلیم کر کے اپنی آخرت تباہ نہیں کر سکتا.

اہل تشیع حضرات کی مذہبی روایات اگر چہ پیش کرنا عقل اور انصاف کے لحاظ سے بالکل بے فائدہ ہے۔ کیونکہ ان کی کسی روایات کا صحیح اور مطابق واقعہ ہونا ممکن ہی نہیں کیونکہ میں یہ نہیں مان سکتا کہ اہل تشیع نے ائمہ کرام کی اصل اور صحیح روایات بیان کی ہے. اور اپنے لیے بے دینی اور بے ایمانی منتخب نہ کی ہو. بلکہ خود ائمہ کرام نے حسب تصریح اصول کافی وغیرہ میں کوئی سچی بات ظاہر نہیں فرمائی. اور اپنے آباؤ اجداد کے مذہب کو نہیں چھوڑا تو پھر اس روایات کے لکھنے لکھوانے کا کیا فائدہ؟. اور اہل تشیع کے خلاف ایسی روایات ان کے تیار کردہ مذہب کو کیا نقصان پہنچا سکتی ہیں. مگر میں جو اہل تشیع کی کتابوں سے روایاتیں پیش کر رہا ہوں۔ تو میرا مقصد فقط صرف یہ ہے کہ وہ سادہ لوح مسلمان جوان کی ہنگامہ آرائی اور مجالس

میں شرکت کرتے ہیں یا اہل تشیع کے مذہب کو کسی بھی طرح سے صحیح تصور کرتے ہیں۔ان کو سوچنے اور غور کرنے کا موقع ملے.

مذہب شیعہ کی خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خلافت کا انکار اور ان مقدس ہستیوں کی شان میں گستاخی اس تبرائی گروہ کا مابہ امتیاز (امتیازی شان) ہے. قبل اس کے کہ اہل تشیع کے معتبر ترین کتابوں سے یہ بات ثابت کروں کہ اہل تشیع کے تمام دعوے جھوٹے اور خلاف واقعہ ہیں۔ یہ عرض کرتا ہوں کہ خلافت راشدہ کا زمانہ اقدس آج سے تقریباً ساڑھے تیرہ سو سال پہلے گزر چکا ہے.اس وقت اُن کی خلافت پر اعتراض یا اس کی نا پسندیگی کا شور و غوغا اور بے فائدہ مظاہرے بجز اس کے کہ فتنہ و شرارت پیدا کرسکیں اور ملک کے امن و امان کو متزلزل کریں اور کیا نتیجہ برآمد ہوسکتا ہے.؟ ہے کوئی بڑی سے بڑی عدالت؟ یا کوئی بڑی سے بڑی حکومت؟ جواُن کے غیر مستحق خلافت ہونے کی صورت میں کوئی تدارک کر سکے.اور مستحق کو اسکا حق واپس دلا سکے۔

اگر وہ مقدس ہستیاں مستحق خلافت تھیں یا بقول اہل تشیع مستحق خلافت نہیں تھیں بہر صورت وہ خلیفہ بنے اور امور خلافت باحسن طریقہ سے سرانجام دیئے۔

اب ان کی شان اقدس میں سب وستم گالی وگلوچ کیا معنی رکھتا ہے؟ اگر ان تمام لوگوں کو جو خلفائے راشدین کو برحق اور مستحق خلافت یقین کرتے ہیں. یک قلم تختہ دار پر کھینچ دیا جائے یا قتل کردیا جائے. یا خلفائے راشدین کے ساتھ بغض و عداوت غل و شر کینہ رکھنے والے اپنے سینوں کو پیٹ پیٹ کر اڑا دیں تو بھی ان اسماء رفعت کے چمکتے ہوئے تاروں کو اور ان کی خلافت راشدہ کو پرکاہ کے برابر بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔تو پھر یہ منافرت ومخاصمت اور یہ سب وستم، یہ فتنہ پردازی اور فساد انگیزی سے کیا حاصل؟ مگر وائے بر حال پاکستان کہ آئے دن نئے نئے اڈے اکابرین امت کی شان اقدس میں بکواس وسب و

شتم بکنے کے لیے مقرر کیے جا رہے ہیں. اور ان ہی کو تعمیری اسباب یقین کیا جا رہا ہے. اب فقیر چاہتا ہے کہ ان تصریحات کو ملاحظہ کرنے کے بعد اہل فکر و ہوش خود ہی فیصلہ فرمائیں۔

زیادہ غور طلب یہ ہے کہ ہاشمیوں اور امویوں کے آپس میں تعلقات برادرانہ اور محبت خلوص والے تھے.

جعفر بن محمد عن ابیه عن جده علیهم السلام قال لما استخلف ابوبکر جاء ابو سفیان فاستاذن علی علی علیه السلام قال ابسط یدک ابایعک فواللہ لا مالها علی ابی فیصل خیلاؤ رجلا فانزوی عنه علیه السلام و قال ویمحلک یا آبا سفیان هذه من دواهیک وقد اجتمع الناس علی ابی بکر.

امام جعفر صادق اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے والد (امام زین العابدین) سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابوبکر خلیفہ بنے اور ابوسفیان نے حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا آپ ہاتھ بڑھائیں میں آپ سے بیعت کرتا ہوں خدا کی قسم اس علاقہ کو سواروں اور پیدلوں سے بھر دوں گا اگر آپ (علی) خوف کی وجہ سے خلافت کا اعلان نہیں کر رہے اور خاموش ہیں یہ سن حضرت علی نے کہا اے ابوسفیان تیرے لئے سخت افسوس ہے کیونکہ ابوبکر کی خلافت پر صحابہ کا متفقہ اور اجماعی فیصلہ ہو چکا ہے. خدا کی قسم ابوبکر کی خلافت کسی طرح بھی اسلام کیلئے غیر مفید نہیں ہو سکتی.

(شافی و تلخیص شافی جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۴۲۸ مطبوعہ نجف اشرف)

اور اگر شیعہ کتب کی رو سے یزید اور حضرت امام حسین کا باہمی معاملہ بھی غور کریں اور کسی تعصب کے بغیر نتیجہ اخذ کیا جائے تو واضح ہو جائے گا نگاہ امام حسین میں یزید بھی اسی طرح اہل کوفہ سے بہتر تھا۔

جس طرح نگاہ امام حسن میں حضرت معاویہؓ ان (شیعوں) سے بہتر تھے۔ شیعوں کے یہ کہنا کہ حسین تو سقیفہ کے دن ہی قتل ہو گئے تھے۔ کسی اچھی قابلیت کا مظاہرہ نہیں ہے۔

بلکہ صحیح دعویٰ تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ جس دن رسول اللہ نے رسالت کا اعلان فرمایا تھا۔ حسین اور دیگر اکابرین اہل بیت اسی دن قتل ہو گئے تھے۔ (نعوذ باللہ من ذالک) اگر سبب بعید دیکھیں تو اعلان رسالت ہے۔ اور اگر سبب قریب دیکھیں تو حضرت امام حسن کی دستبرداری ہے اور خلافت کو حضرت معاویہؓ کے سپرد کرنا ہے۔ تو یہ کہاں کا انصاف ہوگا کہ اول و آخر کو چھوڑ کر درمیان والوں پر یہ ذمہ داری ڈال دی جائے۔ سقیفہ والوں نے تو محدود سلطنت لی جس میں وصال رسول اللہ ﷺ سے تنزل آ چکا تھا۔ اور یہ ڈانواں ڈول ہو چکی تھی۔ پھر اس کو مضبوط و مستحکم کیا اور وسیع و عریض ملک بنا دیا۔ پھر اہل بیت کے حوالے کر دیا۔ وہ قاتل کیسے ہو گئے؟ یہ تو امام حسن کی ذمہ داری تھی کہ خلافت کو اپنے بھائی کے حوالے کرتے اور حضرت معاویہؓ کو اس مسند رسول و مسند علی کے قریب بھی نہ آنے دیتے اور نہ ہی پھر کوئی اُموی اس پر قابض ہو سکتا۔ جب ان امور پر صحیح غور و فکر کیا جائے تبھی یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ یہاں پر دراصل سبائی ذہن اور یہودی مجوسی سازشیں کیا کام کر رہی ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو چاہتے ہیں عالم اسلام میں امن و سکون نہیں ہونا چاہیے۔؟ اور مسلمانوں کو باہم دست و گریبان کیا جائے۔ تا کہ فتوحات کا سیلاب رُکا رہے۔ اور عالم کفر و شرک سکھ کا سانس لیں۔

ایک اور روایت بھی سن لیں

وفی الخیر الصوری عن امیر المومنین علیہ السلام لماقبل له الاتوصی؟ فقال ما اوصی رسول الله ﷺ فاؤصی ولکن اذا اراداللہ بالناس خیر استجمعهم علی خیر کما جمعهم بعد نبیهم خیر هم .

حضرت علی نے فرمایا رسول اللہ نے وصیت نہیں فرمائی تھی میں کیسے وصیت کروں لیکن جب اللہ کریم لوگوں کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرے گا تو ان کو ان میں سے جو اچھا ہے اس پر اتفاق بخشے گا۔ جیسا کہ بعد رسول اللہ کے لوگوں میں سے جو اچھا تھا اسی پر اجماع اور اتفاق بخشا تا.

(الشافی ترجمہ اصول کافی جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۱۷ امطبوعہ ۱۹۷۳ ناشر شمیم بک ڈپو ناظم آباد کراچی)

وقد روی عن ابی وائل والحکیم عن علی ابن ابی طالب علیه السلام انه قبل له الا وصی ؟ قال ما اوصی رسول الله فاصی ولکن قال ان اراذالله خیرا فیجمعهم علی خیر هم بعد نبیهم. الخ)

حضرت علی سے آخری وقت میں عرض کیا گیا کہ آپ اپنے قائم مقام کے لیے وصیت کیوں نہیں فرماتے جواب دیا رسول اللہ نے جب وصیت نہیں کی میں کیسے وصیت کروں. البتہ رسول اللہ نے فرمایا تھا. اگر اللہ کریم نے بھلائی کا ارادہ فرمایا تو میرے صحابہ کا اجماع ان میں سب سے اچھے آدمی پر ہو جائے گا.

(کتاب الشافی ترجمہ اصول کافی جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۳۷۳ مطبوعہ ۱۹۷۲ ناشر شمیم بک ڈپو ناظم آباد کراچی)

لیجئے صاحب! یہ ہے حضرت علیؓ کا حتمی اور قطعی فیصلہ حضرت علیؓ تو وصی رسول کے بارے میں یہ کہیں اور آج کل کے ذاکروں کی یہ ٹوں ٹوں کہ صحابہ کرامؓ نے (خلفائے ثلاثہ) حضرت علیؓ سے خلافت چھین کر غصب کر لی تھی۔ اب انصاف سے کہئے کہ کس کو صحیح اور درست مانا جائے۔ ذاکر لوگ اپنی لمبی لمبی اذانوں میں وصی رسول اللہ وخلیفہ بلافصل اور خدا جانے کیا کیا کلمات گانٹھتے چلے جاتے ہیں۔ کیا اس سے حضرت علیؓ کی صاف صاف تکذیب لازم نہیں آتی؟

منبروں پر چڑھ کر حضرت علیؓ کو جھٹلانا اور ان کی تکذیب کرنا کس محبت اور تولی کا تقاضا ہے. اگر یہی محبت ہے تو دشمنی کس کو کہتے ہیں؟

اگر زحمت نہ ہو تو وصیت کے بارے میں ایک اور روایت ملاحظہ کر لیں۔

اگر ابوبکر و عمر سزاوار نہ بودند چگونہ بیعت کردی و اطاعت فرمودی و اگر بودند من از شاں فرتر نسیم چناں بش از برائے من ک از برائے ایشاں بودی۔

فقال علی علیه اسلام

اما الفرقه فمعاذ الله ان افتح لها با با واسهل الیها سبهلا ولکنبی

انهک عما ینهک الله ورسوله عنه واهدیک الی رشدک واما عتیق وابن الخطاب فان کان اخذ ماجعله رسول الله لی فانت اعلم بذلک والمسلمون ومالی ولهذ الامرِ وقد ترکته مند حین فاما ان لایکون حقی بل المسلمون فیه شرع فقد اصاب السهم السغرته وام ان یکون حقی دونهم فقد ترکت لُهم طبت نفسا ونفصت یدی عنه استصلاحا. الخ

(ناسخ التواریخ جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۵۱۹ مطبوعہ تہران ایران)

یعنی حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ سے فرمایا! اگر ابو بکرؓ عمرؓ خلافت کے مستحق نہ تھے تو آپ نے ان کی بیعت کس طرح کی اور ان کی فرمابرداری کیوں کرتے رہے؟ اور اگر مستحق خلافت تھے تو میں بھی انہیں کی طرح سے ہوں اور میرے ساتھ اُسی طرح ہو کر رہئے جیسا کہ اُن کے زمانے میں اُن کے ساتھ رہے۔ اس کے جواب میں حضرت علیؓ نے کہا تفرقہ اندازی؟ اللہ مجھے اس بات سے بچائے کہ میں تفرقہ اندازی کا دروازہ کھولوں یا فتنہ کا راستہ آسان کروں میں آپ کو صرف اس چیز سے منع کرتا ہوں جس چیز سے اللہ اور اس کے رسول نے منع فرمایا۔ لیکن ابو بکرؓ وعمرؓ کا معاملہ تو اگر انہوں نے اس چیز کو مجھ سے غضب کیا ہوتا جس کو رسول اللہ نے میرے لیے مختص فرمایا تھا آپ اور باقی لوگ اس کو زیادہ جانتے ہیں مجھے اس خلافت کے ساتھ واسطہ ہی کیا۔ میں نے تو خلافت کے خیال کو ذہن سے نکال دیا ہے۔ پس خلافت کے متعلق دو ہی احتمال ہیں۔ ایک یہ رسول اللہ کے بعد خلافت صرف میرا حق نہ تھا۔ بلکہ سارے صحابہ مساوی طور پر اس میں حق دار تھے۔ جس کا حق تھا اس کو خلافت مل گئی۔ دوسری یہ صورت کہ خلافت صرف میرا حق تھا اور باقی کسی کا حق نہ تھا۔ تو میں نے اپنی خوشی کے ساتھ ان کو بخش دیا۔ اور صلح صفائی کے ساتھ ان کے حق میں دستبردار ہو گیا۔

خلیفہ ثانی سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت علی نے رشتہ دیا۔ اس نکاح کا ثبوت تقریباً اہل تشیع کی ہر کتاب میں موجود ہے۔ مگر جن الفاظ کے اہل بیت کی عقیدت کا دم

بھرنے والے اس نکاح کا اقرار کرتے ہیں۔ مجھے اللہ کی قسم ہے کوئی ذلیل سے ذلیل انسان بھی اپنے متعلق ان الفاظ کو برداشت نہیں کر سکتا۔ کوئی شخص اِن الفاظ کو دیکھ کر یہ بات تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا ہے کہ اِس قسم کے الفاظ بدترین دشمن ہی منہ سے نکال سکتا ہے۔ میں حیران ہوں کہ اللہ کے مقبول اور برگزیدہ بندوں کے متعلق یہ الفاظ استعمال کرنے والا اسی دنیا میں غرق کیوں نہیں ہو جاتا میں یہ جرأت نہیں کرتا اور اپنی عاقبت خراب نہیں کرتا کہ وہ الفاظ لکھوں یہی روایت جس کے لکھنے سے میرا دل لرز گیا میرے ہاتھ سے قلم گر پڑا اللہ کی قسم میں لکھنے کی جرأت نہ کر سکا اہل تشیع نے اپنی معتبر ترین کتاب ناسخ التواریخ جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۴۳۳،۳۲۴ مطبوعہ تہران میں بڑے شدومد سے لکھا۔ ملاحظہ فرمالیجئے۔ آپ دعویٰ محبت کے کوٹ کے اندر دیکھئے اور اس زہر سے بچئے خلفاء راشدین کی شان اقدس میں شب وستم بکنا اور محبت علی کہلوانا حضرت علی کو معاذ اللہ جھٹلانا اور پر دعویٰ تولّی (محبت) کرنا ایمان تو کجا خود کسی معقولیت پر بھی مبنی نہیں ہو سکتا۔ بے خبر اور ناواقف لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے کبھی قرطاس کی روایت پیش کی جاتی ہے۔ کہ رسول اللہ نے اپنی زندگی کے آخری خمیس کو اپنے گھر میں اہل بیت کے مردوں سے کہا کہ لکھنے کے لئے کوئی چیز (دوات، قلم، کاغذ لاؤ میں تمہارے لئے کچھ وصیت لکھ دوں تاکہ تم میرے بعد صراط مستقیم پر ثابت قدم رہو حضرت علیؓ نے مسجد میں جاکر دوات قلم طلب فرمائی حضرت عمرؓ نے کہا ہمیں قرآن کافی ہے۔ کیا رسول اللہ ہمیں داغ مفارقت تو نہیں دینا چاہتے؟ اس بات کو سمجھو!!

یہ روایات اہل سنت کی کتابوں میں ہو یا اہل تشیع کی کتابوں میں بہر صورت قرآن کریم کی آیت کریم وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ (العنکبوت:۴۸) یعنی آپ اپنے ہاتھ مبارک سے کبھی اس کو نہ لکھنا تاکہ گمراہ کرنے والے لوگ اس میں شک پیدا نہ کر سکیں۔ بہر صورت رسول اللہ کا اپنے ہاتھ مبارک سے لکھنا ممنوع اور محال ہے۔ اور روایت میں ہے کہ میں لکھوں دوسرا بالفرض تسلیم اس روایت میں خلافت کا ذکر تک نہیں حضرت علی کی خلافت وہ بھی بلا فصل کیسے ثابت ہو گئی؟ اہل بیت کے مردوں میں حضرت علیؓ موجود

تھے تو ان کو دوات قلم پیش کرنے کا حکم ہوا جیسا کہ (ایتو) کا صیغہ جمع مذکر اسی امر پر دلالت کرتا ہے۔ فرض کرو کہ حضرت عمر نے حسبنا کتاب اللہ (ہمیں قرآن ہی کافی ہے) کہہ دیا تو سوال یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کے کہنے پر عمل کرنا تھا۔ یا رسول اللہ کے حکم پر؟ پھر حضرت علیؓ نے کس کے کہنے پر عمل کرتے ہوئے دوات، قلم، کاغذ پیش نہ کیا۔

اسی طرح یہ بھی ابلافریبی ہے حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل کی دلیل میں خم عزیز کی روایت پیش کی جاتی ہے۔ رسول اللہ نے حضرت علی کے متعلق فرمایا تھا۔من کنت مولا فعلی مولا (میں جس کا دوست ہوں علی بھی ان کے دوست ہیں) ظاہر ہے کہ قرآن کریم میں مولا بمعنی دوست ہے دیکھو آیت کریمہ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰہُ وَ جِبْرِیْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْن (التحریم:۴) اب مولا کا معنی حاکم یا امیر کرنا صراحۃً قرآن کریم کی مخالفت ہے۔ اور تفسیر بالرائے ہے۔

تمام حوالے عرض کر چکا ہوں کہیے؟ کوئی ایک بھی روایت کسی اہل سنت کی کتابوں سے پیش کی؟

یقیناً اہلِ انصاف میری تصدیق کریں گے۔ کہ مذہب شیعہ کی بنیاد درحقیقت دوست نما دشمن نے رکھی ہے۔ ممکن ہے بھولے بھالے برادران اسلام کہیں کہ جو لوگ سال بہ سال امام عالی مقام کا ماتم کرتے ہوں اور اپنے سینوں کو پیٹ پیٹ کر خون کر دیتے ہوں وہ کیسے دشمنِ اہل بیت ہو سکتے ہیں۔ اس کا فطرتی جواب صرف اتنا ہے کہ اس قسم کی روایات گھڑنے والو کی کم از کم سزا یہی ہو سکتی ہے۔

مقدس پاک باز ہستیوں کی شان میں علانیہ بکواس بکنے کی سزا دنیا میں یہی ہونی چاہیے۔ کہ اپنے ہاتھوں سے اپنے منہ اور اپنے سینے کو پیٹ پیٹ کر اڑا دیں ورنہ محبت کے تقاضے پر یہ کارروائی اگر مبنی ہوتی تو اس کی ابتداء حیدر کرار علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے شروع ہوتی۔ ان کے بعد یازدہ امام اس پر عمل کرتے ہوئے ماتم کرتے۔ مگر یاد رکھو یا کسی زبردست مجرمِ خدا کی کم از کم سزا یہی ہونی چاہیے جو بہر حال ان لوگوں کیلئے بہتر ہے۔ اللہ ہمیں ہدایت فرمائے۔

فقیر محمد قمر الدین سیالوی غفرلہ

سجادہ نشین آستانہ اقدس سیال شریف ضلع سرگودھا (پاکستان)

۱۸۔ ربیع الآخر ۱۳۷۰ھ

جاتے ہیں۔اور عجیب غریب حکایتیں تراش کر اس کے متعلق مشہور کی جاتی ہیں۔جس سے عام مسلمان آبادی کو متاثر ہونے کا خطرہ ہے۔یہ سب اس قسم بدعات نہیں ہیں جس پر مواخذہ نہ ہو بلکہ بدعت سیہ ہیں۔جس پر شرعی گرفت ہوسکتی ہے۔" (افتاوی عزیزیہ صفحہ نمبر ۱۹ مطبوعہ مجتبائی دھلی)

لہٰذا بغیر کسی تعصب وعناد کے بلکہ برادرانہ طور پر چند سطور سپرد قلم کی گئیں ہیں۔تاکہ ہم سب مل کر اس میں جو پہلو شریعت مطہرہ کے خلاف ہیں۔ان کو ترک کردیں۔خلاصہ یہ کہ اپنے دینی و دنیاوی معاملات میں اللہ تعالی اور رسول اکرم ﷺ اور جمہور ائمۃ مجتہدین کی اطاعت از بس ضروری ہے۔اور اختلافی صورتوں میں شرعی اصولوں کو چھوڑ دینا بلکہ انکار کر دینا اور اپنی خواہش کو اختیار کرنا سخت بے دینی ہے۔

قارئین کرام مضمون مندرجہ کے لیے جن کتابوں کے حوالہ جات دیئے گئے ہیں۔ وہ شیعہ حضرات کی مستند کتابیں ہیں جن کو وہ غلط نہیں کہہ سکتے۔کیونکہ یہ کتب شیعہ حضرات کے نزدیک مستند و معتبر ہیں۔اور قابل استدلال ہیں چونکہ وہ اپنے احکام وغیرہ کو انہیں کتابوں سے ثابت فرماتے ہیں۔اوران کو حجت و دلیل سمجھتے ہیں۔اگر وہ حوالہ جات وعبارت مندرجہ کو تسلیم نہ کریں اوران کے باوجودہ کہ وہ ان کتابوں کو صحیح مانتے ہوں کیونکہ اُن کے ائمہ کرام اور اُن کے اقوال وافعال و جملہ ضروریات آخر انہیں کتابوں کے ذریعہ ان کو معلوم ہوئے ہیں۔اور ان کو انہی کے راویوں نے بیان کیا ہے۔جن سے یہ حوالا جات اور عباراتِ مندرجہ منقول ہیں۔ تو جب وہ راوی اور کتابیں ہی غیر معتبر ہوئی۔تو ان کے تمام ائمۃ ماتمی مذہب اصول وفروع وغیرہ سب کچھ گیا۔یہ بھی یاد رہے یہ شیعہ کتب صرف شیعہ حضرات کے لئے مستند ہیں۔اوران ہی پر حجت ہوں گی اور بطور الزام ذکر کی جائیں گی۔

میرے پیارے پیارے اسلامی بھائیو دوستو اور بزرگو عوام کو اپنی طرف سے کسی چیز کو اچھا یا برا کہنا اوراس کو مذہب کا جزو بنالینا۔بے معنی اور فضول بات ہے۔ان کے اختیار

کرنے سے دنیاو آخرت کا گھاٹا ہے. سراسر خسارہ ہے.

کتاب الذبح علامہ سید علی الحاری شیعی لاہوری صاحبِ تفسیر لوامع التنزیل میں بعنوان ''اصلاح مراسم تعزیہ داری'' کے ماتحت یوں لکھتے ہیں۔

''تعزیہ داری کے موجودہ رسوم جو خلاف شرع اور قابل اصلاح ہیں مثلاً ذوالجنا کا پس خوردہ دودھ تبرکاً (اشرف المخلوقات) انسانوں کو پلانا اور اُس کے نیچے بکرے ذبح کرنا وغیرہ وغیرہ یہ سب افراط وتفریط ہے. اس کو ترک کر دینا از بس ضروری ہے. ان سب کو عوام کالانعام نے اختراع کیا ہے اور اپنے زعم باطل سے ترقی اسلام کا سبب بنا رکھا ہے. یہ سب باتیں ایسی ہیں جن کی کوئی بھی مذہب میں اصلیت نہیں ہے. عوام الناس نے خواہ مخواہ ان باتوں کو رفتہ رفتہ مذہب بنا رکھا ہے. اور جس امر کا مذہب میں کوئی حکم نہ ہو ظاہر ہے کہ وہ ایک لغو اور بیہودہ فعل ہے. پس دانشمندی یہی ہے کہ مومنین افراط وتفریط کے دونوں پہلوؤں کو چھوڑ دیں. عوام الناس کا اپنے خیال اور قیاس سے کسی چیز کو اچھا یا زینت اسلام کا موجب اور ترقی مذہب کا باعث سمجھ لینا اور اس کو مذہب میں داخل کر لینا مذہباً کسی طرح جائز نہیں.

مذکورہ باتوں میں بعض باتیں تو حرام ہیں اور بعض گناہ کبیرہ ہیں۔ ان کو فوراً ترک کر دینا چاہئے۔ اسی طرح فاضل موصوف نے اپنی تفسیر لوامع التزیل صفہ نمبر ۲۰، ۲۱ پر بڑی شرح وسط سے یہ بیان کیا ہے۔ ''کہ حضرتِ حسین کے مرثیوں کو راگ سے پڑھنا سخت منع وحرام ہے''۔

(استغفر اللہ ثم استغفر اللہ) سنتے تھے کہ عراق عجم میں شیعہ حضرت حسین اور ان کے اہل بیت کی نقلیں بنا کر ان کی تذلیل کرتے ہیں جو لوگ محرم کے دنوں میں عراق و ایران سے ہو آئے ہیں۔ ان سے دریافت کیجئے کہ وہاں امام مظلوم کا ماتم کس انداز میں کیا جاتا ہے. واقعہ کربلا کی پوری تصویر کھینچی جاتی ہے. محبان اہل بیت میں سے کوئی شمر بنتا ہے. اور کوئی یزید۔ لڑائی ہوتی ہے. وہی شعیہ جو قاتل پر ہزار تبرا کے بغیر روٹی نہیں کھاتا خود قاتلوں

کا لباس پہنے حسین کو قتل کرتا ہے. چند لڑکیوں کو جن کا نام زینب اور ام کلثوم رکھا جاتا ہے. یہ شیعہ ''قاتل'' ان کے کلوں اور رخساروں پر تھپڑ مارتا ہے. ان کے کانوں کی بالیاں اور بندے نوچتا ہے. امام حسین کو گالیاں دیتا ہے. اور انہیں قتل کر کے خوشی کے مارے اچھلتا کودتا ہے. اس کے ساتھی بھی گالیاں سنتے اور خوش ہوتے ہیں. امام کے خیمے لوٹے جاتے ہیں. مستورات کو برہنہ اونٹوں پر سوار کیا جاتا ہے. بازاروں میں پھرایا جاتا ہے. ناجائز دھمکیاں دی جاتی ہیں. اور کوفی غداروں کی نقل اتاری جاتی ہے. مگر ہندوستان کے شیعہ تو ان سے دو قدم آگے اور بڑھ گئے ہیں کہ انہوں نے حضرت حسین کے مقدس والدین محترمین کی بھی نقل بنا کر ان کی ہتک عزت کر ڈالی کیا یہی حب اہل بیت ہے؟ کہ اپنے ہاتھوں سے ان کی توہین کر کے غیر مذہب والوں کو بھی ان کا تماشا دکھایا جائے.؟ ابھی دل کو قابو کیجئے۔

مزید سنیے! شہر لکھنؤ محلہ منصور نگر میدان ایلچی خان میں جو ناٹک سرور (یعنی مجلس تبرا بازی) کے نام سے کیا گیا ہے جس کی مختصر خبر روزنامہ زمیندار، سیاست، حقیقت، میں چھپ چکی ہے. ہوش کو جمع رکھیے کہ اس ناٹک سرور میں اصحاب ثلاثہ کی نقلیں اتار کر ہزارہا کے مجمع عام میں جس میں غیر مسلم خاص طور پر بلائے گئے تھے. ان کی خلافت حاصل کرنے کا نقشہ دکھایا گیا. اور حضرت علی کی نقل بنا کر ان کی گردن میں رسی ڈالی گئی اور کھینچے جانے اور جبری بیعت لینے کا سین دکھایا گیا. اس طرح حضرت خاتون جنت کی نقل پر دروازہ گرائے جانے کا سین بھی دکھایا گیا. شیعہ ان مقدس پاک باز ہستیوں کی نقل بنا کر ان کی بے عزتی کرتا ہے. دیکھئے! محبت کی آڑ میں کس طرح دشمنی کرتا ہے۔ آج وہ شیعہ مصنوعی تعزیہ اور جھوٹی داستان بنا کر. بیچارے بھولے بھائی اسلامی بھائیوں کو گمراہ کر رہا ہے۔ (اللہ سے ان کفریات کی نقل کرنے پر ہم معافی کے طلبگار ہیں)

عزیز مسلمان بھائیوں، سیاہ لباس پہننا دشمنان خدا کا شیوہ ہے، دوزخیوں کو یہ لباس پہنایا جائے گا۔ اور یہ فرعونوں کا لباس ہے۔

۱۔ "امام جعفر صادق نے کہ حق تعالیٰ نے ایک نبی کے پاس وحی بھیجی کہ مومنوں سے کہدے کہ میرے دشمنوں کا لباس نہ پہنیں یعنی سیاہ لباس کیونکہ وہ دشمنان خدا فرعون وغیرہ کا لباس ہے۔ (جامع عباسی بانزدہ بابی، مصنفہ ملا بہاء الدین شعی یوسفی، دہلی صفحہ ۲۱۶، ۲۱۷)

۲۔ **سئل الصادق علیہ السلام عن الصلوٰة فی القلنسوة السود فقال لا تصل فیہ لانہا لباس اہل النار و قال امیر المومنین فیما علم بہ لا تلبسوا لسواد فانہ لباس فرعون.** (لامحضرة الفقیہہ صفحہ ۵۱)

مزید تسلی کے لئے کراہ ماتم فحہ نمبر ۱۷ فروغ کافی صفحہ نمبر ۳۴ جلد نمبر ۲ اور جامع الجعفری ترجمہ جامع الرضوی نولکشوری صفحہ ۶۹، جلاء العیون صفحہ نمبر ۶۴۱ یہ سب حوالہ جات ملاحظہ کرلیں۔ اب دنیا بھر کے شیعہ حضرات نے سیاہ لباس پر مذہبی رنگ چڑھا کر اس کو مذہب کا ایک حصہ بنالیا ہے۔ اوراس کو پہننا بڑے اجر وثواب کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

۳۔ ابن بابویہ نے بسند معتبر حضرت امام محمد باقر سے یوں روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقتِ وفات سیدہ فاطمہ سے کہا کہ اے فاطمہ جب میرا انتقال ہوجائے اُس وقت تو اپنے بال میری جُدائی کی وجہ سے نہ نوچنا اور اپنے گیسو پریشان نہ کرنا اور واویلا نہ کرنا اور مجھ پر نوحہ نہ کرنا اور نوحہ کرنے والوں کو نہ بُلانا (جلاء العیون ص ۷۵، فروغ کافی ص ۲۱۴ ج ۲)

۴۔ جب ابوبکر نے غسل وکفن وغیرہ کے متعلق اہلبیت کے سامنے حضور علیہ السلام سے پوچھا تو آپ نے اس کے متعلق جواب ارشاد فرمایا کہ جب ملائکہ مجھ پر نماز ادا کرچکیں اُس وقت تم فوج فوج اس گھر میں آنا اور مجھ پر صلوٰت بھیجنا۔ اور سلام کرنا اور مجھے نالہ وفریاد گریہ وزاری سے آواز نہ دینا، پھر فرمایا اُٹھ جاؤ اور جو کچھ میں نے بیان کیا اُسے اور لوگوں (☆) کو مطلع کردو۔ (حیات القلوب قلمی ص ۱۰۹۹)

(☆) اسی شیعی روایت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت صدیق نے سب سے پہلے حتیٰ کہ اہل بیت سے بھی پہلے کفن ودفن کے متعلق حضور علیہ السلام سے دریافت فرمالیا تھا جس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ سب معاملات کفن ودفن وغیرہ میں شریک تھے۔

شیعہ کتب گلزار جنت صفحہ نمبر ۳۰ پر لکھا ہے۔ کہ حضرت امام حسین نے ساتویں کو اپنے خیمہ سے تین قدم کے فاصلے پر کنواں کھودا اور میٹھے پانی کا چشمہ جاری ہوگیا۔ اس پانی کو امام حسین اور آپ کے اصحاب نے پیا اور پکھالیں بھرلیں پھر وہ چشمہ غائب ہوگیا۔ یا قدرت الٰہی سے خشک ہوگیا۔ کتاب گلزار جنت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ آٹھویں محرم کو بھی حضرت عباس جن کا ان کے ماموں (شمر) کو بہت لحاظ تھا لڑ بھڑ کر دریائے فرات سے بیس مشکیں بھر کے صحیح وسالم لے کر اپنے مقام پر پہنچ گئے اور کوئی اس لڑائی میں امام حسین کے لشکر کا شخص شہید یا زخمی نہیں ہوا۔ اور صاحب گلزار جنت یہ بھی لکھتے ہیں کہ علمائے معتبرین کی کتابوں میں اسی سبب سے حضرت عباس کا لقب بنی ہاشم کا (سقائے اہل بیت) مشہور ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شیعوں کے نزدیک بھی کربلا کی روایات غلط اور باہم متصادم ہیں۔ ملاحظہ کیجئے گلزار جنت صفحہ نمبر ۳۱ تا ۳۳۔ پر لکھا ہے کہ مقام کربلا دریا کے کنارے پر واقع ہے۔ جہاں تھوڑی سی گہرائی پر بھی پانی دستیاب ہوسکتا ہے۔ کربلا کے متعلق شیعی روایات یوں بھی ہیں۔ کہ وہ ایک سرسبز زرخیز مقام تھا۔ جہاں پانی وغیرہ کی دقت بالکل نہ تھی۔ تصویر کربلا شیعی صفحہ نمبر ۲۴ پر ہے کہ حضرت حسین جب حُر کے ساتھ کربلا میں تشریف لائے تو اُس کے گردو پیش درج ذیل قبائل آباد تھے۔ ماریہ، نینوا، غامریہ، قادسیہ، شفیعہ، عقر وغیرہ جو اس کے مالک و قابض تھے۔ حضرت حسین نے اُن سے اس مقام کربلا کو ساٹھ ہزار درہم کے عِوض خریدا۔ اُس وقت پیمائش چار مربع میل تھی۔ اس کی فضیلت میں بے شمار شیعی روایتیں ہیں۔

۱۔ جامعہ عباسی کے صفحہ نمبر ۳۰ پر یوں لکھا ہے۔ ''اور مالداروں پر تو ہر سال کربلا کی زیارت واجب ہے جو ایک سال نہ جائے گا اُس کی عمر ایک برس کم ہوجائے گی۔ جو قدم راہِ کربلا میں اُٹھایا جائے اس کے عوض ایک ایک حج مبرور اور ہزار غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ زیارت سے اگلے پچھلے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ عُرفہ (روز حج) کے دن زیارت کرنے سے ایسے بیس حج وعمرے کا ثواب ملتا ہے جو کسی نبی یا امام کے ساتھ کیے ہوں۔

۲۔ گلزار جنت شیعی صفحہ نمبر ۹ پر یہ بھی لکھا ہے۔ کربلا کی زمین تمام زمینوں سے پاکیزہ تر

اور سب سے زیادہ حُرمت والی ہے اور بہشت کی زمینوں سے ہے اور سب سے بڑھ کر ہے۔

شیعوں کا اصلی اور خدائی نام رافضی ہے. سنئے لکھتے ہیں.

۱۔ ابو بصیرؔ نے ایک روز امام جعفر صادق سے کہا کہ مسلمانوں نے ہمارا نام بُرا رکھا ہے جس سے ہماری کمر ٹوٹ گئی اور دل مر گئے، اور ایک حدیث ان کے فقہاء نے بیان کی ہے جس میں ہم کو رافضی کہا ہے اور اسی بناء پر ہمارا نام رافضی رکھا گیا ہے۔ اس پر امام جعفر صادق نے فرمایا کیا وہ نام رافضی ہے؟ ابو بصیرؔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے کہا ہاں، امام نے کہا اللہ کی قسم ان لوگوں نے تمہارا نام نہیں رکھا۔ بلکہ اللہ نے رکھا ہے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

فقال ابوعبداللہ علیہ السلام الرافضۃ قال قلت نعم قال لا واللہ

ماہم سموکم بل اللہ سماکُم، اور قاضی نور اللہ شوشتریؔ مجتہدی شیعی نے مجالس المومنین میں تصریح کی ہے کہ قدماء اثناء عشر کا لقب رافضی تھا اور حدیث جس میں ان کو رافضی کہا گیا ہے۔ حسبِ ذیل ہے۔

سیاتی من بعدی قوم لهم نبذ یقال لهم (الرافضة فان اور کتم قاقتلو هم فانهم مشر کون قال قلت یا رسول الله ما العلامة فیهم قال یفرطونک مالیس نیک ویطعنون علی السلف (دار قطنی) ترجمہ پہلے گزر گیا ہے۔ جامع اخبار، صحیفہ رضی شیعی کتابوں میں بھی یہ موجود ہے، اس سے ثابت ہوا کہ شیعہ حضرات کا نام رافضی تھا۔ (اہلبیت اور شریعت کے چھوڑنے والے) ☆ جو کہ تبصریح ائمہ

☆ کیونکہ رافضی چھوڑنے والے کو کہتے ہیں اور انہوں نے ائمہ اہلبیت کی پیروی اور تابعداری چھوڑی اور شریعت سے پشت موڑی اور اماموں پر ظلم وستم ڈھائے، ان کو پریشان کیا، اُن کی عزت و وقار کو ٹھیس لگائی، بڑی بے رحمی سے بعض کو شہید کیا اور اُن کی پھٹکار لے کر اپنی دنیا و آخرت سیاہ کی۔

خود خُداوند تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا۔ قدیم زمانہ کے شیعوں نے اسے بصدِ خوشی قبول کیا تھا، مجتہدین شیعہ نے اسکی تصدیق کی، مگر افسوس کہ آج شیعہ حضرات اس کو پسند نہیں فرماتے، اور خدائی لقب کو چھوڑ کر اپنی طرف سے مختلف القاب تجویز کرتے ہیں، بعض اپنے کو شیعہ اور بعض امامیہ اور بعض اثناء عشریہ کہلاتے ہیں، جن کا کہیں کوئی ثبوت نہیں۔ لہٰذا ان کو لازم ہے کہ اپنے کو

رافضی کہیں اور کہلوائیں، کیونکہ یہ خدائی نام ہے جو بہرصورت ان کے لئے بہت بہتر ہے۔

جوغم والم واقعی صحیح ہوتا ہے. خاص دل پر اس کی چوٹ ہوتی ہے .اس کا اظہار کسی خاص حیلہ و بہانہ کا محتاج بیان نہیں ہوا کرتا.کوئی عزیز فوت ہو جائے. تو اس کا خیال آتے ہی آنسو بہنے لگتے ہیں. نہ کسی نوحہ پڑھنے والے کی ضرورت ہوتی ہے .نہ کسی اُکسانے کی نہ دن کی قید ہوتی ہے .نہ رات کی نہ کسی سامان کی تکلیف ہوتی ہے .نہ پیغام کی اسی طرح اگر ماتمی حضرات کو حضرت حسین کا واقعی صحیح غم و درد ہو تو تعزیوں، گھوڑوں اور مرثیوں کے بغیر ہی رونا آجائے .کسی شیعہ سے گھنٹوں امام حسین کا ذکر کر کے دیکھ لیجئے .کیا مجال ہے کہ ایک آنسو بھی بہہ جائے .شیعہ ایک گھوڑا لے کر اس کو سجاتے ہیں. اسی گھوڑے کو دُلدُلِ امام بنا کر زیورات اور سامانِ جنگ سے سجا کر ایک چادر جو کہ سرخ داغوں سے ملوث ہوتی ہے اس پر ڈال کر بازاروں اور گلی کوچوں میں نکالتے ہیں۔گویا وہ حضرت حسین کا گھوڑا ہے۔جو ابھی ابھی اپنے سوار کو زمین پر گرا کر نکلا ہے۔تمام شیعہ چھوٹے بڑے مرد و زن چھاتیوں کو پیٹتے ہوئے یائے حسینؓ وائے حسینؓ کرتے ہوئے جاتے ہیں۔ دیکھئے! ان دشمنانِ اہلبت کو پھر اسی ظالم گھوڑے کے سامنے یعنی جو امام کو چھوڑ کر بھاگ آیا ہے۔اُسی سے مرادیں مانگتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔یاد رہے حضرت حسین کی سواری خچر یا اُونٹ تھا بلکہ کربلا میں آپ اونٹ پر سوار ہو کر آئے تھے جبکہ یہ ہمیشہ گھوڑا ہی نکالتے ہیں۔

پھر اس کی تیاری کے درمیان کوئی ماتم کوئی نوحہ نہیں کیا جاتا. اس وقت غمِ حسین کیا دل سے محو ہو گیا ہوتا ہے؟ صرف بات یہ ہے کہ عورتوں (شہوتوں کا سماں) اور مردوں کی ٹڈ بھیڑ و سینہ کوبی کو دیکھنے اور داد دینے والا کوئی موجود نہیں ہوتا. جہاں گھوڑا بازار اور گلی میں نکلا حضرت حسین کی یاد کو حیلہ کر کے ماتم و مرثیہ. شروع کر دیتے ہیں۔ دیکھئے! جب نماز کا وقت آجاتا ہے. تو مسلمان اللہ اکبر کہہ کر وہیں مشغول نماز ہو جاتے ہیں۔ اور کبھی کسی کا انتظار نہیں کرتے. تاکہ کوئی آ کر نماز پڑھنے پر واعظ کرے تو نماز پڑیں. مگر ماتم حسین کیسی عبادت ہے. جب تک کوئی نہ اُکسائے. تو کر ہی نہیں سکتے. پس ثابت ہوا کہ ماتمی (شیعہ) حضرات کو صحیح غم و دردِ حسین نہیں ہے بالکل نہیں ہے محض بناوٹ ہے. مشہور قاعدہ ہے کہ ایک شخص کسی پر ظلم کرتا

ہے تو مظلوم کے لواحق اور مدد کرنے والے ظالم کی خبر لیتے ہیں .اور اس کو اس کے ظلم کی خوب سزا دیتے ہیں .اور اس ظالم کو اُس کے ظلم کی خوب سزا دیتے ہیں ۔ نہ کہ وہ بھی مظلوم پر ہی ہاتھوں کو صاف کریں .اور اسی کو پیٹ پاٹ کر تباہ کریں .جس عورت کے بچے کو ظالم نے ستایا ہو .موٹی بات ہے .کہ وہ ظالم کے منہ کو آتی ہے .اور اُسی کو پیٹتی ہے .اور اُسی کا سیاپہ وغیرہ کرتی ہے . اِسی بنا پر چاہیئے تو یہ تھا کہ ان ماتمی حضرات (شیعہ) کو خلافِ شرع پیٹنا و رونا اور ماتم کرنا ہی تھا تو ان کا کرتے .جنہوں نے (مصنوعی روایاتِ) کربلا کے متعلق گھڑی ہیں اُن کا ماتم کرتے .مگر افسوس یہ ماتمی (شیعہ) حضرات یوں نہیں کرتے .ظالم کی تو عزت کرتے ہیں .عجیب ہمدردی ہے .کیا یہ جائز ہے کہ کسی عورت کی بے عزتی ہوتی ہو اور کوئی بے بازاروں میں یہ کہتا پھرے کہ مسمات فلاں بن فلاں کے ساتھ ایسا ہوا اور .ویسا ہوا، یا کسی معزز قوم کو پھر اُسی وقت اور ہر سال معیّن وقت پر بدنام کرتا پھرے .اور چیخ و پکار کرے .لوگوں کو سنائیں . مجمع بنائے .اہتمام کی دعوتیں دیں .کہ فلاں کے ساتھ اس وقت یہ ہوا (استغفر اللہ، ثم استغفر اللہ) کسی مسلمان کو تو اس کی جرأت نہیں ہو سکتی ، اور پھر لطف یہ ہے کہ ماتمی حضرات اہل بیت کی اولاد جن کا نام ابوبکر .عمر .عثمان تھا .ان کا نام تک نہیں لیتے بلکہ لازمی طور پر ان کا نام لینا ممنوع قرار دیا جاتا ہے .شاید اس کی وجہ یہ ہے .کہ کہیں بچارے بھولے بھالے حضرات و اور دیگر رفقاء شریک .کہیں اصلیت نہ سمجھ جائیں .کہ اہل بیت اور صحابہ کرام تمام آپس میں شیر و شکر تھے . بھائی بھائی اور ان میں کوئی ذاتی عدوات و جھگڑا نہ تھا .اس وجہ سے ایک دوسرے کے ناموں کو پسند کرتے تھے .اور اپنی اولادوں کو ان ہی ناموں سے موسوم کرنا زیادہ پسند کرتے تھے .اور ضروری سمجھتے تھے . چنانچہ شیعوں کی مشہور کتاب تاریخ ائمہ میں اس کی تصریح موجود ہے .تفصیل کے لئے دیکھ لیجئے !

ائمہ اہل بیت نے مکارمہ اخلاق کا ہمیشہ سبق دیا .اور اپنے پیروؤں کو بہترین اخلاف کا نمونہ بننے کی ہدایت کی لیکن افسوس کہ آج انہی کے نام پر اُن کے دین کو اعلانیہ داغ لگایا جا رہا ہے .اور اس پر فخر کیا جا رہا ہے . واقفِ حال لوگ بھی دوسرے انسانوں کے خوف سے صحیح بات زبان پر لانے کی جرأت نہیں کرتے .تعصب کا اتنا زور ہے کہ بڑے سے بڑا

آدمی بھی صحیح بات کا اظہار نہیں کرسکتا. ہم نے جو کچھ لکھا ہے کہ خدا شاہد اور گواہ ہے کہ محض اسلام کی تائید واہل ایمان کی اصلاح وفلاح اور دنیا وآخرت کی نظر سے لکھا گیا ہے. اس حق گوئی پر عمل کرنے کی بجائے کوئی جاہل کنندہ ناتراش اگر خفا ہو کے مجھے گالیاں دیوے اور اخباروں میں میرے لیے بُرا لکھے تو میرے لیے دل تنگی کا باعث نہ ہوگا. امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں میں نے کسی لومتہ لائم کی نہ پہلے کبھی پرواہ کی ہے نہ آئندہ کبھی کروں گا اسی طرح قارئین حضرات سے التجا ہے کہ وہ اس کتاب کی ہر بحث کو پڑھتے وقت ان امور کو پیشِ نظر رکھیں. اور بار بار کتاب کا مطالعہ فرمائیں انشااللہ تعالی مضامین کی صداقت روز روشن سے زیادہ واضح نظر آئے گی. بلکہ آپ کو مجبور کردے گی. آپ ایک صاف ستھرا صحیح سیدھا راستہ اختیار کریں. جو کتاب وسنت کی روشنی میں ثابت ہو اور یہ وہی ہے جو بزرگان اہلسنت والجماعت نے اختیار کر رکھا ہے. ان ضروری امور کو کہہ لینے کے بعد اس رُباعی پر ختم کرتا ہوں. غور سے ملاحظہ فرمایئے.

نام کی ہوتی ہے مُحرّم میں خیرات کثیر
ہے کہیں روٹی کہیں کھچڑا کہیں ملتی ہے کھیر
جلوہ گر مصنوعی پنجہ شاہِ مرداں کا جدا
اور وہ تمثال دلدل زحتِ پیکر کربلا
بانس کے وہ ڈھانچ جن پر ہوں کاغذی پیراھن
تعزیہ کہتے ہیں سب اس کو یہاں کے مرد و زن
پہنتے ہیں لوگ اکثر جامہ ہائے سبز رنگ
ہوتی ہے گھتکا پھری سے وقت کی مصنوعی جنگ

الداعی والسلام
بندہ مسکین مہرالدین نقشبندی قادری عفی عنہ (لاہور پاکستان)

پیر غلام دستگیر نامی

اہل بیت اور اصحاب مصطفیٰ ﷺ کی محبت عین حب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے اور اُن سے دشمنی رسول اکرم ﷺ سے دشمنی کے مترادف ہے مگر بعض لوگ بڑے لطیف پرائے میں حبِ اہل بیت کے پردہ میں اہل بیت سے دشمنی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ کیونکہ وہ ممدوحین اہل بیت صحابہ کرام کی شان اقدس میں غلیظ الفاظ استعمال کرتے رہتے ہیں۔ زبان و قلم سے ان کا یہ وظیفہ شعار بن چکا ہے۔ اُمت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اہل بیت کی جتنی تعریف صحابہ کرام نے فرمائی اس کی مثال ناممکن ہے۔ اور اصحابِ رسول کے جو اوصاف اہل بیت نے ارشاد فرمائے ان کی تمثیل بھی محال اور یہی وجہ ہے کہ ایمان و اسلام کے لئے ان کا وجود جزوِ ایمان اور معیار قرار پایا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی شان میں کتاب وسنت ناطق ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت، ازواج مطہرات اور صحابہ کرام کو گالیاں دینا بے ادبی اور گستاخی کرنا توہین وتنقیص کا نشانہ بنانا حرام و کفر ہے۔ جو ایسا کرے وہ ملعون مفتری ہے۔ اور کذاب ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین خصوصاً خلفاء راشدین یعنی سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمرؓ فاروق، سیدنا عثمان غنیؓ، سیدنا معاویہؓ، سیدنا عمرو بن العاص کو یہ کہے کہ یہ کفر وضلال پر تھے وہ کافر ہے اور اس کی سزا قتل ہے (شفاء قاضی عیاض)۔

حضرت سہیل بن عبداللہ تستری فرماتے ہیں کہ جو اصحاب رسول اللہ کی عزت نہ کرے وہ گویا نبی کریم ﷺ پر ایمان ہی نہیں رکھتا (النار الحامیہ مولانا نبی بخش حلوائی)۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری محبت اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ وعمر رضی اللہ عنہم سے بغض ودشمنی ایماندار کے دل میں جمع نہیں ہو سکتے حضرت امام ابوزرعہ رازی فرماتے

ہیں کہ جو اصحاب رسول اللہ کی شان میں گستاخانہ الفاظ بولے وہ زندیق ہے۔ کیونکہ اللہ اور رسول اور قرآن و احکام شریعت حق ہیں لیکن ہم تک سب چیزیں صحابہ کرام کے بغیر نہیں پہنچیں پس جو ان پر جرح کرتا ہے۔ اس کا مقصد کتاب وسنت کو مٹانے کے سوا کچھ نہیں پس درحقیقت شاتم صحابہ کرام ہی زندیق، گمراہ کاذب اور معاند ہے (مکتوب امام ربانی)

اب غور طلب امر یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعی کوئی حق تھا جو غصب کیا گیا اور آپ نے باوجود خدائی طاقتوں کا مالک ہونے کے اس کی بازیابی کے لئے کوئی کوشش کی؟

شیعی روایتیں بھی یہی بتاتی ہیں۔ کہ نہیں کی بلکہ صبر کیا اور وہ اس حد تک کہ ان کی زوجہ پر معاذ اللہ اس قدر تشدد کیا گیا کہ حملِ محسن ساقط ہو گیا۔ اور بیٹی ام کلثوم بنت فاطمہ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بہ جبر نکاح میں لے آئے جیسا کہ فروغ کافی کے باب فی تزویج ام کلثوم رضی اللہ عنہا میں نہایت گندے الفاظ میں اور کتاب ''شرح اصول کافی'' کی کتاب الحجہ جز و سوم کے ۱۶ ویں باب میں بالفاظ ہتکِ حرمت (پردہ داری) مذکور ہے یہ تو دنیاوی معاملات میں مافوق الفطرت صبر کی کہانی ہے۔ اور دینی معاملہ میں قرآنی احکام کے پارہ پارہ ہونے پر صبر۔ کعبہ کے خراب ہونے پر صبر۔ خدا اور رسول کے طریقوں کے معطل ہونے پہ صبر۔ حق خلافت کے چلے جانے پر صبر۔ خمس کے غصب ہونے پر صبر۔ الغرض بے انتہا صبروں کی تلقین بذریعہ آسمانی وصیت نامہ اختراع کی گئیں صرف یہ بات بتانے کے لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اصحاب ثلاثہ حضرت ابوبکر و عمر، عثمان رضی اللہ عنہم کے عہد خلافت میں جو کسی قسم کا جھگڑا نہیں کیا وہ اس لئے تھا کہ انہیں صبر کی وصیت آسمان سے نازل ہوئی تھی اور وہ کتاب وسنت کو معطل پا کر چپ رہے، اللہ کی پناہ! یہ کس قدر شدید بہتان ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات پر۔ حالانکہ ان کے کلام نہج البلاغہ میں صاف ہے کہ خلافت کا سب لوگوں سے مستحق وہی ہے جو اس پر ان سب سے زیادہ قوی ہو اور خدا کا حکم جو اس بارے

میں ہے اسے سب سے زیادہ جانتا ہو۔'' نیز فرمایا میں دو شخصوں سے مقابلہ کروں گا ایک تو وہ شخص جو مدعی خلافت ہے۔ حالانکہ وہ اس کا مستحق نہیں اور دوسرا وہ شخص جو اس چیز سے اپنے نفس کو منع کرے جو اس پر واجب ہے'' (صفحہ ۲۲۹ نیرنگ فصاحت ترجمہ نہج البلاغہ) اس ارشاد سے ثابت ہوا کہ حضراتِ ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنے اپنے عہدِ خلافت میں سب سے زیادہ قوی اور احکامِ الٰہی کے بہترین عالم تھے۔ لہٰذا مستحق خلافت۔ اگر ان اوصاف کے مالک نہ ہوتے تو حضرت علیؓ ان کو غیر مستحق سمجھ کر ضرور مقابلہ کرتے، پس آسمانی وصیت نامہ بالکل جعلی ثابت ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہتک حرمت، احکام خدا اور رسول کے تعطل، غصب حقوق وغیرہ کے قصے کلام امام نے جھوٹے ثابت کر دیئے۔ اس تمہید کے بعد ہم اصل موضوع پر آتے ہیں۔ ہم حضرات عشرہ مبشرہ وغیرہ ہم کل اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اوّل درجہ کے غیرت منداور باطل کو مٹانے والے یقین رکھتے ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ انہوں نے کبھی منافقت سے کام نہیں لیا۔ جس کے ساتھ ان کی محبت تھی وہ علانیہ تھی۔ صرف اللہ کے لئے تھی۔ اور جن سے دشمنی تھی وہ بھی علانیہ تھی۔ ایسے غیور اور شجاعوں پر یہ بہتان باندھنا کہ انہوں نے باہمی میل ملاپ میں منافقت سے کام لیا کسی عقلمندی کا کام نہیں۔

پس کیسے افسوس کا مقام ہے کہ نبی کی امت کہلانے والے خاص مسلمانوں اور ان بزرگوں کو ہدف تبرا بنائیں جن کے اور حضور کے باپ دادا ایک ہی شجر کے ثمر تھے۔ باوجود اس قسم کی قریب ترین اور گوناگوں رشتہ داریوں کے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت امام حسن، امام حسین رضی اللہ عنہم اور ان کی اولاد میں تھیں کون گمان کر سکتا ہے کہ یہ سب ظاہر داری پر مبنی تھیں اور حقیقت میں وہ ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ معاذ اللہ من ذالک۔ اس کثرت سے نبی پاک و اصحاب رسول کے مابین قرابت و رشتہ داریاں ہیں کہ ایک قرابت کو

دوسری سے ممیز کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ بعض صورتوں میں ایک صحابی کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کئی قسم کی رشتہ داری ہے۔ پس کوئی کسی صحابی کو گالی دیتا ہے تو دوسری یا تیسری پشت میں ہی نبی کریم ﷺ کے آباؤ اجداد کو بھی شامل کر لیتا ہے میں پوچھتا ہوں کوئی ایسا کرنے کے بعد بھی مسلمان کہلانے کا حق دار ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ ایسا کرنے والا مسلمان ہو ہی نہیں سکتا۔

قارئین کرام! ائمہ اطہار نے عموماً اور حضرت علی، حضرت امام حسن، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم نے خصوصاً اپنی اولاد کے نام ابوبکر، عمر و عثمان رکھے ہیں اور ان ناموں کی اولاد کربلا میں حضرت امام حسینؓ کے ساتھ شہید بھی ہوئی۔ کیا ابوبکر بن علی، عثمان بن علی و ابوبکر بن حسن جنہوں نے میدان کربلا میں حضرت امام حسین کے ساتھ جان دے کر حق رفاقت ادا کیا، کیا وہ اس کے مستحق نہیں کہ ان کا ذکر بھی مجلس عزا میں کیا جائے لیکن کون کہہ سکتا کہ ان کا نام تک بھی کسی نے آج تک سنا ہو۔ یہ ایک ایسی عداوت ہے جس کا کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ اور اسی قسم کی عداوت کے خلاف ہم صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں۔ حضرات شیعہ کی معتبر کتاب تاریخ ائمہ صفحہ نمبر ۴۳ میں لکھا ہے کہ حضرت علی، حضرت امام حسن نے اپنی اولادوں کے نام ابوبکر، عمر، عثمان، زید، عمر اصغر وغیرہ رکھے ہیں اور امام حسین کے گیارہ بیٹوں میں چار کے نام ابوبکر و عمر، زید اور یزید بھی بتائے ہیں۔ یزید نام رکھنا امام حسین پر ہی منحصر نہیں بلکہ ان کے چچاؤں کی اولاد میں بھی یزید کے علاوہ معاویہ بھی نام پائے جاتے ہیں اگر کوئی جاہل صحابہ کرام اور آل علی کو باہم دشمن بتائے حالانکہ یہ سب آپس میں قریبی رشتہ دار تھے اور باہمی محبت کی وجہ سے اپنی اولاد کو انہی کے ناموں سے منسوب کیا۔ انصاف اور غور سے دیکھا جائے تو ان میں کوئی عداوت یا دشمنی نہیں ملے گی۔ بھلا دشمنوں کے ناموں سے کوئی اپنی اولاد کو منسوب کرتا ہے۔؟ ان میں جنگوں کے قصے تراشنا اور حقیقت پر پردہ ڈالنا ذریت ابن سبأ ہی کو زیب دیتا ہے۔ تحقیق و جستجو کرنے والے سب جانتے ہیں کہ یہ مؤرخوں کی غلط بیانیاں ہیں۔ جو پوشیدہ رکھے گئے مذموم عزائم کو پورا کرنے کے لئے لکھی گئی ہیں۔

دوسری سے ممیز کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ بعض صورتوں میں ایک صحابی کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کئی قسم کی رشتہ داری ہے۔ پس کوئی کسی صحابی کو گالی دیتا ہے تو دوسری یا تیسری پشت میں ہی نبی کریم ﷺ کے آباؤاجداد کو بھی شامل کر لیتا ہے میں پوچھتا ہوں کوئی ایسا کرنے کے بعد بھی مسلمان کہلانے کا حق دار ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ ایسا کرنے والا مسلمان ہو ہی نہیں سکتا۔

قارئین کرام! ائمہ اطہار نے عموماً اور حضرت علی، حضرت امام حسن، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم نے خصوصاً اپنی اولاد کے نام ابوبکر، عمر و عثمان رکھے ہیں اور ان ناموں کی اولاد کربلا میں حضرت امام حسینؓ کے ساتھ شہید بھی ہوئی۔ کیا ابوبکر بن علی، عثمان بن علی و ابوبکر بن حسن جنہوں نے میدان کربلا میں حضرت امام حسین کے ساتھ جان دے کر حق رفاقت ادا کیا، کیا وہ اس کے مستحق نہیں کہ ان کا ذکر بھی مجلس عزا میں کیا جائے لیکن کون کہہ سکتا کہ ان کا نام تک بھی کسی نے آج تک سنا ہو۔ یہ ایک ایسی عداوت ہے جس کا کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ اور اسی قسم کی عداوت کے خلاف ہم صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں۔

حضرات شیعہ کی معتبر کتاب تاریخ ائمہ صفحہ نمبر ۴۳ میں لکھا ہے کہ حضرت علی، حضرت امام حسن نے اپنی اولادوں کے نام ابوبکر، عمر، عثمان، زید، عمر اصغر وغیرہ رکھے ہیں اور امام حسین کے گیارہ بیٹوں میں چار کے نام ابوبکر و عمر، زید اور یزید بھی بتائے ہیں۔ یزید نام رکھنا امام حسین پر ہی منحصر نہیں بلکہ ان کے چچاؤں کی اولاد میں بھی یزید کے علاوہ معاویہ بھی نام پائے جاتے ہیں اگر کوئی جاہل صحابہ کرام اور آل علی کو باہم دشمن بتائے حالانکہ یہ سب آپس میں قریبی رشتہ دار تھے اور باہمی محبت کی وجہ سے اپنی اولاد کو انہی کے ناموں سے منسوب کیا۔ انصاف اور غور سے دیکھا جائے تو ان میں کوئی عداوت یا دشمنی نہیں ملے گی۔ بھلا دشمنوں کے ناموں سے کوئی اپنی اولاد کو منسوب کرتا ہے۔؟ ان میں جنگوں کے قصے تراشنا اور حقیقت پر پردہ ڈالنا ذریت ابن سبا ہی کو زیب دیتا ہے۔ تحقیق و جستجو کرنے والے سب جانتے ہیں کہ یہ مؤرخوں کی غلط بیانیاں ہیں۔ جو پوشیدہ رکھے گئے مذموم عزائم کو پورا کرنے کے لئے لکھی گئی ہیں۔

میں کہتا ہوں صحابہ اور صحابہ کی اولاد میں جنگوں کی غلط روایات کو قرآن وحدیث سے زیادہ قابل اعتماد سمجھنے والوں کا ایمان قرآن وحدیث کی بجائے مجوسیوں اور اہلِ تشیع کی جھوٹی من گھڑت تاریخ پر ہے۔ کیونکہ قرآن بہانگ دہل ان مقدس پاک بازہستیوں کے بارے میں کہہ رہا ہے'' رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ ۔یعنی یہ سب آپس میں شیر وشکر تھے۔قرآن کا ماننا فرض ہے اور انکار کفر ہے اور تاریخ کا ماننا فرض یا واجب نہیں۔اور اس کا انکار کفر بھی نہیں۔ بلکہ ایسی تاریخ جس میں صحابہ اور صحابہ کی اولادوں کے درمیان جنگوں اور دشمنیاں گھڑ کر ان کے بارے میں بدظنی پیدا کی گئی ہو اس کا ماننا حرام بلکہ کفر ہے۔ عجمی منافقین نے سوچے سمجھے انتقامی پروگرام کے پیش نظر روایتیں گھڑیں اور بعد کے سہل انگار مؤرخین نے پنسیاریوں کی طرح صحیح وسقم اور ضعیف ومن گھڑت کہانیاں اپنی مؤلفات میں جمع کر دیں۔ان تاریخ نویسوں میں ابن اسحٰق واقدی اور ابومخنف جیسے وضاع وکذاب ہیں۔زہری طبری، مسعودی، یعقوبی جیسے تقیہ باز رافضی بھی اور مجلسی جیسے بدبخت جلے کٹے سبائی بھی ہیں۔ان لوگوں نے اپنے اپنے رجحان طبع اور نظریہ پروگرام کے مطابق تاریخ میں یہ خدمات سرانجام دیں۔ ان سے حق بیانی کی امید عبث ہے۔ان کی تالیفات پر نقد وجرح کے بغیر روایات کو جمع کرنے والوں کو صحابہ تو کجا انبیاء معصومین علیہ السلام کا پاکیزہ کردار بھی صاف نظر نہیں آئے گا۔ان پر تو کوئی تعجب بھی نہیں البتہ حیرت وتعجب ان اہل نقد ونظر پر ہے جو روزہ نماز، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے معاملات میں تو علم وفن کی کامل مہارت اور ردوقبول کی تمام اصولوں کو کام میں لاکر ضرورت سے زیادہ تنقیح وتنقید کر گزرتے ہیں۔لیکن عہد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے تاریخی واقعات کی تحقیق کے سلسلہ میں علم وفن بلکہ عقل شعور کے تمام سوتے سوکھ جاتے ہیں۔روایت ودرایت کے تمام تر تقاضے فراموش کر کے ہر قسم کی واہی تباہی روایات وحکایات کو بے سوچے سمجھے اس طرح قبول کر لیا جاتا ہے کہ یہ ایسا عقیدہ وایمان ہے۔جس پر نہ کسی قسم کی گفتگو کی اجازت دی جا سکتی ہے۔اور نہ ہی اس کے خلاف کچھ سننے کی کوئی گنجائش ہے۔ واقعہ کربلا بھی صدر اوّل کے ان واقعات میں سے ہے جسے سب سے زیادہ شہرت ملی علامہ ابن خلدون کے

میں کہتا ہوں صحابہ اور صحابہ کی اولاد میں جنگوں کی غلط روایات کو قرآن وحدیث سے زیادہ قابل اعتماد سمجھنے والوں کا ایمان قرآن وحدیث کی بجائے مجوسیوں اور اہلِ تشیع کی جھوٹی من گھڑت تاریخ پر ہے۔ کیونکہ قرآن بہانگ دہل ان مقدس پاک باز ہستیوں کے بارے میں کہہ رہا ہے" رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ " یعنی یہ سب آپس میں شیر وشکر تھے۔ قرآن کا ماننا فرض ہے اور انکار کفر ہے اور تاریخ کا ماننا فرض یا واجب نہیں۔ اور اس کا انکار کفر بھی نہیں۔ بلکہ ایسی تاریخ جس میں صحابہ اور صحابہ کی اولادوں کے درمیان جنگوں اور دشمنیاں گھڑ کر ان کے بارے میں بدظنی پیدا کی گئی ہو اس کا ماننا حرام بلکہ کفر ہے عجمی منافقین نے سوچ سمجھے انتقامی پروگرام کے پیش نظر روایتیں گھڑیں اور بعد کے سہل انگار مؤرخین نے پنساریوں کی طرح صحیح وسقم اور ضعیف ومن گھڑت کہانیاں اپنی مؤلفات میں جمع کر دیں۔ ان تاریخ نویسوں میں ابن اسحٰق واقدی اور ابومخنف جیسے وضاع وکذاب ہیں۔ زہری طبری، مسعودی، یعقوبی جیسے تقیہ باز رافضی بھی اور مجلسی جیسے بدبخت جلے کٹے سبائی بھی ہیں۔ ان لوگوں نے اپنے اپنے رجحان طبع اور نظریہ پروگرام کے مطابق تاریخ میں یہ خدمات سرانجام دیں۔ ان سے حق بیانی کی امید عبث ہے۔ ان کی تالیفات پر نقد وجرح کے بغیر روایات کو جمع کرنے والوں کو صحابہ تو کجا انبیاء معصومین علیہ السلام کا پاکیزہ کردار بھی صاف نظر نہیں آئے گا۔ ان پر تو کوئی تعجب بھی نہیں البتہ حیرت وتعجب ان اہل نقد ونظر پر ہے جو روزہ نماز، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے معاملات میں تو علم وفن کی کامل مہارت اور رد وقبول کی تمام اصولوں کو کام میں لاکر ضرورت سے زیادہ تنقیح وتنقید کر گزرتے ہیں۔ لیکن عہد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے تاریخی واقعات کی تحقیق کے سلسلہ میں علم وفن بلکہ عقل شعور کے تمام سوتے سوکھ جاتے ہیں۔ روایت ودرایت کے تمام تر تقاضے فراموش کر کے ہر قسم کی واہی تباہی روایات وحکایات کو بے سوچ سمجھے اس طرح قبول کر لیا جاتا ہے کہ یہ ایسا عقیدہ وایمان ہے۔ جس پر نہ کسی قسم کی گفتگو کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ اور نہ ہی اس کے خلاف کچھ سننے کی کوئی گنجائش ہے۔ واقعہ کربلا بھی صدر اول کے ان واقعات میں سے ہے جسے سب سے زیادہ شہرت ملی علامہ ابن خلدون کے

بقول جو واقعہ دنیا میں جس قدر مقبول ہو گا اتنی ہی افسانہ سرائی اسے اپنے حصار تخیل میں لئے ہوئے ہو گی۔ آج یہ واقعہ بھی ایک افسانہ کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ جسے درحقیقت ''زیب داستاں'' کے لئے بہت زیادہ بڑھایا چڑھایا گیا ہے۔ یہ خدمت اپنوں بیگانوں سب نے یکساں انجام دی۔ سانحہ کربلا کا افسانہ سب سے پہلے ایک کٹر رافضی، جسے آئمہ رجال حدیث نے (''شیعہ محترق'' کٹر شیعہ دروغ گو کذاب کہا ہے۔) تقریباً ایک سو سال بعد گھڑا ہے جسے بعد میں ابن جریر طبری نے قال ابو مخنف کی تکرار کے ساتھ اپنی کتاب میں شامل کیا اور طبری سے دوسرے مورخین نقل کرتے چلے گئے۔ اس طرح اس موضوع و من گھڑت افسانے کو اعتبار کا درجہ حاصل ہو گیا۔ حادثہ کربلا کے وقت ابو مخنف کا دنیا میں وجود ہی نہ تھا امام ذہبی نے اس کا سن وفات ۱۷۰ھ بتایا ہے۔ اللہ کے لئے انصاف سے کہئے۔

ان ہی جھوٹی اور گمراہ کن روایت کی بنا پر کسی بھی مسلمان یا کسی خلیفہ پر دنیا کی تمام برائیاں چسپاں کر دینا اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو سب شتم کرنا صریحاً ظلم نہیں؟

پس اسی پر ختم کرتا ہوں کیونکہ عدم گنجائش کی وجہ سے یہاں اور کچھ لکھنے سے معذور ہوں اللہ ہمیں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی حقیقی محبت سے سرشار فرمائے اور گمراہوں کو ہدایت عطا فرمائے۔

ابوبکر و عمر و عثمان و حیدر خدا کے فضل سے شیر و شکر تھے
یہ سب ایک دنیا اور دیں میں بہر حال باہم شیر و شکر تھے

بندہ عاجز غلام دستگیر نامی (دائرۃ الاصلاح لاہور، پاکستان)

علامہ احسان الٰہی ظہیر

ہر قسم کی حمد وثنا اللہ رب الکریم کے لئے خاص ہے. جس نے ہمیں ہدایت اسلام سے بہرور فرمایا وہ اپنے پیارے پیغمبر محمد مصطفٰے ﷺ پر ان گنت درود وسلام نازل فرمائے جو ہمیں انتہائی واضح اور روشن دین پر چھوڑ گئے ہیں مختصر حمد وصلوٰۃ کے بعد یہ بات یاد رہے.
کہ اہل تشیع نے اپنے دوستوں اور ہم نواؤں کے ذریعے اہل بیت کی محبت کے پردہ میں اپنے جھوٹے نعروں اور شوشوں سے بہت سے دیندار لوگوں کو دھوکہ دے رکھا ہے. اور صد افسوس ان تمام اہل سنت پر جو برادران یوسف (علیہ السلام) کا کردار ادا کرتے ہوئے اپنی تصانیف میں پاک باز ہستیوں کے خلاف شیعہ کی جھوٹی روایات، اتہامات اور سازشوں کو جگہ دے کر ان کے باطل عقائد کو تحفظ دینے کے ذرائع فراہم کرتے ہیں۔

جہاں تک شیعہ حضرات کا تعلق ہے جو اہل بیت کی محبت و پیروی کے دعویدار ہیں صحابہ کے بارے میں ان کا نقطہ نظر اس سے یکسر مختلف اور جدا ہے. یہ لوگ ان کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا حال سن کر جلتے ہیں جن میں وہ ہمیشہ مصروف رہے صحابہؓ کی ان عظیم الشان فتوحات کا ذکر سن کر کڑھتے ہیں۔ جنہوں نے ان کے آباؤ اجداد کو ذلیل کر کے رکھ کر دیا تھا. ان کی بستیوں اور کفر کے شاخسانوں کو روند ڈالا تھا. اور پھر وہاں اللہ کی توحید اور اسلام کا پرچم بلند کیا. مجوسیوں (آگ پرستوں) اور یہودیوں نے اپنی جمعیتیں اکٹھی کیں. مفسدین وتخریب کاروں کو ساتھ ملایا تاکہ اس پھیلتی ہوئی روشنی کے آگے بند باندھیں. اور اس سیلاب تیز تند کا راستہ روکیں. سب کینہ رکھنے والوں، حسد کرنے والوں اور انتقام کی آگ میں جلنے والوں نے جمع ہو کر اہل بیت کی مصنوعی محبت کا لبادہ اوڑھ لیا. حالانکہ اہل بیت سے ان لوگوں کا دور کا بھی واسطہ نہیں. اور پھر اپنی قلم اور زبانوں کی تلواریں ان مجاہدین کے خلاف ہی سونت کر کھڑے ہو گئے. جو رسول اللہ ﷺ کے دوست اور آپ کی محبت میں سرشار آپ کے محبوب ساتھی تھے جنہیں آپ ﷺ کی پیروی واتباع میں موت بھی عزیز تھی. جو آپ کے لئے ہر عمدہ و

گراں مایہ چیز کو ترک کر دیتے تھے. جو آپ ہی کے نقش قدم پر چلنے والے تھے اور آپ ﷺ ہی کے بتائے ہوئے طریقہ پر گامزن رہے. رضوان اللہ علیہم اجمعین ۔

اُن نفوس قُدسیہ کے بارے میں گالی گلوچ سے ذرا نہیں چوکتے گستاخی کی اس حد کو پہنچ جاتے ہیں. بلکہ اس سے بھی بڑھ کر جرأت کرتے ہوئے اللہ کے نبیوں پیغمبروں اور سید البشر وخیر الخلائق محمد عربی ﷺ پر جو اللہ کی بہترین مخلوق ہیں زبان درازی کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں. ان کی طرف ایسے جھوٹ بولے اور ایسے مسائل کی نسبت کرتے ہیں جن سے عقل ہل جائے اور فکر وشعور ختم ہو جائے. فطرت سلیمہ اور ذوق سلیم ان کے ماننے سے انکاری ہے. ان تمام تباتوں کا ثبوت ان کی ثقہ ومعتبر کتابوں میں موجود ہے. جنہیں انہوں نے خود شائع کیا ہے. سنیئے :

وَقَدْ رَوَى الصُّدُوْقُ طَابَ ثَرَاهُ عَنِ النَّبِيِّ قَالَ اُعْطِيْتُ ثَلَاثًا وَّعَلِيٌّ مُّشَارِكِيْ فِيْهَا وَاُعْطِيَ عَلِيٌّ ثَلَاثًا وَّلَمْ اُشَارِكْهُ فِيْهَافَقِيْلَ يَارَسُوْلَ اللهِ وَمَاالثَّلٰثُ الَّتِيْ شَارَكَكَ عَلِيٌّ قَالَ لِوَآءُ الْحَمْدِ لِيْ وَعَلِيٌّ حَامِلُه وَالْكَوْثَرُ لِيْ وَعَلِيٌّ سَاقِيْهِ وَالْجَنَّةُ وَالنَّارُ لِيْ وَعَلِيٌّ قَسِيْمُهُمَاوَاَمَّا الثَّلٰثُ الَّتِيْ اُعْطِيَ عَلِيٌّ وَلَمْ اُشَارِكْهُ فِيْهَافَاِنَّهُ اُعْطِيْ شُجَاعَةً وَلَمْ اُعْطَ مِثْلَهُ وَاُعْطِيْ فَاطِمَةَ الزَّهْرَآءَ زَوْجَةً وَّ لَمْ اُعْطَ مِثْلَهَا وَاُعْطِيَ وَلَدَيْهِ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ وَلَمْ اُعْطِ مِثْلَهُمَا. (انوار نعمانیہ جلد اول ص ۱۷ مطبوعہ تبریز)

شیخ صدوق کہتے ہیں. نبی ﷺ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے تین چیزیں دی گئی ہیں جن میں علی بھی میرا شریک ہے اور علی کو تین چیزیں دی گئی ہیں. لیکن میں ان میں شریک نہیں پوچھا گیا یا رسول اللہ وہ کون سی تین چیزیں ہیں. جن میں علی آپ کے شریک ہیں؟ آپ نے فرمایا ایک لواء الحمد مجھے دی گئی اور علی اس کے اُٹھانے والا ہے، دوسرا کوثر مجھے عطا ہوئی اور علی اس کا ساقی ہے، تیسرا جنت، دوزخ مجھے دی گئی اور علی اُن کا قاسم (تقسیم کرنے والا) اور وہ تین چیزیں جو علی کو دی گئیں لیکن ان میں میں شریک نہیں، پہلی یہ کہ علی کو شجاعت ایسی ملی جیسی مجھے بھی نہیں ملی، دوسری علی کو فاطمہ الزہرا بیوی ملی، اس جیسی مجھے بیوی نہ ملی، ☆ تیسری علی کے دو فرزند حسن وحسین ہیں مجھے ان دونوں جیسے بیٹے نہیں ملے۔

☆ بیوی کی نسبت کہ آپ نے فرمایا ''جیسی بیوی فاطمۃ الزہرا علی کو ملی مجھے نہیں ملی''۔ ان الفاظ میں اس شیعہ مُلا نے حضور ﷺ کی انتہائی گستاخی کرتے ہوئے گویا آپ پر بے شرمی کا الزام لگایا۔ کیونکہ کوئی باضمیر اور شرم وحیاء والا انسان اپنے داماد کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ جیسی بیوی (یعنی میری بیٹی) تم کو ملی ویسے مجھے نہیں مل سکی۔ گویا میری بیٹی تیری زوجیت میں ہے، میری زوجیت میں نہیں۔ (معاذ اللہ استغفر اللہ)

مُلا باقر مجلسی نے اس پر بھی قناعت نہ کی بلکہ مزید جرأت کرتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا. خدیجہ تیری خوش دامن ہے مجھے ویسی خوش دامن نہیں ملی. میرے جیسا سسر تجھے ملا لیکن مجھے مجھ جیسا سسر نہیں ملا۔ تجھے جعفر جیسا سگا بھائی ملا مجھے اس جیسا بھائی نہیں ملا تیری والدہ فاطمہ ہاشمیہ ہیں مجھے ویسی ماں نہیں ملی ☆. (بحار الانوار صفحہ ۵۱۱ مطبوعہ قدیم الہند)

☆ کوئی بھی غیرت منداور باشعور انسان اپنی ماں کی شان وشوکت اور پاکیزگی وبلندئ کردار سے غیر مطمئن نہیں ہوتا چہ جائیکہ ایک اولوالعزم پیغمبر جس کی ماں نے اتنا بڑا عظیم انسان جنم دیا اور وہ خواہش مند ہو کہ میری ماں کاش کہ یہ نہ ہوتی کوئی اور ہوتی۔ معاذ اللہ استغفر اللہ.

اس سے بھی زیادہ مکروہ اور گھناؤنی وہ روایت ہے جو حویزی نے صدوق سے نقل کرتے ہوئی لکھی ہے. کہ رسول کو بھیجا ہی فقط اس لیے گیا تھا کہ آپ لوگوں کو علی کی ولایت کی تبلیغ کریں. اور اگر آپ نے ولایت علی کی یہ بات لوگوں تک نہ پہنچائی تو آپ کے عمل برباد و رائیگاں جائیں گے. (العیاذ باللہ)

ان کی عبارت سنئے! صدوق نے ''الامالی'' میں یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ نے علی سے کہا تھا. اگر میں تیری ولایت کے بارے میں وہ چیز نہ پہنچاؤں جس کا مجھے حکم دیا گیا ہے تو میرے اعمال برباد کردیئے جائیں گے. (تفسیر نور الثقلین جلد نمبر ا صفحہ نمبر ۶۵۴ مطبوعہ قم ایران)
اللہ ہمیں ان کفریات کی نقل کرنے پر معاف فرمائے۔

برسی بیان کرتا ہے کہ یہ آیت یوں تھی ''وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ بِعَلِیٍّ صِهْرِکَ'' یعنی ہم نے آپ کا ذکر آپ کے داماد علی کی وجہ سے بلند کیا. نبی ﷺ اسے یوں

ہی پڑھا کرتے تھے اور ابن مسعود سے بھی اسی طرح ثابت ہے .عثمان نے اس میں کمی کرادی (البرہان فی تفسیر القرآن جلد نمبر ۴ صفحہ نمبر ۵۷۴ مطبوعہ قم ایران) اسی پر بس نہیں اور مزید گستاخیاں دیکھئے کہ نبی کے نور سے زمین وآسمان پیدا کئے گئے اس لیے آپ زمین وآسمان سے افضل ہیں علی کے نور سے عرش وکرسی پیدا کئے گئے اس لیے علی عرش وکرسی سے بھی زیادہ محترم ہیں (البرہان فی تفسیر القرآن جلد نمبر ۴ صفحہ نمبر ۲۲۶ مطبوعہ قم ایران)

ان ہی کی ایک اور عبارت سنئے "جب علی پیدا ہوئے تو رسول اللہ ﷺ آپ کے پاس گئے، دیکھا کہ علی آپ کے سامنے کھڑے ہیں، دایاں ہاتھ کان پر رکھا ہوا ہے اور اذان دے رہے ہیں، پوری یکسوئی سے کھڑے ہیں، اللہ کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کا اقرار کرر ہے ہیں۔حالانکہ علی اسی دن پیدا ہوئے تھے، پھر رسول اللہ ﷺ سے پوچھنے لگے، میں پڑھوں؟ آپ نے کہا پڑھ" اس کے بعد پورا قصہ سنئے اور سر دھنئے:

"آپ نے ان صحائف سے پڑھنا شروع کیا جو خدائے بزرگ و برتر نے آدم پر نازل کئے تھے۔اس کے شیث پر نازل ہونے والے صحائف شروع سے لے کر آخر تک حرف بہ حرف پڑھ دیئے، اگر شیث بھی موجود ہوتے تو اقرار کر لیتے کہ آپ کو یہ صحائف ان سے بھی زیادہ یاد ہیں، پھر موسیٰ کی توریت پڑھی، اگر موسیٰ بھی موجود ہوتے تو تسلیم کر لیتے کہ آپ کو توریت زیادہ یاد ہے۔پھر داؤد کی زبور پڑھی، پھر عیسیٰ کی انجیل پڑھی، اگر داؤد اور عیسیٰ موجود ہوتے تو تسلیم کر لیتے کہ آپ کو زیادہ یاد ہے۔پھر قرآن پڑھا، میں نے دیکھا کہ آپ کو بھی قرآن اتنا یاد ہے جتنا اس وقت مجھے یاد ہے۔باوجودیکہ آپ نے مجھ سے قرآن کی ایک آیت بھی نہیں سنی تھی۔" (روضۃ الواعظین ص ۸۴)

یہ لوگ اس قسم کی بکواسات اور نازیبا باتیں صرف رسول اللہ ﷺ کی شان میں ہی نہیں بلکہ اللہ کے تمام برگزیدہ اور الوالعزم رسولوں کی توہین کرتے ہوئے اللہ رب العزت کے جلال سے ذرا نہیں ڈرتے کہتے ہیں.

حالاں کہ حضرت علی اُسی دن پیدا ہوئے تھے دیکھئے انبیاء کی توہین کس طرح کرتے

ہیں، ہم بیان کر چکے ہیں کہ کیسی کیسی خرافات ان لوگوں نے انبیاء معصومین کی طرف منسوب کی ہیں جن کو نقل کرتے ہوئے انسان شرم محسوس کرتا ہے۔ ان لوگوں نے بہت سے درد انگیز لطیفے بھی اپنی جھوٹی روایات میں بیان کئے ہیں۔ امام جعفر صادق سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے کہا ہے۔ عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال لما ولد النبی مکث ایاما لیس له لبن فالقاه ابو طالب علی ثدی نفسه فانزل اللہ فیه لبنا فرضع منه ایاماً حتی وقع ابو طالب علی حلیمه السعدیه فدفعه الیها یعنی امام جعفر صادق نے فرمایا کہ جب رسول اللہ پیدا ہوئے تو کئی روز تک آپ کی والدہ کے دودھ نہ اُترا۔ ابو طالب نے ان کو اپنی چھاتی سے لگایا، خدا نے دودھ اُتار دیا۔ اور رسول کی رضاعت اس سے ہوئی پھر ابو طالب نے ان کو حلیمہ سعدیہ کے سپرد کیا۔ (الشافی ترجمہ اصول کافی، کتاب الحجہ، صفحہ ۵۵۵، مطبوعہ کراچی)

ذرا دیکھئے کہ یہ لوگ کس طرح جھوٹے قصے اور کہانیاں گھڑ لیتے ہیں۔ جسے عقلا اور عام انسانوں کو تو چھوڑ یئے چھوٹے بچے بھی صاف محسوس کرتے ہیں کہ یہ سب لغویات ہیں۔ لیکن خدا جانے ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ نہ دیکھتے ہیں نہ سمجھتے ہیں۔ یہ ہم نے صرف اس لئے نقل کئے ہیں کہ شاید اس سے غافل چونک اٹھیں فریب خوردہ ہوشیار ہو جائیں سادہ لوح نصیحت پکڑیں۔ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کے دلوں میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلاف کس قدر نفرت و بغض بھرا ہوا ہے۔ دیکھئے انبیاء معصوم نبی محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنی والدہ کی رضاعت سے محروم کر دیا ہے۔ ایک کافر اور مشرک کے دودھ سے نبی کی پرورش کروار ہے ہیں۔ استغفر اللہ ثم استغفر اللہ۔

اب جب ہم نے یہ قصے شروع ہی کر دیئے ہیں تو کچھ اور قصے سنئے تاکہ آپ کو اندازہ ہو سکے کہ کس طرح اس قوم نے جھوٹے قصے اور کہانیاں گھڑ رکھی ہیں۔ اور انہی قصوں کی کمزور بنیادوں پر اپنے مذہب، عقائد کی عمارت کو استوار کر رکھا ہے۔ سنئے اور سر دھنیئے

رَوَی الْبَرْسِیُّ فِیْ كِتَابِهٖ لَمَّا وَصَفَ وَقْعَةَ خَیْبَرَ وَاَنَّ الْفَتْحَ فِیْهَا كَانَ عَلٰی یَدِ عَلِیٍّ اَنَّ جِبْرَئِیْلَ جَآءَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ (ﷺ) مُسْتَبْشِراً بَعْدَ قَتْلِ مَرْحَبْ فَسَئَلَ

النَّبِیُّ (ﷺ) عَنْ اِسْتِبْشَارِهٖ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ عَلِیًّا لَمَّا رَفَعَ السَّیْفَ لِیَضْرِبَ بِهٖ مَرْحَبًا اَمَرَاللّٰہُ سُبْحَانَهٗ اِسْرَافِیْلَ وَمِیْکَائِیْلَ اَنْ یَقْبِضَا عَضُدَهٗ فِی الْهَوَآءِ حَتّٰی لَا یَضْرِبَ بِکُلِّ قُوَّتِهٖ وَمَعَ هٰذَاقَسَّمَهٗ بِصُفَیْنِ وَ کَذَا مَا عَلَیْهِ مِنَ الْحَدِیْدِ وَ کَذَا فَرَسَهٗ وَوَصَلَ السَّیْفُ اِلٰی طَبَقَاتِ الْاَرْضِ فَقَالَ لِیَ اللّٰہُ سُبْحَانَهٗ یَا جِبْرَئِیْلُ بَادِرْ اِلٰی تَحْتَ الْاَرْضِ وَامْنَعْ سَیْفَ عَلِیٍّ عَنِ الْوُصُوْلِ ثَوْرَ الْاَرْضِ حَتّٰی لَاتَنْقَلِبَ الْاَرْضُ فَمَضَیْتُ فَاَمْسَکْتُهٗ فَکَانَ عَلٰی جَنَاحِیَّ اَثْقَلَ مِنْ مَدَائِنِ قَوْمِ لُوْطٍ وَ هِیَ سَبْعُ مَدَائِنَ قَلَعْتُهَا مِنَ الْاَرْضِ السَّابِعَةِ وَرَفَعْتُهَا فَوْقَ رِیْشَةٍ وَّاحِدَةٍ مِنْ جَنَاحِیَّ اِلٰی کُرْبِ السَّمَآءِ وَ بَقِیْتُ مُنْتَظِرًا لِاَمْرٍ اِلٰی وَقْتِ السَّحَرِ حَتّٰی اَمَرَنِیَ اللّٰہُ بِقَبْلِهَا فَمَا وَجَدْتُ لَهَا ثِقْلًا کَثِقْلِ سَیْفِ عَلِیٍّ فَسَاَلَهُ النَّبِیُّ لِمَ لَا قَبَّلْتَهَا مِنْ سَاعَةٍ رَفَعْتَهَا فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّهٗ قَدْ کَانَ فِیْهِمْ شَیْخٌ کَافِرٌ نَآئِمٌ عَلٰی قَفَاهُ وَ شَیْبَتُهٗ اِلَی السَّمَآءِ فَاسْتَحَیَ اللّٰہُ سُبْحَانَهٗ اَنْ یُّعَذِّبَهُمْ فَلَمَّااَنْ کَانَ وَقْتُ السَّحَرِ اِنْقَلَبَ ذَالِکَ الشَّائِبُ فَاَمَرَنِیْ بِعَذَابِهَا وَفِیْ ذَالِکَ الْیَوْمِ اَیْضًا لَمَّا فُتِحَ الْحِصْنُ وَاَمَرُوْا نِسَائَهُمْ فَکَانَتْ فِیْهِمْ صَفِیَّتُ بِنْتُ مَلِکِ الْحِصْنِ فَاَتَتِ النَّبِیَّ وَفِیْ وَجْهِهَا اَثَرُ شُجَّةٍ فَسَاَلَهُ النَّبِیُّ (ﷺ) عَنْهَافَقَالَتْ اِنَّ عَلِیًّا لَمَّا اَتَی الْحِصْنَ وَ تُعَسِّرُ عَلَیْهِ اَخَذَهٗ حَتّٰی اِلٰی بُرْجٍ مِّنْ بُرُوْجِهٖ فَهَزَّهٗ فَاهْتَزَّ الْحِصْنُ کُلُّهٗ وَکُلُّ مَنْ کَانَ فَوْقَ مُرْتَفِعٍ سَقَطَ مِنْهُ وَاَنَا کُنْتُ جَالِسَةً فَوْقَ سَرِیْرِیْ فَهَوَیْتُ مِنْ عَلَیْهِ فَاَصَابَنِیَ السَّرِیْرُ فَقَالَ لَهَا النَّبِیُّ یَا صَفِیَّةُ اِنَّ عَلِیًّا لَمَّا غَضِبَ وَهَزَّ الْحِصْنَ غَضِبَ اللّٰہُ لِغَضَبِ عَلِیٍّ فَزَلْزَلَ السَّمٰوٰتِ کُلَّهَا حَتّٰی خَافَتِ الْمَلٰئِکَةُ وَوَقَعُوْا عَلٰی وُجُوْهِهِمْ وَ کَفٰی بِهَا شُجَاعَةً رَبَّانِیَّةً.

(انوار النعمانیہ ص ۵۶ جلد اول، تذکرہ شجاعت علی)

برسی اپنی کتاب میں فتح خیبر کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ (خیبر کی) فتح علیؑ ہی کے زور بازو کا نتیجہ تھی۔ مرحب کے قتل کے بعد جبرئیل رسول اللہ کے پاس اس خوشی کی

مبارک باد دینے آئے نبی نے ان سے اس خوش خبری کی کیفیت پوچھی جبرائیل نے کہا" اے اللہ کے رسول جب علی نے مرحب کو مارنے کے لئے تلوار اٹھائی تو اللہ سبحانہ نے اسرافیل اور مکائیل کو حکم دیا کہ آپ کے بازو کو ہوا میں روک لیں تا کہ آپ کی ضرب پوری قوت سے زمین پر نہ پڑ سکے. اس کے باوجود آپ نے اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا. اس کے ساتھ اس کے اوپر جتنا لوہا تھا وہ بھی اِسی طرح اُس کے گھوڑے کو دو ٹکڑے کرتی ہوئی آپ کی تلوار زمین کے طبقات تک پہنچ گئی. مجھ سے اللہ سبحانہ نے کہا اے جبرائیل جلدی کر زمین کے پاتال میں پہنچ جا اور علی کی تلوار کو زمین کے بیل تک پہنچنے سے پہلے روک لے تا کہ زمین نہ الٹ جائے. میں گیا اور میں نے اسے (اپنے پروں پر) روک لیا. اس کا بوجھ میرے پروں پر قوم لوط کی بستیوں سے بھی زیادہ تھا. حالانکہ وہ سات بستیاں تھیں. اور اس کا قلعہ ساتویں زمین پر تھا. اس کی بلندی میرے پروں سے بھی اونچی آسمان کے قریب تک تھی میں صبح تک اسے اٹھائے حکم کا منتظر تھا کہ کب مجھے حکم ملے اور میں انہیں الٹ دوں ان کا بوجھ بھی علی کی تلوار کے مقابلے میں کچھ نہیں تھا." نبی ﷺ نے پوچھا تو نے کیوں انہیں اٹھاتے ہی الٹ نہ دیا؟ وہ (جبرئیل) کہنے لگے یارسول اللہ ان میں ایک بوڑھا کافر تھا. جو اپنی گدی کے بل سو رہا تھا. اس کے بالوں کی سفیدی کا رخ آسمان کی طرف تھا. خدا کو حیا آئی کہ اُسے عذاب دیں. سحر کے قریب جب اس بوڑھے نے کروٹ بدلی تو خدا نے مجھے عذاب دینے کا حکم دیا اس دن جب قلعہ فتح ہوا اور ان کی عورتیں گرفتار ہوئیں تو ان میں قلعہ کے بادشاہ کی بیٹی (قلعہ کے سردار کی بیٹی) صفیہ بھی تھی وہ نبی ﷺ کے پاس آئیں ان کے چہرے پر زخم کا نشان تھا. نبی نے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا! جب علی قلعہ میں آئے اور دیکھا کہ کام دشوار ہے. آپ نے اس کے برجوں میں سے ایک برج پکڑا اور اسے ہلانا شروع کیا تو پورا قلعہ لرزنے لگا ہر اونچی چیز جو اس میں تھی گرنے لگی میں اپنے بستر پر بیٹھی ہوئی تھی کہ اس سے نیچے گر گئی بستر مجھے لگ گیا۔ نبی نے آپ سے کہا اے صفیہ! جب علی نے غضبناک ہو کر قلعہ کو جھنجھوڑنا شروع کیا تھا علی کے غضب کی وجہ سے خدا کو بھی غضب آ گیا. سارے آسمان لرز اُٹھے. فرشتے خوف کے مارے اپنے چہروں کے بل گر گئے. آپ کو خدائی شجاعت ہی کافی ہے.

خیبر کے دروازے کو رات کے وقت ۴۰ آدمی ملکر بند کیا کرتے تھے. جب علی نے خیبر پر حملہ کیا تو لڑتے لڑتے آپ کی ڈھال ٹوٹ گئی اور دور جا گری آپ نے دروازے کو اکھاڑ کر ہاتھ میں ڈھال کی جگہ لے لیا. اور لڑتے رہے، وہ آپ کے ہاتھ میں ہی تھا کہ اللہ نے فتح عطا کر دی۔

اب شیعہ حضرات کی ایک اس روایت کی بالکل متصادم عبارت بھی پڑھیئے جسے سن کر بچے اور دیوانے بھی ہنس پڑتے ہیں. جس میں شروع سے آخر تک طعن و تشنیع کے بھر مار ہے.

جب علی نے دیکھا کہ لوگ انہیں چھوڑ چکے ہیں اور ان کی مدد نہیں کر رہے ہیں. بلکہ ابوبکر کی بات پر سب متفق ہو کر انہی کی تعظیم و تکریم کر رہے ہیں. تو آپ اپنے ہی گھر میں رہنے لگے عمر نے ابوبکر سے کہا کیوں تم ان کو (علی) کی طرف نہیں بھیجتے کہ وہ بھی بیعت کر لیں. ابوبکرؓ نے کہا کسے بھیجیں؟ عمر نے کہا ہم قنفذ کو بھیجتے ہیں. وہ طلقا بنی عدی بن کعب میں سے ایک سنگ دل اور درشت مزاج آدمی ہے. چنانچہ اسے بھیجا گیا اور اس کے ساتھ مدد گاروں کی ایک جماعت بھی گئی. قنفذ ملعون چلا وہ اور اس کے ساتھی بلا اجازت آپ کے گھر میں گھس گئے. علی اپنی تلوار کی طرف لپکے. لیکن انہوں نے جلدی کی اور علی پر قابو پالیا. کچھ نے اپنی تلواریں پکڑلیں اور علی کی گردن میں رسی ڈال دی. فاطمہؓ دروازہ میں ان لوگوں کے اور علی کے درمیان حائل ہوئیں. اس پر فاطمہ نے کہا میرے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونا تم پر حرام ہے. عمرؓ کو غصہ آ گیا کہنے لگا عورتوں سے ہمیں کیا؟ پھر اپنے ارد گرد کے لوگوں کو حکم دیا لکڑیاں اٹھائیں، انہوں نے لکڑیاں اٹھائیں عمرؓ نے خود بھی لکڑیاں اٹھائیں اور اس گھر کے ارد گرد ڈال دیں. جس میں علی و فاطمہ اور ان کے دونوں بیٹے رہتے تھے. پھر عمر نے اتنے زور سے پکارا کہ علیؓ نے سن لیا. فاطمہ کہنے لگیں اے علی تجھے خدا کی قسم تو جا اور رسول اللہ کے خلیفہ کی بیعت کر لے ورنہ وہ تجھے آگ میں جلا دیں گے. پھر فاطمہؓ نے کہا اے عمر تیرا ہمارا کیا جھگڑا؟ عمر نے کہا دروازہ کھول دو ورنہ ہم تمہارے گھر کو آگ لگا دیں گے. آپ (فاطمہ) نے کہا اے عمر کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا. تو میرے گھر میں داخل ہوگا۔ عمر نے لوٹ جانے سے انکار کر دیا. عمر نے آگ منگوائی اور دروازے میں آگ لگا دی. پھر دروازہ جل گیا تو عمر داخل

ہو گیا. فاطمہؓ نے اسے دیکھا اور چیخ ماری ہائے ہائے میرا باپ ہائے اللہ کا رسول عمر نے تلوار نیام سے کھینچ لی اور آپ (فاطمہ) کے پہلو میں ماری آپ چیخیں ہائے میرا باپ عمر نے کوڑا اٹھالیا. آپ کے بازوؤں پر مارا اور آپ چیخ اٹھیں اے اللہ کے رسول آپ کے جانشین ابوبکر اور عمر بہت برے ہیں. خدا کی لعنت ہو قنفذ پر اس نے فاطمہ کو اس وقت کوڑا مار دیا جب وہ اپنے شوہر اور اس (قنفذ) کے درمیان حائل ہوئیں. عمر نے اس کی طرف پیغام بھیجا تھا کہ اگر (فاطمہ) علی اور قنفذ کے درمیان حائل ہوں انہیں مارا جائے اور قنفذ نے ان کو بازو پر مارا اور ان کی پسلی توڑ دی. جس سے ان کے پیٹ کا بچہ گر گیا. اور وہ اپنی موت تک بستر سے نہ اٹھ سکیں خدا کی رحمتیں ہوں ان پر انہیں شہادت نصیب ہوئی. جب علی کو ابوبکر کے پاس لے گئے. عمر نے علی کو جھڑک کر کہا بیعت کر ان جھوٹے قصوں کو چھوڑ علی نے کہا اگر میں نہ کروں تو تم کیا کر لو گے؟ عمر کہنے لگے ہم تمہیں ذلت و رسوائی کے ساتھ قتل کر دیں گے. اس پر پھر وہ علی کو گھسیٹتے ہوئے لے چلے اور ابوبکر کے پاس پہنچا دیا علیؑ نے اس حال میں کہ رسی ان کی گردن میں تھی بیعت کرنے سے پہلے پکارا تھا. "یا ابن امّ ان القوم استضعفو نی و کادو یقتلوننی" بھائی قوم نے مجھے ضعیف سمجھا اور میرا مار دینا بھی ان سے کچھ دور نہ تھا.

(کتاب سُلیم بن قیس صفحہ نمبر ۸۳ تا ۸۹ مطبوعہ دہلی).

اس سے بڑھ کر یہ کہتے ہیں "اے ابی طالب تو نے اپنے آپ کو چھپا لیا جیسے ماں کے پیٹ میں بچا. پیٹ کے بچہ کی طرح تو خاموش بیٹھا رہا. (امالی لطوسی صفحہ نمبر ۲۵۹ مطبوعہ مصر).

اور کہتے ہیں "جب رات ہو گئی تو علی نے فاطمہؓ کو گدھے پر سوار کیا اور اپنے دونوں بیٹوں حسن اور حسین کا ہاتھ پکڑا رسول اللہ کا کوئی صحابی نہ چھوڑا جس کے گھر آپ نہ گئے ہوں اور انہیں اپنے حق کے لئے خدا کی قسمیں دے کر اپنی مدد کے لیے پکارا، لیکن ان میں سے کسی نے آپ کی بات قبول نہ کی. (کتاب سُلیم بن قیس ۸۳ مطبوعہ دہلی)

کچھ مزید سنیے: "حضرت فاطمہؓ آپ کو گھر بیٹھے رہنے پر ملامت کرتی رہتی تھیں اور آپ خاموش رہتے تھے. (اعیان الشیعہ صفحہ ۳۶ قسم اوّل مطبوعہ لاہور)

شاہ مرداں شیرِ یزداں قوتِ پروردگار
لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار

خود حضرت علیؑ فرماتے ہیں "اگر سارا عرب بھی میرے مقابلے میں آ جائے تو میں ان کی گردنیں اُتارنے میں جلدی کرتا رہوں گا۔ (نہج البلاغۃ خطبہ ۴۵ ص ۴۱۸)

ایک طرف حضرت علی کی شجاعت، قوت اور دلیری و بے خوفی کی ایسی ایسی کہانیاں اور قصے بنائے گئے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے. زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے. اور دوسری طرف بے حد توہین و تذلیل و تحقیر کرتے ہیں. آپ کو بزدل، کمزور، درماندہ اور عاجز ثابت کرتے ہیں. صرف یہی نہیں بلکہ کہتے ہیں کہ اس بزدلی اور خوفزدگی پر رسول اللہ کی بیٹی اور آپ کی بیوی حضرت فاطمہ آپ کو ملامت کیا کرتی تھیں. اور طعنے دیا کرتیں تھیں. حضرت علیؑ کی توہین و تحقیر کا ایک پہلو تو یہ ہے تعریف اور تصغیر دونوں کو آپ کی ہجو کیلئے استعمال کیا اور دوسرا پہلو ان لوگوں نے یہ اختیار کیا کہ دنیا بھر کی قباحتیں اور خامیاں علی کی صورت اور علی کے مزاج پر چسپاں کر دیں. اور تیسرا یہ ہے کہ حضرت علی کے پاس مال نہیں تھا اور آپ (علی) قلاش و فقیر تھے. کہتے ہیں "مفلس ابوطالب کے گھر سے اس کی تمام اولاد کو دوسرے لے گئے تھے تا کہ وہ اپنے ساتھی کی کفالت کر سکیں اور ان کا بوجھ ہلکا ہو جائے. (مقاتل الطالبین لابی الفرج صفحہ ۲۶).

ذرا غور سے سنئے! کہتے ہیں "**عنه قال حدثنا ابی عن بعض اصحابه رفعه قال كانت فاطمة عليها السلم لا يذكرها احد لرسول الله الا اعرض عنه حتي ليس الناس منها فلما ان اراد ان يزوجها من علی** ؑ **اسر اليها فقالت يا رسول الله انت اولیٰ بما تری غير ان نساء قريش تحدثنی عنه انه رجل دحداح البطن طويل الذراعين ضخم الكراديس انزع عظيم العينين لمنكبه هشاش كمشاش البعير ضاخک السن لا مال له**" یعنی جب حضور انور ﷺ نے حضرت علی سے فاطمہ کی شادی کرنا چاہی تو فاطمہؓ نے اس شادی سے انکار کر دیا تھا. رسول اللہ ﷺ نے فاطمہؓ کو بتایا کہ تو فاطمہ کہنے لگیں بابا آپ کی رائے مقدم ہے آپ کو اختیار ہے لیکن قریش کی عورتوں کی زبانی میں نے سنا ہے کہ علی پھولے پیٹ والا ہے لمبی لمبی کہنیوں والا

کنپٹیوں پر سے گنجا اس کے کندھے اونٹ کے کندھوں کی طرح لٹکتے ہیں ہنسی سے دانت نکلے ہوئے ہیں آنکھیں موٹی ہیں جیسے (آشوب چشم ہو.) اور اس کے پاس کوئی مال بھی نہیں (تفسیر قمی جلد ۲ صفحہ ۳۳۶ تفسیر برہان جلد ۴ صفحہ ۲۴۷ مطبوعہ قم ایران) اور بھی غور کیجئے اور غور سے پڑھئے شیعی روایت (کرم اللہ وجہہ) کی حقیقت کھل سکے. قرآنی روایت رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں کرم اللہ وجہہ کا اصرار اور ڈھنڈورا کیوں پیٹا جاتا ہے. اس بظاہر دعائیہ کلمہ کے پیچھے شیعہ ذہن کیا کام کر رہا ہے.؟ ان خبیثوں اور بد باطنوں کے عزائم کیا ہیں.؟ اور حضرت علی سے تعریفی پردے میں کس طرح دشمنی کرتا ہے. اس ایک روایت ہی سے سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں. ذرا دیکھئے یہ قوم کس قدر جھوٹ بولتی ہے. ان کی مبالغہ آرائیاں دیکھئے کس طرح یہ لوگ کبھی تعریفی کلمات کے پردے میں تحقیری مزموم عزائم پورے کرتے ہیں.

اب یہ ختم کرنے سے پہلے ہم یہ بتادیں کہ سب سے پہلے جوان لوگوں کی وجہ سے مصیبت میں مبتلا ہوئے. وہ علی ابن ابی طالب ہی ہیں. حالانکہ یہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہلا امام معصوم سمجھتے ہیں. اور ایک دلچسپ نقطہ یہ ہے کہ حسنین کو چھوڑ کر حضرت علی کی باقی ساری اولا کو اہل بیت سے خارج سمجھتے ہیں. ان کے نزدیک حضرت علی کی اولاد (محمد، ابوبکر، عمر، عثمان وغیرہ بارہ بیٹے اور انیس بیٹیاں (باختلاف روایات) سب اہل بیت سے خارج ہیں.

یہ بات بھی لائق ذکر ہے کہ شیعہ حضرات فاطمہ کے علاوہ آپ کی تینوں بیٹیوں آپ کی ازواج مطہرات اور ان کی اولاد کو بھی اہل بیت میں شامل نہیں سمجھتے. حالانکہ اہل بیت النبی کا مطلب رسول اللہ کا وہ گھر ہے جس میں آپ اپنی بیویوں اور بیٹوں کے ساتھ رہتے تھے. اہل بیت کے معنی گھر کے افراد ہیں. یعنی اہل خانہ ہیں۔ ہم نہیں سمجھ پائے کہ یہ کیسی تقسیم ہے اور کیونکر یہ تقسیم کی گئی ہے. کس بنیاد پر وہ ایسا کہتے ہیں زیادہ ٹھیک اور واضح لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے. کہ شیعہ کے ہاں اہل بیت کا تصور حضرت فاطمہ کی آدھی شخصیت حضرت علی کی آدھی شخصیت حضرت حسن اور حسین کی آدھی شخصیت سے لے کر حسن عسکری نویں امام اور دسویں خیالی موہوم امام جو نہ پیدا ہوئے نہ آئندہ کبھی ہوں گے پر قائم ہے.

کیا لوگوں کو علی اور اولاد علی کی محبت کا فریب دینے والا شیعہ آج کسی کا نام ابوبکر و

عمر رکھتے ہیں. اگر نہیں رکھتے تو سوچئے کیا وہ علی کے پیرو ہوئے یہ مخالف؟ صرف علی ہی نے نہیں صدیق اور عمر سے اظہار محبت وخلوص اور برکت کیلئے اپنی اولاد کا نام ابوبکر وعمر نہیں رکھا. بلکہ علی کے بعد آپ کی اولاد علی نے علی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے بچوں کا نام ابوبکر وعمر اور معاویہ رکھے صرف خیر و برکت کیلئے۔

قارئین دیکھ سکتے ہیں کہ ہم نے تمام روایات اور ہر روایت حوالہ کے ساتھ شیعہ کی اپنی کتابوں سے نقل کیں اور یہ سب کچھ ان کی اپنی کتابوں سے ہے. اور وہ کچھ بھی نہیں کہہ سکتے. وہ ہماری ذکر کردہ کسی چیز کو جھٹلا نہیں سکتے. کہ اس طرح وہ خود اپنی کتابوں کا انکار کر بیٹھیں گے. اگر وہ ان باتوں کی تکذیب کریں گے تو اپنے ہی محدثین فقہا اور ائمہ کی تکذیب کریں گے. ہاں! ہم یہی چاہتے ہیں! کہ اللہ کے احسان اور فضل سے ان کی تمام بکواسات گالی گلوچ، تعریضات، نام بگاڑنے کا حال لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہو جائے. اور ان لوگوں کے پول کھلیں اور حقیقت واقعی کا پتہ چلے. اللہ تعالیٰ ہمیں سب کو محمد ﷺ کے ساتھیوں اور برگزیدہ ہستیوں کا دفاع کرنے کی توفیق بخشے. (امین)

جس قدر توہین شیعہ کی طرف سے حضرت حسن کی کی گئی شاید اور کسی کی اتنی توہین و تحقیر نہ کی گئی ہو. حسین بھی اپنے بھائی، ماں اور اپنے والد سے کچھ زیادہ خوش قسمت نہیں اس کے باوجود شیعہ لوگ حسین سے محبت اور تعلق کے دعوؤں میں بے حد مبالغہ آرئیاں کرتے ہیں. اپنے آپ کو ان کا پیرو اور مطیع کہتے ہیں. لیکن حسین کو بھی توہین وتحقیر سے معاف نہیں کرتے. کہتے ہیں.

آپ کی والدہ یعنی رسول اللہ کی بیٹی (حضرت فاطمہ) کو حسین کا پیدا ہونا ناپسند تھا. جبکہ بارہا حسین کی ولادت کی بشارت دی جا چکی تھی. اس طرح رسول اللہ بھی حسین کی ولادت کی بشارت کو قبول کرنا نہیں چاہتے تھے. فاطمہؓ نے آپ کو کراہت و ناپسندیدگی کے ساتھ جنم دیا. اور اسی ناپسندیگی کی وجہ سے حسین نے اپنی ماں کا دودھ نہیں پیا. تفصیل کے لیے دیکھیے (الاصول من الکافی، کتاب الحجۃ باب ولادت حسین جلد نمبر ا صفحہ نمبر ۴۶۴)

اب رہا واقعات کربلا کا معاملہ تو سنئے ابومخنف لوط بن یحیٰ سب سے پہلے بیان کرتا ہے اور وہ بھی سماعی ہیں. جو متعصب شیعہ ہے اور مانا ہوا کذاب ہے یہ بات بھی دھیان میں رہے کہ طبری نے اپنی تاریخ تین سو ہجری کے بعد جمع کی اور لکھی مشہور اور متعصب شیعہ تھا لوگ اس کی شیعیت اور تعصب کے بہت سے واقعات و حکایات بیان کرتے ہیں. ہاں یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ وہ تمام راوی ریت پر اپنی عمارت تعمیر کرنا چاہتے تھے ہم تمہیں اللہ کی قسم دے کر یہ پوچھتے ہیں بتائیے کہ یہ سراسر بے بنیاد روایتیں جھوٹے قصے اور نفرت انگیز باتیں جن کا اصل کوئی تعلق نہیں، کیا روایتوں کے وہ جال امت اسلامیہ کو شکار کرنے کے لیے نہیں بنے گئے؟؟ تا کہ ملت اسلامیہ کا شیرازہ بکھیر دیا جائے. ان کو کسی سے محبت یا کسی سے دشمنی پیش نظر نہیں. کسی تعمیر یا کسی کا بگاڑ مدنظر نہیں. پیش نظر صرف ایک مقصد ہے. اور وہ یہ کہ مسلمانوں کے باہمی اختلافات کو ہوا دیکر شکوک و شبہات پیدا کر دیئے جائیں. اسلام اور امت مسلمہ کی ساکھ کو خاک میں ملا دیا جائے. کون جواب دے جن کا اسلام اور سچ سے دور کا بھی واسطہ نہ رہا ہو. جو جھوٹ بولنے میں حریص ہوں ان لوگوں سے کچھ بعید نہیں کیونکہ جھوٹ ان کی عادت بن چکا ہے. یہ بات سب کو معلوم ہے کہ بنی امیہ اور بنی ہاشم سب کے سب ایک ہی باپ کے بیٹے تھے. ایک ہی دادا کے پوتے تھے. سب نے ایک سرچشمہ ہدایت سے سیرابی حاصل کی اور اللہ کے دین کے پھل پائے تھے. بنی ہاشم اور بنی امیہ کے درمیان نفرت و عداوت اور بغض و عناد نہیں تھا. یہ سب باتیں مسلمانوں اور اسلام کے دشمنوں نے گھڑ رکھی ہیں. اور اپنی طرف سے بے بنیاد قصے اور کہانیاں تیار کر لی ہیں. ہم دیکھتے ہیں کہ بنی امیہ اور بنی ہاشم ان کے خیالات کے برعکس باہم اس قدر محبت و اکرام کا معاملہ کرتے ہیں کہ دونوں خاندان کو ایک دوسرے سے زیادہ کوئی عزیز نہیں وہ آپس میں رشتہ دار ہیں کوئی کسی کا خالہ زاد بھائی ہے. کوئی پھوپھی زاد دونوں خاندان ایک دوسرے کے دکھ درد کے شریک ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ ہیں. حتیٰ کہ شیعہ علماء اور مورخین نے بھی

لکھا ہے کہ ابوسفیان بن حرب جو بنی امیہ کے سردار اور اُس وقت اپنی قوم کے سربراہ تھے علی کے سب سے بڑے مددگار تھے. آپ نے سقیفہ کے روز بنی ہاشم کی پرزور تائید کی تھی. شیعہ مورخ یعقوبی نے لکھا ہے کہ ان لوگوں میں جو کسی وجہ سے ابوبکر کی بیعت میں پیچھے رہے گئے تھے یا تاخیر کی تھی ان میں ابوسفیان بن حرب حضرت معاویہؓ کے والد ابوسفیانؓ بن حرب نے کہا تھا. اے بنی عبد مناف کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ یہ معاملہ تمہارے سوا کسی اور کے سپرد کر دیا جائے. اور آپ نے علی بن ابی طالب سے کہا تھا کہ اپنا ہاتھ بڑھایئے میں آپ کی بیعت کرتا ہوں. تفصیل کیلئے دیکھئے (تاریخ یعقوبی جلد۲ صفحہ ۱۲۶)

ابوسفیان اور سردار بنی ہاشم رسول اللہ کے چچا حضرت عباس کے درمیان ایسی دوستی تھی کہ اس کی مثالیں دی جاتی تھیں. محمد بن جعفر طیار ابن ابی طالب کی بیٹی رملہ نے سلیمان بن ہشام بن عبدالملک (اموی) سے شادی کی. اس کے بعد قاسم بن ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کے نکاح میں آئیں. (کتاب المحبر صفحہ ۴۴۹) ابوسفیان کی بیٹی ہند حارث بن نوفل بن عبدالمطلب بن ہاشم کے نکاح میں تھیں آپ ہی میں سے ان کے بیٹے محمد پیدا ہوئے.

(الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد۳ صفحہ ۵۸، ۵۹ طبقات ابن سعد جلد۵ صفحہ ۱۵)

اس طرح علی بن ابی طالب کی بیٹی رملہ نے مروان بن حکم بن ابی العاص بن امیہ کے بیٹے معاویہ بن عمران سے شادی کی علی کی بیٹی رملہ ہی ام سعد بنت عروہ بنت مسعود ثقفی تھیں (الارشاد للمفید صفحہ نمبر ۱۸۶) . اسی طرح بنی امیہ اور بنی ہاشم کے درمیان بہت سے رشتے ہیں. کچھ ہم نے ان میں بیان کئے ہیں جو آدمی حق اور بصیرت ڈھونڈ نا چاہے اس کے لئے کافی ہیں. اسی وجہ سے علیؓ نے معاویہؓ بن ابی سفیانؓ کو ایک خط میں لکھا تھا. کہ "پرانی جنگ اور طویل دشمنی اسے روک نہیں سکتی کہ ہم تمہیں اپنے آپ میں گھلنے ملنے نہ دیں. ایک ہم پلہ کی حیثیت سے رشتے لئے بھی اور دیئے بھی ہیں" (نہج البلاغہ تحقیق صبح صالح صفحہ ۳۷۸ تا ۳۸۶) تفصیل کے لئے ملاحظہ کرلیں. کیا اس کے بعد بھی کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ بنی امیہ اور بنی

ہاشم کے درمیان نفرت وعداوت اور حسد وبغض پایا جاتا تھا. یہی چیزیں بعد میں علیؓ اور آپ کے بیٹے حسن اور معاویہؓ اور ان کے بیٹے یزید اور حسین کے مابین جنگ وجدل کی صورت میں ظہور پذیر ہوئیں؟ نہیں ہرگز نہیں حالاں کہ اس بات کی کوئی اصل سند اور بنیاد نہیں ملتی. خدا کیلئے! خدا کیلئے اپنی جان پر رحم کیجئے ہم اندھے کو دکھا نہیں سکتے. جاہل کو پڑھا نہیں سکتے.

شیعہ قوم کے مفسر بدزبان بیہودہ گو ہیں. ان کا سارا تفسیری سرمایہ گالی گلوچ، لعن طعن بہتان طرازی وتہمت تراشی پر مبنی ہے. جیسا کہ ہم پہلے آپ کو دِکھا چکے ہیں کہ ان کے مفسروں نے کیا لکھا ہے. جو کچھ لکھا ہے علم تفسیر کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے. نہ ہی مفسرین ان جیسے ہوتے ہیں ان کے محدثین اور فقہا کو دیکھئے کہ وہ بھی انہیں کے نقش قدم پر چلے ہیں.

اب ختم کرنے سے پہلے آپ کو بتا دیں کہ شیعہ مفسر محدث اور فقہا کی کوئی کتاب اٹھا کر دیکھ لیجئے بیہودہ گوئی پر مشتمل ہوگی. ان کی کوئی بھی کتاب بیہودگی اور لغویت سے خالی نہیں. افسوس ہے حق کو چھوڑنے والے اور باطل کو اپنانے والے پر افسوس ہے کہ ایک تو جھوٹ اور پھر اس پر اصرار اور دھوکہ دھی! کیا ایسی نفرت انگیز باتیں کہہ کر وہ سمجھتے ہیں کہ دوسروں کو مرغوب کرلیں گے اور پول کھولنے والوں اور ان کی گندگیوں سے مطلع کرنے والوں کو ڈرا دیں گے. اس قدر بے باکی؟ جاہل اور اصل واقعہ سے بے خبر آدمی پڑھے تو دھوکہ کھا جائے. ان کا سب سے پہلا محدث جیسا کہ یہ خود کہتے ہیں کہ سُلیم بن قیس ہے. اس نے کوئی گندی گالی اور بیہودہ کلمہ ایسا نہیں چھوڑا جو ان مقدس ہستیوں پر چسپاں نہ کیا ہو. اور اِسی سے کلینی اور صدوق، اور ان کے علاوہ بھی کئی محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں اس کی روایات نقل کیں ہیں. اس کی جراتیں اس حد تک بڑھی ہوئی ہیں وہ کسی بھی ہستی کے متعلق جھوٹ بولنے میں باک محسوس نہیں کرتا.

کہتا ہے. آگ کا ایک تابوت ہوگا جس میں بارہ آدمی ہوں گے چھ اولین میں سے اور چھ آخرین میں سے، اور کہتا ہے سوائے چار آدمیوں کے رسول اللہ کے بعد ہارون

اوراس کے متبعین جیسے ہوگئے تھے بچھڑے جیسے ہوگئے تھے اوراس کے پیروکاروں کی طرح ہوگئے تھے علی ہارون کی مانند عتیق (ابوبکر) کی بچھڑے کی مانند اورعمر سامری کی مانند. اس معلون کی جرأت دیکھیئے (نعوذ باللہ) نبی ﷺ کی اہلبیت اور آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ صدیقہؓ جو تمام مومنین کی ماں ہیں مومنین میں شامل ہونے کی وجہ سے علیؓ اور آپ کے گھرانے کی ماں ہیں. وہ عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ جن کی پاکیزگی وطہارت کی شہادت قرآن دے رہا ہے. ان کے متعلق لکھتا ہے. "علی رسول اللہ کے پاس آئے عائشہ آپ کے پیچھے بیٹھی تھیں آپ رسول اللہ اور عائشہ کے درمیان بیٹھ گئے. عائشہ کو غصہ آ گیا کہنے لگیں کیا تمہاری مقعد کو میری گود کے سوا اور کوئی جگہ نہ ملی. رسول اللہ غصہ میں آ گئے. کہنے لگے اے حمیرا! میرے بھائی علی کو میرے بارے میں تکلیف نہ دو. (کتاب سلیم بن قیس صفحہ نمبر ۲۱،۹۲،۹۷۹) پر تفصیل دیکھیئے۔ پروردگار! ان کفریات اور ہذیان کو نقل کرنے پر ہم تجھ سے معافی کے طلب گار ہیں. کیا اس کے بعد بھی کوئی شخصیت یہ کہہ سکتی ہے کہ شیعہ کے بارے میں کہنا کہ یہ لوگ صحابہ کو گالیاں بکتے ہیں اور انہیں کافر قرار دیتے ہیں. یہ اِن لوگوں (شیعہ) کے خلاف ایک ظالمانہ سیاست ہے. اور ان پر جھوٹا الزام ہے. کوئی پوچھنے والا ہے؟ ہے تو پوچھے اور جواب دے. اور اگر ہے تو ان سے وضاحت چاہے کہ کیا یہی علمی طرز گفتگو ہے یہ لوگ ان باتوں کا کوئی جواب نہیں دے سکتے. یہ صحابہ کو گالیاں بکتے اور یہ ایک ایسی قطعی اور صاف حقیقت ہے. جو بارہا واضح ہو چکی ہے. خود انکی اپنی کتابوں میں یہ چیزیں ملتی ہیں. جنہیں ان لوگوں نے چھپانے اور مخفی رکھنے کی بہت کوششیں کی ہیں. کیا ناپاک اور دکھ دہ کتابیں شائع کرنے کے بعد بھی تم مسلمانوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہو. تم اپنے آپ کو مسلمانوں کی جماعتوں میں سے ایک جماعت اور اسلام کے طبقہ ہائے فکر میں سے ایک طبقہ فکر ثابت کرنا چاہتے ہو؟ بخدا ان جھوٹی باتوں سے کوئی دھوکہ نہیں کھا سکتا سوائے اس کے جو خود اپنے اغراض کیلئے اپنے آپ کو دھوکہ میں ڈال دے. تمہاری باتوں سے صرف جاہل وغافل ہی دھوکہ کھا سکتا ہے

جسے کچھ خبر نہ ہو کہ حق کیا ہے اور حقیقت کیا ہے. کتنے ہی بک گئے جنہوں نے اپنے قلم ان سرکش ونافرمانوں کے لئے وقف کر دیئے ہیں. جو صحابہ ورسول اللہ کو گالیاں بکنے والے ہیں. اور اسلام پہنچانے والوں پر طعن وتشنیع کرنے والے ہیں یہ بک جانے والے ان سرکشوں کا دفاع کرتے ہیں. ان کی تحریروں اور ان کے اقوال کی تاویل کرتے ہیں. ایسی برأت پیش کرتے ہیں کہ عقل خود اپنا سر پیٹ کے رہ جاتی ہے. وہ لوگ بہت ہی سستے داموں اپنے ضمیر بیچ چکے ہیں. امت میں اتحاد واتفاق کا ڈھنڈورا پیٹنے والو! کیا ان لوگوں سے خلفاء راشدین کی عزت وعظمت کا مذاق اُڑانے پر اتحاد ہوسکتا ہے؟. یہ امہات المومنین کی عزتوں کا مذاق اُڑائیں اور ان سے اتحاد؟ کیا ان اعتقادات پر اتحاہوسکتا ہے. جنہیں یہ پکار پکار کے کہتے پھریں ؟ یہ تو ایسا ہوا کہ کسی کو گھائل کر دیا جائے اور اس سے کہا جائے کہ تڑپ مت. کسی کو زخمی کر کے کہا جائے کہ اُف نہ کر. یہ کہاں کا انصاف ہے؟ کہاں ہیں وہ جو پکارتے پھرتے ہیں آ ؤ مل بیٹھیں. کیا انہوں نے شیعوں کی یہ کتابیں نہیں دیکھیں. اس سے بھی زیادہ بیہودہ کتابیں لکھیں گئی ہیں. ہم میں طاقت نہیں، ہم بیہودگی اور غلاظت نقل ہی کر دیں. (اللہ سے معافی چاہتے ہیں.)

قارئین ہم نے شیعہ کی بہت زیادہ معتبر کتابوں سے ان اہم نقاط کو باہر نکال کر رکھ دیا ہے. جن کو انہوں نے بہت زیادہ چھپانے کی کوشش کی. اور دبیز تہوں میں دبانے کی تگ و دو کی. انہوں نے اپنی رسوائی کے ڈر سے عام لوگوں کی نظروں سے ان کو چھپایا. اللہ کا شکر ہے کہ ہمیں حق کو ثابت کرنے اور باطل کو غلط قرار دینے حقیقت کے چہرے سے نقاب اٹھانے اور سچ کی پیشانی سے زہریلے پسینے کو صاف کرنے میں نہ تو اپنی کسی کتاب کی ضرورت پیش آئی. اور نہ ہی کسی روایت کی حتیٰ کہ ہمیں کسی تاریخی کتاب کی بھی ضرورت پیش نہیں آئی جو غیر شیعہ کتب ہو. بلکہ صرف اور صرف شیعہ حضرات کی کتابوں کو روایات پر اکتفا کیا. تا کہ ان کے لیے فرار یا تاویل کا کوئی راستہ باقی نہ رہ جائے. ان چیزوں کی شہادت کیلئے ان کی اپنی کتابیں گواہ ہیں ان کی روایتیں ان کے خلاف ماتم کناں ہیں. بالخصوص ان کے اعمال کے بارے

میں ان کی زبانیں ان کے ہاتھ پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے.

ہم نے شیعہ حضرات کی اپنی کتابوں سے یہ حقیقت بیان کر دی ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ اور ان کے اصحاب کے متعلق دل میں کیا چھپائے بیٹھے ہیں. ہم نے مسئلہ واضح اور دوٹوک الفاظ میں بیان کر دیا ہے.

دعا ہے کہ اللہ کریم اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ بہترین انسان محمد رسول اللہ اور ان کے نیکو کار صحابہ ان کے پاک باز اہل بیت، اور ان کے پیروکاروں پر اپنی رحمت اور برکات کا نزول قیامت تک کے لئے جاری رکھے.

اللہ تعالیٰ ہی مجھے کافی ہے جو بہترین توفیق دینے والا اور کارساز ہے.

احسان الٰہی ظہیر لاہور

یکم محرم ۱۳۸۰ھ

شہادت من حیث درایت

تخلیق کائنات سے لے کر اس امت مسلمہ تک ہر مذہب وملت میں نہ معلوم کتنے اعظام واکابر شہید ہوئے مگر جو اہمیت اس امت نے شہادت حسینؑ کو دی وہ شہدائے سلسلۂ نبوت واتباعہم میں سے کسی کو نصیب نہ ہوسکی، نہیں نہیں! بلکہ اگر اس ایک شہادت کا تجزیہ باین طور کیا جائے کہ اس کے اقتدار کو بحصۂ رسد ملت کے تمام امت پر تقسیم کیا جائے تو یقیناً یہ شہادت اپنی عظمت وجلال کے لحاظ سے باوجود تقسیم اقتدار کے اتنی اونچی نظر آئے گی کہ **ففدینہ بذبح عظیم** جس کی محض ادنیٰ تعبیر کے کام میں اس کے (**ھاو تلک اذا قسمۃ ضیضیٰ**) یہ سب کچھ درست سہی مگر سوال یہ ہے کہ روایات سے قطع نظر یہ مسئلہ اصول درایت کے لحاظ سے بھی اپنے اندر کوئی اہمیت رکھتا ہے یا نہیں؟ اس لئے ایک تمہید کی ضرورت ہے اس تمہید کے بعد آپ حضرات خود انصاف فرمائیں کہ اصول درایت کی رو سے شہادت حسینؑ کس مرتبہ کی مستحق ہے (آیا یہ شہادت اسی عظمت واقتدار کے قابل ہے جو ہمارے ماحول میں خیال کی جاتی ہے اور جس کے سامنے دوسری اولوالعزم مفصل ومنصوص شہادتیں بالکل بے وقعت سمجھی جاتی ہیں، یا کچھ اور؟)

حضور سرور کائناتﷺ مبعوث ہوتے ہیں اور نہ صرف دنیا کی روحانی ہدایت آپ کے سپرد ہوتی ہے بلکہ انتظامی وسیاسی قیادت سب کے لئے یہ بعثت متعین کی جاتی ہے، جہان پناہ وقت بعثت سے لے کر واصل بحق ہونے تک اگر ایک طرف امت کو صوم وصلوٰۃ و دیگر عبادات کے طریقے عملاً وقولاً تعلیم فرماتے ہیں تو دوسری طرف جہاد بالمال وجہاد بالسیف کے بھی جملہ اصول وطرق تلقین کرتے ہیں۔ یعنی اگر ایک طرف انسان کو غلبۂ حواس کی تدابیر بتائی جاتی ہیں تو دوسری طرف اس بشر کو ربع مسکون کے کل بحر وبر پر استعلاء کی تراکیب سکھائی

جاتی ہیں، یہی روحانی وسیاسی امور اگر بہ نیابت نبی صادر ہوتے ہیں تو دنیائے اسلام اس زمانے کو زمانۂ خلافت اور اس شخص کو جو اس مرتبہ پر فائز ہو خلیفہ اسلام کے نام سے موسوم کرتی ہے۔

جناب ختمی مآب ﷺ ان جملہ مقاصد کی تکمیل کے بعد واپس بلائے جاتے ہیں اور اب آپ کی نیابت یا خلافت کا مسئلہ امت کے سامنے پیش ہوتا ہے، یوں کہنے کو تو ایک فریق کہہ سکتا تھا کہ رحلت سے کچھ ہی پہلے حضور **مروا ابابکر فلیصل بالناس** فرما کر صدیق اکبرؓ کی خلافت کا اشارہ فرما گئے ہیں ایسے ہی دوسرا طبقہ یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ نہیں اس کا تصفیہ تو ایک مدت پہلے خم عذیر کے موقع پر **من کنت مولا لا فعلی مولا** کی نص سے بحق علی ہو چکا ہے۔ مگر تصفیہ خلافت کے موقع پر مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ نہ تو مروا ابا بکر سے صدیق اکبرؓ کی خلافت پر مہر توثیق لگائی گئی اور نہ من **کنت مولا فعلی مولا** سے جناب حضرت علی کی امامت معرض شہود میں آئی حتیٰ کہ انصار کی تحدید **منا امیر ومنکم امیر** پر بھی کوئی نہ چلا بلکہ ان تینوں راہون سے بالکل الگ ایک راستہ نکالا گیا کہ لوگ ایک سرے سے ابوبکر صدیقؓ کی بیعت کی رسی گلے میں ڈالتے چلے گئے اور جناب حضرت علیؓ کی طرف کسی نے اعتنا تک نہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد قرعۂ خلافت حضرت فاروق اعظمؓ کے نام پڑا، اس وقت بھی شیر خدا موجود تھے مگر فاروق اعظمؓ کے ہوتے ہوئے کسی نے شیر خدا کا نام تک نہ لیا، پھر شہادت عمرؓ کے بعد، جناب حضرت علیؓ کی آنکھوں کے سامنے تمام امت نے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ کچھ روز کے بعد حضرت عثمان کو بھی جام شہادت پینا پڑا، اس سے بحث نہیں کہ اس شہادت کے اسباب وعلل کیا تھے اور ان کے ساتھ جناب حضرت علیؓ کو کوئی تعلق تھا یا تبری فرماتے تھے۔ مگر اس وقت اس کے لئے کسی دلیل و برہان کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی جب یہ خیال آتا ہے کہ جس کام کا تہیا جناب حضرت علی متواتر تین خلافتوں میں نہ کر سکے اس کے لئے شہادت عثمان پر فوراً خم ٹھونک کر میدان میں آڈٹے" ہم تو نہیں

کہہ سکتے مگر راوی بجستہ پئے بیان کرتا ہے کہ جناب حضرت علیؓ کی اس وقت کی بے جگری (ترک تقیہ) نے ہزاروں جلیل القدر صحابہ کو موت کی گود میں سلایا، اور تو اور رسول پاک کی پیاری بیوی سیدۂ عالم تک کو خروج کرنا پڑا۔ جناب حضرت علیؓ کی ان لڑائیوں میں صحابہ کی اتنی تعداد موت کے گھاٹ اتری کہ جس کے بیان سے زہرہ آب آب ہوا جاتا ہے۔ یالیتنی مت قبل هذا و کنت نسیا منسیا. اب ایک طرف حیدر کرار غالب علی کل غالب کی خلافت کا کوس لمن الملک بج رہا ہے تو دوسری طرف جناب حضرت معاویہؓ کی الوالعزم شخصیت سریرِ سلطنت کی دعویدار ہے۔ اس امامت اور خلافت کے تصادم سے جو مزید احوال امت پر گزرے ان کا مرثیہ بھی تحصیل حاصل ہے چند ہی دن گزرتے ہیں کہ جناب حضرت علی کے سامنے بھی جامِ شہادت رکھا گیا جسے آپ نوش فرما کر اعلیٰ علیین میں جا کر فروکش ہو گئے۔

اب جناب امیر معاویہؓ کی موجودگی ہی میں جناب حسنؓ نے عبائے خلافت کو اپنے وجود گرامی سے سرفرازی بخشی، مگر نہ معلوم حضرت حسنؓ کو کیا خیال آیا کہ تھوڑی مدت کے بعد اس عبا کو پھاڑ پھینکا، تعجب ہے کہ جس خلافت کے لئے امام عالی مقام کے والد محترم وصی رسول اور ہم مرتبۂ رسول نے لاتعداد اکابر صحابہ کے خون کی ندیاں بہا دیں، اس کی بے قدری ان وصی نفس رسول کے ہاتھوں یوں ہوئی و ما قدروا الله حق قدره.

اب سلطنت اور خلافت دونوں کے کرتا دھرتا خاندان بنو امیہ کے بطلِ اعظم حضرت معاویہؓ قرار پائے اور جناب حسنؓ جواب بالکل ترک دنیا کر کے گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ اپنی بیوی (جو امرۃ نوح وامرأۃ لوط کے مشابہ تھی) کے ہاتھوں زہر ہلاہل کا پیالہ پی کر ارض عافیت میں جا سوئے۔ موت کی گرفت سے کوئی نہیں بچ سکتا پس حضرت معاویہؓ کو بھی یہ پیغام آ پہنچا جسے لبیک کہتے ہی بنی، اب ادھر حضرت معاویہ کا جانشین یزید تھا اور ادھر وصی رسول کے جانشین حضرت امام حسینؓ۔

یہ دونوں بھی خلافت کی کشمکش میں گرفتار تھے مگر امیت نے افسوس اس وقت بھی اصلح اور غیر اصلح کا بالکل خیال نہ کیا اور بغیر کسی جنبہ داری اور وصیت کا احترام کئے خلافت کے گیند کو لڑھکانا شروع کیا، جس کو کبھی عبداللہ بن زبیر پکڑنے کی خواہش کرتے اور کبھی حضرت حسینؓ مگر یزید چونکہ اس میدان میں پلا بڑھا تھا اس لئے دنیا نے اس کی موافقت میں ہاتھ بلند کردیئے۔

ابن معاویہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے اور وصی رسول کے جانشین کو اس وقت پتہ چلا جب مروان نے مدینۃ الرسول میں یزید کی طرف سے بیعت لینا شروع کردی، اب امام زادہ علیہ السلام بہت مذبذب کہ

این چہ شوریست کہ در دور قمر می بینم

قدرت کا قلم یزید کے حق میں چل چکا تھا، لہٰذا مروان نے حسب دستور آپ سے بھی بیعت کی درخواست کی جسے آپ نے اپنے والد گرامی قدر کی پیروی میں تقیہ قبول فرمالیا اور کہلا بھیجا کہ میں صبح روز روشن میں بیعت کرلوں گا، مگر راتوں ہی رات اہل وعیال مال و اسباب لے کر مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے تاکہ کوفہ پہنچ کر خود اپنی بیعت لیں کیونکہ کوفی امام مسلم کے کوفہ پہنچ جانے کے بعد پیہم امام عالی مقام کو آنے کی تکلیف دے رہے تھے، یہ موقع زریں تھا حضرت نے خیال کیا کہ ایک لاکھ نفوس ہیں ان کی مدد سے میں آن واحد میں یزید اور اس کے فسق و فجور کو تہس نہس کردوں گا چنانچہ اس رواروی میں آپ اوائل ذوالحجہ میں مکۂ معظمہ پہنچے اور فریضۂ حج کی ادائیگی کی پرواہ کئے بغیر سفر کوفہ جاری رکھا۔

آپ کوفہ کی طرف کشاں کشاں تشریف لئے جارہے تھے کہ راستہ ہی میں دوسرا پیغام حسرت انجام آپہنچا کہ خود کوفہ والوں ہی نے امام مسلم کو یزیدی لشکر کے حوالہ کرکے شہید کر ڈالا۔ امام کو خیال ہوا کہ اب اس سفر کو ملتوی کردینا چاہئے مگر پھر کسی عزم صمیم اور جوش اضطراب میں قدم بڑھتے چلے گئے اور قصد سفر ملتوی نہ فرمانا تھا نہ فرمایا حتیٰ کہ وادی کربلا میں آنکلے اور

ابھی رخت سفر نہ کھولا تھا کہ لشکر اعدا کے نرغہ میں گھر گئے۔ امام مع زن و فرزند ۷۲ نفوس اور اعدا کی تعداد ہزاروں سے متجاوز، کاش حضرت حسینؓ اس وقت بھی اپنے والد محترم نفس رسول و خلیفہ بلافصل کی پہلی روش کے مطابق تقیہ کی آڑ میں رہ کر ٹال جاتے۔ (حتیٰ یاتی اللہ بامرہ) مگر آپ کو اس وقت ایسی سوجھی کہ آپ نے اس ہم مرتبہ ورسول کے اس اقدام کا اقتدا فرمایا جو علیہ السلام نے شہادت عثمان کے موقع پر کیا تھا۔ یعنی تقیہ جو دین کے ۹/۱۰ حصہ تھے سب کے سب کو چھوڑ کر صرف ۱/۱۰ پر عمل فرمایا اور ان بہتر نفوس کو اپنے جم غفیر اور لاتعداد لشکر کے نرغہ میں گھروا کر موت کے گھاٹ اتروا دیا اور خود بھی ان کے ساتھ ہی ساحل حیات سے پھسل کر موت کے اندھیرے غار میں گر پڑے انا للہ و انا الیہ راجعون ٥

عود الی المقصود۔ جناب حسینؓ کا یہ حادثہ اسلام میں اس حد تک وقیع ہوتا گیا کہ اس کے سامنے عام صحابہ کبار کی شہادتیں ہیچ ہوگئیں نہ عشرۂ مبشرہ کی شہادتیں اس کے سامنے محترم مکرم رہیں اور نہ خلیفہ ثانی وثالث کی شہادت اس کے مقابلہ میں قابل وقعت رہیں اور تو اور بنفس نفیس، ہم مرتبہ نبی، وصی رسول حضرت شیرِ خدا کی شہادت بھی اس کے سامنے مات ہوگئی۔

مگر یہ اہمیت کیا صرف شیعی حضرات کے معتقدات ہی میں شامل ہے یا سنی بھائیوں کے عقائد میں بھی منضم ہے۔ ہمیں اس مضمون میں شیعی عقائد سے کوئی بحث نہیں اور نہ ہمارا روئے سخن ان حضرات سے ہے بلکہ اس وقت ہمارا خطاب صرف ان بزرگوں سے ہے جو شیعیت سے بیزار اور سراسر بیزار ہیں، جن کو سنی ہونے پر فخر اور بہت فخر ہے اور جو حفظ مراتب میں خالصۂ سُنی عقائد کے پابند ہیں، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر کو صدیق اکبرؓ جانتے، اور عمر کو فاروق اعظمؓ سمجھتے ہیں، عثمانؓ کے ذوالنورین ہونے میں جن کو کوئی کلام نہیں اور جناب علیؓ کو وصی رسول ونفس رسول اور ہم مرتبۂ رسول نہیں بلکہ خلیفۂ چہارم اور عم زادہ رسول خیال کرتے ہیں۔

یوں محولہ بالا واقعات اور ان کی ترتیب پر شیعی حضرات بھی مناسب اور مفید نتائج اخذ کر سکتے ہیں اگر چہ مجھے کامل توقع ہے کہ ہماری امیدیں یاس کے لباس میں متشکل ہو جائیں گی پس محولہٗ بالا واقعات اور ان کی قدرتی ترتیب کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شہادت حسین (شہادت ہے یا قتل) سنئے! اگر واقعہ شہادت قتل نہیں بلکہ واقعی شہادت ہی ہے تو یہ دعویٰ اس صورت میں صحیح ہو سکتا ہے جب ہنگامہ رزم کے موقع پر یہ چند صورتیں ثابت کر دی جائیں۔

(ا) جناب حسین خلیفہٗ وقت تھے، (ب) یا خود خلیفہٗ وقت تو نہ تھے مگر خلیفہٗ وقت کی بیعت سے مستغنی تھے (ج) حضرت حسنؓ کی شہادت اور حضرت معاویہ کی وفات کے بعد خلافت کا انعقاد نہیں ہوا تھا اور عوام حضرت حسینؓ کی بیعت پر مصر اور دل سے خواہشمند تھے۔ جزِ اول تو کسی جرح و نقدی تشنہ نہیں کیونکہ اگر واقعی آپ کی خلافت تسلیم کر لی گئی ہوتی تو آپ مدینہ سے یوں بے یار و مددگار نہ کوچ فرماتے، اور اگر مدینہ والے مروان کی شخصیت اور اثر سے مجبور ہو گئے تھے تو جب حضرت مکہ معظمہ پہنچے ہیں تو اہالی مکہ ہی آپ کی بیعت کر لیتے مگر مکہ والوں کا تو یہ حال تھا کہ عبداللہ بن زبیر آپ کو منع کرتے تھے کہ آپ کوفہ نہ جایئے، خصوصاً اس وقت جبکہ آپ کو ذی الحجہ حرم میں نصیب ہو رہا ہے تکمیل حج کئے بغیر آپ کا مکۃ الحرام سے باہر قدم نکالنا اچھا نہیں ہے کذا و کذا مکہ والوں کے سامنے تو یہ مسئلہ ہی نہ تھا کہ وہ حضرت کی بیعت کریں یا نہ کریں، پس آپ کوفہ عازم ہوئے وہ بھی اس لئے کہ وہاں پہنچ کر ابتداً بیعت ہو گی'' نہ اس لئے کہ مسلمانوں کا ایک گروہ تو آپ کی بیعت سے مشرف ہو چکا تھا اور اب دوسری جماعت کو آپ اپنے حلقہٗ خلافت میں منسلک کرنے جا رہے تھے، نہیں بلکہ یہ تو حدیث عہد ہی تھا، اس پر جو ماجرا گزرا وہ خود شاہد ہے کہ کوفہ والوں نے ادھر امام کو بلایا اور ادھر ان کے آنے سے پہلے آپ کے نائب مناب جناب مسلم کو یزیدیوں کے حوالہ کر کے

اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ ''ہم تو یزید ہی کو خلیفۂ وقت جانتے ہیں آپ اگر اپنی خیر چاہتے ہیں تو مدینہ واپس چلے جایئے یا اس وادی کربلا میں اپنے اعدا کے ہاتھوں موت کا لبریز جام نوش کیجئے'' خلاصہ یہ کہ آپ کی خلافت نہ تو مدینہ میں تسلیم کی گئی اور نہ مکہ میں مسلم ہوئی نہ کوفیوں نے آپ کو خلیفہ بنایا اور نہ عراقیوں نے جب آپ کی کسمپرسی کا یہ عالم تھا تو پھر آپ کا یہ ہنگامہ پیکار گرم لینا کیا معنی رکھتا ہے اور اس طرح از خود اپنے کو موت کے منہ میں دھکیل دینا شہادت کیونکر ہو سکتا ہے۔

جزِ دوم: ''جناب حسین خلیفہ وقت کی بیعت سے مستثنیٰ تھے۔'' یہ بھی مطلقاً درخور اعتنا نہیں کیونکہ سنی عقائد کے مطابق کوئی متنفس جبکہ وہ خود خلیفہ نہ ہو خلیفہ وقت کی بیعت سے کسی طرح مستثنیٰ نہیں ہو سکتا اور جبکہ کوئی شخص بھی اس رابقہ سے گلوخلاصی حاصل نہیں کر سکتا تو آپ کی کیا خصوصیت تھی، لہٰذا جب آپ خلیفہ نہیں تھے تو آپ کا یہ اقدام خروج اور آپ کی شہادت کو قتل تسلیم کرنے میں کیوں باک کیا جائے۔

جزِ سوم: پر بحث کی ضرورت باقی نہیں رہتی کیونکہ خلافت منعقد ہو چکی تھی اور مسلمانوں کو امام حسینؓ کی مطلقاً طلب نہ تھی، بلکہ جن لوگوں کو طلب تھی (اہل کوفہ) وہ بھی بیعت کے لئے نہ تھی بلکہ مروا دینا ان کا مقصد عظیم تھا، جیسا کہ وہ وقوع میں آیا۔

الغرض ان تمام امور سے صراحتہً ثابت ہوا کہ شہادت حسین شہادت نہ تھی بلکہ قتل اور قتل عمد تھا دوسری حیثیت سے نہ سنی عقائد کے مطابق خلافت توریث ہے کہ نسلاً بعد نسل ایک ہی گھرانے یا قبیلے میں چلی جائے، اگر ایسا ہوتا تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جناب صدیق جو آپ کے غیر کفو تھے کیونکر مسند خلافت کو مزین فرماتے، ان کے بعد عمر فاروق نے اس کو سرفرازی بخشی جو اپنے پیشرو کے غیر کفو تھے، فاروق کے بعد ذوالنورین نے اسے مفتخر فرمایا اور ظاہر ہے کہ یہ اپنے مقتدا کے غیر کفو تھے، اور ان کے بعد جناب حضرت علیؓ نے اسے

رونق بخشی اور بدیہی ہے کہ یہ صاحب بھی اپنے اس سلف کے غیر کفو تھے، چلئے وصی رسول خلیفہ بلا فصل نے پورے تین دور خلافت منقضی ہونے کے بعد اپنی کھوئی ہوئی، دولت حاصل کرتو لی مگر اپنی رحلت کے وقت یہ مسند بصورت توریث حضرت علی اپنے خلف اکبر جناب حسن کو تفویض کرتے گئے، ان وصی رسول کا یہ فعل عقائد سنیہ کے مطابق سلسلۂ خلافت راشدہ کی محک پر بھی صحیح نہ اترا، کیونکہ وہ مسلمانوں کی ایک عام دولت کو اپنے اہل بیت کے لئے مخصوص کر گئے، پھر جب امام حسن نے عبائے خلافت کو اپنے جسد گرامی پر اوچھا دیکھ کر پھاڑ پھینکا تو یہ چیتھڑا جناب حسین نے پہننا کیونکر پسند فرمالیا، چہ جائیکہ امت کی اکثریت تو ایک طرف اقلیت نے بھی آپ کو اس کے زیب تن فرمانے کی زحمت نہ دی بلکہ اکثریت وہ اکثریت جو صحیح معنوں میں اکثریت ہوسکتی ہے یک قلم ابن معاویہ کی بیعت پر ٹوٹ پڑی جس کے اقرار سے یہ سنیوں کو مضر ہے اور نہ شیعوں کو۔"

جب اکثریت نے یزید کے ہاتھ میں ہاتھ میں دے دیا تو اب جناب حسینؓ کا خلافت حاصل کرنے کے لئے کالے کوسوں یکہ وتنہا کوفہ روانہ ہوجانا اصول سلسلۂ خلافت راشدہ کے مطابق کیونکر صحیح اور حق بجانب ہوسکتا ہے، اگر یہ صحیح ہے تو پھر یہ انصاف کس سے کرایا جائے کہ اس تگ ودو میں جناب حسین کا یزید کے کارندوں کے ہاتھوں جام اجل پی لینا شہادت کیونکر ہوسکتا ہے۔

اس پر بھی اگر کوئی صاحب اپنی خوش فہمی سے اس واقعہ کو شہادت! شہادت کہے جائیں گے تو پھر لامحالہ یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکرؓ نے وصی رسول ہم مرتبۂ رسول اور نفس رسول، خلیفہ بلا فصل کا حق خلافت چھین لیا، اسی طرح ابوبکرؓ کے بعد عمرؓ نے علیؓ کی نوبت نہ آنے دی اور خود ہی اس غصب پر دھرنا دے کر بیٹھ گئے، عثمانؓ نے بھی وصی رسول کا یہ حق واپس نہ کیا۔

آخرش قتل عثمانؓ کے بعد نفس رسول نے تقیہ چھوڑ کر اپنی جگہ حاصل فرمائی تو پھر وراثۃً یہ حسین کے حصہ میں آئی، اور چونکہ یہ خلافت اس طور پر حسینؓ کو ملی تھی اس لئے یزید کو دوچار ہونا پڑا چنانچہ وہ اپنے طاقت اور غلبہ اثر سے حسین سے پالا مار لے گیا۔ پھر بھی حضرت حسینؓ اس کے واپس لینے کے لئے بیخود ہو رہے تھے، لہٰذا چونکہ خلافت جو آپ کی ارث تھی اور اس کے لینے کے لئے آپ لڑے تھے اس لئے یہ واقعہ قتل نہیں بلکہ شہادت اور شہادت بھی شہادت عظمیٰ بلکہ ذبح عظیم کی مصداق ہے۔

سُنی بھائیو! کیا اس توریث کو صحیح ماننے کی صورت میں آپ کے خلفائے ثلٰثہ وصی رسول کے حق خلافت کے غصب پر ایماندار بھی قرار دیئے جاسکتے ہیں؟ نہیں، بلکہ آیۃ **وکرہ علیکم الکفر والفسوق والعصیان** کی تفسیر، تفسیر صافی شیعی کے مطابق کفر ابن ابی قحافۃ کو تسلیم کرنا پڑے گا، فسوق ابن خطاب کو ماننا پڑے گا اور عصیان کی تعبیر ابن عفان سے کرنا پڑے گی۔☆

☆الصافی شرح اصول کافی۔

اور اس کے اعتراف سے بھی مضر نہ ہوگا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت تمام صحابہ مرتد ہوگئے تھے بجز ان اقانیم ثلٰثہ یعنی ابوذر، سلمان، اور مقداد کے،

یا دکھا دو مجھے تم پاؤں کا ناخن اپنا

یا یہ کہہ دو مرے ناخن سے ہلال اچھا ہے

پھر اس سے تو یہی بہتر ہے کہ آپ اپنے ایسے سنی عقائد کے تار عنکبوت کو توڑ کر کھلم کھلا "شیعہ پاک" بن جایئے۔

تا کس نگوید بعد ازین من دیگرم تو دیگری

ورنہ واقعۂ کربلا کو ایسی اولوالعظم شہادت کو جس سے آیت ☆**لا یستوی من**

☆ ترجمہ: فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے اپنے اموال خرچ کیے اور جہادوں میں شہید ہوئے اُن کے بعد جہادوں میں شہید ہونے والے اور اموال خرچ کرنے والے ہرگز برابر نہیں ہوسکتے۔

انفق من قبل الفتح وقاتل الخ کی تردید وتکذیب لازم آتی ہے فضیلت دنیا چھوڑ دیجئے۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

راقم الحروف ابو یحییٰ امام نوشہروی

مقیم علی گڑھ صفر ۱۳۵۰ھ

واقعہ کربلا

اگر جناب رسول خدا کے بعد حضرت علی ہی جانشین قرار پاتے تو واقعۂ کربلا کا ظہور میں آنا توقع سے باہر تھا۔ یقیناً علی رسول اللہؐ کے جانشین ہو کر بنی امیہ کو شاہی مدارج تفویض نہ کرتے اور لاریب رسول اللہ کے خلیفہ ہو کر آپ کی راہ پر پورے پورے چلنے والے تھے۔" الخ۔

اول تو اس طرح کا گمان وقیاس کوئی وزن نہیں رکھتا کہ اگر ایسا ہوتا تو ویسا ہوا ہوتا امکان تو اس کا بھی ہے کہ اگر حضرت ابوبکرؓ کے عوض حضرت علیؓ ہی اول بار تخت خلافت پر متمکن ہو گئے ہوتے تو شاید آپ بھی وہی عمل فرماتے جو حضرت ابوبکرؓ نے کیا اور شیعی دنیا نے بعوض حضرت ابوبکرؓ کے خود حضرت علیؓ ہی پر سب وشتم کرنا اپنی سعادت جانی۔ اور اس وقت جیسا کچھ بھی شیعہ حضرت علیؓ کو سمجھتے ہیں حضرت ابوبکرؓ کو سمجھتے ہیں۔ شیعی نقطۂ نظر سے ایک اور امکان بھی پیش کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ اس وقت بھی وہی اعمال فرماتے جو آپ نے چہارم عہد خلافت میں کئے۔ یعنی جس طرح شیعی عقیدہ کے مطابق حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کے جیسے اشخاص کی بدعتوں اور معاذ اللہ مخالفت اسلام کو دیکھا کئے اور جام صبر وسکوت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا اسی طرح مسلمہ کذاب وغیرہ کے فتنوں کو بھی فروغ ہونے دیتے اور چپ سادھے بیٹھے رہتے کیونکہ شیعی کتابوں میں آپ کے متعلق اسی قسم کی لاجواب وصیتیں مندرج ہیں چنانچہ ریاض الشہادۃ کافی وغیرہ میں لکھا ہے۔

"ہر چند ستمہارا معطل گردانند و کتاب خدارا خراب کنند و کعبہ را منہدم
سازند ہرگز ہرگز دست از صبر جدا نہ کنی" الخ

اور نعوذ باللہ اگر یہی ہوا ہوتا تو آج اگر بقول اثر بنی ہاشم کی دینی سرداری مبہم ہو گئی تو اس

دوسری صورت میں رسالت ہی کی حقیقت پر پردہ پڑ گیا ہوتا اور بعثت وتعلیمات نبویہ کے روشن چاند پر بھی رداء گہن چھا جاتی و نیز شیعی نقطۂ نظر اس امر کا بھی تو متقاضی ہے کہ کہہ دیا جائے کہ جناب علیؓ سے یہ بھی کچھ دور نہ تھا کہ تالیف قلب کے لئے بنی اُمیہ کو ہر طرح کی آسانی عطا فرما دیتے چنانچہ عبیداللہ جو حضرت امام حسین کا اصلی قاتل ہے اور واقعۂ کربلا میں یزید کی جانب سے سپہ سالار افواج تھا اس کے باپ کو خود حضرت علیؓ ہی نے پروبال عطا فرمائے تھے۔ شیعہ کتابیں شاہد ہیں کہ چونکہ یہ شخص نہایت کارگزار اور فہیم انسان تھا۔ اس لئے جناب علیؓ نے باوجود اس کی تمام خرابیوں اور ولدالزنا ہونے کے فارس کا گورنر مقرر کر دیا

صاحب ریاض الشہادہ مجلد اولیٰ صفحہ ۳۳۲ پر لکھتے ہیں۔

زیاد بن ابیہ کو حرامزادہ بود وہفت نفر شریک درنطفہ او بودند وبہ فرمودہ پیغمبر کہ الولد للفراش وللعاہر الحجر کسے رایارا ے آن نشد کہ بخود ملحق سازد و از زیاد بن ابیھ گفتند دور ایام خلافت ابوبکر وعمر وعثمان و جناب امیر باز ہمیں قاعدہ رامرعی واشتند وجناب امیر المومنین نظر بشجاعت وکیاست کہ داشت اورا برمملکت فارس واہواز تعین فرمودہ واو نیز درجانفشانی واخلاص کیشی آن جناب مساعی جمیلہ مبذول داشتی تا آنکہ آنجناب شہید شدند وبعد ازاں خدمت امام حسن راکرد ومعاویہ اولاً بہ تہدید وعید خواست اورا بخود مائل کند ممکن نشد انتہیٰ بلفظہ۔

زیاد بن ابیہ حرامزادہ تھا سات آدمیوں کے نطفہ☆ سے اس کی ولادت ہوئی اور موافق حکم رسول الولد للفراش والعاہر الحجر کسی کو یہ گوارا نہ ہوا کہ اس کو اپنے سے منسوب کرے حضرت ابوبکر صدیق وعمر فاروق وعثمان کے عہد میں لوگ اس کو زیاد بن ابیہ کہہ کر پکارتے تھے جناب امیر نے اسکی عقلمندی اور بہادرانہ کارناموں کو دیکھ کر حکومت اہواز وفارس پر متعین فرمایا اور وہ بھی جناب امیر کے ساتھ بہت اخلاص و محبت کا اظہار کرتا رہا یہاں تک کہ جناب امیر شہید ہو گئے آپ کی شہادت کے بعد زیاد نے امام حسن کی اطاعت کر لی، حضرت معاویہ نے زیاد کو ابتدا ابتدا تو بہت ڈرایا دھمکایا اور بہت چاہا کہ اس کو اپنی طرف کر لے مگر یہ نہ ہو سکا۔

☆ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ سات آدمیوں کا نطفہ رحم مادر میں جمع کس طرح ہوا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایسے شخص کو بھی جناب حضرت علیؓ نے اپنی عہد خلافت میں مراتب اعلیٰ تفویض فرمانے میں دریغ نہ کیا تو پھر کیوں تسلیم کرلیا جائے کہ بنی اُمیہ کو شاہی مدارج و گورنری عطا کرنے سے باز رہتے۔ مذکورۂ بالاتقرری کی کیفیت سے تو صاف ظاہر ہے کہ جناب علیؓ کے نزدیک عامل یا گورنر ہونے کے لئے اتقاوزہد کی چندان ضرورت نہ تھی بلکہ حکومت کی صلاحیت کو آپ دوسری صفات پر عطائے مناصب میں مقدم رکھتے تھے جب ہی تو زیادہ کے گورنر بنانے میں کوئی اعماض نہیں فرمایا۔ نیز جناب اثر کے عقیدہ کے موافق امام وقت کو ماضی حال و مستقبل کے تمام حالات معلوم رہتے ہیں دیکھو کتاب مصباح الظلم صفحہ ۳۷۳۔ لہٰذا جناب علیؓ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ جس زیاد کو ہم آج فارس کا گورنر بنا رہے ہیں کل اس کا خاندان ایسا وضیع ہو جائے گا کہ اسی کا فرزند ہمارے جگر گوشہ کو کربلا میں شہید کر ڈالے گا۔ اس علم پر بھی زیاد کے فسق و فجور کو نظر انداز کیا اور مناصب عالیہ عطا فرما کر اس کو عزت و اقبال مرحمت کیا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ شاہی امارت کے تفویض میں آپ اسی اصول صلاحیت کو مدنظر رکھتے تھے اموی اور غیر اموی کسی کی تخصیص نہ تھی۔ ہندوؤں کی طرح چھوت چھات یا نسبی امتیاز کو آپ نے کبھی اپنے پاس پھٹکنے نہیں دیا اور بلالحاظ قومیت و نسب جس کو جس منصب کا اہل دیکھا وہی اس کو عطا کیا۔ یہ امداد امام صاحب کی زبردستی ہے کہ جناب رسول کریم یا جناب امیر کو خواہ مخواہ نسلی حیثیت سے بنی اُمیہ کا دشمن یا مخالف تصور فرمائیں شیعی روایت سے یہاں تک ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کسی شخص کی غلاظت قلب اور شدت عداوت کو نرم کرنے کے لئے بیٹی دیدینے میں بھی پس و پیش نہیں کرتے تھے (معاذ اللہ۔ استغفر اللہ) چنانچہ علامہ شوستری مجالس المومنین میں بحوالہ سید مرتضیٰ ابوالحسن علی بن اسمٰعیل کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

"پرسیدند چرا آنحضرت دختر بہ عمر بن الخطاب داد گفت بواسطہ آنکہ اظہار شہادتین می کردی بزبان و اقرار فضل حضرت علی می نمود و دران باب اصلاح غلظت و فظاظت او نیز منظور بود"

پس جب تالیف قلب کے لئے بزعم شیعی علما جناب علیؓ یہاں تک مجاز اور روادار تھے تو پھر بنی اُمیہ کو شاہی اعزاز واکرام کے تفویض سے کیوں محروم رکھتے۔ زبان سے سب کے سب اقرار شہادت کرتے ہی تھے۔اور کم از کم زیادہ سے زیادہ بدتر نہ تھے۔

حضرت معاویہؓ تمام تر ساختہ و پرداختہ حضرت عمر ہی کے تھے۔''

اگر اس سے شمس العلما صاحب کی یہ مراد ہے کہ حضرت عمرؓ پر حضرت حسینؓ کی شہادت کا اقدام قتل عائد ہو تو بکمال ادب عرض ہے کہ پھر اس کا کیا جواب ہے کہ عبیداللہ قاتل حسینؓ کا باپ زیاد بھی ساختہ و پرداختہ جناب علیؓ کا ہے۔ بلکہ شیعی علما نے اس ذات کو جناب علیؓ کے اصحاب میں شمار کیا ہے۔دیکھو جنات الخلو د نیز شیعہ و سنی متفق ہیں کہ جناب عمر نہ معصوم تھے اور نہ علم لدنی رکھتے تھے۔مگر امداد امام صاحب تو حضرت علی کو نہ صرف معصوم بلکہ تمام آئندہ باتوں کا جاننے والا بھی تسلیم کرتے ہیں بس اگر جناب معاویہؓ کی تقرری سے جناب عمرؓ کو متہم کرنا مقصود ہے تو پہلے زیاد کی پرورش اور پرداخت کرنے والے پر بھی نگاہ ڈال لینی چاہئے۔

''حکومت تو بنی ہاشم سے جا ہی چکی تھی۔ پرائیویٹ مرفہ الحالی بھی فدک نکل جانے سے باقی نہ رہی۔ ہاں حضرت عثمان کے بعد کسی طرح علی پر خلافت قائم ہوگئی مگر زمانہ حضرت علی کی خلافت کا جو چار برس سے اوپر کا معلوم ہوتا ہے صرف لڑائیوں میں طے ہوا الخ۔''

بنی ہاشم کے ہاتھوں سے زبردستی حکومت کا نکل جانا اگر صحیح ہے تو یہ دلیل اس امر کی ہوئی کہ حکومت کی صلاحیت معاذ اللہ ان میں نہ تھی۔ نیز جناب علیؓ کی چار سالہ خلافت جنگ ہی میں تمام ہوئی، اس سے بھی یہی ظاہر ہوا کہ آپ کسی طرح اپنی حکومت کو رحمت نہ بنا سکے۔ تاریخ شاہد ہے کہ آپ کی شیعی فوج اور آپ کے شیعی عمال نے ناک میں دم کر دیا۔ کہیں بیت المال کا خزانہ کھا گئے کہیں رعایا پر ظلم وستم کی حد کر دی ہے۔خودسری اور نخوت یہاں تک تھی کہ عین میدان جنگ میں فوج کے افراد بگڑ بگڑ پڑے ہیں۔دیکھو نہج البلاغہ و ریاض الشہادۃ وغیرہ پس اگر کوئی شخص امداد امام صاحب کی طرح قیاسی گھوڑے دوڑائے تو ان کی گمراہ پیروی میں

کہہ سکتا ہے کہ بہت بہتر ہوا جو جناب ابوبکر کے عوض جناب امیر اول خلیفہ نہ ہوئے ورنہ نعوذ باللہ خلق خدا اور بھی زحمت میں مبتلا ہو جاتی ''کلمۂ کفر کفر نباشد'' ہم سنیوں کا تو عقیدہ ہے کہ چاروں خلافتیں رحمت سے لبریز اور چاروں کے عہد میں مشیت نے جو کچھ کیا وہ اُمت کے لئے مشعل ہدایت بنا۔ سینکڑوں مسائل مدون ہوئے۔ جنگوں کا ہونا مقدر تھا اور جملہ صحابہ نہایت نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ عمل پیرا رہے۔ ہرگز کسی طرح کی کدورت کو ان کے دلوں میں دخل نہیں ہونے پایا۔

جھگڑتے تھے وہ پر نہ جھگڑوں میں شر تھا
خلاف آشتی سے خوش آئندہ تر تھا

شیعیت لاکھ تُہمت تراشے مگر جناب علیؓ برابر جناب معاویہؓ کے مداح رہے جس کا اعلان حضور نے بار بار کیا جو شیعی کتاب نہج البلاغہ میں مندرج ہیں۔

''حضرت معاویہ خلیفۂ وقت سے برابر لڑتے رہے۔ آپ کے معاملات فسادی خطائے اجتہادی کہلاتے ہیں خطائے اجتہادی کیا چیز ہے آج تک راقم الحروف کے سمجھ میں نہ آئی۔ حق پسند آدمی کے دماغ میں یہ معاملہ گزر ہی نہیں سکتا۔'' الخ

جناب کی خوش فہمی ہے جو اپنے آپ کو حق پسند گمان کرتے ہیں خطائے اجتہادی کوئی متعلق فقرہ نہیں اور نہ تقیہ وبداء زیادہ قابل شرم وندامت ہے۔ اگر تقیہ وبداو نیز متعہ جیسی شرمناک چیزیں آپ کی ''حق پسند'' عالی دماغ میں جاگزیں ہوسکتی ہیں تو پھر خطائے اجتہادی کے نفوذ سے دماغ عالی کا قاصر رہنا حد درجہ کی پست دماغی اور کج فہمی ہے۔ فرق صرف اسی قدر ہے کہ صاحب بداو تقیہ وغیرہ ضمیر فروشی میں شہرہ آفاق ہوتے ہیں خطائے اجتہادی والے اصحاب صرف غلط فہمی کا شکار بنتے ہیں۔ اگر اجتہاد اور خطا کے الفاظ سمجھ سے باہر ہیں تو غلط فہمی کے الفاظ سے اپنی حق پسند طبیعت کو سمجھا لیجئے مگر مشکل تو یہ ہے کہ اس فقرہ میں صرف لفظ فہمی فارسی ہے باقی غلطی۔'' خطا ہی کی طرح عربی ہے جو شاید شمس العلماء

صاحب کے انگریزی دماغ میں روڑا بن کر اٹک جائے گی۔ اچھا مس انڈر اسٹینڈنگ misunderstanding یا بونافائڈی مسٹیک۔" Bonafied mistake کے فقروں سے تعبیر کر کے بتایا جائے تو شاید اس انگریزی فقرہ سے وحشت نہ ہوگی۔ کیونکہ آپ انگریزی دربار کے شمس العلماء ہیں۔ جس قوم کے انشاء پرداز لکھتے ہیں کہ غلط فہمی یعنی مس انڈر اسٹینڈ نگ" وہ عالمگیر بلا ہے کہ دنیا کی لڑائیوں کا خواہ مخواہ انفرادی ہوں خواہ قومی یا ملکی اگر چار حصہ کیا جائے تو ان میں کا تین حصہ اسی غلط فہمی کا نتیجہ نکلیں گی۔ غالباً انگریز مصنفین کا یہ قول انگریزی شمس العلماء صاحب کے "حق پسند" دماغ کو غیر مانوس نظر نہ آئے گا۔ بس اسی پر قیاس کر لیں کہ اگر حضرت معاویہؓ کی لڑائیاں بھی مورخین وفقہا کے نزدیک اسی غلط فہمی کا شکار سمجھی گئیں تو یہ کونسی بڑی ادق بات ہوگئی جو جناب اثر کی سمجھ سے باہر ہے ہاں تعصب اور غلو اگر ذہن عالی پر ابر کی طرح محیط ہے تو پھر خطائے اجتہادی ہی پر کیا منحصر معمولی سی بات بھی الٹی نظر آئے گی۔

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد

عیب نماید ہنرش درنظر

صافی ترجمہ کافی کتاب التوحید جز دوم صفحہ ۲۲۷۔ باب البدا کی یہ عبارت امداد امام صاحب کے نذر ہے کہ "بدا مستلزم محو گمان امام است اگر گمان کردہ باشد خلاف مقتضائے آن را، یعنی امام کی غلط فہمی کو درست کرنے کے لئے بدا لازم شئے ہے۔ شیخ صدوق رسالہ اعتقادیہ میں لکھتے ہیں کہ " مابداء اللہ فی شئی کما بدا اللہ فی اسمٰعیل انبی." یعنی اللہ کو ایسا بدا کسی امر میں نہیں ہوا جیسا میرے فرزند اسمٰعیل کے امام بنانے کے بارے میں ہوا جس کی تفصیل بحار الانوار میں یوں مندرج ہے کہ امام جعفر صادق کے زمانہ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ آپ کے بعد امام آپ کے فرزند اسمٰعیل ہوں گے مگر حضرت اسمٰعیل قبل امام جعفر کے رحلت فرما گئے تو امام موصوف نے اس کی تاویل کی کہ خدا کو "بدا" سہو ہو گیا تھا۔ اسی لئے ہم کو بھی غلط فہمی ہوگئی۔ پس جناب اثر کو" خطائے اجتہادی" کا لفظ نکالنے سے پہلے مسئلہ بدا کی

مذموم کیفیت سے پناہ مانگ لینی چاہئے۔ اول الذکر سے صرف چند غیر معصوم مرکب الخطا و النسیان ہستیوں پر اعتراض وارد ہوتا ہے اور آخر الذکر سے ائمہ اثنا عشر اپنے فرضی خدا کے ساتھ جاہل اور کاذب قرار پاتے ہیں جب امام صاحب کو معلوم نہ تھا تو پیشین گوئی کی حاجت ہی کیا تھی جس کے غلط ہو جانے پر شیعی علماء کو یہ روایت اپنے فرضی امام کی طرف موسوم کرنی پڑی کہ ایسا بدا کبھی اللہ کو نہیں ہوا تھا جیسا اسمٰعیل کی نسبت ہوا۔ کہو شیعہ بھائیو! کیا ایسے ہی خدا اور ایسے ہی امام پر ایمان لانے کا نام "شیعیت" ہے۔ اور کیا ایسی لچر لغو گوئی خطائے اجتہادی کے مفہوم سے زیادہ قابل شرم نہیں۔

"خلیفہ ہو کر حضرت علی رسول اللہ کی طرح بنی اُمیہ کو سر نہ کر سکے بنی ہاشم آپ کے عہد میں کچھ بھی پر و بال نہ سنبھال سکے۔ اب بنی اُمیہ کا سر کرنا بعید از توقع تھا۔" الخ

نعوذ باللہ جب پانی سر سے گزر چکا تھا اور علم لدنی رکھتے ہوئے آپ اس ناکامیابی سے واقف بھی ہو ہی چکے ہوں گے تو پھر کاہے کہ انگلی میں خون لگا کر شہیدوں میں داخل ہوئے اور خلافت کا دردسر مول لے لیا۔ یہ کونسی عاقبت اندیشی ہو سکتی ہے کہ جب مرض ہلاکت تک پہنچ جائے اور موت نظر آنے لگے اس وقت تدبیر میں ہاتھ لگایا جائے بس یہ خیال جناب اثر کا بالکل بے اثر ہے کہ جناب امیر نے اس وقت عنان حکومت اٹھائی جب حکومت کرنی ناممکن ہو چکی تھی۔ حضرت علیؓ ایسے ناعاقبت اندیش نہ تھے کہ خلافت کی دستار اُسی وقت باندھتے جب خلافت کی اصلاح امکان کی حد سے متجاوز ہو چکی۔ رسول اللہ صلعم نے تو اس سے بدر جہا خراب حالت کو سنبھالا۔ اور جناب علیؓ نے تھوڑی دقتوں کو بھی نہیں فرو کیا۔

"آپ کے بعد جناب امام حسن باپ کی جگہ پر بیٹھے مگر حضرت معاویہؓ کی مخالفت کے باعث آپ کو خلع خلافت کرنی پڑی جس کے بعد امام حسن حضرت معاویہؓ کے پنشن خوار بن گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ امام حسن کو جناب حضرت معاویہؓ نے زہر دلوا دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یزید نے ایسا کیا۔ راقم کے نزدیک آپ کے صاحبزادہ میں اتنا مادہ نہ تھا کہ دمشق میں

بیٹھے ہوئے مدینہ میں امام کا کام تمام کر ڈالتا۔ اگر یزید ہوش گوش والا ہوتا تو امام حسین سے بیعت لینے میں تحرکو راہ نہ دیتا۔ حضرت معاویہؓ نے امام حسن سے کوئی مطالبہ بیعت کا نہیں کیا۔" الخ۔ حضرت حسن کا زہر سے شہید کیا جانا اس کی دلیل نہیں کہ جناب حضرت معاویہؓ نے زہر دلوایا۔ برعکس اس کے قرائن موجود ہیں کہ جناب حضرت معاویہ کو جناب حسن کے شہید کرنے کی کچھ حاجت نہ تھی خود جناب اثر لکھتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ جناب حضرت معاویہؓ کو بس ملک سے محبت تھی لہٰذا ایسا شخص فضول جان کر کیوں لینے لگا۔ حضرت حسن نے صلح نامہ کی مخالفت کا کبھی ارادہ نہیں کیا اگر یہ گمان ہو کہ بیٹے کے لئے سب کچھ کیا تا کہ آئندہ کی خلش مٹ جائے تو یہ خیال بھی درست نہیں۔ اس لئے کہ جناب حسن کی رحلت سے یزید کے لئے میدان صاف نہیں ہوتا تھا۔ حضرت حسین کی ذات اقدس باقی رہتی تھی اور کہیں کسی تاریخ یا روایت سے پتہ نہیں چلتا کہ حضرت معاویہؓ پر اس کا بھی جُعل ثابت کیا گیا ہو کہ آپ نے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو مار ڈالنے کی کوشش کی ہو۔ شُبہہ پر کسی کو مہتم کرنا انصاف نہیں ورنہ حضرت علیؓ پر خارجی بھی حضرت عثمان کی شہادت کا الزام عائد کرتے ہیں اور کچھ مشکوک قرائن بھی اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں چنانچہ ملا حسن قزدینی کی تحریر سے کما حقہ ظاہر ہے کہ شیعیان علی نے جنگ صفین میں ایسے کلمات زبان سے نکالے جن کی بنا پر اکثر افراد کا شک مبدل بہ یقین ہو گیا کہ حضرت عثمان کی شہادت میں معاذ اللہ جناب حضرت علی کی سازش شریک حال تھی۔ (دیکھو کتاب ریاض الشہادۃ مجلد الاولیٰ) پس مجرو شک کوئی شے نہیں اس لئے مجرو یہ خیال کہ حضرت معاویہ نے یزید کے لئے ایسا کیا ہوگا ہرگز قابل اعتبار نہیں ہو سکتا لامحالہ ثابت ہوا کہ خود شیعیان حسن نے جناب حسن کو زہر دلوایا ہو کیونکہ اسی کتاب ریاض الشہادۃ میں مرقوم ہے کہ جناب معاویہؓ سے صلح کے بعد جناب حسن کے اصحاب اس صلح کی بنا پر اس قدر بیزار ہو گئے تھے کہ آپ کو نعوذ باللہ من ذالک "مذل المؤمنین" یعنی مسلمانوں کا ذلیل کرنے والا "مسوِّد الوجوہ" یعنی منہ کالا کرنے والے کے نجس و ناپاک القاب سے یاد کرنے لگے تھے۔ ان کے غصہ کا یہ حال تھا کہ صاحب ریاض الشہادۃ لکھتے ہیں

کہ دونوں فوجیں صف آرا ہو چکیں اس پر بھی جب امام حسن نے صلح کو جنگ پر ترجیح دی اور آپ کی فوج نے لاکھ چاہا کہ قتال شروع کر دے مگر آپ نے ہرگز گوارا نہیں فرمایا تو آپ کی فوج بگڑ گئی اور اکثر افراد نے آپ کی ذات سے گستاخیاں شروع کر دیں۔ بعض نے بڑھ کر جانماز پیروں کے نیچے سے کھینچ لی صفحہ ۳۴۷ نیز زہر دینے والی جعدہ نامی ایک عورت تسلیم کی گئی ہے۔ یہ عورت آپ کی زوجیت میں تھی جس نے آپ نے بوجوہات بیرخی ظاہر فرما کر طلاق دے دی۔ چنانچہ یہی مصنف صفحہ ۳۴۲ پر لکھتے ہیں کہ جب یہ عورت حضرت حسن کو زہر دے کر جناب معاویہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو جناب معاویہؓ نے اس پر لعنت کرنی شروع کی اور بے حد زجر و توبیخ فرمائی۔ پھر جلد ثانی کے صفحہ ۱۶ پر فرماتے ہیں کہ:

''در کشتن امام حسن سائر مسلمانان را و اغلب مردمان را اعتماد آن بود کہ معاویہ را تقصیر سے نبودہ واز و نالشی نشدہ بلکہ راضی نیز بآن نبودہ۔''

اس سے بھی بڑھ کر اور لطف ملاحظہ ہو حسن قزوینی صاحب اللہ صاف صاف ارقام کرتے ہیں کہ ہر چند جناب حسن بنی اُمیہ اور جناب معاویہ کو برملا فحش گالیاں دیا کرتے تھے مگر جناب معاویہؓ نے کبھی گالی کا جواب گالی سے نہیں دیا اور باوجود فحش گوئی کے۔

باز ہمان مبلغ را کہ ہر سال می فرستاد کہ ہزار ہزار درہم بود بغیر امتعۂ وہدایات بسیار از ہر قسمے بجہت از فرستاد بازیادتی صفحہ ۱۳	وہی ہزار ہزار روپیہ سالانہ اور ہر قسم کے بیش قیمت تحفے جو حضرت معاویہؓ نے پہلے مقرر فرما دیئے تھے بغیر کسی عوض کے برابر بھیجتے رہے۔

یہ تمام قرائن اس بات پر کافی شاہد ہیں کہ حضرت معاویہؓ ایک وسیع النظر شخص تھے۔ ان کی ہمت اس سے بالاتر تھی کہ مخالف گالیوں سے متاثر ہو کر اس کا وظیفہ بند کر دیں۔ وہ برابر جناب حسن سے بمراعات و تعظیم پیش آتے رہے اور کبھی اپنی بزرگانہ شفقت سے باز نہیں آئے۔ ان کو بقول اثر جناب حسن سے جو کچھ اختلاف تھا وہ محض ملکی۔ ذاتی نہ تھا تو پھر جناب حسن کو زہر دینے میں کیوں کاوش کی ہوگی ملا صاحب کی ایک اور عبارت قابل دید ہے۔ صفحہ ۱۴ جلد تالی میں گہر ریز ہیں۔

چون ایام وفات معاویہ در رسید یزید را بر بالین
خود طلبید وگفت از سہ نفر بر تو مے ترسم وی دانم
کہ باتو بیعت نخواہند کرد، یکے عبداللہ بن عمر
بن خطاب، دوم پس زبیر سوم حسین بن علی،
امام عبداللہ بن عمر پس از دست مدار وا گر اندک
ریشہ دوانی باو نمائی واز مال خود باو رسدے
برسانی اونیز دست از تو برندارد واما عبداللہ بن
زبیر پس اگر براو دست یابی بند ہائے اوراز ہم
جُدا کن کہ او ہمیشہ در کمین تو خواہد بود واما حسین
بن علی خودے دانی نسبت اور ابہ پیغمبر
خدا وآنکہ او پارۂ تن اوست واز گوشت و
خون او پر دریدہ شدت است ومن می دانم کہ
اہل اعراق اور امی طلبند ومی کشانند بسوئے
خود وامید آرند اور برخروج کردن باتو و در
آخر باد بیوفائی مے کنند اور اتنہامی گدارند وباد
یاری نخواہند کرد پس اگر بداو دست یافتی
قدر ومنزلت اور از پیغمبر مراعات کن ومواخذہ
مکن از وبلعت خروج کہ کردہ است وبعلاوہ
آن باما نسبت قرابت ورحم دارد وکمال رابطہ
خصوصیت و دوستی فیما بین من واو بودہ مبادا
اذیتے وآسیبے از تو باو برسد وملالے ومکروہے
بخاطر شریفش رُخ دہد این رابطہ محکم شدہ
منقطع گردد۔ الخ۔

جب حضرت معاویہ کی وفات کا وقت آیا تو آپ
نے یزید کو اپنے سرہانے طلب کیا اور فرمانے لگے
کہ تین آدمیوں سے مجھے ڈر ہے کہ وہ تجھ سے
بیعت نہ کریں گے ایک عبداللہ بن عمر دوسرے
عبداللہ بن زبیر تیسرے حسین رہے عبداللہ بن عمر
ان سے دست بردار نہ ہونا اور اگر تمہیں ان سے
کچھ اندیشہ ہو تو کچھ مال بطور حصہ رسد کے ان
کو دیتے رہنا۔ اگر تم ایسا کرو گے تو وہ بھی
تمہارے قابو میں رہیں گے رہے عبداللہ بن زبیر
ان پر اگر تم کو قبضہ مل جائے تو ان کے بند بند
کاٹ دینا کیونکہ وہ ہمیشہ تیری گھات میں رہے
گا۔ لیکن حسین بن علی کے متعلق تم خود جانتے ہو
کہ ان کا تعلق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہے ان
کی حضور کے گوشت وخون سے پرورش ہوئی،
مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اہل عراق ان کو تم سے
لڑنے کے لئے بلائیں گے اور ان کو اُمیدیں
دلائیں گے اور آخر میں پھر ان سے کنارہ کش
ہو کر بیوفائی پر کمر بستہ ہو جائیں گے ان کی کچھ مدد
نہ کریں گے تنہا چھوڑ دیں گے۔ لہٰذا اگر تم ان پر
قابو پا جاؤ تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت
قرابت کی بنا پر نہایت قدر ومنزلت کرنا اور اپنے
پر خروج کرنے کی وجہ سے ان سے کسی قسم کا
مواخذہ نہ کرنا، ان سے علاوہ اس کے ہم سے
رشتہ داری اور تعلقات خصوصی بھی ہیں جن کا
اقتضا یہ ہے کہ تمہاری وجہ سے ان کو کسی قسم کا صدمہ
اور ملال نہ پہنچنے پائے ورنہ اندیشہ ہے کہ یہ تمام
تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔

کہیئے اے انصاف پسند قارئین بوقت رحلت جو شخص اس طرح کی وصیت کرے اور اپنے بیٹے کو نشیب و فراز سمجھاتے وقت نہایت مخلصانہ طور پر تاکید فرمائے کہ جناب امام حسین کے ساتھ محبت و حسن سلوک کا برتاؤ کرنا از حد ضروری ہے وہی ذات خود اسی حسین کے بڑے بھائی، کو زہر دے کر شہید کردے۔ حاشا و کلا۔ عقل تو کبھی قبول نہیں کرتی۔ تعصب جو چاہے منوالے۔ محققین نے بشد و مد اسکا انکار کیا ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ حضرت معاویہ نے ہرگز حضرت حسن کو زہر نہیں دلوایا اور یہی اقرب بالصواب ہے۔

''اگر یزید صاحب کو اپنے پدر بزرگوار کی سی سمجھ حاصل ہوتی تو بنی ہاشم سے بیعت لیتے اس قدر کدِ راہ نہ دیتے جس کا نتیجہ آخر کار یہ ہوا کہ امام حسین نے کس مستعدی کے ساتھ بیعت سے انکار کر دیا جس کی بدولت واقعہ کربلا پیش آیا'' الخ۔ قارئین ملاحظہ ہو۔ واقعۂ کربلا وہ واقعہ ہے جو شیعی دنیا میں خاص طور پر اہمیت رکھتا ہے۔ اور کچھ زیادہ بعید نہیں اگر کہا جائے کہ محرم میں غم کرنے والوں میں سے بعض ارباب فہم ایسے بھی ہوں گے جو یہ سمجھ کر روتے ہوں کہ ہائے یہ کیا ہوا۔ شیعی مذہب کی بنیاد تو تھی تقیہ پر۔ کربلا کے مضمون نے اس بنیاد ہی کو متزلزل کر دیا۔ اب تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ سب سے بڑا متقی وہ ہے جو سب سے بڑا تقیہ باز ہے۔ (دیکھو بحار الانوار) اور نہ اس فقرہ کو اپنی زبان تک لا سکتے ہیں کہ:

''ہر کہ تقیہ ندارد ایمان ندارد''

ہمارے یہاں کی کتابیں تو ہم کو یہ عقیدہ رکھنا لازمی بتاتی ہیں کہ: ''تارک تقیہ مثل تارک نماز گنہگار است'' لیکن اگر تقیہ ایمان کا جزو لاینفک ہوتا تو حضرت امام حسین تقیہ سے منہ نہیں موڑتے اور اگر تقیہ کا تارک مثل تارک الصلوٰۃ بے دین ہے تو امام حسین سب سے پہلے تقیہ پر عمل کرتے۔ ایسے مبصر شیعی حضرات بلاشبہ دل ہی دل میں خار کھاتے ہوں گے کہ جس تقیہ کے بغیر شیعیت کا چلنا محال ہے اسی کو سیدنا امام حسین نے بیانگ دہل باطل فرما دیا۔ دنیا پر ظاہر و

باہر ہوگیا کہ اللہ کے بندوں کی بات ان بندوں کے سر کے ساتھ ہوتی ہے۔ رہا یہ امر کہ اگر یزید بنی ہاشم سے بیعت لینے پر مصر نہ ہوتا تو واقعۂ کربلا پیش نہ آتا تو اس کا جواب کچھ ضروری نہیں مگر ایک مضمون ہدیۂ ناظرین کئے بغیر نہیں رہ سکتا ہوں۔ وہ یہ کہ واقعات کربلا کن معاملات کا نتیجہ تھے اس کی تشریح میں بمقابلہ امداد امام صاحب اور ان ہی کے ایک جید عالم کا قول پیش کر کے بتانا چاہتا ہوں کہ شیعی راویان حدیث نے جہاں بہت سا افترا بزرگان دین پر کیا ہے وہاں ایک مضمون یہ بھی نظر آتا ہے کہ معاذ اللہ منہا حضرت امام حسین نے خود یزید کو فتنہ وفساد کرنے پر برانگیختہ کردیا۔ چنانچہ یہی فاضل قزوینی اپنی اسی کتاب ریاض الشہادۃ جلد ثانی میں اسباب واقعۂ کربلا کا ذکر کرتے ہوئے صفحہ ۱۶ پر لکھتے ہیں۔

عبداللہ بن زبیر زنے داشت کہ دران عصر بحسن و جمال مشہور بود و چون خوبی او بہ یزید رسید نادیدہ عاشق دے گردید، پس انواع حیل و تدابیر نمود تا آنکہ ابن زبیر اورا طلاقہ کرد پس یزید وکالت نامہ بنام ابو موسیٰ اشعری فرستاد تا اور الجہت یزید عقد کند و در روز یکہ وے بحکم دکالت یزید رسید بجانۂ آن زن رفتے عبداللہ بن عمر درعرض درا ملاقات نمودہ و بعد از اطلاع اونیز ابو موسیٰ را وکیل نمود و چون قدمے چند برفت جناب امام حسین را ملاقات نمودہ بعداز اطلاع آن حضرت نیز اورا وکیل فمود، چون ابو موسیٰ رسید بآن زن گفت چہار کس ترا طالب اند و من آمدہ

عبداللہ بن زبیر کے پاس ایک عورت تھی جس کے حسن و جمال کا اس زمانے میں بہت چرچا تھا یزید کو جب اس عورت کا پتہ لگا تو وہ اس کا ان دیکھا عاشق ہوگیا۔ اور طرح طرح کی تدبیریں کر ڈالیں یہاں تک ابن زبیر نے اس کو طلاق دے دی، یزید نے فوراً ابو موسیٰ اشعری کو اپنا وکیل نکاح بنا کر اس حسینہ کے پاس بھیجا تا کہ وہ یزید کا عقد کرادیں۔ جس روز ابو موسیٰ کو یزید کا وکالت نامہ پہنچا ابو موسیٰ اس عورت کے گھر روانہ ہوگئے راستہ میں عبداللہ بن عمر سے ملاقات ہوگئی اطلاع حال کے بعد انہوں نے بھی اپنی طرف سے ابو موسیٰ کو وکیل نکاح بنا دیا۔ اور چند ہی قدم گئے ہونگے کہ حضرت حسین سے ملاقات

ام کہ ترا جہت یکے از آنہا کہ راضی شوی و
رغبت نمائی عقد نمایم، گفت کیا نند گفت
اول خود ابو موسیٰ اگر قبول افتد دوم یزید، سیم
عبداللہ چہارم امام حسین گفت من جوانم و
مال بسیار وارم و تو مرد پیر سال خوردہ وجہ
مناسبتے مرا با تو نیست حال پائے طمع
بیرون نہ و خود را خالی از خرض کن تا درین
۳ نفر با تو شوری کنم، ابو موسیٰ تصدیق
نمودہ گفت ازین خیال درگزشتم اگر دنیا و
لزت لہود معاشرت می خواہی۔ یزید راہ
بخواہ اگر حسن و جمال و تقویٰ نخواہی بہ
عبداللہ بن عمر تن وردہ۔ و اگر حسن خلق و حلم
و بردباری فضائل و کمالات حسن و نسب و
ہم نشینی فاطمہ خواہی اینک امام حسین، زن
ساعتے فکر کرد و بعد ازان گفت مال و جاہ
دنیا فانی است و جوانی و جمال بہ ضعف
پیری زائل گردد لیکن خدمت اہلبیت
موجب سعادت ابدی است پس ابو موسیٰ
را وکیل نمود تا اور بعقد امام حسین درآوردو
آنحضرت اور التصرف نمود و چون این
خبر بشام رفت عداوت یزید باآن حضرت

ہوئی اطلاع حال کے بعد انہوں نے بھی ابو
موسیٰ کو اپنا وکیل نکاح کر دیا غرضیکہ جب ابو
موسیٰ اس عورت کے پاس پہنچے تو کہا اے
عورت تیرے چار طالب ہیں اور میرے
آنے کی غرض یہ ہے کہ انمیں سے جس کسی
کے ساتھ تو راضی ہو میں تیرا نکاح کر دوں
عورت نے کہا وہ کون کون لوگ ہیں ابو موسیٰ
نے بتایا کہ اول تو میں خود ہوں اگر قبول
کرے و دوسرے یزید تیسرے عبداللہ بن عمر
چوتھے امام حسین، عورت کہنے لگی میں جوان
ہوں اور میرے پاس مال بھی کثیر ہے اور تم
بڈھے ہو مجھ میں اور تم میں کوئی مناسبت نہیں
ہے تم اپنے خامِ خیال سے باز آؤ تو پھر تین
ان میں بقیہ کے متعلق تم سے مشورہ کروں ابو
موسیٰ نے کہا اچھا میں اس خیال سے
درگزر رہوا۔ اگر تو دنیا اور لذت ولہو ولعب کی
طالب ہے تو یزید کے ساتھ نکاح کر اور
اگر حسن و جمال و تقویٰ کی طالب ہے تو
عبداللہ بن عمر کو اور اگر حسن خلق و حلم اور
بردباری اور فضائل کمالات حسب و نسب اور
ہم نشینی فاطمہ کی طالب ہے تو پھر حسین موجود
ہیں حسینہ نے تھوڑی دیر سوچنے اور غور کرنے

زیاد شد۔ وایضاً دختر بن عبداللہ بن جعفر کہ خواہر زادہ آنجناب بود بہ جہت یزید خواستگاری کردند و بعد از انعقاد مجلس در حضور راعیان و اشراف قریش وغیرہم مروان بن حکم و حاکم مدینہ بود از جانب معاویہ خطبہ خواندہ و بلند پردازی بسیارے فخر و مباہات زیادہ از حد نمودہ مہر سنگینے از جانب یزید داد پس حضرت امام حسین خطبہ خواند و سخنان اور اجواب، شافی کافی دادہ اور ابہ پسر عمش قاسم بن محمد بن جعفر عقد کرد و مزرعہ از خود کہ سالے ہشت ہزار اشرفی مداخل آن بود بہ جہت او عطا فرمود پس رنگ مروان سیاہ شد و گفت شمانبی ہاشم غدر کردید و مارا رسوا کردید و دست از عنا و عداوت خود برنمی دارید حضرت فرمود این بعلت آن بود کہ عائشہ دختر عثمان را برادرم حسن خواست و ہاوندا دید و بہ عبداللہ بن زبیر دادید، ہرچند آن ہمان را او مطلقہ کرد۔

کے بعد بولی دنیا کا جاہ اور دولت سب مٹنے والی ہے اور جوانی و جمال کو بھی ایک دن بڑھاپا خاک کردے گا۔ اور خدمت اہل بیت موجب سعادت ابدی ہے لہٰذا اس نے ابو موسیٰ کو وکیل کیا تا کہ وہ امام حسین کے ساتھ اسکا عقد کردیں چنانچہ عقد ہوگیا اور امام حسین اس پر قابض بھی ہوگئے جب یہ خبر شام پہنچی تو یزید کی عداوت امام حسین کے ساتھ اور بڑھ گئی۔ منجملہ ان اسباب کے ایک یہ ہے کہ امام حسین کے بھانجے عبداللہ بن جعفر کی لڑکی کو لوگوں نے یزید کی طرف سے پیغام دیا اور بھری مجلس میں جہاں قریش وغیرہ کے سر برآوردہ لوگ موجود تھے مروان بن حکمؓ حاکم مدینہ نے حضرت معاویہؓ کی جانب سے تقریر کی جس میں بہت تسلی اور فخر مباہات کی باتیں تھیں اور یزید کی جانب سے بہت اکافی مہر حضرت امام حسین تمام باتوں کا شافی جواب دیدیا اور اس کا اپنے چچازاد بھائی قاسم بن محمد بن جعفر کے ساتھ عقد کردیا اور از خود ایک جائیداد جس کی سالانہ آمدنی آٹھ ہزار اشرفیاں ہوتی تھیں قاسم کی طرف سے دی، یہ دیکھ کر مروان کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔ اور کہنے لگا تم بنی ہاشم نے بڑا دھوکا دیا اور ہم کو بہت رسوا و ذلیل کیا پھر بھی عداوت دعنا نہیں چھوڑتے ہو، حضرت نے فرمایا یہ اس کا نتیجہ ہے کہ عائشہ دختر عثمان کو میرے بھائی حسن نے مانگا تھا اور تم نے ان کو نہیں دیا۔ بلکہ عبداللہ بن زبیر کے ساتھ عقد کردیا حالانکہ انہوں نے بھی اس کو طلاق دیدی۔

نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا. کیا اس روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ معاذ اللہ سیدنا امام حسین نے کربلا کا جہاد ایسے وجوہات کے باعث مول لیا جس کی منشا عورتوں کا وجود نامحمود تھا۔ بعوض فتنہ وفساد کو فرو کرنے کے آتش عداوت کو دیدہ ودانستہ عام خلق اللہ کی مانند تیز کیا۔ عورتوں کا معاملہ زر زمین۔ زن کے بمصداق اس کا باعث ہوا جو امام کی شان سے کوسوں دور ہونا چاہئے۔ جس عورت کی خواہش یزید نے کی تھی اور اس کو حیلہ وتدبیر سے اپنی راہ پر لگا رہا تھا سیدنا امام حسین کا جیسا متقی ومقدس شخص اس معاملہ میں خواہ مخواہ کود پڑا اور اس عورت کو اپنے تصرف میں درلایا۔ پھر اس پر جب اس نے صبر کیا اور خون کا گھونٹ پی کر رہ گیا اور اس نے پھر ایک اور نسبت اپنی ٹھیک کی تو عین مجلس میں پہنچ کر جبکہ اس کے نکاح کا خطبہ پڑھا جارہا تھا گاؤخرفرمادیا۔ اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس لڑکی کا عقد اسی مجلس میں اپنے چچیرے بھائی سے پڑھ دیا اور استفسار کرنے پر یہاں تک جرأت کی کہ ہم نے جو کچھ کیا بدل لیا ہے اس امر کا کہ جو بنی اُمیہ نے بنت عثمان کو ہمارے بھائی کی زوجیت میں نہیں آنے دیا تھا۔ کیا امام عالی مقام کا یہی کام ہے کہ اس طرح کی کدورت دل میں لئے رکھے اور موقع بے موقع جوش انتقام کا مظاہرہ کرتا پھرے۔

نفس خویش خون من و تو
فارغ از دین و کیش چون میں وتو

مذہب اور تہذیب تو یہ ہدایت کرے کہ کسی عورت سے جب کوئی شخص تازہ پیام کررہا ہو تو دوسرے مسلمان کو لازم ہے کہ درمیان میں نہ پڑے اور کسی کی مخطوبہ کو بیچ سے نہ اچک لے کیونکہ یہ فعل حرام وناجائز ہے مگر امام حسین کا سا عالی ظرف ایک عیاش خونخوار سفاک بادشاہ کے سامنے سے اس کی شہرۂ آفاق حسین وجمیل مطلوبہ کو چھین لے اور گویا بھوکے شیر کے منہ سے گوشت کو لے بھاگے تو اس فعل کو شیعی دنیا اچھالتی پھرے اور اپنے امام کی اس واقعہ میں مناقب ومحامد خیال کرے۔ نہیں نہیں یہ ان علماء اور دوست نماء دشمنوں کی

کارروائیاں اور جھوٹے پروپیگنڈے ہیں جن کا صاف مطلب یہ ہے کہ خاندانِ نبوت اور آسمان رسالت کے درخشاں تاروں جگر گوشوں کو دنیا کی نظر میں ذلیل وخوار کیا جائے تا کہ دنیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عظمت وتقدس وجلالت تقویٰ بھول جائے اور کفر کا بول بالا ہو۔

ان عقل کے دشمنوں سے کوئی پوچھے کہ ارے او کم بختو اگر ایک حسین عورت نے یزید کے بدلے امام حسین کو پسند کر لیا تو اس میں امام موصوف کی کونسی دینی فضیلت نکلی سیدنا حسین کے مناقب اس سے بدرجہا بڑے ہیں ایسی ایسی فضول بلکہ مخرب اخلاق انسانوں کے الحاق سے ذلت ورسوائی کے سوا اور کچھ نہیں۔

(نوٹ) امداد امام صاحب سے ایک عرض ہے کیوں جناب آپ تو لکھتے ہیں کہ حکومت بنی ہاشم سے جا چکی تھی پرائیویٹ مرفہ الحالی بھی فدک نکل جانے سے باقی نہ رہی تو پھر ایسی مفلوک الحالی میں اتنی وسعت کہاں سے پیدا ہوگئی کہ قاسم بن محمد بن جعفر کے عقد میں آٹھ ہزار اشرفی سالانہ کی آمدنی دولہن کو امام حسین نے عطا فرما دیں۔ یا تو آپ لغو گو ہیں جو امام حسین اور خاندان نبوت کو مفلوک الحال بتاتے ہیں اور مفلس وقلانچ تصور کرانے کی فکر میں ہیں یا جناب کے عالم صاحب ریاض الشہادۃ والے جھوٹے اور لغو گو ہیں جو اتنی بڑی بڑی جائیداد کا قابض امام موصوف کو بتاتے ہیں۔ اُمید کہ جناب کا ''حق پسند'' دماغ ان دونوں شقوں میں سے کسی شق کو قبول فرما کر اَلَا لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْكَاذِبِيْن وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ کا ورد فرمائیں گے۔ سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَے الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن.

انشاء اللہ یار باقی صحبت باقی والسلام

سید صالح حسین عاجز۔ شوق
رئیسِ چھپرہ صفر ۱۳۵۰ھ

شیعہ مؤرخ و محقق علامہ شاکر حسین امروہی

مرزا امراؤ بیگ تخلص مرزا حیرت بیگ دہلوی جو ایک گم نام آدمی جو نہ طبقہ علماء میں نہ محققین میں بلکہ ایک اخبار کا ایڈیٹر ہے اس نے ۲۳ جولائی ۱۹۰۵ء کے کرزن گزٹ دہلی میں ایک مضمون شائع کیا ہے جو درج ذیل ہے۔

''اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ جو عقیدہ یا خیال ہزار یا دو ہزار برس سے کسی قوم میں چلا آتا ہے وہ غلط نہ ہو مثلاً بت پرستی کئی ہزار برس سے دنیا میں رائج ہے اور کروڑہا بندگان خدا اس پر دل سے یقین اور ایمان رکھتے ہیں۔ مگر پھر بھی یہ مسئلہ سراسر غلط ہے لہٰذا اگر کوئی عقیدہ ایسا ہو جس کو صدہا سال سے لوگ مانتے ہوں۔ اور کروڑہا بندگان خدا کا اس پر یقین رہ چکا ہو تب بھی اس میں بہت کچھ تحقیق کی گنجائش ہے اور اس کے متعلق ایک بالتفصیل بحث کرنے کی ضرورت موجود ہے اس اصول متعارف سے فائدہ اٹھا کر ایک مشہور و معروف واقعہ کی جو تیرہ سو برس سے مسلم چلا آتا ہے تحقیق کرنا چاہتے ہیں اگر چہ ہمیں یہ یقین ہے کہ ہمارا طرز استدلال اور تحقیق کو پڑھ کر قارئین چونک پڑیں گے۔ مگر ہم ان سے درخواست کرتے ہیں اگر انھوں نے نہایت صبر اور توجہ سے ہماری اس تحقیق کو پڑھا تو کم از کم ان کو اتنا ضرور فائدہ پہنچے گا کہ عظیم غلط فہمی جاتی رہے گی تیرہ سو برس کے راز سربستہ کا انکشاف ہو جائے گا۔ جس واقعہ پر ہم بحث کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا تعلق حضرت حسینؓ کی شہادت سے ہمیں ایک طولانی اور گہری تحقیق کے بعد اس بات کا پتہ لگ گیا ہے کہ حضرت حسینؓ کربلا میں شہید نہیں ہوئے اس جملہ کو پڑھ کر چونکنے کی کوئی ضرورت نہیں پہلے ہماری تحقیق کو پڑھ لیں اس کے بعد اپنی رائے قائم کریں ہماری تحقیق کا سلسلہ سب سے پہلے سُنیوں اور شیعوں کی حدیثوں سے شروع ہوتا ہے سُنیوں کی حدیثوں کی کتابیں تو اس واقعہ کی نسبت ایک حد تک خاموش ہیں، ہاں کہیں کہیں کنایہ اور اشارے سے کام لیا گیا ہے۔ سُنیوں کی جن احادیث

میں رسول اللہ کی پیشین گوئیاں جو حادثہ کربلا کے متعلق درج ہیں وہ حدیثیں سب کی سب یا تو موضوع ہیں یا ضعیف ہیں اور اگر کسی حدیث کو مرتبہ حسن نصیب ہوا بھی ہے (حالانکہ یہ مرتبہ حدیث کے لئے کوئی اعلیٰ درجے کا نہیں ہے) تو بھی اس حدیث سے کوئی صاف روشنی واقعہ کربلا پر نہیں پڑتی۔ اب رہیں شیعوں کی کتب احادیث ان میں شہادت کے واقعہ کے متعلق متضاد روایتوں کا وہ طومار بے تمیزی جمع کیا ہے جس سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ نہیں ہوتا۔ اس کے بعد ہم تاریخوں پر نظر ڈالتے ہیں تو ان میں بلا کا اختلاف ہے۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس بات کو مانیں اور کس بات کو نہ مانیں۔ مؤرخوں نے جیسا کہ عام دستور ہے۔ مثل بے وقوف بھیڑوں کے ایک دوسرے ایک دوسرے کی تقلید کی ہے۔ مگر کسی بڑے سے بڑے مؤرخ کو بھی یہ بات نصیب نہیں ہوئی کہ بجائے خود روایتوں کے جانچنے کا ایک صحیح معیار قائم کرتا اور تقلید کی پٹی کو آنکھوں سے کھول دیتا جو معیار طبعیات نے گزشتہ تاریخی واقعات کو جانچنے کا قائم کیا ہے اس معیار سے اگر جانچا جائے گا تو شہادت کے متعلق ایک واقعہ کی بھی صحت کا ہونا ناممکن محض ہے۔ یہاں تک تو صحیح ہے کہ حضرت حسین سخت پریشان ہو کر مدینہ سے مکہ تشریف لائے وہاں آپ کے پاس شیعان علیؓ کے دس ہزار دستخطی خطوط بلاوے کے آئے آخر آپ عبداللہؓ بن عباسؓ کے سمجھانے سے بھی باز نہ آئے بال بچوں کو ساتھ لیکر سیدھے شام کی طرف روانہ ہو گئے جب آپ مقام کربلا پر پہنچے تو حُر جو دو ہزار سواروں کا سپہ سالار تھا نمودار ہوا جب حضرت حسین نے دیکھا کہ مجھے سواروں نے گھیر لیا ہے۔ تو آپ نے حُر سے کہا کہ میں تو کوفیوں ہی کے بلاوے پر یہاں آیا ہوں حُر نے جواب دیا کہ آپ جن کے سہارے یہاں آئے تھے وہ آپ کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ تو حضرت حسینؓ نے تین شرطیں پیش کیں۔

۱۔ جہاں سے یعنی مکہ سے یا مدینہ جہاں سے آرہا ہوں مجھے وہاں واپس جانے دو۔

۲۔ مجھے دمشق خلیفہ کے پاس جانے دو۔ تاکہ میں اپنا ہاتھ اسکے ہاتھ میں دے دوں وہ میرے چچازاد بھائی ہے وہ جو چاہے میرے متعلق فیصلہ کرے۔

۳۔ مجھے اسلامی سلطنت کی کسی ایسی سرحد پر بھیج دیا جائے جہاں کفار سے جہاد ہو رہا ہو۔ تاکہ میں وہاں کفار سے جہاد کرتا ہوا شہید ہو جاؤں۔

حُر نے تینوں شرطیں اپنے گورنر کو لکھ کر بھیج دیں۔ وہاں سے جواب آیا کہ ہم کو منظور نہیں۔ حُر نے اپنے گورنر کا جواب حضرت حسینؓ کو پڑھ کر سنایا۔ اس پر آپ کو بہت صدمہ ہوا۔ اور آپ نے ایک دن کی مہلت مانگی۔ چنانچہ مہلت دے دی گئی شب کو پوشیدہ طور پر حضرت حسینؓ اور حُر کی ملاقات ایک خیمہ میں ہوئی۔ بڑی قیل و قال کے بعد آخری شرط پر دونوں فریق متفق ہو گئے اور یہ امر طے پایا کہ مستورات اور بچوں کو چھوڑ کر دو یا تین آدمی جیسے مناسب سمجھیں۔ ساتھ لیکر قسطنطنیہ کی طرف چلے جائیں آپ کی مستورات کی حفاظت کا میں ذمہ وار ہوں حُر نے کہا اس وقت آپ تنہا اپنے کنبہ کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ اور اگر آپ نے دو ہزار فوج کے مقابلے میں تلوار اٹھائی اور میدان میں مارے گئے تو ایسا قتل بطور خودکشی کے سمجھا جائے گا۔ کیونکہ آپ خلیفہ سے جنگ مدافعت نہیں لڑ رہے بلکہ خلیفہ پر حملہ کرنے آئے ہیں۔ چنانچہ جو کچھ میں کہتا ہوں اُسے گوش گزار کر لیجئے آپ کے اور آپ کے خاندان کے لئے یہی بہتر ہے چنانچہ حضرت حسین ـ نے منظور کر لیا۔ اور آپ حُر سے مستورات کی حفاظت کا عہد لے کر اپنے چند احباب کے ساتھ سطنطنیہ چلے گئے۔ دوسرے دن حُر چاہتا تھا کہ کسی طرح باقیوں سے لڑائی نہ ہو۔ مگر شمر کسی وجہ سے لڑائی پر تل گیا اور حضرت حسینؓ کی غیر موجودگی میں عبداللہ بن جعفر کے بیٹوں اور آپ کے بھائیوں اور بھتیجوں نے سختی سے مقابلہ کیا۔ اور سب کے سب اس مختصر لڑائی میں کام آئے پھر خلیفہ کی فوج کے سپاہی آئے۔ کل مستورات اور باقی بچ جانے والوں کو بحفاظت دمشق پہنچا دیا۔ خلیفہ نے ان کے ساتھ

ہمدردی کی اوران کو بہت کچھ دے دلا کر بحفاظت مدینہ پہنچا دیا۔ یہ ہماری تحقیق کا نتیجہ ہے جو ہم نے مسلمانوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ہم نے جو کچھ اس کے متعلق تحقیق کی ہے۔وہ ابھی محفوظ ہے۔اسے جلد ہی ہم کتاب کی صورت میں شائع کریں گے"

افسوس کہ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ کن روایات کے سہارے مرزا حیرت نے کتاب شہادت شائع کی۔اور مذہبی جنونیوں نے مرزا حیرت کی اس تحقیق کو غلط انداز میں اپنے غصہ کو مٹاتے ہوئے ضائع کر دی اور مرزا حیرت کے چھاپہ خانے کو بھی نقصان پہنچایا۔ درحقیقت کسی کے ساتھ بھی نقصان پہچانے والا عمل صرف وہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اپنی دلیل و منطق میں کمزور ہوں جن کے لئے کسی بھی شکل میں کوئی جواب دینا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو یہ لوگ اپنی کمزوری کو اس جاہلانہ طریقے سے پوری کرتے ہیں۔کیونکہ ایسے افراد اپنے مؤقف میں کمزور ہوتے ہیں اور مخالف کے کسی بیان کا جواب دینے سے نابلد ہوتے ہیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ ہر روایت کو اصول درائیت کی کسوٹی پر کستے اور ہر روایت کی تائید یا تردید میں تاریخی شہادتوں کو جمع کرتے۔اور پھر اس پر جرح کرتے لیکن یہ سب کچھ کیسے کر سکتے تھے۔ یہ سارا کام تو بہت دماغ سوزی کا ہے۔نہایت دشوار اور صبر طلب ہے۔بہرحال مرزا حیرت دہلوی نے امام عالی مقام کا قسطنطنیہ چلا جانا کسی کتابی روایات سے ہی اخذ کیا ہوگا ورنہ اس کو کوئی الہامی طاقت حاصل نہ تھی. حضرت امام حسین کی درد انگریز شہادت کا افسوس ناک حادثہ جس طرح تاریخ عالم میں عموماً اور تاریخ اسلام میں خصوصاً عدیم المثال سمجھا جاتا ہے اس سے زیادہ تعجب خیز اس واقعہ کی روایتوں کا اختلاف ہے۔لیکن کسی واقعہ کے فروعات میں اختلافات کا ہونا اسکے وجود کی نفی اور اسکی اصلیت کے بطلان کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ واقعات کربلا کے دوران تحریر میں ہم نے مقتل ابو مخنف لوط بن یحیٰ، کبیر ابو جعفر طبری، کتاب امالی شیخ صدوق، بحار الانوار، حیات القلوب، جلاالعیون، (علامہ مجلسی)، عبد اللہ بن محمد مقتل ابن شہر آشوب

منہاج الصالح علامہ حلی اسرار الشہادۃ اخوند ملا آقا دربندی کو دیکھا ماثین فی مقتل الحسین مولوی غلام حسین کن توری، بحر المصائب مولوی امداد علی لکھنوی کو دیکھا مگر ان سب میں اس قدر اختلاف پائے کہ اس کے خیال سے بھی دماغ چکراتا ہے۔ عام کتابوں سے قطع نظر کر کے فریقین کی وہ مستند کتابیں جو اسلامی تاریخ کی جان ہیں کوئی لائق سے لائق مورخ بھی کیسے ہی معقول وسائل وذرائع فراہم کر لے مجتہدانہ رائے قائم کرنے کی جرات نہیں کرسکتا ہم نے اس مسئلے پر جہاں تک غور کیا ہے بظاہر اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بیان واقعات میں کسی راوی سے سہو ہوا یا کسی کے طرز بیان نے واقعہ کی اصلیت کو افراط تفریط سے مسخ کر دیا کسی کو راوی کا اصل مُدعا سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی کسی نے واقعہ کو پُر اثر بنانے کے لئے مبالغہ سے کام لیا۔ کسی نے شدت احتیاط سے واقعہ نفس الامری کو ہی نامعتبر سمجھا اور اس میں اپنے خیال کے مطابق کمی کر دی اور اس وقت تک یہ سب واقعات سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے چلے آئے۔ اور تغیر الفاظ کے ساتھ مفہوم میں ہی تغیر پیدا کرتے رہے۔ افسوس کہ نااہلوں نے اپنی بیہودہ روایات سے صحیح اور غیر صحیح واقعات کو غلط ملط کر دیا۔ لغو قصے، کہانیاں اِدھر اُدھر سے لے کر خود وضع کر کے بھر دئے ان لوگوں نے محض ایسے واقعات اپنی طرف سے بیان کئے جن سے سامعین کے دل پر چوٹ لگے اور گریہ آور ہوں۔ ذاکرین نے صرف رونے رلانے کو مدنظر رکھ کر واقعات کی صحت وغیر صحت کو پس پشت ڈال دیا۔ مثلاً ''اسرار الشہادہ'' ایک مشہور عالم اخوند ملاّں آقا دربندی کی مؤلفہ ہے۔ فاضل موصوف نے اپنی اصل کتاب میں فوج کوفہ کی تعداد چھ لاکھ سوار اور دو کروڑ پیادے لکھ دی۔ اس سے زیادہ حیرت انگیز لطیفہ تو یہ ہے کہ آخوند مذکور خود نقل کرتے ہیں کہ میں نے کسی زمانہ میں کسی عالم کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ یوم عاشورہ بہتر (۷۲) گھنٹے کا طولانی تھا۔ میں اس وقت متعجب ہوا تھا۔ اور یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی تھی مگر اب جب میں تمام واقعات روز عاشورہ پر غور کرتا ہوں تو مجھے اطمینان ہو

جاتا ہے کہ وہ نقل صحیح تھی کیونکہ یہ تمام واقعات جو اُس روز رونما ہوئے بغیر اس قدر مدت کے پورے ہو ہی نہیں سکتے تھے۔ حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں ہے۔

صرف ایک کوفہ شہر سے لاکھوں سپاہی کیونکر میدان جنگ میں پہنچ سکتے تھے. نہ کوفہ اتنا بڑا شہر تھا جیسے فی زمانہ لندن و پیرس ہیں. اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر کسی سلطنت یا ایسے شخص سے مقابلہ کی ضرورت ہوتی جس کے ساتھ بڑا لشکر ہوتا تو پھر اسی قدر فوجوں کی فراہمی ضروری سمجھی جاتی ہے. لیکن جب عامل کوفہ کو یہ معلوم تھا کہ حسینؓ کے ساتھ بہت تھوڑے آدمی ہیں کوئی جن کے بھروسہ پر وہ ادھر آ رہے ہیں۔ اب وہ ان کا ساتھ نہیں دیں گے۔ تو اسے دغدغہ اور کھٹکا ہی کیا رہ گیا تھا۔ دوسرا نہ گورنران صوبہ جات کے نام فوجوں کی فراہمی کے احکام کا اجرا کسی کتاب سے پایا جاتا ہے۔ نہ ہمارے پاس اس کے متعلق کوئی تاریخی شہادت موجود ہے فی زمانہ مستقل اور دوامی فوجیں متعدد چھاونیوں میں ہر وقت حاضر اور تیار رہتی ہیں۔ ذخائر حرب سامان رسد اور باربرداری کا انتظام اعلیٰ پیمانے پر ہے۔ صغیہ حرب کی ہر اک شاخ کا اہتمام ایک مستقل محکمہ کی نگرانی میں ہے ذرائع آمدورفت کی سہولت کے واسطے ریلیں اور جہاز موجود ہیں۔ فوری احکام اور خبر رسانی کیلئے برقی تاروں کا جال پھیلا ہوا ہے. تاہم کسی خاص مقام پر فوجی اجتماع میں طرح طرح کی دشواریاں حائل اور صدرِ راہ ہوتی ہیں۔ اور باوجود اس قدر آسانیوں کے فی الفور جنگی نقل و حرکت نہیں ہوسکتی. نہ سامان حرب، رسد اور باربرداری کا انصرام ہوسکتا ہے. جس زمانہ میں یہ وسائل و ذرائع تھے ہی نہیں یہ سب کچھ کیونکر ممکن تھا۔ بیس یا پچیس روز یا مہینہ سوا مہینہ میں لاکھوں سوار اور پیادے معہ سامان رسد کے میدان جنگ میں پہنچ جاتے۔ اس قدر وسیع پیمانے پر فوجی انتظام کسی طرح ممکن نہیں ہوسکتا. واقعہ کربلا کے متعلق اور بھی دو باتیں غور طلب ہیں اول یہ کہ ۶۱ ھ ہجری دوسرے سنہ عیسوئی میں کونسا مہینہ تھا اور تاریخ کیا تھی دن کیا تھا عموماً تاریخوں میں اس روز

گرمی کا بڑی شدت سے بیان کیا جاتا ہے۔ جیسے مئی یا جون کا مہینہ پایا جاتا ہو. حالانکہ بقاعدہ ریاضی یورپین مورخ اکتوبر کا مہینہ لکھتے ہیں. جس میں سردی شروع ہو جاتی ہے. اور حدت و تمازت آفتاب اور لو کا مہینہ گزر جاتا ہے. گویا ۱۰ محرم ۶۱ھ ہجری بمطابق ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء عیسوی ہے۔ اور بدھ کا دن بنتا ہے۔

(انسائیکلو پیڈیا ٹرانیکا جلد نمبر ۱۳ طبع یازدھم میں بھی اسی تاریخ کو تسلیم کیا گیا ہے)

کس قدر حیرت اور افسوس ہے. کہ فاضل دربندی جیسا باخبر شخص اغراق کی حد سے بھی گزر جائے اور مہابھارت کے افسانے کو بھی مات کردے دنیا میں کسی پلیٹ فارم پر کسی جلسہ میں کسی مقرر کو اپنے خیالات کے اظہار میں اتنی آزادی حاصل نہیں. جتنی ذاکرین کو ہے. انہیں صاحب حس لوگوں کی خاموشی سے پوری پوری مدد ملی ہے اور وہ روز بروز بے اختیار اور دلیر ہوتے گئے. اور یہی خودسری اور غلط بیانی آخر کار واقع خوانوں کی ایک مستند شان ہو گئی محتاط اور سلیم العقل اور صاحب حس کے خیال میں آئی ہوئی یا سنی سنائی باتوں کا اُگل دینا کافی نہیں بلکہ ان پر غور کرنا اور سمجھنا ضروری ہے۔ اور یہی حال مصنفین کا ہے۔ عوام کو تو جانے دو جو لوگ اہل علم کے طبقہ میں شمار کیے جاتے ہیں وہ بھی اِسی لکیر کو پیٹتے رہے ہیں۔ اب رہے شاعر تو ان کا اصول یہ ٹھہرا جو بات عام طور پر مشہور ہو خواہ وہ سہی ہو یا غلط اس کو نظم کر دیں نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ایک صحیح واقعات کے متلاشی کے لئے یہ امر کس قدر حیرت افزا اور پریشان کن ہے۔ کہ واقعات کربلا (جن کو تاریخ اسلام میں بوجہ تعلق خاندانِ رسالت ایک خاص وقعت واہمیت حاصل ہے) تاریخِ عالم کے تمام سلسلہ میں سب سے زیادہ مختلف الروایات ہے. جس مورخ نے جس روایت کو اپنے خیال میں معتبر سمجھا لکھ دیا. تمام اختلافات کو دکھلا کر تنقید و تنقیح کی زحمت گوارا نہ کی تاکہ جو روایت اصول درایت پر ٹھیک اترتی ہو وہی قول فیصل سمجھی جاتی افسوس کہ ہم بھی اس عظیم الشان مُہم کا بیڑا اٹھانے سے قاصر ہیں اور تمام اختلافی روایتوں کی جرح و تعدیل سے معذور ہیں کیونکہ اس کام کے لئے بہت بڑے سامان

اور بڑی فرصت کی ضرورت ہے۔اور قدرت نے ہم کو ان دونوں نعمتوں سے محروم رکھا ہے۔
یہ خیال ہی کس قدر رکیک اور بے معنی ہے. کہ مصائب،فضائل یا واقعات شہادت صحیح ہوں یا
موضوع ضعیف ہوں یا مشکوک سب کا بیان کرنا جائز اور بہر حال موجب ثواب ہے۔ کیونکہ
اس کی علت نمائی جذباتِ غم کو ہیجان میں لاتی ہے.ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اس ادعا کا مفہوم کیا
ہے.اور فرق ان کا بیان باعثِ اجر جزیل ہوسکتا ہے جن کی صحت پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہو۔لیکن
جو روایتیں ضعیف یا مشکوک یا موضوع ہوں.اور روایتاً درایتاً صحیح نہیں مانی جاسکتی ہوں. ان
کے بیان کا کون سی شریعت فتویٰ دے سکتی ہے؟ غلط اور موضوع ہونے کا مفہوم کیا ہے۔یہی ہے
نہ کہ وہ جھوٹ ہے؟ بہتان ہیں اور افترائے محض ہیں۔کیا عقلاً نقلاً کوئی ایسی دلیل اور وجہ موجود
ہے۔جس سے کذب وافتراء کے جواز کا فتوی دیا جاسکے۔سوچیے! کس قدر سنگین جرم ہے۔

کتاب کافی شیخ کلینی ،تفسیر عیاشی کتاب امالی بوعلی طوسی وغیرہ ہم بہ تغیر الفاظ
جناب رسول خدا اور جناب امیر سے مَروِی ہے کہ ''جو شخص رسولِ خدا اور آئمہ خدا پر برابر دیدہ
دانستہ افترا بندی کرے اور جو بات انہوں نے نہیں فرمائی یا جو فعل انہوں نے نہیں کیا اس کو ان
سے منسوب کرے تو اسکا ٹھکانہ جہنم ہے۔

خادمِ قوم وملت شاکر حسین امروہوی
جے پور ہند محرم ۱۳۶۱ھ

شیعہ عالم، علامہ سید شرف الدین موسوی

ہمارے معاشرے میں مسلمانوں کے اندر نفرت اور فرقہ واریت پھیلانے کے لئے جو طریقہ کار اپنایا گیا اس طریقہ کار نے فرقوں کے اندر ایک ثقافتی مہم کو جنم دیا ہے۔ جس کی مثال اہلِ تشیع سے تعلق رکھنے والوں میں اپنے آپ کو مومن کہلانے کی ثقافت ہے۔ یعنی خود کو دین کے اعلیٰ و ارفع درجہ پر فائز جاننا اور دیگر مسلمانوں کو کم درجہ پر سمجھنا ہے۔ بعض روایت کے تحت اسلام حرف زبان سے اقرار کرنے کو کہتے ہیں۔ جبکہ ایمان دل میں اعتقاد کے ساتھ اعضاء و جوارح کے عمل کو کہا جاتا ہے۔ اس تفسیر کے تحت بہت سے اہل تشیع جو اپنے آپ کو مومن کہتے ہیں۔ وہ ایمان کے دائرے سے خارج ہیں۔ خود کو مومن کہنا اور دوسروں کو مسلمانوں کہنا یہ قرآن اور روایات سے اختلاف ہے۔ مذکورہ وجوہات کی بنا پر ہم اپنے آپ کو مسلمان کہنا زیادہ پسند کرتے ہیں لیکن اسکا مطلب یہ بھی نہیں کہ ہم اپنے مکتب شیعہ پر یقین نہیں رکھتے یا اس سے وابستگی کو اچھا نہیں سمجھتے۔ بلکہ ہم اپنے مکتب پر یقین محکم اور اس سے وابستگی پر فخر کرتے ہیں لیکن اس مکتب کی خوبیوں پر جتنا ناز ہے۔ اُتنا ہی امریکی سُنڈیوں اور مذہب خور دیمکوں کی طرف سے اس پر لگائے گئے زخم اور گرد و غبار پر افسوس بھی ہے۔ زیر نظر مضمون ہم انتہائی مؤدبانہ انداز میں کسی کو بھی مورد الزام ٹھہرائے بغیر اپنے مکتب میں داخل ہونے والی خرابیوں کے بارے میں کچھ باتیں تحریر میں لانا چاہتے ہیں۔ مذہب کے حوالے سے پاکستان اور ہندوستان دنیا کے دیگر ممالک کی بہ نسبت اسلامی روایات کا پاس رکھنے والے ملک ہیں۔ یہاں مذہبی شعائر کی ادائیگی میں جو جو آزادی حاصل ہے۔ ایسی آزادی دنیا کے کسی ملک میں نہیں ملے گی۔ حتیٰ کہ ایران میں بھی ایسی آزادی میسر نہیں جس کا بھی جو دل چاہے مذہب کے نام پر کر گزرے اور کوئی روک ٹوک کرنے والا موجود نہیں۔ ہمارے

مخاطب وہ جہلاء نہیں ہیں جو اپنی دانش مندی اور دانش وری کے لباس میں تمام فرسودہ خرافات اور غلط روایات کو تحفظ فراہم کر رہے ہیں۔ ہمارے مخاطب صرف وہ افراد ہیں۔ جن کے دل میں دین و مذہب کے خلاف خرافات اور غلط روایات داخل کرنے والوں کے لئے نفرت موجود ہے۔

کوئی فرد یا گروہ اپنے کسی مقتدا (ائمہ) کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر فوقیت دے یا برابری پر لے جائے یا نعوذ باللہ عبادت اور بندگی اور کمال وصفات میں خدا کے برابر کر دے تو سمجھ لیں یہ اہلِ باطل میں جو دین کو مٹانے کیلئے دین کو استعمال کرتے ہیں۔ اور مقام نبوت کو گرانے کے لئے اہل بیت کا نام استعمال کرتے ہیں۔ لہٰذا ہر وہ عمل جس کی سند ایک غیر عقلی غیر منطقی ہو ایسی تقلید کی اسلام نے سختی سے مخالفت کی ہے۔

آیت اللہ سید محمد باق الصدر اپنے درس قرآنی میں دور جاہلیت کی بت پرستی کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ہر قبیلہ و گاؤں کے لوگ بت پرستی کے وقت میں گھر سے نکلتے وقت اپنے اپنے بت کو چومتے اور واپسی پر سب سے پہلے اس بت کی زیارت کرتے تھے اور چومتے تھے۔ آج کل ہمارے مکتب تشیع سے تعلق رکھنے والے بھی ائمہ اطہار کو دنیاوی دولت و ثروت بانٹنے والی ہستیاں قرار دیتے ہیں۔ اور بعد میں ان کی گمراہی و پستی کی حالت زار یہاں تک پہنچی ہے کہ انہوں نے عظیم ہستیوں کو چھوڑ کر ان سے منسوب حیوانات، پرچموں، اور میناروں سے حاجتیں مانگنے لگے ہیں اہل تشیع کی پہلی کتاب ''اصول کافی'' میں پہلا باب عقل و جہل کے نام سے معروف ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ جس مذہب کی روح اور جان عقل پر قائم ہو وہاں ایک حیوان جو کہ دیگر حیوانوں میں اگرچہ اپنی مناسبت سے بلندی و برتری رکھتا ہو لیکن وہ حیوانیت سے نہیں نکل سکتا۔ وہ حیوان ہی رہے گا۔ اگر ایک انسان عاقل اپنے نفع و نقصان کو اپنی عقل کے استعمال کے ذریعے حل کرنے کی بجائے ایک حیوان کے سامنے خاضع وخاشع ہو جائے قرآن کریم نے سورہ اعراف آیت نمبر ۷۹ میں اُسے حیوان یا اُس سے بھی

بدتر کہا ہے۔ ''ان کے پاس دل تو ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں۔ اور ان کی آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں۔ وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔ یہی لوگ تو (حق سے) غافل ہیں۔

وہ اس لئے کہ کوئی انسان کسی حیوان کے سامنے خاضع وخاشع نہیں ہوسکتا اس سے بھی زیادہ تعجب خیز اور مضحکہ خیز بات جو ایک عورت کو اپنے جوان بیٹے کی موت پر بھی ہنسا دے۔ وہ یہ کہ اس حیوان کو اشرف مخلوقات بلکہ مسجود و ملائکہ پر بھی فضیلت دینا ہے۔ اس وقت دنیا میں بہت سے عالم وزاہد جو اپنے لقمہ حیات کی خاطر رائج بہت سی خرافات کے سامنے خاموشی اختیار کئے ہوئے ہیں۔ انہی کی ترغیب پر اس حیوان کے لئے سینکڑوں مربعے زرخیز زمین وقف ہیں۔ اس کے بارے میں نقد وتنقید کی زبان کھولنے والے کی کم از کم سزا ناروا تہمتیں اور افترا بندی ہے اور زیادہ سے زیادہ جان سے مارنے کی دھمکی ہے۔؟ اس حیوان سے مراد سواری امام حسین ہے۔ جس کو مقبول عام لفظوں میں ذوالجناح کے نام سے معروف کیا جاتا ہے۔

سواری امام حسین دنیا بھر میں اہل تشیع سے تعلق رکھنے والوں سے ہٹ کر اس خطے کے اہل تشیع نے امام حسین کے نام سے منسوب ایک گھوڑے کو جو مقام ومنزلت دی ہے۔ اور اسے خاص نام دولجناح سے نوازا ہے اسکے بارے میں عقل وشریعت، قرآن وسنت اور فقہائے عظام کے رسالہ عملیہ کسی بھی جگہ کوئی کمزور سند بھی نہیں ہے۔ اس سواری کے بارے میں چند زاویوں سے بحث وگفتگو کرنے کی ضرورت ہے۔

۱۔ تاریخی تناظر:۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حالت سفر یا جنگ میں دشمن سے نبرد آزمائی کے وقت ایک سواری کا ہونا فریق مخالف کے مقابلے میں ایک طاقت وقدرت سمجھا جاتا ہے۔ جو کہ سب کو میسر نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے میدان جنگ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ ۱۔ پیادہ فوج ۲۔ سوار والی فوج۔ جب ہم تاریخ ومقاتل پڑھتے ہیں تو امام حسین کی سواری

کے بارے میں مختلف ذکر ملتے ہیں۔لیکن یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ امام حسین کے حالت سفر جس کا آغاز مدینہ سے ہوا اور کربلا پہنچنے تک کسی ایک خاص سواری کے نام کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔لیکن صبح عاشور سے شہادت امام حسین چند لمحات کے بعد آپ کی سواری کا ذکر آتا ہے۔ صبح عاشور جب امام اپنے چند اصحاب کے ساتھ لشکر سے خطاب کرنے کے لیے تشریف لے گئے تو آپ اونٹ پر سوار تھے۔

۲۔ دوالجناح دو کلموں سے مرکب ہے۔ایک ذواور دوسرا جناح ذو عربی میں صاحب کو کہتے ہیں۔اور جناح پر یا بازو کو کہتے ہیں۔دوالجناح یعنی صاحب پر اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ سواری صاحب پر (اڑنے والی) تھی اور اس نام سے امام کی سواری کا ذکر تاریخی مقاتل میں کہیں بھی نہیں ملتا۔لہٰذا ایسا گھوڑا جو صاحب پر ہو اور اڑنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔نہ صرف کربلا بلکہ کسی بھی جنگ میں ایسی سواری کا کوئی ذکر نہیں۔ممکن ہے کہ ایسی سواری کا ذکر طلسم ہوشربا قسم کے جھوٹے قصوں اور غلیظ کہانیوں میں کہیں ملتا ہوگا۔

۳۔ مقام ومنزلت:۔ ہمارے اس خطہ یعنی پاک و ہند کے گوشہ و کنارے میں اہل تشیع دسویں محرم الحرام کو ایک گھوڑا جس پر تیر کمان لگا ہو تلوار اسکی زین پر رکھی ہو اور زین خون آلود ہو اس طریقہ سے سجا کر ماتم داری میں لاتے ہیں۔ ہمارے خطے میں جو مقام و منزلت اس گھوڑے کو دی جاتی ہے وہ مافوق العقل و شریعت بعض اس کی سند میں مختلف منطق پیش کرتے جو اپنی جگہ مکڑی کے جال سے بھی کمزور ہے۔بعض لوگ اس گھوڑے کو اپنے عقائد کے طور پر پیش کرتے ہیں۔جدید تحقیق سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ جانور انسان کی زبان سمجھنے سے قاصر ہیں۔لیکن بعض افراد ایسے ہیں کہ حیوان کے کان میں منہ رکھ کر اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں۔اگر یہ مذہب کا مذاق اُڑانا نہیں تو پھر کیا ہے؟

۴۔ تاریخ اسلام سے پہلے اور بعد میں والی جنگوں میں اس بات کا ذکر ملتا ہے کہ پرچم

سیاہ ہمیشہ دور جاہلیت میں نا مناسب اور نفرت انگریز جگہوں پر نصب ہوتا رہا ہے۔ اس طرح اسلام کے بعد جب مشرکین اسلام کے خلاف جنگ کے لئے نکلتے تھے تو انکا پرچم سیاہ ہوتا تھا اور پرچم سیاہ سیاہ لشکر مشرکین کی پہچان ہوتی تھی۔ یہ پرچم جو آج کل پرچم عباس کے نام سے معروف ہے یہ نسبت حقیقی سے عاری ہے۔ اہل بیت نے مدینہ سے واپسی تک کوئی پرچم بلند نہیں کیا حتیٰ کہ اسکے بعد بھی کسی امام نے اس پرچم کو اپنے گھر پر نہیں لگایا۔

اگر کسی کو کوئی تاریخی سند ملے تو ان سے گزارش ہے کہ صفحہ قرطاس پر لائے پرچم صرف حکومتوں اور سیاسی احزاب کا ہی ہوتا۔ اہل بیت کے بعد سید الساجدین نے کوئی پرچم بلند نہیں کیا اسی طرح جب کسی ملک میں کوئی عظیم شخصیت وفات پاتی ہے یا کوئی حادثہ رونما ہوتا تو وہ اپنا پرچم کچھ دنوں کے لئے سرنگوں کر دیتے ہیں۔ لیکن ہمارے ہاں اس کے برعکس ہوتا ہے۔ حادثہ کربلا کا دن جیسے جیسے قریب آتا شیعہ اس پرچم کو اُتنا ہی بلند کرتے چلے جاتے ہیں۔ گویا اس پرچم کا اہل بیت سے کوئی تعلق نہیں۔ لہٰذا یہ پرچم مشرکوں، مفسدوں اور ظالموں کا ہے اسی لئے دین ومذہب کا مذاق اڑانے والے بھی اپنا مفاد حاصل کرنے کی خاطر اس پرچم کو اپنے گھر کی چھت پر بلند کرتے ہیں۔ سمجھدار انسان بہ خوبی جان سکتا ہے ایک جھنڈا جو خود کھڑا نہیں ہوسکتا وہ کیسے انسانوں کی حاجتیں پوری کرے گا۔ یہ جھنڈا جو سریوں اور سیمنٹ سے بلند ہوا ہے اگر چہ یہ گر جائے تو دوبارہ کھڑنے ہونے میں اُن وسائل اور ساز وسامان کا محتاج ہے تو پھر ایک عاقل انسان اس سے جا جا کر حاجتیں طلب کرے تو کیا یہ مضحکہ خیز بات نہیں؟ اس پرچم کے پرچار کرنے والے اگر کوئی دلیل رکھتے ہیں تو اپنے قلم اور بیان سے واضح کریں کہ اسکے نیچے صندوق کیوں رکھتے ہیں؟ اس جھنڈے کا اسلام اور حضرت عباس سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اس پرچم کو حضرت عباس سے منسوب کرنا درحقیقت اصل صاحب پرچم (امام حسین) کو دو درجہ نیچے لانا ہے۔ یہ پرچم اپنی لمبائی کے لحاظ سے اس وقت

ایک مضحکہ خیز صورت اختیار کر چکا جو کسی تفصیل کا محتاج نہیں موجودہ پرچم اتنا بلند اور وزنی ہے کہ اسے کئی افراد اٹھاتے ہیں۔ بعض جگہوں پر لٹا کر لے جاتے ہیں یہ مضحکہ خیز صورت مکتب شیعہ کے نگہبان علماء کی وجہ سے ہوئی ہے۔ کیونکہ وہ اپنے مفاد کی خاطر اس پر آواز نہیں اٹھاتے اور خاموش رہتے ہیں۔ قارئین کرام اسکے علاوہ سینکڑوں دلائل موجود ہیں غور اور فکر کرنے والوں کے لئے۔

بدقسمتی سے مکتب شیعہ کے اندر سے ہمیں قرآن سے دور کرنے کے لئے سب کے پسندیدہ اور مقبول ترجمہ وتفسیر (مولوی فرمان علی کا) نے بہت کردار ادا کیا ہے۔ ان تفاسیر میں قرآن کریم کے نام سے جو روایات ملتی ہیں سب کی سب ضعیف یا بالکل جھوٹی ہیں۔ جو کہ کسی بھی عقل و نقل سے موزوں نہیں بنتیں۔ قرآن کریم کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کرنا در حقیقت دشمنان اسلام کا کام ہے۔ جو کسی طرح بھی جائز نہیں ہوسکتا۔ یہ تمام مفسر و مترجم اہل بیت کی شان میں غلو کرتے ہوئے جو روایتیں بھی پیش کرتے ہیں وہ عقلِ انسانی کو حیران کر دیتی ہیں۔ اسی طرح ایک عرصہ سے ایک خود ساختہ حدیث کی تلاوت کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ اس حدیث کا نام حدیث کساء ہے۔ اسکی تلاوت کرنا کہیں سے ثابت نہیں ہے۔ محقق اور ماہر علم آیت اللہ علامہ سید مرتضیٰ عسکری نے ایک کتاب لکھی ہے۔ جس میں اس حدیث کو اسناد فریقین سے ثابت کرنے بعد فرمایا کہ تمام روایات کے مطابق اس واقعہ کے وقوع کی جگہ حضرت ام سلمہؓ کا گھر ہے۔ جبکہ حدیثِ کساء میں اس واقعہ کو حضرت فاطمہؑ کے گھر بتایا جاتا ہے۔ اس لئے یہ حدیثِ ان تمام روایات سے متصادم ہے اور اس کی سند اور متن درست نہیں۔ اسی طرح دور حاضر کے فقیہ و مجتہد آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ نے حدیث کساء کے متعلق سوال و جواب میں فرمایا ہے۔ اس حدیثِ کے ناقل ''حاجب کتاب عوالم'' ہے جو غیر مستند اور نا قابل اعتماد ہیں۔ اب آپ سوچیں اس غیر مستند اور خود ساختہ واقعہ کو کلام اللہ کی

جگہ پڑھنا۔ اسلام دشمنی نہیں؟ یقیناً ایک دانشور جب کسی واقعہ کا ذکر کرتا ہے تو وہ واقعہ جس سن میں وقوع پذیر ہوا ہو اس سن میں موجود افراد یا اس کے قریب ترین افراد کے بیان کو دیکھے یا اس وقت کی کتب سے سند حاصل کرلے واقعہ کربلا سب جانتے ہیں کہ ۶۱ ہجری میں وقوع پذیر ہوا اس لئے اس واقعہ کے بارے میں پہلے پہل لکھی گئی تاریخ یا مقاتل میں کونسی کتابیں ہیں؟ یہ قصے اور کہانیاں جو اس وقت رائج ہیں۔ کتنے سال بعد لکھی گئی کتابوں سے لئے گئے ہیں۔ اس پر کس حد تک اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ اس کی سند نہیں ہے یہ سینہ بہ سینہ، زبان بہ زبان نقل ہوتے آئے ہیں۔

واقعات کربلا میں جو مواد پیش کیا جاتا ہے اس کا زیادہ تر حصہ من گھڑت قصوں اور افسانوں پر مشتمل ہے۔ آج ہمارے خطے میں واقعات کربلا خصوصاً مفاد پرستوں کے ہاتھوں میں یرغمال ہیں جو اس سے خوب فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ انکے مقابل امت مسلمہ وہ لوگ جو تاریخ اسلام کے ان تمام واقعات کو مسخ کرنے کے حالات سے واقف ہونے کے باوجود چشم پوش اختیار کئے ہوئے ہیں گویا انہوں نے مفاد پرستوں سے سمجھوتہ کر رکھا ہے۔ کہ تم لوگ اپنا کام کیے جاؤ اور ہمیں اپنے کام میں مصروف رہنے دو۔ نہ ہم تمہارے خلاف کچھ بولیں گے اور نہ تم ہی ہمیں کچھ کہو۔ واقعات کربلا اور حالات امام حسین سے متعلق سوالات کے جواب دینے میں عقل وشعور کی بجائے گالی گلوچ اور ڈنڈے سے کام لیا جاتا ہے۔ کیا یہ ایک المیہ اور لمحہ فکر نہیں ہے؟ اس کی سب سے بڑی وجہ مستند کتب کی عدم دستیابی ہے اور امام حسین کے متعلق تحقیقی روش اپنانے میں کوتاہی ہے۔ اس موضوع پر ملک میں سیمینار اور مذاکرات کے انعقاد کی کمی ہے۔

ہم نے جو کچھ لکھا اس کی خاطر ہمیں کوئی چاہے ہمارے مرنے کے بعد لعنت کرے یا طلب مغفرت کرے دونوں صورتوں میں یہ ہمارے حق میں مفید ہوگا۔ وہ قارئین جو ہمارے اس مضمون سے اتفاق کرتے ہیں۔ اس سے درخواست ہے کہ یہ پیغام دوسروں

تک ضرور پہنچا دیں اور وہ قارئین جو اس مضمون کے مواد سے ناراض ہوں تو وہ اپنے غم وغصہ کا مظاہرہ کرنا چاہتے ہوں وہ تنہا صرف میری ذات کو اپنے عتاب اور سرزنش کا نشانہ بنائیں کیونکہ کسی کی طرف سے کوئی اصرار نہیں تھا۔ یہ چند سطور میں نے ازخود اپنا عقلی وشرعی فریضہ جانتے ہوئے تحریر کیں ہیں۔ رب العالمین ہمیں ہدایت دے۔

سید شرف الدین موسوی۔ پاکستان۔

۱۳۶۹ھ

خواجہ الطاف حسین

مسدس مدوجز اسلم اول ۱۲۹۶ھ میں چھپ کر شائع ہو تھا، اگرچہ اس نظم کی اشاعت سے شاید کوئی معتد بہ فائدہ سوسائٹی کو نہیں پہنچا مگر چھ برس میں جس قدر قبولیت و شہرت اس نظم کو اطراف ہندوستان میں ہوئی۔ وہ فی الواقع تعجب انگیز ہے (نظم بالکل غیر مانوس تھی اور مضمون اکثر طعن و ملامت پر مشتمل تھے۔ قوم کی برائیاں چن چن کر ظاہر کی گئی تھیں۔ اور زبان سے تیغ دسنان کا کام لیا گیا ہے۔) تعصب عموماً کلمہ حق سننے سے مانع ہے قوم کی حالت تباہ ہے علم کا خاتمہ ہو چکا ہو چکا ہے۔ دین کا صرف نام باقی ہے۔ اخلاق بگڑ چکے ہیں۔ تعصب کی گھنگھور گھٹا تمام قوم پر چھائی ہوئی ہے۔ رسم و رواج کی بیڑی ایک ایک کے پاؤں میں پڑی ہے۔ جہالت اور تقلید سب کی گردن پر سوار ہے۔ علماء جن کو قوم کی اصلاح میں فکر مند ہونا چاہیے ہے۔ زمانے کی ضرورتوں اور مصلحتوں کی وجہ سے چپ سادھے بیٹھے ہیں۔ غافل اور لاپرواہ ہیں جھوٹی تاویلات کے ذریعے روایتوں کو مبہم انداز میں شریعت بتانا مرثیہ خوانی اور واعظوں کے جھوٹے ڈھکوسلے سنے تو خود سے شرم آنے لگی۔ دم گھٹنے لگا۔ دل و دماغ میں تلاطم پیدا ہونا کچھ عجب نہ تھا۔ نام کی مسلمانی نے آ کر ملامت کی اور غیرت دلائی۔ کہ حیوان ناطق ہونے کا دعویٰ کرنا اور خدا کی دی ہوئی زبان سے کچھ کام نہ لینا بڑے شرم کی بات ہے۔ ہر چند لوگ اس طوفان بے تمیزی کے خلاف بہت کچھ لکھ چکے ہیں اور کچھ لکھ رہے ہیں۔ مگر نظم جو کہ بالطبع سب کو مرغوب ہے۔ اور خاص کر عرب کا ترکہ اور مسلمانوں کا موروثی حصہ ہے قوم کو بیدار کرنے کے لئے اب تک کسی نے نہیں لکھی۔ اسی لیے مسدس کی بنیاد ڈالی اس میں تاریخی واقعات ہیں۔ جو آج کل قوم کی حالت ہے اس کا صحیح صحیح نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اگر دیکھیں اور پڑھیں اور سمجھیں تو ان کا احسان ہے ورنہ کچھ شکایت نہ

ہوگی۔ پڑھیئے! اور عبرت حاصل کیجئے۔

خواجہ الطاف حسین حالی (۱۳۰۳ھ)

کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق زبان اور دل کی شہادت کے لائق
اس کے ہیں فرماں اطاعت کے لائق اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق
اُسی پر ہمیشہ بھروسہ کرو تم اسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم
اسی کے غضب سے ڈرو گر ڈرو تم اسی کی طلب میں مرو گر مرو تم
مبرا ہے شرکت سے اس کی خدائی نہیں اس کے آگے کسی کو بڑائی
گھٹا سر پہ ادبار کی چھا رہی ہے فلاکت سماں اپنا دکھلا رہی ہے
پر اس قوم غافل کی غفلت وہی ہے تنزل پہ اپنے قناعت وہی ہے
اندھیرا تواریخ پر چھا رہا تھا ستارہ روایت کا گہنا رہا تھا
درایت کے سورج پہ ابر آ رہا تھ شہادت کا میدان دھندلا رہا تھا
مورخ جو ہیں آج تحقیق والے تھص کے ہیں جن کے آئین نرالے
جنہوں نے ہیں عالم کے دفتر کھنگالے زمین کے طبق سر بسر چھان ڈالے
گروہ ایک جویا تھا علم نبی کا لگایا پتا جس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذب خفی کا کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا
کیے جرح و تعدیل کے وضع قانون نہ چلنے دیا کوئی باطل کا فسوں
کیا فاش راوی میں جو عیب پایا مناقب کو چھانا مثالب کو بتایا
مشائخ میں جو قبح نکلا جتا یا ائمہ میں جو داغ دیکھا بتایا
طلسم ورع ہر مقدس کو توڑا نہ ملاں کو چھوڑا نہ صوفی کو چھوڑا
یہ اے قوم اسلام عبرت کی جا ہے کہ شاہوں کی اولاد در گدا ہے
نہیں مانگنے کا طریق ایک ہی یاں گدائی کی ہیں صورت نت نئی یاں

نہیں حصر کنگلوں پہ گدیہ گری یاں — کوئی دے تو منگتوں کی ہے کیا کال یاں

بہت ہاتھ پھیلائے زیر ردا ہیں — چھپے اُجلے کپڑوں میں اکثر گدا ہیں

بہت آپ کو کہہ کے مسجد کے بانی — بہت بنکے خود سید خاندانی

بہت سیکھ کر نوحہ و سوزخوانی — بہت مدح کر کے رنگین بیانی

گویتے انہی کے نورِ نظر ہیں — ڈفالی بھی لے آئے کچھ مانگ کر ہیں

بہت آستانوں کے خدام بن کر — پڑے مانگتے کھاتے ہیں در در

کہیں باپ دادا کا ہیں نام لیتے — کہیں روشناسی سے ہیں کام لیتے

کہیں جھوٹے وعدوں پہ ہیں دام لیتے — یونہیں ہیں وہ دے دیکے دمِ دام لیتے

بزرگوں کے نازاں ہیں جس نام پر وہ — اُسے بیچتے پھرتے در بدر وہ

بہت لوگ پیروں کی اولاد بن کر — نہیں ذات والا میں کچھ جن کے جوہر

بڑا فخر ہے جن کو لے دے کے اس پر — کہ تھے ان کے اسلاف مقبولِ داور

کرشمے ہیں جاجا کے جھوٹے دکھاتے — مریدوں کو ہیں لوٹتے اور کھاتے

کہیں مکر کے گرو سیکھاتے ہیں ہم کو — کہیں جھوٹ کی لو لگاتے ہیں ہم کو

خیانت کی چالیں سمجھاتے ہیں ہم کو — خوشامد کی گھاتیں بتاتے ہیں ہم کو

کہیں پائیں خدمت تو بےعزتی کی — جو روٹی کمائیں تو بے حرمتی کی

امیروں کے بنتے ہیں جب یہ مصاحب — تو جاتے ہیں ہو کر حمیت سے تائب

خوشامد میں ہم کو قدر ہے حاصل — کہ انسان کو ہر طرح کرتے ہیں مائل

کہیں احمقوں کو بناتے ہیں عاقل — کہیں ہوشیاروں کو کرتے ہیں غافل

کمال ان میں رہتے ہیں باقی نہ جوہر — نہ عقل ان کی ہادی نہ دین ان کا رہبر

نہ دنیا میں ذلت نہ عزت کی پروا — نہ عقبیٰ میں دوزخ نہ جنت کی پروا

نہ مظلوم کی آہ و زاری سے ڈرنا — نہ مفلوک کے حال پر رحم کرنا

پریشان اگر قحط سے اک جہاں ہے
تو بے فکر ہیں کیونکہ گھر میں سماں ہے
اگر باغ امت میں فصلِ خزاں ہے
تو خوش ہیں کہ اپنا چمن گل فشاں ہے
نہ حق کوئی دنیا پر اُن کا دین پر
خدا کو وہ کیا منہ دیکھائیں گے جا کر
روایات پر حاشیہ ایک چڑھانا
قسم جھوٹے وعدوں پر سو بار کھانا
اگر مدح کرنا تو حد سے بڑھانا
مذمت پے آنا تو طوفان اُٹھانا
یہ ہیں جادہ پیمائے راہ طریقت
مقام ان کا ہے ماورائے شریعت
انہیں پر ہے ختم آج کشف و کرامات
ان ہی کی قبضہ میں بندوں کی قسمت
بڑے جس سے نفرت وہ تقریر کرنی ہے
جگر جس سے شق ہوں وہ تحریر کرنی ہے
گنہگار بندوں کی تحقیر کرنی
مسلمان بھائی کی تکفیر کرنی
یہ ہے عالموں کا ہمارے طریقہ
یہ ہے ہادیوں کا ہمارے سلیقہ
کوئی مسئلہ پوچھنے ان سے جائے
تو گردن پہ بارِ گراں لے کے آئے
اگر بدنصیبی سے شک اس میں لائے
تو قطعی خطاب اہل دوزخ کا پائے
اگر اعتراض اس کا نکلا زبان سے
تو آنا سلامت ہے دشوار واں سے
کبھی وہ گلے کی رگیں ہیں پھیلاتے
کبھی جھاگ پر جھاگ ہیں منہ پہ لاتے
کبھی خوک اور سگ ہیں اُس کو بتاتے
کبھی مرانے کو عصا ہیں اٹھاتے
عقائد میں حضرت کا ہم داستاں ہو
ہر اک اصل میں فرح میں ہم زبان ہو
حریفوں سے ان کے بہت بدگماں ہو
مریدوں کا اُن کے بڑا مدح خواں ہو
اگر ایسا نہیں ہے تو مردود دیں ہے
بزرگوں سے ملنے کے قابل نہیں ہے
سدا اہلِ تحقیق سے دل میں بل ہے
حدیثوں پہ چلنے میں دیں کا خلل ہے
فتاووں پہ بالکل مدارِ عمل ہے
ہر اک رائے قرآں کا نعم البدل ہے
کتاب اور سنت کا ہے نام باقی
خدا اور نبی سے نہیں کام باقی

جہاں مختلف ہوں روایات باہم
کبھی ہوں نہ سیدھی روایت سے خوش ہم

جسے عقل رکھتے نہ ہرگز مسلم
اُسے ہر روایت سے سمجھیں مقدم

سب اس میں گرفتار چھوٹے بڑے ہیں
سمجھ پر ہمارے یہ پتھر پڑے ہیں

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر
جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر

جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر
کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں

نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں

مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں
شہیدوں سے جاجا کے مانگیں دعائیں

نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

وہ دیں جس سے توحید پھیلی جہاں میں
ہوا جلوہ گر حق زمین و زمان میں

رہا شرک باقی نہ وہم و گماں میں
وہ بدلا گیا آکے ہندوستان میں

تعصب کہ ہے دشمن نوع انسان
بھرے گھر کئے سینکڑوں جس نے ویراں

ہوئی بزم نمودار جس سے پریشان
کیا جس نے فرعون کو نذر طوفان

گیا جوش میں ابولہب جس کے کھویا
ابوجہل کا جس نے بیڑا ڈبویا

وہ یاں اک عجب بھیس میں جلوہ گر ہے
چھپا جس کے پردے میں اس کا ضرر ہے

بھرا زہر جس جام میں سر بسر ہے
وہ آب بقا ہم کو آتا نظر ہے

تعصب کو اک جزو دین سمجھتے ہیں ہم
جہنم کو خلد بریں سمجھتے ہیں ہم

ہمیں واعظوں نے یہ تعلیم دی ہے
کہ جو کام دینی ہے یا دنیاوی ہے

مخالف کی ریس اس میں کرنی بری ہے
نشان غیرت دین حق کا یہی ہے

مخالف کی الٹی ہر اک بات سمجھو
وہ دن کو کہے دن تو تم رات سمجھو

قدم گر رہ راست پر اُس کا پاؤ
تو تم سیدھے راستے سے کترا کے جاؤ

پڑیں اس میں جو دقتیں وہ اٹھاؤ
لگیں جس قدر ٹھوکریں اس میں کھاؤ

جو نکلے جہاز اس کا بھنور سے
تو تم ڈال دو ناؤ اپنی اندر بھنور کے

تمہیں فضل ہر علم میں برملا ہے
تمہاری جہالت میں بھی اک ادا ہے

کوئی چیز سمجھو نہ بُری تم
رہو بات کو اپنی کرتے بڑی تم

حمایت میں ہو جبکہ اسلام کی تم
تو ہو ہر بدی اور گناہ سے بری تم

مخالف کا اپنا اگر نام لیجئے
تو ذکر اس کا ذلت سے خواری سے کیجئے

کبھی بھول کر اس میں طرح نہ دیجئے
قیامت کو دیکھو گے اس کے نتیجہ

گناہوں سے ہوتے ہو گویا مبرا
مخالف پہ کرتے ہو جب تم تبرا

بدی سے نہیں مومنوں کو مفرت
تمہارے گناہ اور اوروں کی طاعت

رہے اہل قبلہ میں جنگ ایسی باہم
کہ دین خدا پر ہنسے سارا عالم

کرے کوئی اصلاح کا گر ارادہ
تو شیطان سے اس کو سمجھو زیادہ

تو پڑتی ہیں نگاہیں غضب کی
کھٹکتا ہے کانٹا سا نظروں میں سب کی

جہاز ایک گرداب میں پھنس رہا ہے
پڑا جس سے جوکھوں میں چھوٹا بڑا ہے

نکلنے کا رستہ نہ بچنے کی جا ہے
کوئی ان میں سے سوتا کوئی جاگتا ہے

کوئی ان سے پوچھے کہ اے ہوش والو
کس امید پر تم کھڑے ہنس رہے ہو

بچو گے نہ تم اور نہ ساتھی تمہارے
اگر ناؤ ڈوبی تو ڈوبیں گے سارے

بُرا شعر کہنے کی گر کچھ سزا ہے
عبث جھوٹ بکنا اگر ناروا ہے

تو وہ محکمہ جس کا قاضی خدا ہے
مقرر جہاں نیک و بد کی سزا ہے

گنہگار واں چھوٹ جائیں گے سارے
جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حمد و نعت

اے تاریکی اور نور کے خالق سب تجھے جانتے ہیں اور سب تجھ سے واقف ہیں. تمام سیاروں، ستاروں اور کرہوں میں تیرا جلال تاباں ہے. شریر تیری وحدت اور یکتائی کے نور میں تاریکی پیدا کرنا چاہتے ہیں مگر انکی زمینی اور کمزور کوششیں فضا تک بھی نہیں جاسکتیں. تیرے حضور پہنچنا تو در کنار ہم کیا ہماری حقیقت کیا؟ تیری ذات حقیقت میں مستغنی ہے. تجھے نہ کسی کی عبادت کی پروا ہے اور نہ نیکی کی تو سب کا خالق اور سب تیرے بندے ہیں جو سیدھا راستہ تو نے بتایا ہے وہ ہمارے ہی فائدہ کے لئے۔ تیری ذات سب باتوں سے مستغنی ہے. سچ ہے کہ تیرا راز کوئی نہیں سمجھ سکتا. اگرچہ تو نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے. مگر اس شرف پر بھی وہ تیرے لاانتہاء جبروت اور جلال کے مقابلہ میں ایک ذلیل رینگنے والے کیڑے سے زیادہ نہیں ہے. جب یہ حالت ہے پھر بھلا تیری ہستی کا کیا پتہ لگا سکتا ہے۔ تیری پاک ذات ہمارے وہم وخیال سے بہت ہی ارفع واعلیٰ ہے۔ پھر ہماری زبان کے محدود اور تنگ الفاظ کیونکر تیری بے مثال اور کامل صفات کا احاطہ کر سکتے ہیں۔ سب اپنی اپنی فہم وفراست سے تجھے تلاش کرتے ہیں اور ہر تلاش کرنے والے کو تو مل جاتا ہے جو تیری طرف دیکھتا ہے تو بھی اپنی مقدس نظریں اسکی طرف اٹھاتا ہے اور اسکا بیڑا پار ہو جاتا ہے. پکارنے والے کی آواز سنتا ہے اور اسکا جواب دیتا ہے. مگر تیرے جواب. نظر اور آواز کی ماہیت کوئی بھی نہیں جانتا جو تو نے بتا دیا ہے اس سے زیادہ ہمیں کسی شئے کا علم نہیں. ہمارے علوم قدیمہ اور جدیدہ جب تیری مخلوقِ انسان کے رازوں کا پتہ نہیں لگا سکے تو تیری ذات کا انہیں وہم بھی نہیں آسکتا۔ علوم جدیدہ کے ماہر اقرار کرتے ہیں کہ انسان کی ذات میں جو جو ہر روزِ ازل سے رکھے گئے ہیں انکا ایک ہزارواں حصہ بھی تحقیق نہ کر سکے اور ابھی انسان کی کامل تحقیق کے لئے ہزار ہا سال

چاہئیں ۔ جل جلالہ وعم نوالہ بڑی ہے، شان تیری اور عام ہے فیض تیرا، اے میرے خالق اکبر تو نے جہاں تک ہماری زبان میں ہم سے کلام کیا ہے اسکے سمجھنے میں بھی ہم پورے قادر نہیں ہیں ہم نے تیرے ہی سکھانے کے بموجب ملائکہ، عرش. آسمان اور قیامت کا نام سنا مگر اُن کی پوری معرفت سے ہم واقف نہیں نہ ہمارا فکر وغور اور نہ تجربہ علمی ہمیں اُن کی ماہیت تک رہنمائی کرتا ہے ہاں جسے تو بتادے وہ جان جاتا ہے. اور جسے تو سمجھادے وہ سمجھ جاتا ہے وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ (سورۃ البقرہ:۱۱۴) ہونا تیرے ہی لئے سزاوار ہے۔ سب تیری خالص اور بے لوث پرستش کا دعویٰ کرتے ہیں مگر اپنے ذاتی اغراض اور نفسوں کی پوجا کرتے ہیں تیری ان صریح اور روشن بخششوں اور نمایاں فیضوں پر بھی تجھے بھلا دیا ہے اور اس پر بزعم خود تیرا تقرب ڈھونڈتے ہیں اور تیری معرفت سے بہرہ اٹھانا چاہتے ہیں تیری توحید آفتاب سے زیادہ روشن ہے. کور نظر اور کور باطن اس روشنی اور کامل نور کے سرچشمہ سے فیض حاصل نہیں کرتے، آسمان سے تو آواز دیتا ہے فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (سورۃ البقرہ:۲۲) (یعنی اللہ کے برابر کوئی نہ ٹھہراؤ اور تم جانتے ہو۔

مگر اس مقدس آواز کو سننے کے لئے بدنصیبوں نے اپنے کانوں میں روئی بھر رکھی ہے یا جو سُن چکے ہیں انہیں اس حکم کی بجا آوری شاق گزرتی ہے. اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ (سورۃ البقرہ:۲۵۵) بیشک اور لا ریب تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو حی اور قیوم ہے. تیری شہادت تیری ہی عبادت پر تیرے غیر کی پرستش کرنے والوں کے لئے ایک زبردست تازیانہ ہے کاش وہ سمجھیں. شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوْا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ (سورۃ آل عمران:۱۸) تو نے اپنی توحید کے گواہوں کا مرتبہ اپنے سے تیسرے درجہ پر رکھا ہے اس شہادت کی لذت وہی دل جانتے ہیں جنہیں شمہ برابر بھی تیری معرفت حاصل ہو چکی ہے حقیقت میں جسنے تجھے پہچان لیا وہی اہل علم ہے ورنہ تجھے نہ پہچاننے والا سو جاہلوں کا ایک جاہل ہے. سچ ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ (سورۃ آل عمران:۱۸) عبادت تیرے ہی لئے سزاوار ہے. جب دنیا میں فسق و فجور کی انتہا ہوگئی جب تیری پرستش کا نور تیری نافرمان مخلوق کی نظروں میں تیرہ و تار ہو گیا تو نے ایک برگزیدہ

نفس کو اپنی مخلوق میں سے چن لیا اور اسکی زبان میں یہ گویا ہوا۔ قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا (سورۃ آل عمران: ۶۴)
اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فخر انبیاء کی غایت وبعثت یہی تھی کہ ان لوگوں کو جو صاحب کتاب ہونے کا دعوے کرتے ہیں محض ان دیکھے اللہ تعالیٰ کی پرستش کے لئے بلایا جائے کیونکہ سب سے پہلے ان ہی کا حق ہے. اے ذوالجلال رب تو نے بتا دیا کہ اسلام کی یہ غرض وغایت ہے کہ لوگ تیری معرفت کا نور حاصل کریں اور کل باطل معبودوں سے کنارہ کر کے تیری اکیلی اور ان دیکھی ذات کی طرف اپنا رُخ کر لیں. تیری ذات کسی کی عبادت اور تجھے قادرِ مطلق سمجھنے سے بالکل مستغنی ہے. مگر تو کریم ہے رحیم ہے. یہ تیری بخشش ہے کہ تو محض ہمارے تزکیہ نفس کے لئے ہمیں اپنی طرف بلاتا ہے اور ہم ہی میں سے ایک بندہ کو اپنے کام کے لئے چُن لیتا ہے. یہ تیری خالق ہونے کی دلیل ہے کہ ہر کام کی نسبت تو اپنے ساتھ کر لیتا ہے اور شایاں بھی یہی ہے کہ کل کام تیری ہی طرف ہی رجوع کئے جائیں. جس دل میں تو نے اپنی معرفت کا نور بھر دیا ہے وہ تیرے جلال کو دیکھ سکتا ہے. خودغرضی، زمینی کشمکش اور ناصواب عقل آرائی سے تیرے راز اور توحید کے سرچشمہ کا پتہ نہیں لگ سکتا. جنہوں نے تجھے تلاش کرنے میں اپنی عقل پر تکیہ کیا اور اپنے زمینی علم کے اصول موضوعہ سے تیری معرفت پر قبضہ کرنا چاہا وہ کوسوں اور راہ حق سے دور پھینک دیئے گئے اور اخیر میں ایسے تاریک گڑھے میں گرے کہ صداقت کا آفتاب جو فروتنی کے افق پر چمکا کرتا ہے ان کی نظروں سے غائب ہو گیا. کیا منطقیوں کے اصطلاحی اور فرضی الفاظ تیری کنہ تک پہنچ سکتے ہیں. کیا خودغرض اندھے کے قدم ٹھیک راہ پر چل کے تیرا راستہ تلاش کر سکتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔

اے ذوالجلال رب تیری شان بلند ہے. جس نے تجھے پالیا اُسے سب کچھ مل گیا اور جو تجھ سے محروم ہو گیا تمام جہان کا مجازی حاکم بن کے بھی اسے کچھ حاصل نہ ہوا. تیری مخلوق نے تیرے سوا سینکڑوں معبود بنا لئے ہیں اور تجھے بالکل بھول گئی ہے. بت پرستی، نباتات پرستی، جمادات پرستی، چونہ، پتھر، اینٹ، اور گارے کی پرستش عام ہو رہی ہے. اور پھر ان معبودوں کے علاوہ اپنی غرضوں

اور اپنے نفسوں کو لوگوں نے علیحدہ معبود بنا لیا ہے اور علی الصبح اُٹھ کے سب ان کے آگے سجدے کرتے ہیں اور اپنے زعم باطل میں پھر بھی اپنے کو خدا پرست کہے جاتے ہیں. اگر چہ نہایت زور نہایت متانت اور بے انتہاء انقطاعی لہجہ میں تیرہ سو برس ہوئے یہ آواز آ چکی ہے۔ وَاعْبُدُوااللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـــًٔـا (سورۃ النساء:۳۶) اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اسکے ساتھ نہ ملاؤ اس آسمانی آواز سے کم ہیں جنہوں نے فائدہ اٹھایا اور بہت ہیں جو صُم بکم بنے رہے آہ! اے اشرف المخلوقات تو نے ہی اپنے رب کو بھلا دیا اور پھر سعادت کی خواہش رکھتی ہے حیف خدا کا بندہ اور خدا کو بھول جائے مر جانے کی جگہ ہے اس بندہ خدا کو جو اپنے خالق کو چھوڑ کے غیر خدا کی پرستش کرے آسمانی آواز یہ کہہ رہی ہے کہ کسی شئے کو معبود برحق کا شریک نہ بناؤ مگر یہاں تو گنگا اور بھی اُلٹی بہنے لگی کہ شرکت وغیر شرکت کو بالائے طاق رکھ کے خدا ہی کو بیچ میں سے اڑا دیا اور نباتات جمادات اور حیوانات پر گردن اطاعت خم کر دی. ایک جنون ہے کہ سب پر چھا رہا ہے. اور ایک دیوانگی ہے جس نے سب کے دماغ مختل کر رکھے ہیں. ہر ایک شخص کے جنون میں ایک نیا رنگ ہے. اسی رنگ نے اسکے لئے ایک علیحدہ معبود قائم کر دیا ہے. اور ہر پتھر اور لکڑی، درخت وغیرہ کی پرستش ہو رہی ہے اور اُدھر کمزور انسان کو رہنما مشکل کشا اور شفیع بنا لیا ہے. تو جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے روحانی مرتبہ مرحمت فرمائے مگر ایک انسان دوسرے انسان کے متعلق صرف اسی قدر جان سکتا ہے کہ نیک ہے۔اس بے بضاعتی اور لاعلمی پر بھی اشخاص نامعلوم العاقبت کی پرستش کی جاتی ہے اور انہیں اپنا حاجت روا بنایا جاتا ہے قلوب کی معرفت کے نور سے محرومی انسان کے لئے ہلاکت کا سامان مہیا کر دیتی ہے. مگر ہائے رے جنون کہ اس صریح ہلاکت کو حیات جاودانی اور اسکے خاتمہ کو نجات ابدی تصور کیا جاتا ہے. اے عرش و کرسی کے مالک تیری مقدس صدائیں تو اس بے حقیقت سیارے یعنی دنیا میں بارہا گونج چکی ہیں اور تو موسیٰ، عیسیٰ اور برگزیدہ بندوں کی زبان سے اپنی مخلوق کے ساتھ یہ کلام کر چکا ہے يٰبَنِىٓ اِسْرَآئِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبَّكُمْ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ (سورۃ المائدہ:۷۲) اللہ کی بندگی کرو. جو رب ہے. میرا اور تمہارا بیشک جس نے

اللہ کا شریک بنایا اللہ نے نجات ابدی اس پر حرام کردی اسکا ٹھکانا دوزخ یعنی دائمی محرومی ہے اور گنہگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں یہ بالکل سچ ہے اور ہم اسپر سر جھکاتے ہیں وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ وَاحِدٌ عبادت سوائے تیرے اے معبود برحق کسی کی بھی زیبا نہیں ہے. اور نہ کسی کے لئے رکھی گئی ہے. غضب تو یہ ہے اے پروردگار ہر انسان اسے اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ غیر خدا کی قدرت میں کچھ بھی نہیں ہے اگر نباتات ہے تو بے حس اور بے شعور ہے اور اسکا درجہ انسان سے کہیں گرا ہوا ہے اگر جمادات ہے اسکی بھی یہی کیفیت ہے اور انسان ہے وہ عاجز اور مجبور ہے کوئی انسان اپنی بھلائی اور برائی پر مطلق قدرت نہیں رکھتا. پھر وہ دوسروں کی خداوند تعالے کے مقابلہ میں کیا مدد کرسکتا ہے. زندگی میں وہ دوسروں کا محتاج رہا مرنے کے بعد تمام جہاں کی قوت اس میں کیونکر آ گئی. ایسے لوگوں کے لیے کیا اچھا فیصلہ اے میرے رب نہایت سادہ اور پر مغز الفاظ میں تو نے کیا ہے قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعاً (سورۃ المائدہ:۷۶) تم کہو کہ اللہ کو چھوڑ کر کیا ایسی چیز کی پرستش کرتے ہو جسکے قبضہ میں تمہاری بھلائی اور برائی مطلق نہیں ہے. اس سے زیادہ جنون اس سے زیادہ حماقت اور اس سے زیادہ بدبختی ایک اشرف المخلوقات کی کیا ہوگی کہ وہ خدا کو چھوڑ کے اس چیز کا سہارا ڈھونڈنے لگے جو اسکے برے اور بھلے کی بالکل مالک نہ ہو. انسان بجائے خود کائنات کا لب لباب ہے. اسکی بزرگی کا اگر خفیف سا بھی اندازہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے جلال سے کلیجہ کانپنے لگتا ہے. ہائے افسوس وہی انسان اپنی بزرگی سے گناہ کر کے ایسی ذلت وخواری کی راہ اختیار کرے جس سے زیادہ ذلت اور رسوائی ممکن نہ ہو. یعنی غیر خدا کی پرستش. اے آفتاب کو مشرق سے مغرب لیجانے والے اللہ ہم تیری حمد کرتے ہیں اور تیری تعریف میں بیخود ہیں تو نے ہمیں خاتم النبیین کی امت میں پیدا کیا. اور یہ توفیق دی کہ تیرے کل برگزیدہ بندوں کو نیک اور صادق الوعد سمجھیں. تو نے ہمیں یہودیوں میں پیدا نہیں کیا جو تیرے کلمہ اور روح القدس یعنی مسیح کی توہین کرتے ہیں۔ تو نے ہمیں نصرانی نہیں بنایا جنہوں نے ایک برگزیدہ بندے حضرت مسیح کو خدا بنا دیا اور تیرے محبوب کی تکذیب کی تو نے ہمیں ایسی امت میں پیدا کیا جو نہ صرف تیرے ان راستباز بندوں کے دل سے معتقد ہیں

جو بنی اسرائیل میں سے اپنے کام کے لئے تو نے چن لئے تھے. بلکہ دنیا کے نذیروں اور بشیروں کو
مانتی اوران پر اعتقادر کھتی ہے یہ انعام تیرا ہم کیونکر بھلادیں ہمارا رونگٹا رونگٹا تیرے احسانوں سے
جکڑا ہوا ہے جتنے مذہب دنیا میں پیدا ہوئے اے رب الافواج سب کا ایک ہی اصول تو نے قرار دیا
ہے اور وہ سب مذہب یہی تعلیم کرتے رہے کہ ایک ہی خدا کی پرستش کرو مگر انکے ماننے والوں نے
اپنی ذاتی اغراض کو مدنظر رکھ کے تیری پاک اور ستھری تعلیم کو اپنے خیالات باطلہ میں ایسا گڈ مڈ کر دیا
کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہونا مشکل ہے. تو خود فرما چکا ہے **وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ**
مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِیۡۤ اِلَیۡہِ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ (سورۃ الانبیاء: ۲۵) اور نہیں بھیجا ہم نے
کوئی رسول تجھ سے پہلے جو یہ نہ کہتا ہو کہ سوائے ایک ان دیکھے خدا کے اور کسی کی پرستش نہ کرو اس
سے زیادہ مذاہب قدیم کی بزرگی اور کیا ہوگی اور اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی غایت ہر رسول کے بھیجنے
میں صاف اور صریح الفاظ کے ساتھ اور کیا ہوسکتی ہے. بدقسمت ہیں وہ لوگ جو توحید کو چھوڑ کے
دوسرے مقاصد کی پیروی کرنے لگے اور اپنے ساختہ و پرداختہ اصول موضوعہ پر ایسے مفتون و فریفتہ
ہوئے کہ مقصد عالی ان کے ہاتھ سے جاتا رہا ہم یہود اور نصاریٰ کو کیا روئیں خود ہم ہی میں جو خیر
الامم ہونے کا دعوے کرتے ہیں. ہزاروں پرستش گاہیں نکل آئیں اور لاکھوں باطل معبود بن کے
کھڑے ہوگئے جو سر تیرے حضور جھکنے کے لئے بنایا گیا تھا وہ چونے گارے اور اینٹ پتھر کے آگے
جھکنے لگا. جو پیشانی تیری چوکھٹ پر گھسنے کے لئے بنائی گئی تھی وہ فرضی پیروں اور شہیدوں کی قبروں پر
ٹکنے لگی. جو گھٹنے تیرے حضور جھکتے وہ پچھیوں کے ڈہانچوں کے آگے جھکنے لگے. کوئی شخص ایک مجبور
اور عاجز انسان کے ہاتھ میں ہاتھ دے کے تمام بداعمالیوں اور فسق و فجور سے اپنے کو بری سمجھتا ہے
اور کوئی شخص کسی کے مرنے جینے پر اپنی نجات کا مدار جانتا ہے اور کسی نے فرضی شہادت پر رونا تیری
عبادت کے مقابلہ میں اعلیٰ درجہ کی عبادت تصور کر لیا ہے. کیا ہم وہ نہیں ہیں کہ ہماری بداعمالی پر
زمین و آسمان روئیں حقیقت میں تو نے بڑی فرصت دے رکھی ہے اور ہماری ڈھیلی ڈوری چھوڑ رکھی
ہے. ورنہ ہمارے اعمال تو ایسے ہیں کہ آفتاب کے کرۂ کی پوری آگ ہم پر برسا دی جائے اور چاند

مع کل سیاروں اور ستاروں کے پارہ پارہ ہو کے ہم پر گر پڑیں. اور ہمیں رائی سے کائی بنادے. ہوا اپنے کل ذرے پانی کے ہم پر برسادے اور تو اے ذوالجلال رب اپنے پورے قہر سے اس چھوٹے سے سیارے یعنی ہماری دنیا پر نازل ہو. اور اپنے فرشتوں کو حکم کرے کہ وہ اپنی پوری قہرانگیز قوت سے ہماری زمین کا طبقہ ہی الٹ دیں. اے جبار وقہار پھر بھی ہمارے گناہوں کا پورا بدلہ نہ ہو جو کچھ تو نے فیصلہ ان شریروں کے لئے کیا ہے بیشک ان کے لئے وہی زیبا ہے. اُحْشُرُ واالَّذِینَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجھُمْ وَمَا کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاھْدُ وْھُمْ اِلیٰ صِرَاطِ الْجَحِیْمِ (سورۃ صٰفٰت: ۲۲ تا ۲۳) تو حکم دیگا کہ ان گنہگاروں کو مع ان کے ساتھیوں کے جمع کرو. اور جنکی یہ اللہ کے سوا پرستش کرتے تھے ان سب کو دوزخ یعنی دائمی محرومی کے راستہ پر چلاؤ یہ تیرا اوّل درجہ کا رحم وکرم ہے کہ اتنے عرصہ تک تو نے ہمیں مہلت دی اور ہماری اس بداعمالی کا فیصلہ آخرت پر چھوڑا. اس سے زیادہ شوم طالع اور کون ہوگا جس نے تیری خالص عبادت کو تو اپنی ابدی اور روحانی نجات کا ذریعہ نہیں بنایا مگر ایک بزرگ کے خون کو اور اُس پر ٹسوے بہانے کو اپنی ابدی نجات کا پورا ذریعہ سمجھ لیا تو نے اپنی پاک کتابوں میں کہیں بھی اسکا ارشاد نہیں کیا یہی لوگ بیشک مقہور بارگاہ صمدی ہیں. ان کی صورتیں اس لعنتی عقیدے سے دنیا ہی میں مسخ ہوگئی ہیں. اور شیطان نے ان پر پورا قبضہ کرلیا ہے. حالانکہ تیرا فیصلہ صریح اور ناطق ہے جہاں تو خود اپنے پورے خداوندی دبدبہ سے ارشاد کرتا ہے. رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ ھُوَ فَاتَّخِذْ ہُ وَکِیْلاً (سورۃ المزمل: ۹)

مشرق اور مغرب کا رب اسکے سوا کسی کی بھی بندگی یا پرستش جائز نہیں ہے اپنا وکیل اُسی کو بنانا چاہیے یعنی روحانی نجات وغیرہ طلب کرنے کے کام سب اسی کو سونپ دینے زیبا ہیں. اس سے بہتر وکیل اور کون بن سکتا ہے اور ابدی نجات بغیر اسکی وکالت کے کیونکر نصیب ہوسکتی ہے. بیشک اے میرے خالق تو ہی ہر چیز کا مالک ہے. سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی حقیقی مالک کسی چیز کا نہیں ہے. اگر دنیا میں کوئی چیز کسی کی ملک ہے بھی تو وہ اُسکا عارضی مالک ہے۔ جب یہ بات مسلم ہو چکی تو ہم سے زیادہ بدقسمت کون ہے جو مالک کو چھوڑ کے مملوک کی پرستش کرنے لگے اللہ تعالیٰ کے صریح الفاظ یہ ہیں.

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَالَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ (سورۃ البقرہ:۱۰۶) کیا تجھے معلوم نہیں کہ زمین وآسمان کی سلطنت اللہ ہی کی ہے اور تمہارا اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور مددگار نہیں ہے. اس کے خلاف جن بدبختوں نے پیر شہید ولی اور مجذوبوں کو اپنا ولی اور نصیر بنالیا اور تعزیہ کی کھپ چیوں کو اپنا مشکل کشا جاننے لگے ان کو سوائے ابدی محرومی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوسکتا. اے رب الافواج جب تو نے عذاب اور بخشش صرف اپنے ہی ہاتھ میں رکھی ہے اور پھر شریر النفس اور ناہنجار قوم عذاب و بخشش کا اختیار ایک عاجز بندے کے ہاتھ میں دیدے اسوقت اسکا ٹھکانہ ابدی مایوسی کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے. تو ان سب کی عبادتوں اور نافرمانیوں سے بالکل مستغنی ہے. عالم کے پیدا کرنے کی غایت اپنی مخلوق کی بہتری کے سوا اور کچھ نہیں ہے آسمانی آواز میں جو نور معرفت میں ڈوبی ہوئی ہے اپنے بندہ محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان میں یوں کلام کرتا ہے. وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا. (النسآء:۱۳۱) انکار کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ آسمان و زمین کی ہر چیز کا مالک تو اللہ ہی ہے جو غنی بھی ہے اور حمید بھی ہے. ازلی بدنصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے چند پیروں اور شہیدوں کو آسمان اور زمین میں اپنا ولی کھنگڑ بنا رکھا ہے اُن ہی کا شب و روز ذکر ہے اور اُن ہی کے ذکر کو اپنی نجات کا بڑا ذریعہ جانتے ہیں مرنے جینے اور شادی بیاہ پر ان ہی کا ذکر ورد زبان ہے حالانکہ زمین وآسمان کے بیچ میں ایک ذرہ پر بھی اُن کا قبضہ نہیں ہے جسکی شہادت اے میرے خالق تو خود دے چکا ہے. گو یہ ازلی بدنصیب تیری شہادت سے ناک بھوں چڑھاتے ہیں. لیکن دنیا کے کونہ کونہ میں اب بھی تیری یہ مقدس آواز گونج رہی ہے.

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّ مَالَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ. (سبا:۲۲) اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی زبانی باتیں کرتا ہے اور ارشاد کرتا ہے کہ تم کہہ دو کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے جنکی تم تعظیم کرتے ہو اور تم نے انہیں اپنا مشکل کشا بنا رکھا ہے. وہ آسمانوں میں اور زمین میں ایک ذرّہ کے مالک نہیں

ہیں اور نہ اُن کا اِن دونوں میں کچھ ساجھا ہے۔ اور نہ اسکا کوئی ان پیروں، شہیدوں اور ولیوں سے مددگار ہے۔ اس آسمانی فیصلہ کن آواز پر بھی جس شخص یا قوم نے چند عاجز انسانوں کو اپنا وکیل و نصیر تصور کرلیا اور نہ صرف زمین و آسمان بلکہ عرش پر بھی قبضہ کرا دیا۔ ان سے زیادہ جہنم کا حقیقی وارث کون ہوسکتا ہے۔ واقعی سخت رونے کا مقام ہے ایسی بدنصیب قوم پر جس نے اپنے خالق کو معطل کر کے اسکی پوری قدرتوں کا مالک اپنے فرضی پیشوا اور اسکے نہایت عاجز بندہ کو بنا دیا اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے وَلَقَدْ نَادٰنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ۝ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ (الصّٰفٰت: ۷۵-۷۶) ہمیں نوح نے پکارا تھا ہم تو پکار ہی پر پہنچنے والے ہیں ہم نے اسے یعنی نوح کو اور اسکے اہل کو کرب و بلا سے نجات دے دی۔ اس کے مقابلہ میں ایک فرقہ اپنے پیر کی نسبت یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ نوح کی کشتی ☆ کو ڈوبنے سے اُس نے بچالیا تھا۔

☆ فی المنتخب انه کان جنی جالسا عند رسول الله یسله من قضا یا مشکلة اذا قبل امیر المؤمنین علی بن ابیطالب فتصا غر الجنی حتی صار کا لعصفور ثم قال اخبرنی یا رسول الله قال ممن فقال من هذا الشاب المقبل قال النبی ماذاک فقال الجنی اتیت سفینته نوح علیه السلام لاغر قهایوم الطوفان فلما تناو لتها ضربنی هذا قطع یدی ثم اخرج یده مقطوعة فقال النبی هذا اخی علی بن ابیطالب.

یعنی منتخب میں آیا ہے کہ ایک جن حضور انور کی خدمت میں حاضر تھا اور کچھ مشکل مسائل حضور سے دریافت کرتا تھا کہ ناگاہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جوں ہی جن کی نظر حضرت علی پر پڑی مارے خوف کے چڑیا بن گیا اور حضور انور سے دریافت کرنے لگا کہ یا حضرت مجھے آگاہ کیجئے حضور نے ارشاد کیا کہ کس کے حال سے۔ اس نے کہا کہ اس نوجوان کے حال سے جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے۔ حضور انور نے اسکی یہ حالت دیکھ کر ارشاد کیا کہ تیرے خوف کا سبب کیا ہے اُس جن نے عرض کیا یا رسول اللہ خدا نے نوح کی امت پر طوفان بھیجا تھا۔ اور نوح کو ایک کشتی ملی تھی تا کہ نوح معہ اپنے اہل کے غرق نہ ہوں اس وقت میں نے یہ چاہا کہ نوح کی کشتی کو غرق کردوں جب میں نے اپنا ہاتھ کشتی غرق کرنے کے لئے دراز کیا تو اس جوان نے ایک ایسی تلوار میرے ہاتھ پر ماری کہ کٹ کر گر پڑا۔ پھر اس جن نے کٹا ہوا ہاتھ حضور انور کو دکھایا حضور نے ارشاد کیا اے جن۔ یہ میرا بھائی علی ابن ابی طالب ہے۔

حالانکہ وہ پیر طوفان نوح کے کئی ہزار برس کے بعد پیدا ہوا تھا۔ اے رب العرش تیری ہی ذات غیب داں ہے۔ اپنی جانوں پر تیری نافرمان مخلوق نے کیا کیا غضب برپا نہیں کیا کہ تیری ایک ایک صفت کو

جوصرف تیری ہی ذات کے لئے خصوصیت رکھتی ہے اپنے پیروں اور شہیدوں کو بہت فیاضی سے بخشدیا اور تیرے جلال اور جبروت کا مطلق خیال نہ کیا. اور پھر مونہہ پر ہاتھ پھیر کے اپنے کو خیر الامم شمار کرنے لگے مثلاً ایک گروہ نے تیری غیب دانی کی صفت تیرے ایک عاجز ☆ بندے کو بخشدی اور فخر کیا کہ اس بے ایمانی سے وہ نجات ابدی کا مستحق ہوگیا.

☆ فی الخرائج ان علی ابی طالب کا ن فی الرجته وھی محلة بالکوفة فقام رجل فقال یا امیر المؤمنین انا من رعیتک واھل بلادک قال لست من رعیتی ولا اھل بلادی وان ابن الاصفر بعثک مسائل الیٰ معاویة و ھوا رسلک الی قال الرجل صدقت یا امیر المؤمنین ان معاویة ارسلنی الیک فی خفیة وانت قد اطلعت علی ذلک ولا یعلمھا غیر اللّٰہ فقال امیر المومنین سل عن ابنی الحسن فاتاہ فقال الحسن جنت سل کم الحق والباطل دکم بین السماء والارض وکم بین المرشق والمغرب وما قوس قزح وما المخنث وما عشرة اشیاو بعضھا اشد من بعض قال الرجل نعم یا ابن رسول اللّٰہ قال الحسن بین الحق والباطل اربع اصابع فمارایته بعینک فھوحق وقد ماتسمع یا ذنک باطلا و بین لسماء ولارض دعوة المظلوم و مدالبصر وبین المشرق والمغرب سیرة یوم الشمس و قزح اسم الشیطان و ھو قوس اللّٰہ علامة الغصب و امان لاھل الارض من الغرق وامام المخنث فھو لایدری ذکر ام انثی انتی فانه نیظربه فان کان ذالختلم وان کانت ان شے فلم یحتلم. الخ

یعنی خرائج میں منقول ہے کہ حضرت علیؓ کوفہ کے ایک محلّہ رجبتہ نامی میں تشریف رکھتے تھے۔ پس ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا یا امیر المومنین میں آپکے اہل شہر اور اہل رعایا میں سے ہوں حضرت علی نے فرمایا. نہ تو تو میری رعایا میں سے ہے اور نہ تو اس شہر کا رہنے والا ہے بلکہ ابن اصغر نے تجھ سے کچھ سوالات پوچھنے کے لئے حضرت امیر معاویہؓ کے پاس بھیجا تھا. اور انہوں نے تجھے میرے پاس بھیجا ہے اس شخص نے عرض کیا یا امیر المومنین آپ نے سچ ارشاد کیا واقعی معاویہؓ نے مجھے پوشیدہ آپ کی خدمت میں بھیجا ہے. اور کوئی شخص سوائے خدا کے اس راز سے واقف نہ تھا. حالانکہ آپ اس غیب کی بات پر مطلع ہیں پس حضرت علیؓ نے ارشاد کیا اے شخص جو تجھے دریافت کرنا ہے میرے بیٹے حسنؓ سے دریافت کر یہ سن کر وہ شخص حضرت امام حسنؓ کے پاس آیا امام حسن نے ارشاد کیا کہ تو اس لئے آیا ہے تاکہ سوال کرے اس بات کا کہ حق و باطل میں کس قدر اور کتنا فاصلہ ہے۔ آسمان اور زمین میں اور مشرق و مغرب میں کتنی مسافت ہے اور قوس قزح کیا چیز ہے اور مخنث کیا ہے وغیرہ وغیرہ. اس شخص نے عرض کیا ہاں میں یہی دریافت کرنے خدمت میں حاضر ہوا ہوں. حضرت امام حسن علیہ السلام نے فرمایا کہ حق و باطل میں چار انگل کا فاصلہ ہے یعنی آنکھ اور کان میں چار انگل کا فاصلہ ہے. پس جو چیز تو اپنی آنکھ سے دیکھے وہ حق ہے اور پھر جو امر تو

اپنے کانوں سے سنتا ہے وہ کبھی باطل ہوتا اور آسمان اور زمین کا فاصلہ نگاہ چشم اور مظلوم کی دعا کے پہنچنے تک ہے. اور مشرق ومغرب میں اتنی مسافت ہے کہ آفتاب شام تک اسے طے کرتا ہے اور قزح نام شیطان کا ہے پس قوس خدا کو سمجھنا چاہیے جو ارزانی کا نشان ہے اور رزق سے اہل زمین کے لئے پناہ ہے لیکن مخنث یعنی جو خنثی کہ نہ معلوم ہو آیا مرد ہے یا عورت ہے پس اس کے بارے میں تابلوغ انتظار کیا جائے. جیسے مرد ہے تو اسے احتلام ہوگا. اور اگر خنثے عورت ہے احتلام نہ ہوگا. اخیر تک۔ یہ ہے غیب اور یہ ہیں سوالات اور ان کے جواب پر ایک بچہ بھی قہقہ مار دے۔

حالانکہ تو صاف صاف فرماتا ہے. وہ بھی اپنے محبوب کی زبانی قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَکُمْ اِنِّیْ مَلَکٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَایُوْحٰٓی اِلَیَّ ط (انعام:۴۹) اے محمد کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں. میں تو اُسی پر چلتا ہوں جو مجھے حکم آتا ہے. پھر تو نے اپنے محبوب سے یہ کہلوایا. وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ (اعراف:۱۸۸) یعنی اگر میں غیب کی باتیں جانا کرتا تو ہمیشہ خوبیاں ہی خوبیاں حاصل کرتا اور مجھے برائی کبھی نہ پہنچتی. یہ فخر انبیاء کی زبانی ادا کیا گیا ہے. تاکہ بعد ازاں کوئی پیر شہید غیب دانی کا دعویٰ نہ کر بیٹھے. مگر حیف صد حیف اس غیب دانی کی صفت کو محض اپنے ناپاک نفسوں کی خاطر تیری مخلوق کے ایک حصہ نے اپنے کسی پیر کو عطا کر دیا. اور پھر قرآن مجید پر ایمان رکھنے والا بنا رہا.

تیرے سوا کون غیب کی باتیں جان سکتا ہے اور کون غیب دانی کا مدعی ہو سکتا ہے. حقیقت میں وہ جھک مارتا ہے اور خاک پھانکتا ہے. خدائی صفات کسی انسان کو بخشد ینی سخت ناقابل معافی جرم ہے معبود حقیقی آپ ارشاد فرماتا ہے. فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (بقرہ:۲۲) اللہ کے برابر کسی کا مرتبہ نہ کرو اور تم اس بات کو خوب جانتے ہو کہ یہ کیسی غضبناک بات ہے اگر تم باز نہیں آؤ گے تو تم پر تمام قدسیوں کی پھٹکار پڑے گی۔

اللہ کی محبت: اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت سب سے مقدم ہے اور جس بد نصیب گروہ نے اپنے خالق کو بھلا دیا اور کسی پیر شہید کا ہو کے رہ گیا. خدا اس سے ہرگز خوش نہیں اُسے کبھی برکت اور سعادت نصیب نہیں ہونے کی وہ ذلت وخواری کے گڑھے میں

یہاں اور وہاں دونوں جگہ پڑا رہے گا. شریر النفس لوگوں نے جس چیز کا نام عشق رکھا ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کی محبت پر منطبق نہیں ہوتا تو وہ ایک شیطانی جذبہ اور رجیمی جوش ہے جس دل میں غیر خدا کی محبت نے غلبہ کر لیا ہے وہ ایک سنڈاس سے بدتر ہے جس سے قدوسی بچ کے چلتے ہیں. اور دنیا میں خبیثوں کا وہ دل بازگشت رہتا ہے. مولینا روم ایسے ناپاک عشق کے متعلق کیا خوب فرماتے ہیں.

این نہ عشق است ایں کہ درمر دم بود

ایں فساد از خوردن گندم بود

اے عرش و کرسی کے مالک تو نے خود حقیقی محبت کی حد بیان کر دی ہے چنانچہ اپنے محبوب کی زبان سے تیری پُر جلال اور پاک آواز اس سیارے میں تیرہ سو برس ہوئے اس طرح گونج چکی ہے. وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ. (بقرہ:۶۵) اور بعض لوگ اللہ کے سوا اوروں کو دوست بناتے ہیں اور اللہ ہی کی سی محبت ان سے کرنے لگتے ہیں. ایسوں کے لئے سخت عذاب اللہ کے ہاں موجود ہے۔ جنکی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں کہ حق بات انہیں سوجھتی ہی نہیں یا جن کے کانوں میں ٹینٹ ٹھسے ہوئے ہیں کہ نیک آواز کا وہاں گزر ہی نہیں ہوتا جنکے دلوں پر مہریں لگی ہوئی ہیں کہ کسی رحمانی بات کا خطرہ ہی نہیں گزرتا. وہ یا دیوی جی. یا میر سدّ دیا حسین یا علی پکارتے ہیں مگر اسکا جواب آسمان سے لعنت کے لفظ کے ساتھ دیا جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی زبانی اپنی مخلوق سے باتیں کرتا ہے۔ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا (انعام:۷۱) کہد و کہ ہم سوائے اللہ تعالیٰ کے کیا خاک کسی چیز کو پکاریں کہ جو نہ ہمیں نفع دے سکے اور نہ نقصان ہمارے ایسے پکارنے پر تین حرف ہیں. بیشک ایک دن ایسے لوگوں کا یہی حال ہونا ہے جو اے خالق اکبر تو نے فرقان حمید میں فرمایا ہے۔

حَتّٰى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ٥ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِى النَّارِ. (اعراف:۳۷ تا ۳۸)

یعنی جب ملک الموت روح کو قبض کرنے کے لئے ان کے ناپاک سینوں پر چڑھ بیٹھیں گے. اور کہیں گے. اے بدنصیبو وہ کہاں ہیں جنہیں تم سوائے اللہ کے پکارتے تھے اس وقت جہنم کے سچے وارث سٹ پٹا جائیں اور نہایت ذلت وخواری کے ساتھ اپنی ضلالت اور گمراہی کا اقرار کرینگے. مگر انہیں آگاہ کیا جائے گا کہ اب پچھتائے کیا ہوتا ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت تمہارے لئے ابدی مایوسی کا مقام تجویز کیا گیا ہے. جس طرح کہ تم سے پہلے تم ہی جیسے نافرمانوں کے لئے جہنم تجویز ہو چکی ہے. اے میرے رب العزت تیری کیا معقول بات ہے اور کیا مسکت استدلال ہے جب تو نے یہ ارشاد کیا. اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ فَادْعُوْھُمْ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ، (اعراف:۱۹۴) بدنصیبو جنہیں تم پکارتے ہو تمہاری طرح وہ بھی عاجز بندے ہیں اگر تم اپنے زعم باطل میں انہیں بہت کچھ سمجھتے ہو. تو انہیں تمہاری آوازوں پر تمہارا جواب دینا چاہیے اگر تم سچے ہو تو اُنکی آوازیں ہمیں بھی سنا دو. حالانکہ یہ بات نہیں ہے نہ بول سکتے ہیں نہ تمہاری آوازیں اُن تک پہنچ سکتی ہیں اور نہ وہ تمہاری مدد کو آ سکتے ہیں. انہیں جب یہ قدرت ہی نہیں ہے کہ اپنی جانوں کی مدد کریں. پھر بھلا کیا خاک وہ تمہیں مدد دے سکتے ہیں. جیسا کہ اے آسمان وزمین کے مالک تو ارشاد کر چکا ہے. وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَکُمْ وَلَآ اَنْفُسَھُمْ یَنْصُرُوْنَ ٥ وَاِنْ تَدْعُوْھُمْ اِلَی الْھُدٰی لَایَسْمَعُوْا. ط (اعراف:۱۹۷تا۱۹۸) جب یہ بات ہے تو خالق کون ومکاں کا حکم اے نافرمان بندے کیوں پس پشت ڈال کے ابدی محرومی خریدتا ہے اور وہ حکم دیکھ اور سمجھ کہ سیاروں اور ستاروں کا مالک کیا فرماتا ہے۔ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَالَا یَنْفَعُکَ وَلَا یَضُرُّکَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّکَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ (یونس:۱۰۶) اے ظالم نفس نہ پکار اللہ کے سوا اُس چیز کو کہ جو نہ نفع دے تجھ کو نہ ضرر پہنچا سکے اگر تو باز نہ آئے گا اور اپنی ہٹ پر قائم رہے گا. یقیناً تو ظالموں میں شمار کیا جائے گا. اس سے زیادہ واضح طور سے اے سرکش اور شریر النفس۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی زبانی اس طرح کلام کرتا ہے. وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ لَھُمْ بِشَیْءٍ اِلَّا کَبَاسِطِ کَفَّیْہِ اِلَی الْمَآءِ لِیَبْلُغَ فَاہُ وَمَا ھُوَ بِبَالِغِہٖ وَمَا

دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ. (رعد:۱۴) جن لوگوں کو پکارا جاتا ہے وہ پکارنے والے کو کچھ بھی جواب نہیں دیتے پکارنے والے کی مثال بالکل ایسی ہے کہ وہ پانی کو دیکھ کے اپنی دونوں لبیں پھیلا دے اور اس امید میں رہے کہ پانی اُچک کر میرے منہ میں چلا آئے گا. حالانکہ ایسا ہونا ناممکنات سے ہے. اسی طرح ان کا جواب دینا ناممکن ہے. اس پکارنے سے سوائے ضلالت اور کفر کے کیا حاصل ہوسکتا ہے.

یقیناً اے میرے خالق تیرے بندے تیرے ساتھ سخت شرارت کرتے ہیں. اور زبانی دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم خدا پرست ہیں اور ہم اہل کتاب ہیں مگر درحقیقت وہ سخت نافرمان اور سرکش ہیں یہ بے وقوف نہایت عاجز اور مجبور بندہ کو اپنا مشکل کشا جانتے ہیں حالانکہ اگر وہ سب جمع ہو کے اپنی ایڑی چوٹی کا بھی زور لگا دیں اور اپنی فرضی کرامتوں کی پوری قوت صرف کر دیں جب بھی ایک مکھی تک پیدا نہیں کرسکتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود ارشاد کرتا ہے. يٰاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ (الحج:۷۳) سچ ہے اے میرے کارساز تو ہی ہے جو سب کی آواز سنتا ہے۔ اور تو نے ارشاد کیا ہے وَاِذَا سَئَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ. (بقرہ:۱۸۶) اپنے حبیب کی زبانی یہ کہلواتا ہے. جب تجھ سے میرے بندے مجھے دریافت کریں تو میں قریب ہوں پکارنے والے کو جواب دیتا ہوں جب یہ بات ہے تو اُنہیں شایان ہے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر یقین لائیں تاکہ نیک راہ پر آئیں. تو نے اے نور اور تاریکی کے مالک جب یہ وعدہ فرمایا ہے. وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (مومن:۶۰) پھر ہم سے بدتر مخلوق کون ہوگی کہ یاحسین اور یاعلیؑ کے نعروں میں تیرا مقدس نام بالکل بھلا دیں.

اے خالق ارض وسما تو بے شک رحیم وکریم ہے. سچ ہے تو نے اپنی شناخت یہ فرما کے ہمیں خود بتائی ہے. اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ بیشک وہی ہے معاف کرنے والا مہربان. بالکل سچ ہے. فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ. (بقرہ:۶۴) اگر اللہ کا فضل اور اسکی رحمت

نہ ہوتی تو یقیناً ٹوٹا پانے والوں میں تمہارا شمار ہوتا. اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَؤُفٌ الرَّحِیْم. بیشک اللہ لوگوں پر شفقت رکھتا ہے. اور مہربانی فرماتا ہے ہمارے رونگٹے رونگٹے اور کائنات کے ذرہ ذرہ میں اے پاک پروردگار تیری یہ مقدس آواز گونج رہی ہے لاَ اِلٰہَ اِلاَّ ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ نہیں کوئی معبود اسکے سوا بڑا مہربان ہے نہایت رحم والا بیشک اے رحیم کریم تو نے اپنی مخلوق پر توبہ کا دروازہ کھول رکھا ہے اس سے زیادہ رحم اور کرم تیرا اور کیا ہوگا کہ تو بلا تخصیص یہ وعدہ فرماتا ہے. اِلاَّ الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ وَ اَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْم. (آل عمران:۸۹) مگر جنہوں نے اپنی بداعمالیوں اور بدکرداریوں کے بعد توبہ کی اور اپنی حالت میں اصلاح کر لی تو یقیناً اللہ تعالٰی کو وہ بخشنے والا مہربان پائیں گے اسکی رحیمی اور کریمی تو یہاں تک ہے کہ وہ انسان کے گناہوں سے بھی جب کہ وہ صاف دل سے توبہ کرے چشم پوشی کر کے اپنی بخشش اور رحمت کا نزول فرماتا ہے وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءً ا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَہٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰہَ یَجِدِ اللّٰہَ غَفُوْرًا رَّحِیْماً. (النساء:۱۱۰) اور جو کوئی گناہ کرے یا اپنے نفس پر ظلم کرے پھر اللہ سے بخشوائے تو اللہ کو بخشنے والا مہربان پائیگا. اے خالق ارض وسما ہم تیری ہی تسبیح مقدس الفاظ میں کرتے ہیں. نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ. (بقرہ:۳۰) اور ہم پاکی بیان کرتے ہیں تیری اور یاد کرتے ہیں تیری پاک ذات کو. قَالُوْا سُبْحٰنَکَ لاَ عِلْمَ لَنَا اِلاَّ مَاعَلَّمْتَنَا. تو سب سے نرالا ہے ہم کو معلوم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا. وَاذْکُرْ رَّبَّکَ کَثِیْراً وَّسَبِّحْ بِالْعَشِیِّ وَالْاِ بْکَار اور یاد کر اپنے رب کو بہت اور شام صبح برابر تسبیح کرتا رہ. رَبَّنَا مَاخَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ. (آل عمران:۱۹۱) اے ہمارے رب تو نے یہ عبث نہیں بنایا تو پاک اور بے عیب ہے ہم کو دائمی محرومی کے عذاب سے بچا. سُبْحٰنَہٗ وَتَعٰالٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ پاک ہے وہ اور بہت دور ہے ان باتوں سے جو کہتے ہیں. اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّکَ لاَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِہٖ وَیُسَبِّحُوْنَہٗ وَلَہٗ یَسْجُدُوْنَ بیشک جو لوگ پاس ہیں تیرے رب کے اسکی بندگی سے غرور نہیں کرتے اور یاد کرتے ہیں اسکی پاک ذات کو اور سجدہ کرتے ہیں. سُبْحَانَہٗ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ. وہ پاک ہے ان کے شریک بنانے سے. وَسُبْحٰنَ اللّٰہِ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ

اور اللہ پاک ہے اور میں نہیں شریک بنانے والا۔ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ.
ساتوں آسمان وزمین اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہیں سب اُسی کی تسبیح پڑھتے ہیں.

ہر گیا ہے کہ از زمیں روید
وحدہ ، لاشریک لہ گوید

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اور کوئی چیز نہیں جو اسکی تسبیح نہیں کرتی لیکن تم اُن کا تسبیح کرنا نہیں سمجھتے. وَيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَا اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا. اور کہتے ہیں (اہل علم) پاک ہے ہمارا رب بیشک ہمارے رب کا وعدہ شدنی ہے (اور یقیناً وہ کبھی ٹلنے والا نہیں ہے) وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ☆ (طٰہٰ:۱۳۰) اور تسبیح کرتا رہ اپنے رب کی سورج نکلنے سے پہلے اور رات کی گھڑیوں میں کچھ پڑھا کر اور دن کی حدوں پر بھی تسبیح کیا کر شاید تو راضی ہو۔

☆اس آیت سے صاف طور پانچ وقت کی نماز ثابت ہوتی ہے.

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ. اور اللہ کے نزدیک رہنے والے شب و روز تسبیح کرتے ہیں اور نہیں تھکتے. وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ اور بھروسہ کر اُس حی اور قیوم پر جو نہیں مرتا اور یاد کر اسکی خوبیاں. وَسُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. اور پاک ہے ذات اللہ کی جو رب ہے سارے جہاں کا. وَخَرُّوْا سُجَّدًا وَّ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ گر پڑیں سجدہ کرتے ہوئے اور (تیری) پاک ذات کو یاد کریں. اپنے رب کی خوبوں سے اور وہ تکبر نہیں کرتے. بات تو سچ یہ ہے کہ ان تمام مظاہر اور جلووں کو دیکھ کے ایک عارف باللہ کی زبان سے نکل جاتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. کل تعریف تو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے سزاوار ہیں جو بہت سے عالموں کا رب ہے. اگر خدا کی خدائی کچھ دیکھنی ہو تو افلاک پر نظر کرو. اس فضاء میں لاکھوں بلکہ کروڑوں سیارے اور ستارے تیر رہے ہیں. اور ہر سیارہ اور ستارہ سوائے دو ایک کے ہماری زمین سے لاکھوں درجہ بڑا ہے. وہاں یقیناً آبادی بھی ہوگی اور کل انتظامات بھی ہونگے ہماری

زمین کی اُن سیاروں اور ستاروں کے آگے کچھ بھی ہستی نہیں ہے. عقل باور نہیں کرتی کہ اس چھوٹے سے سیارے میں ہر قسم کے نظام قائم ہوں اور انبیاء کا سلسلہ بھی آسمان سے اسی سیارے پر نازل ہوا اور خدا کی مقدس کتابیں جبریل فرشتہ اسی سیارے پر لے کے اترے باقی اس سے لاکھوں مرتبہ بڑے بڑے بالکل ویران ہوں بڑی ہے شان تیری اے جلال والے رب تو سب سلاطیوں کا ایک سلطان ہے اور تیری مخلوق کی کچھ بھی انتہاء نہیں ہے. جَلَّ جَلَالُہٗ وَعَمَّ نَوَالُہٗ.

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ. ہم ذکر کرتے ہیں تیری خوبیاں اور یاد کرتے ہیں تیری ذات کو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرِ. تعریف تو اے رب العزت تجھ ہی کو سزاوار ہے کہ تو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا اور تاریکی اور نور کا پیدا کرنے والا ہے۔ بالکل ٹھیک اور درست ہے وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ. اور کوئی چیز نہیں جو اسکی تسبیح نہ کرتی ہو. اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے اور اسی کو اپنا حاجت روا سمجھنا چاہئے. تمام دروازوں سے منہ پھیر لینا چاہیے کس کے حسینؓ اور کس کے علیؓ سب بے قابو اور عاجز بندے ہیں وہ اپنا بھی کچھ نہیں کر سکتے. دوسروں کا کیا بھلا کر سکتے ہیں خدا سے ڈرو اور تعزیے پرستی. علم پرستی، ضریح پرستی، حسینؓ پرستی اور علی پرستی سے باز آؤ اور وَتَوَکَّلْ عَلَی الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِہٖ پر بھروسہ کرو اس زندہ پر جو نہیں مرتا اور یاد کر اُسکی خوبیاں یقیناً باعث نجات یہی ہے. سنگ پرستی، ستارہ پرستی، سورج پرستی، درخت پرستی، حسینؓ پرستی، علیؓ پرستی، بھلا ان پرستیوں میں رکھا ہی کیا ہے. لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ. دنیا بھی خراب اور آخرت بھی خراب ان لوگوں کی صورتیں دائمی محرومی کے ساتھ آخرت میں مسخ کردی جائیں گی خوب سمجھ لو کہ لَہُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَۃِ وَلَہُ الْحُکْمُ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ. اوّل آخر اُسی کی تعریف ہے اور اسی کے ہاتھ ہے حکم اور اُسی کے پاس پھیرے جاؤ گے دروازہ توبہ کا اب بھی کھلا ہوا ہے. اپنے اُن اعمال سے توبہ کرو جن سے تمہارے چہرے پر پھٹکار برستی ہے اور اپنے خالق کے سچے برگزیدہ بن جاؤ یہی نجات کا راستہ ہے اور یہی سیدھا راہ ہے. اے چاند و سورج اور کروڑہا ستاروں کو فضا میں ایک مرکز پر قائم رکھنے والے

اللہ تیرے احسانات کو ہم کہاں تک گنوائیں تو نے روحانی اور جسمانی دونوں نعمتیں ہمیں بخشی ہیں۔

شکر نعمت ہائے تو چندانکہ نعمت ہائے تو

ان نعمتوں میں ایک نعمت بہت بڑی تو نے ہمیں اپنی کتاب دی جو متقیوں کی ہدایت کرتی ہے اور اس میں کسی طرح بھی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ وہ کتاب فرقانِ حمید یعنی قرآن کریم ہے جسمیں یہ دعویٰ کیا گیا ہے. وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (سورہ بقرہ:۲۳)'' یعنی قرآن کریم جو ہم نے اپنے بندہ محمد رسول اللہ پر نازل کیا ہے اگر تمہیں اس میں ہمارے کلام ہونے میں شک ہے تو اسکی آزمائش کی سہل ترکیب یہ ہے کہ تم اس جیسی ایک ہی سورت بنالاؤ جس کے ہر جملہ میں معرفت اور حکمت کے صدہا راز پوشیدہ اور ظاہر ہیں مگر ایسا نہیں کر سکتے پھر کیوں اپنا راستہ جہنم میں کرتے ہو۔'' غلط روایتوں کی کتابوں کو چھوڑ دو جن میں سوائے فضول اور گمراہ کرنے والی کہانیوں کے کچھ بھی نہیں رکھا اور قرآن مجید کو مضبوطی سے دانتوں میں پکڑ لو جسکی نسبت خالق ارض وسما ہدایت کرتا ہے. خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ . (سورۃ الاعراف:۱۷۱) اور پکڑو جو ہم نے دیا تمہیں (یعنی قرآن کریم) زور سے اور یاد کرتے رہو جو اس میں لکھا ہوا ہے شاید تمہیں ڈر ہو اور پھر تم محبوب کبریا اور اسکے راشدین صحابہ کو بُرا کہنے سے محفوظ رہو اور ان کی سچی بزرگی تمھارے دل پر پوری نقش ہو جائے۔ مسلمان ہو کر قرآن کریم کو پس پشت ڈالنے والے بدنصیب گروہ تو اِدھر اُدھر کی ناپاک کہانیوں کی کتابیں تو اچھی طرح دیکھتا ہے مگر قرآن کریم کو تو نے اپنے اوپر حرام کر لیا ہے. دیکھ خدا تعالیٰ تیری نسبت کیا حکم کرتا ہے. نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ. (سورۃ بقرہ:۱۰۱) کتاب پانے والوں میں سے ایک جماعت نے اللہ کی کتاب اپنے پس پشت ڈال دی گویا کہ انہیں معلوم نہیں قرآن مجید کا پڑھنا اسے یاد کرنا اور اس پر عمل کرنا یہ سب تم نے بالائے طاق رکھدیا کیا اسی منہ سے تم سرخروئی حاصل کرنا چاہتے ہو اور تمہیں اپنی نجات کی امید ہے۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے. وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا.

اور اللہ کی کتاب کو ہنسی میں نہ اُڑاؤ اور اسے مذاق نہ ٹھہراؤ دیکھنا تمہارے لئے یہ کسی طرح بہتر نہیں ہے۔ کم بختو جانے دو اور دیرینہ خباثت کو دلوں سے نکال دو۔ اور وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا. (سورۃ آل عمران: ۱۰۳) مضبوط پکڑو اللہ کی رسی سب ملکر اور پھوٹ مت ڈالو۔ پھر خداوند تعالیٰ ارشاد کرتا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَكُمۡ بُرۡهَانٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكُمۡ نُوۡرًا مُّبِيۡنًا . فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَاعۡتَصَمُوۡا بِهٖ فَسَيُدۡخِلُهُمۡ فِىۡ رَحۡمَةٍ مِّنۡهُ وَفَضۡلٍ وَّيَهۡدِيۡهِمۡ اِلَيۡهِ صِرَاطًا مُّسۡتَقِيۡمًا. اے لوگو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس سند پہنچ چکی ہے۔ اور ہم نے تم پر واضح روشنی اتاری سو جو یقین لائے اللہ پر اور اسکو مضبوط پکڑا تو ان کو داخل کرے گا اللہ رحمت میں اور فضل میں اور انہیں اپنی طرف سیدھی راہ سے پہنچائے گا۔ یہ دیکھ کے کلیجہ شق ہو جاتا ہے کہ حَسۡبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کہنے سے تمہارے تن بدن میں مرچیں لگ جاتی ہیں اور تم جل بھن جاتے ہو اور پھر تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ ہم مسلمان ہیں لَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الۡعَلِىِّ الۡعَظِيۡمِ ٥ خداوند تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے۔ قَدۡ جَآءَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيۡنٌ يَّهۡدِىۡ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَهٗ ، سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ بِاِذۡنِهٖ وَيَهۡدِيۡهِمۡ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ. تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور بیان کرتی ہوئی کتاب آئی ہے جس سے اللہ راہ پر لاتا ہے اور جو کوئی سلامتی کے راستہ پر اسکی رضامندی کا طالب ہو کے چلتا ہے وہ اسے اپنے حکم سے تاریکی سے روشنی میں لاتا ہے اور انہیں سیدھی راہ چلاتا ہے مگر وہ گروہ جب اس سے یہ کہا جائے کہ ہمارے لئے کتاب اللہ بس ہے تو وہ ناک بھوں چڑھاتا ہے۔ بھلا کیونکر ہو سکتا ہے کہ اسے بے ایمانی کی تاریکی سے روشنی میں نکلنا نصیب ہو وہ ابدالآباد اسی تاریکی میں پڑا رہے گا۔ مجتہدوں کے خرافات اور نالائق باتوں کو جس گروہ نے اپنا دستور العمل بنالیا اور قرآن مجید کو چھوڑ دیا ان کے راہ راست پر آنے کی کیونکر امید ہو سکتی ہے۔ اسکا فیصلہ اے رب کریم تو نے کیا صاف الفاظ میں فرمایا۔ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِىۡ مُسۡتَقِيۡمًا فَاتَّبِعُوۡهُ‌ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمۡ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ‌ ؕ ذٰ لِكُمۡ وَصّٰٮكُمۡ بِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ. (الانعام: ۱۵۳) اور بیشک میری یہ راہ ہے سیدھی سو اسپر چلو اور مت چلو کئی

راہیں. پھر یہ راہیں تمہیں اسکی راہ سے متفرق کر دینگی. یہ تمہیں خوب جتا دیا ہے. شاید تم بچتے رہو. خدائے تعالیٰ کی کتاب ترک کرنے سے بجائے خدا پرستی. کے تعزیئے پرستی، ضریح پرستی، دُلدل پرستی حسینؓ پرستی، علیؓ پرستی، میراں پرستی، سدو پرستی، قبر پرستی تم نے اختیار کر لی. بھلا متفرق راہوں سے منزل مقصود یعنی خداوند تعالیٰ کی مرضی کیونکر حاصل ہو سکتی ہے. تمہارے ساتھ جو کچھ رب العزت سلوک کرے گا. اس کا بیان خود اس نے اپنی کتاب میں فرمادیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے. سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ. (سورۃ الانعام:۱۵۷)

جو ہماری آیتوں سے کترا کے چلے گئے ہیں. ہم انہیں بغیر سزا دیئے نہیں رہنے کے وہ سزا یا عذاب طرح دینے کا دیا جائیگا. اور بہت ہی بُری طرح کا عذاب ہوگا. وہ امام یا مجتہد یا قبلہ و کعبہ جنہوں نے خدا پرستی کی جگہ علیؓ پرستی اور حسینؓ پرستی وغیرہ دنیا میں قائم کی کیونکر. اس شدید عذاب سے بچ سکتے ہیں؟ انہیں تو ان کے اعمال کی خوب سزا مل رہی ہے۔ مگر اسوقت تمھارے لئے خداوند تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کرنے کا زمانہ ہے کاش تم سمجھو اور نصیحت حاصل کرو. وَاتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ. چلو اس پر جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے اور اسکے سوا ہرگز ہرگز ان اماموں کے پیچھے نہ چلو جو اپنی طرح تمہیں بھی جہنم کا وارث بنا دینگے. ان صریح باتوں پر تو بہت کم دھیان رکھتے ہو. تمہارے اماموں نے تمہیں بالکل کہیں کا نہیں رکھا وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور تمہیں بھی گمراہ کیا بس ان کی پیروی چھوڑ دو اور خدا کی روشن کتاب کو اپنی حقیقی نجات کی کنجی سمجھ کے اپنے اماموں اور مجتہدوں کی شاعرانہ تراش کو سنڈاس میں پھینک دو. تمہارے اماموں اور مجتہدوں نے افترا کیا ہے. حضرت علیؓ جو مثل اور بندوں کے ایک عاجز بندے خدا کے تھے. کو فضیلت دے کر خدا کے ساتھ ملا دیا ہے اور ہر وقت انہیں خدا سے سرگوشی کرنے والا بیان کیا ہے. کہیں علیؑ کیوجہ سے حضرت آدم کو معتوب بنایا کہیں نوح وسلیمان، داؤد، یعقوب علیہم السلام کو خدا کا نہیں بلکہ حضرت علیؑ کا دست نگر بتایا ہے. کہیں خدا پر افتراء باندھا ہے کہ

اس نے حضرت علی کو جنوانے کے لئے آسمان سے بہت سے فرشتے، حوریں اور جبریل کو بھیج دیا تھا. کہیں ذات باری کے نور سے حضرت علیؓ کے نور کو پیدا کیا ہے. کہیں علیؓ (☆) کو مثل خدا کے دائم اور حی و قائم بتایا ہے۔

☆ جن باتوں کا ہم نے یہاں اشارہ کیا ہے کہ کیا کیا باری تعالیٰ پر افتراء کئے گئے اس کا مفصل ذکر آگے چل کے معجزات و فضائل علی ابن ابی طالبؓ اور حسینؓ وغیرہ میں مع حوالہ کتب آئے گا۔

اسی طرح حضرت امام حسین کے معاملہ میں تم نے خدا پر افترا باندھا ہے. کہیں یہ لکھا ہے کہ خدا نے جبریل بھیج کے بی بی فاطمہؓ کی چکی پسوائی. غرض اس قسم کی افترا پردازیاں تمہارے اماموں اور مجتہدوں نے جو فیصلہ خداوندی کے مطابق جہنم کے سچے وارث ہیں خداوند تعالیٰ کی ذات پر کی ہیں. کہ کسی گمراہ سے گمراہ فرقہ نے بھی ایسے افترا اپنے خالق پر نہ باندھے ہونگے. تمہیں معلوم ہے کہ خداوند تعالیٰ نے تمہارے متعلق اپنی کتاب مبین میں کیا فیصلہ کیا ہے. چنانچہ وہ فرماتا ہے. فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ پھر اس سے ظالم کون ہے جو افتراء کرے اللہ پر یا جھٹلائے اسکے حکم کو وہ لوگ عذاب کا وہی حصہ پائیں گے جو کتاب میں یعنی قرآن مجید میں لکھا جا چکا ہے. وہ بدنصیب گروہ ہے جو حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کہنے والے کا جانی دشمن ہو گیا. اور ابتک اس والا شان قائل کی ذات اقدس واطہر میں بدزبانی کر کے اپنے مجتہدوں اور اماموں سے زیادہ اپنے کو جہنم کا وارث قرار دے رہا ہے. مگر خدا تعالیٰ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کہنے والے کی بڑی کھلے الفاظ میں تائید کرتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے. وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ. جن لوگوں نے ہماری کتاب سے تمسک کیا اور نماز قائم کی ہم ایسی نیکی کرنے والوں کا ثواب ضائع نہیں کرتے اس سے زیادہ صریح الفاظ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰه کہنے والے کیلئے اور کیا ہو سکتے ہیں مگر جن لوگوں نے حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰه کو جھٹلایا اور اس سے ناک بھوں چڑھائی ان کو اس صورت

سے عذاب دیا جائے گا. کہ وہ مطلق نہیں سمجھنے کے کہ یہ عذاب کیونکر اور کس طرح نازل ہو رہا ہے. مثلاً خداوند تعالیٰ نے اس گمراہ گروہ کی صورتیں مسخ کر دیں ہیں کہ اگر ایک شخص سو آدمیوں میں کھڑا ہوا ہو تو علیحدہ پہچانا جاتا ہے۔ یہی عذاب ایسا ہے کہ انہیں اسکی مطلق خبر نہیں. وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُھُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ. (الاعراف :۱۸۲) اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم انہیں ایسا سہج سہج پکڑینگے کہ انہیں ہماری گرفت کی مطلق خبر نہیں ہونے کی۔ سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں اور جو ابھی تک اس حکم یا وعید خداوندی سے غافل ہیں. وہ آئندہ اتنی بات ضرور سمجھ لیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خوش نہیں ہے. تیرا فرمان اے رب العرش بالکل سچ ہے اور کوئی بات تو نے ہماری ہدایت کے متعلق باقی نہیں چھوڑی کہ ہمیں علیؓ پرستی اور حسین پرستی کی اُس لئے ضرورت ہو تو خود فرماتا ہے وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ تِبْیَانً لِّکُلِّ شَیْءٍ وَّھُدًی وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ اپنے محبوب سے خطاب فرماتا ہے. اور اتاری ہم نے تجھ پر کتاب بیان کرنے والی ہر چیز کی اور ہدایت کی اور رحمت اور حکم برادروں کے لئے خوشخبری۔ جب لکل شئے کے الفاظ صاف طور پر موجود ہیں پھر کیوں نہیں جھوٹی روایتوں کی کتابوں کو جلا دیا جاتا کیونکہ ان کتابوں کے مصنفوں نے خدا پرستی کو بہت کچھ نقصان پہنچایا ہے جو کچھ انہوں نے اپنی قوم کے لئے مسالہ جمع کیا ہے. وہ ایسا متعفن. غلیظ اور ناپاک ہے کہ اگر اسے پیش کر دیا جائے تو لوگ تھوتھو کرنے لگیں اور حکومت کا قانون ضرور ان فحش باتوں پر باز پرس کرے. تزکیہ نفس اور پاکیزگی کیلئے تو قرآن مجید بس ہے تمام مخلوق اور کائنات کا ذرہ ذرہ بآواز بلند یہ پکارتا ہے حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ بڑی ہے تیری شان اے رب کریم. تیرا اجلال تمام عالموں پر محیط ہو آمین.

کسی کی مصیبتیں بیان کرنے سے کبھی نجات نہیں مل سکتی. بد نصیب اور شور بخت مجتہدوں نے یہ فتوی دے دیا ہے کہ کسی کی فرضی مصیبتوں پر رونا جنت کی کنجی ہے. قرآن مجید سے یہ لوگ ایسا بھاگتے ہیں جیسا لاحول سے شیطان کافور ہوتا ہے. قرآن مجید کی وقعت اپنے

مریدوں میں کم کرنے کے لئے وہ جھوٹی باتیں انہوں نے تراشی ہیں کہ دیکھ کے ایک خداپرست شخص کے آنسو نکل آتے ہیں. جیسا کہ امام جعفر یا باقر والی اونٹ کی ہڈی ہے. (☆)

☆اس ہڈی والی روایت کا مفصل بیان اپنی جگہ آئے گا۔

کافی کلینی والے نے ان میں سے ایک شخص کی زبانی اپنے مرید کو یہ کہلوادیا تھا کہ تمہارے قرآن سے اس ہڈی پر تین حصے زیادہ عبارت لکھی ہوئی ہے. اوراس میں کل وہ باتیں ہیں جو بنی آدم کو قیامت تک پیش آنے والی ہیں جسکے معنے یہ ہیں کہ قرآن مجید اس ہڈی کی تحریر کے آگے ایک بے وقعت چیز ہے یہی لوگ ہیں کہ جب ان کے آگے خدا کا کلام پڑھا جاتا ہے تو پیٹھ موڑ کے چلتے ہوتے ہیں. اور انہیں اونٹ کی ہڈی کے مقابلہ میں سخت برا لگتا ہے.

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَکَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا. وَّجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤی اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا (الاسراء: ۴۵-۴۶)

جولوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے آپ کے قرآن پڑھتے وقت ہم ان میں اور آپ میں ایک پردہ ڈال دیتے ہیں اور انکے دلوں پر اوٹ قائم کردیتے ہیں تا کہ سمجھنے کی توفیق ہی نہ ہو اوران کے کان ثقیل کر دیتے ہیں. پھران کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ ادھر قرآن پڑھا گیا اور ادھر وہ بدک کے بھاگے جب حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کہنے والے کے جانی دشمن ہیں پھر وہ کب گوارا کرینگے کہ ان کے آگے کتاب اللہ پڑھی جائے اور انہیں اسکے سننے کی برداشت ہو. قرآن مجید کا صریح معجزہ یہ ہے کہ اس سے روحانی شفا حاصل ہو، اور تمام باطنی امراض جاتے رہیں. مگران لوگوں کے جنہوں نے اپنے روحانی امراض کو محسوس کرلیا ہے اور اس بات پر ایمان لے آئے ہیں کہ خدا کا کلام ہمیں روحانی بیماریوں سے چنگا کردیگا. مگر جنکا۔ ایمان اس پر نہیں ہے انہیں سوائے گمراہی کے کچھ حاصل نہیں ہوسکتا. جیسا کہ خداوندتعالیٰ فرماتا ہے. وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا

خَسَارًا. (الاسراء:۸۲) ایمان والوں کی رحمت ہے اور قرآن مجید روحانی امراض کا علاج ہے مگر ظالموں کو نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا. بلکہ ان کا روحانی نقصان ترقی کرتا رہتا ہے. جو کتاب آسمان سے حق کے ساتھ نازل کی گئی ہو اور ایک مبشر اور نذیر کی مبارک زبان سے عامہ خلائق کے آگے پڑھی گئی ہو اسکی نسبت یہ کہنا بلکہ اس پر ایمان رکھنا حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ کیا اعلیٰ درجہ کی ایمانداری اور روحانی برتری نہیں ہے وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا. (الاسراء:۱۰۵) اور ہم نے یہ قرآن سچ کے ساتھ اتارا اور اے محمد ابن عبد اللہ تجھے سچ کے ساتھ بشیر اور نذیر بنا کے بھیجا. ابدی محرومی میں پڑ جائیں وہ لوگ جو قرآن مجید کو جو حق کے ساتھ اتارا گیا ہے اپنا دستور العمل نہ بنائیں خداوند تعالیٰ اپنے دیدار کے شرف سے انہیں ہمیشہ محروم رکھے۔

مگر جس نیک اور روشن ضمیر گروہ نے حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ کو اپنا وظیفہ بنالیا ہے. جن میں سے لاکھوں آدمیوں نے اس آسمانی کتاب کے نقوش کو اپنے دل پر لکھ لیا ہے اور جو ہر وقت قرآن مجید ہی کی روشن آیتوں کا وردر کھتے ہیں. اور جو پاکباز گروہ رمضان المبارک کے مہینہ میں شب کو روزہ کھول کے اور نماز مغرب کے بعد نہایت خضوع وخشوع کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں قرآن مجید پڑھنے کھڑا ہو جاتا ہے اور ان میں رقیق القلب قرآن سنتے وقت روتے اور سجدے میں گر پڑتے ہیں وہی خداوند تعالیٰ کے پاک اور فرمانبردار بندے ہیں. خداوند تعالیٰ انہیں راستباز لوگوں کی نسبت فرماتا ہے۔ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْلَا تُؤْمِنُوْا اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا. وَّ يَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا. (الاسراء:۱۰۷تا۱۰۹)

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی زبان میں اس نافرمان مخلوق کے آگے جو حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ کہنے سے جل جاتی ہے یہ فرماتا ہے. تم مانو یا نہ مانو مگر جنہیں علم معرفت ملا ہے ان

کے آگے جب قرآن مجید پڑھا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں پاک ہے ہمارا رب اور بیشک ہمارے رب کا وعدہ شدنی ہے اور وہ زاری اور خلوص سے نہایت خشوع کے ساتھ اپنے رب کا جلال دیکھتے ہوئے پیشانیاں ٹھوڑیوں کے بل زمین پر ٹکا دیتے ہیں اور اپنے رب کے حضور میں حاضر ہو کے نہایت اخلاص نہایت فروتنی اور انتہا درجہ عاجزی سے بفرط محبت وادب نجات کے حقیقی وارث ہیں. باقی کتاب اللہ کے نہ سننے والے اور حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ پر منہ بنانیوالے مقہور بارگاہ صمدی ہیں.

وہ بدنصیب جو خداوند تعالیٰ کی آیتوں سے منہ پھیرتے ہیں دنیا میں بھی خسارہ سے رہیں گے اور آخرت میں اندھے گنے جائیں گے. انہیں سعادت دارین حاصل ہی نہیں ہونیگی. کتابِ خدا کے آگے قصے کہانیوں کو ترجیح دینا اور ہر وقت ان ہی کا ورد رکھنا اشرف المخلوقات کے لئے زہر ہلاہل ہے. پھر طرہّ یہ کہ ان واہی تباہی کتابوں سے خداوند تعالیٰ کا قرب ڈھونڈنا کیسی خیرہ چشمی اور سوءِ ادبی ہے. اے احسان فراموش ظالم انسان تزکیہ نفس اور ابدی نجات کے لئے قرآن مجید کے سوا اور کوئی کتاب تو پیش کر سکتا ہے. جس سے روحانی نجات کا راستہ ملے۔ نہیں ہرگز نہیں. تو یقین جان اگر تو نے خدا کو چھوڑ دیا تو نہ یہاں تیری فلاح ہوگی اور نہ تجھے وہ حقیقی بصارت دی جائے گی جس سے تو اپنے خالق کا جلال دیکھ سکے. تیرے خالق نے تیرے لئے اپنی پاک کتاب میں خود اسکا فیصلہ کر دیا ہے چنانچہ فرماتا ہے

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیْشَۃً ضَنْکاً وَّ نَحْشُرُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَعْمٰی. قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْٓ اَعْمٰی وَقَدْ کُنْتُ بَصِیْرًا. قَالَ کَذٰلِکَ اَتَتْکَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَھَا وَ کَذٰلِکَ الْیَوْمَ تُنْسٰی. (طٰہٰ :۱۲۴تا۱۲۶) اور جس نے ہماری یاد سے منہ پھیرا اس کو ہم تنگی کی گزران میں مبتلا کر دیتے ہیں اور قیامت کے دن ہم اسے نابینا اٹھائیں گے وہ بدنصیب فریاد کرے گا کہ اے میرے رب میں تو زندگی میں اندھا نہ تھا تو نے آج مجھے اندھا کیوں کر دیا. بارگاہ خداوندی سے ارشاد ہوگا کہ تو نے ہماری آیتوں کو یعنی ہماری کتاب

کو زندگی میں بھلا دیا تھا اُسکا بدلہ یہ ہے کہ اب ہم تیری طرف سے اپنی رحمت کی نظریں پھیر لیتے ہیں اور تجھے بھلا دیتے ہیں. اور اسی طرح ہمارا یہ ارشاد ہے وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى. (طٰہٰ:۱۲۷) کہ جو شخص حد سے تجاوز کر گیا اور اپنے رب کی کتاب اور اسکی روشن آیتوں پر ایمان نہ لایا تو اسے آخرت کا عذاب وہ چکھایا جائے گا جو انتہا درجہ سخت اور دیرپا ہے.

تم آخر اپنے خالق کے ارشاد کو کہاں تک ٹالتے رہو گے اخیر ایک دن اس نازیبا حرکت سے تمہیں پچھتانا پڑے گا تمہارے ہی لئے تو یہ کتاب اتاری گئی اور تمہارے ہی لئے اسمیں ہدایت بھری ہوئی ہے جس کی شہادت خود یہ کتاب دے رہی ہے. لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ. (الانبیاء:۱۰) ہم نے تمہاری طرف کتاب نازل کی ہے اور اس میں تمہارا ذکر ہے کیا تمہیں اتنی بھی عقل نہیں ہے. کہ تم اس بات کو سوچو کہ تمہارے خالق کی طرف سے تم پر کتنا بڑا احسان کیا گیا ہے مگر تم ایسے نادان ہو کہ اسے نہیں سمجھتے. بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ. بلکہ غضب یہ کرتے ہو کہ ایسے رحیم کریم حقیقی محسن کے ذکر سے اعراض کر جاتے ہو وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ. (الانبیاء:۵۰) اور یہ ایک برکت کی نصیحت ہے جو ہم نے اتاری. اے بدنصیبو کیا تم اسکو نہیں مانتے وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ یہ قرآن مجید کھلی کھلی اور صاف صاف نصیحتوں سے مملو ہم نے اتارا ہے اصل بات تو یہ ہے کہ اس کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی اللہ ہی جسکو چاہتا ہے توفیق دیتا ہے. اور عقل پیدا کر دیتا ہے. اپنی ڈھٹائی اور ہٹ سے تم نے یہ روز بد اپنے لئے خود خرید لیا ہے کہ اپنے شریر النفس اماموں کی کتابوں پر گرویدہ ہو کے تم نے کلامِ خدا چھوڑ دیا. اسی لئے گمراہی کی تیرہ و تار گھٹا نے تمہیں چاروں طرف سے گھیر لیا تمہیں پھر بھلا کیونکر اسکی توفیق ہو سکتی ہے کہ تم اُس ان دیکھے اکیلے رب کی کتاب پر ایمان لاؤ اس پر عمل کرو اور خالص اسی کو اپنا دستور العمل بناؤ. اس ہولناک دن سے

ڈرو جب فوج فوج اپنے خالق کے سامنے جمع کئے جاؤ گے اور اس وقت دریافت کیا جائے گا کیوں تم نے قرآن مجید پر عمل نہیں کیا. اور کیوں تم نے ہماری کتاب کی آیتوں کو جھٹلایا اُس وقت نہ میاں مجتہد کام دینگے اور نہ امام اور نہ کوئی قصہ نویس اور نہ خدا کے عاجز بندے علیؑ، حسنؑ، حسینؑ خالق ارض وسما فرماتا ہے. وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ. (النمل:۸۳) اور جس دن گھیر کے بلائینگے ہم ہر فرقہ میں سے ایک جماعت کو جو ہماری باتیں جھٹلاتی تھی.

حَتّٰى إِذَا جَاءُوْ وُقَالَ أَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ وَلَمْ تُحِيطُوْا بِهَا عِلْمًا أَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ وَ وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ. (النمل:۸۴-۸۵) جب یہ سب لوگ حاضر ہو جائینگے تو دریافت کیا جائے گا کہ تم نے میری باتوں کو کیوں جھٹلایا کیا قرآن مجید کی کھلی کھلی نصیحتیں تمہاری سمجھ میں نہ آئی تھیں۔ بولو تم نے اپنی جانوں پر کیسا غضب ڈھایا سوائے تمہاری شرارت کے اور کیا سمجھا جا سکتا ہے اُس وقت یہ لوگ سرنگوں ہونگے اور حرف زدن کا یارا اُن میں نہ ہوگا. خجالت سے گردن نیچی کئے کھڑے رہیں گے. اور پھر دائمی محرومی کے گھر بھیج دئے جائیں گے.

ان انقطاعی فیصلوں اور وعیدوں کے بعد خداوند ارض وسما نے اپنے حبیب کی زبانی آخر یہ کہلوادیا. وَّ أُمِرْتُ أَنْ أَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ. وَأَنْ أَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ فَمَنِ اهْتَدٰى فَإِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَآ أَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ. (النمل:۹۱-۹۲) مجھے تو یہی حکم ہے کہ میں حکم برادر بنا رہوں اور تمہیں قرآن سنا دوں. قرآن سُن کے جس نے ہدایت پالی تو اپنا ہی کچھ بھلا کیا اور جو بیکار رہا تو خداوند تعالیٰ کی طرف سے ڈر سنانے والا ہوں. تم جانو تمہارا کام جو حکم مجھے ہوا تھا کہ خدا کا کلام تمہیں سنا دوں میں نے پورا کر دیا اب ایمان لانا نہ لانا تمہارا فعل ہے"۔

خاتم النبیین حضور انور رسولِ خدا محمد مصطفیٰ ﷺ

آپ ہمارے سچے آقا اور عظیم محسن ہیں. حضور نے اس دنیا میں ظہور فرما کے ہم پر وہ وہ احسان کیئے ہیں کہ ہم اُنہیں نہیں گنوا سکتے. نہ صرف ہمارے باپ دادا بلکہ ہماری صد ہا پشتیں حضور کی غلامی کا فخر رکھتی ہیں. حضور نے تن تنہا تمام دنیا میں توحید کا ڈنکا بجا کے ہمارے لئے عالی ہمت بنے اور اپنے ارادہ میں مستقل رہنے کا ایک جیتا جاگتا نمونہ قائم کر دیا. حضور کے بازو میں لاریب زور قضا چھپا ہوا تھا. روحانی قوت سے حضور نے اس کرۂ ارض کو اپنے ہاتھ میں اُٹھالیا اور تمام دنیا کو دکھا دیا کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اور اپنے ارادے کے پورے ایسے ہوا کرتے ہیں. حضور نے ایک ایسی نا ہنجار قوم میں زندگی کی روح پھونکی جو ہمیشہ سے مردہ چلی آتی تھی. جس نے نہ کبھی زندگی پائی اور نہ کبھی بنی نوع انسان میں شمار ہونے کے قابل بنی. وحشی ناخدا ترس پانی کے ایک گھونٹ پر صد ہا سال جنگ رکھنے والے جاہل، قمار باز، بت پرست، دختر کش، مردم خوار اور درندہ صفت انسانوں کو وہ فضیلت بخشی اور اُنکی مذموم عادات ایسی کھوئیں کہ وہ متمدن اقوام کے قدیم مہذب قوموں کے استاد ہو گئے. حضور نے آناً فاناً میں ان کی وحشت کو تہذیب سے بدل دیا. اور انکی جہالت کو علم سے اور بت پرستی کی جگہ خدا پرستی قائم کر دی. حضور انور کے صدقے سے صدیق جیسے رقیق القلب پاکباز، راست گو اور سچے ہمدردی بنی نوع کا ظہور ہوا جن کی اطاعت پر لاکھوں بندگان خدا نے سر جھکایا. اور فاروق اعظم جیسے شیر خدا جری اولوالعزم مدبر، سپہ سالار اور بارعب انسان بنا دیئے. جنہوں نے کسریٰ اور قیصر کی قدیم اور زبردست سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور جنکے فوجی افسروں نے ایران اور روم کی ان شائستہ فوجوں کو فاش شکستیں دیں جنکا لوہا تمام دنیا ہزار ہا سال سے مانتی چلی آتی تھی. اور جنکی دہشت سے کسی کو دم زدن کا یارا نہ ہوتا تھا.

حضور کا ایک ایسے خاندان میں ظہور ہوا جو مثل اپنے ہم وطنوں کے کم تعلیم یافتہ، بت پرست اور بھوت پریت کی زبردست قوتوں کا قائل تھا. جو کعبہ کے بتوں پر قربانی کا جانور چڑھانا اور نیاز نذر ماننا اپنا خاص مذہب تصور کرتا تھا. یہ واقعی ایک حیرت انگیز بات تھی کہ حضور ایسے لوگوں میں

پرورش پائیں اُن ہی کی آوازیں حضور کے کانوں میں گونجتی رہیں اور اُن ہی میں ہوش سنبھالیں اور مثل اور عربی بچوں کے جانوروں کے گلہ کو چرائیں بکریوں کا دودھ دوہیں پہاڑوں پر سارا سارا دن گزاردیں. اور پھر جب حضور اپنی ناہنجار قوم سے خطاب کریں تو معلوم ہو کہ قدرت کی آغوش روحانی کا پرورش کیا ہوا. اور فطرت کا لاڈلا فرزند بول رہا ہے. ایسی قوم ناہنجار کو جو آج تک نہ کسی کی مغلوب ہوئی تھی نہ کسی پر غالب حضور نے جزیرہ نمائے عرب سے نکال کے دنیا کی شائستہ قوموں کے آگے پیش کیا. اور وہ ان عربوں کا تمدن ان کی تہذیب اُن کی آزادی خیال. ان کے مذاہب غیر کے ساتھ رواداری دیکھ کے سکتہ میں رہ گئیں. اور بخوشی اپنے ممالک کی کنجیاں انکے قدموں پر نثار کردیں.

حضور کی مقدس پیدائش ایک ایسے پرآشوب زمانہ میں ہوئی تھی کہ دور دور شرک و بت پرستی کی تاریکی نے فطرت کے نورانی چہرہ کو چھپا رکھا تھا عربوں کا سوائے مختلف باطل معبودوں کے کوئی سردھرا نہ رہا تھا. حضرت موسیٰ کی تعلیم گاؤخور ہوچکی تھی. توریت کو دیمک لگ چکی تھی دوسری طرف نصرانیت دم توڑ رہی تھی اور خداوند مسیح کی بھیڑوں میں تن پرست بھیڑیئے پیدا ہو کے ان کا نوالہ خام کررہے تھے. گرجے خانقاہیں اور کل معابد زناکاری کے گھر یا بازاری عورتوں کے اڈے بن رہے تھے. اور پیشوایان یہود و نصاریٰ کے دل ایسے سیاہ ہوگئے تھے کہ وہ جہالت کو نجات کی کنجی سمجھنے لگے تھے. اخلاق کی ایسی زبوں ترین حالت اور روحانیت کے اس انتہائی تنزل کے زمانہ میں اگر کیسے ہی زبردست دل و دماغ والے انسان سے کہا جاتا کہ تمہیں مصلح بنا کے بھیجا گیا ہے تو وہ کانپ جاتا اور اُسکا کلیجہ شق ہوجاتا. مگر حضور ﷺ نہ صرف ان اردگرد کی قوموں کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا بلکہ یہ دعویٰ کیا کہ میں تو عالم کی رحمت بنا کے بھیجا گیا ہوں. حضور کی تنہائی بے بسی اور بے یارومددگار ہونے نے دشمنوں کو آپ پر ہنسوایا جس طرح قدیم سے چلا آتا تھا کہ اللہ کے برگزیدوں پاکبازوں اور صادقوں پر جاہل قوم پھبتیاں کہتی اور ان کا مذاق اڑاتی ہے اس طرح حضور کا بھی ٹھٹھا اُڑایا گیا اور ہر طرح حضور کو چڑایا اور اذیت دی گئی مگر مرحبا ہے. اس غیر معمولی اور لاجواب استقلال کو کہ حضور کا قدم اپنی جگہ سے مطلق نہیں ڈگمگایا اور روز بروز حضور کے استقلال میں ایک زبردست تمکنت اور

جوش پیدا ہوتا گیا.اور اخیر اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ کل ٹھٹے ہنسیاں پھبتیاں مغلوب ہوگئیں اور سب نے حضور کی اطاعت میں اپنی گردنیں خم کر دیں.حضور کو خاتم النبیین کا لقب اللہ کی طرف سے عطا کیا گیا. جسکے یہ معنی تھے کہ نبوت کا خاتمہ ہوگیا اور اب علوم معرفت کی ایسی تکمیل ہوگئی ہے کہ آئندہ کسی نبی کے بھیجنے کی ضرورت نہیں رہی.لہٰذا یہ بات قدرتی طور پر لازم آئی کہ حضور میں وہ کل اوصاف ہوں جو انبیاء سابقین کی ذات میں ودیعت ہوئے تھے. اور اُسکے علاوہ معرفت کی بھی پوری تکمیل آپ کی ذات اقدس واطہر میں کر دیجائے اور وہ غیر معمولی کامیابی بھی آپ کو نصیب ہو جو کسی نبی کو اپنی زندگی میں نصیب نہ ہوئی تھی.عام فہم کے مطابق ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بتدریج اپنی معرفت اور رحمت کا دروازہ خلقت پر کھولا اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ دور آخر میں پورا دروازہ کھولدیا گیا اور صاف طور سے آسمانی آواز نے دین خدا کی تکمیل اور نعمت اللہ کے پورے ہونے کی بشارت دے دی.جسکے ظاہری معنی یہ ہیں کہ جس طرح اس دنیا کے کُل کام بتدریج کمال اور عروج کو پہنچے ہیں.اسی طرح روحانی سبق بھی اسکی الف.بے.تے سے شروع ہوا.اور پھر حضور انور رسول خداﷺ کی ذات پر اسکی تکمیل ہوگئی اور وہ سبق پورا ہوگیا.

انبیاء کے بعثت کی غایت اگرچہ ایک ہی بتائی گئی ہے لیکن تلقین میں فرق ہے اور وہ فرق ایسا باریک ہے کہ باطنی مبصر کی آنکھ اسے اچھی طرح دیکھ سکتی ہے.جو کچھ سرکشی،تمرد،نافرمانی انبیاء کی کی گئی ہے اسکے پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں ہیں.مگر سب سے زیادہ وحشی پن ناانسانیت اور سنگ دلی جو حضور انور سے برتی گئی ہے.اسکے پڑھنے سے تو دل دہل جاتا ہے کلیجہ ہلنے لگتا ہے تقاضائے قدرت یہی تھا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضور کو خاتم النبیین بنایا اور حضور کی اقدس واطہر ومبارک ذات پر اپنے دین نعمت اور معرفت کی تکمیل کر دی اس طرح تمام قسم کی مخالفتوں،سختیوں،جفا کاریوں،مظالم اور بے دردیوں کی بھی تکمیل ہوتی اور ایسی تکمیل کہ جور وظلم کی حد ختم ہوجاتی تا کہ کسی قسم کی چھوٹی بڑی مخالفت باقی نہ رہ جاتی کیونکہ دوسرے نبی کے آنے کی نہ ضرورت رکھی گئی اور نہ حکم دیا گیا.پھر مخالفت کا حصہ کس کی ذات کے لئے محفوظ کیا جاتا.ساتھ ہی

اسکے کامیابی بھی پوری عطا کی گئی اور ایسی کامیابی جو کسی نبی کو اپنی زندگی میں میسر نہ ہوئی. ہم دل سے اے نبی معصوم اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ حضور بیشک کل انبیاء کے سرتاج ہیں اور سب سے زیادہ بارگاہِ خداوندی میں تقرب کے لحاظ سے حضور ممتاز کئے گئے ہیں. ہم پیغمبروں میں کسی قسم کی تفریق نہیں کرتے کیونکہ وہ ایک ہی مقصد اعظم کی تکمیل کے لئے دنیا میں مبعوث ہوئے مگر یہ ضرور کہتے ہیں کہ وہ مقصد اعظم اے فخر کائنات تیری پاک ذات سے حاصل ہوا.

حضرت نوح علیہ السلام پر خیال کیا جائے جنہوں نے ساڑھے نوسو برس اپنی قوم میں منادی کی لیکن ایک شخص نے بھی اُن کی آواز کو نہ سنا اور سب ہی انکی تکذیب کرتے رہے. اور سب کو یقین تھا کہ یہ شخص کسی دن قتل کر ڈالا جائے گا. مذاق، ہنسی، ٹھٹھہ اور مسخراپن سب ہی کچھ کیا گیا اگر یہ سب باتیں عالمگیر نہ تھیں تو بھی اتنی مقدار کی مخالفت حضرت نوح کو پریشان کرنے کے لئے بہت کافی تھی کہ باوجود اس جدوجہد کے آپ پر چند ہی آدمی ایمان لائے. کیا یہ نظارہ آپکی شکستہ دلی کے لئے کچھ کم اثر کرنے والا تھا. جس وقت نوح نے اپنی قوم کے لوگوں کو جمع کر کے کہا کہ.

فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُ واللّٰهَ مَالَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اِنِّىٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ. قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ .٥ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِىْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ٥ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّىْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ. ٥ (اعراف: ۵۹ تا ۶۲) یعنی اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو اسکے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اگر تم اسکے خلاف کرو گے تو مجھے خوف ہے تم پر کوئی بڑا عذاب نازل نہ ہو، اور اس عذاب کے دن سے مجھے ڈر لگتا ہے. یہ سُن کے قوم کے سرداروں نے کہا اے نوح تو ہمیں نصیحت کرتا ہے تو سخت گمراہی میں ہے. نوح نے جواب دیا اے میری امت کے لوگو! میں گمراہی میں کیوں ہونے لگا. میں تو تمہیں خالص ایک اللہ کی پرستش کے لئے بلاتا ہوں اور تعجب ہے تم مجھے ہی گمراہ کہتے ہو، میں تو تمام عالم کے پروردگار کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں تمہیں اُسی کا پیغام پہنچاتا ہوں. تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں. اور اللہ کی عنایت سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے.

غرض اس گفتگو کے بعد بھی ایک متنفس حضرت نوح پر ایمان نہ لایا. اور اُسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سب ڈبو دیئے گئے. اُن کا مقصد اعظم یعنی خدا پرستی آب برد ہوگئی نور ظلمت میں سے حق باطل میں سے ہدایت ضلالت میں سے، سعادت شقاوت میں سے اور گل خار سے علیحدہ نہ ہوا.

حضرت نوح کے بعد حضرت ہود علیہ السلام کا ظہور ہوا. انہوں نے باختلاف روایات سات سو برس تک خدا پرستی کی دعوت کی اس کا نتیجہ یہ ہوا. کہ آپ کی کثرت دعوت کثرت اعراض ہوگئی. جس کا ذکر فرقان حمید میں اس طرح آیا ہے. اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۞ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۞ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنَ ۞ وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۞ وَ تَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۞ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ۞ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنَ ۞ وَاتَّقُوا الَّذِیْ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ۞ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّ بَنِيْنَ ۞ وَ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۞ اِنِّیْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۞ قَالُوْا سَوَاءٌ عَلَيْنَا اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوٰعِظِيْنَ ۞ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ۞ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۞ (الشعراء: ۱۲۴ تا ۱۳۸)

یعنی جب قوم عاد سے اُن کے بھائی ھود نے کہا کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے یقیناً میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو. اس تبلیغ کی میں تم سے کچھ اُجرت نہیں چاہتا میرے اس نیک کام کی اُجرت کہ میں تمہیں خدا پرستی کی طرف بلاتا ہوں. صرف میرے رب پر ہے ٹیلوں پر ایک اپنی نشانی قائم کرنا. برورج مشیدہ اور مضبوط مضبوط محلات تعمیر کرنے، کیا تم نے اپنی زندگی کا اصل مدعا سمجھ لیا ہے اور ہے اور تم ان محلات کے بنانے سے اس غلطی میں پڑ گئے ہو کہ گویا تمہیں کبھی موت ہی نہیں آنے کی. تمہاری سرکشی حد سے گزر گئی ہے. جب تم کسی کام پر ہاتھ ڈالتے ہو تو سخت سرکشی اور ہماہمی سے حالانکہ فروتنی انسانی جوہر اور نجات ابدی کی کنجی ہے. دیکھو خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور خوف کرو اُس پاک ذات کا جو تمہارے ان کاموں میں سب سے بڑا ممد و معاون ہے. تمہاری آسائش کے کل سامان پیدا کر دیئے چوپائے تمہاری خدمت کے لئے

دیئے اولاد تمہاری جائز وارث بنانے کیلئے تمہیں عطا کی لہلہاتے ہوئے باغ اور بہتے ہوئے چشمے یہ سب اُسی کی قدرت کاملہ کا طفیل ہے جسے تم بھولے ہوئے ہو مجھے تمہارے اس تمرد اور سرکشی سے اسکا خوف ہے کہ کہیں تم پر عذابِ الیم نہ نازل ہو، میرا دل تو اُس دن کا خوف کر کے کانپا جاتا ہے فقط اس نیک اور دلسوزی کی بات کا جواب انہوں نے یہ دیا. اے ہود تم چاہے نصیحت کرو یا نہ کرو تمہاری سنتا ہی کون ہے یہ تو اگلے لوگوں کی عادت ہے کہ اسی طرح دماغ خراشی کرتے اور فرضی عذابوں سے ڈراتے ہیں آپ خاطر جمع رکھے ہم پر عذاب کبھی نہیں نازل ہونے کا. اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ مثل نوح کے ہود بھی ناکام دینا سے بلالئے گئے. اور ان کی قوم بھی آسمانی عذاب سے غارت کردی گئی.

ان کے بعد حضرت صالح علیہ السلام نے رضوان غیبی معنوی سے قدم باہر نکالا اور سو برس یا اس سے کچھ زیادہ اپنی قوم کو بڑی محنت اور جانفشانی سے خدا پرستی کی طرف بلاتے رہے مگر کچھ نتیجہ نہ ہوا قوم کی قوم نے آپ کی تکذیب کردی اور تن واحد پر بھی آپ کا وعظ و پند مطلق اثر نہ ڈال سکا. آپ کا ذکر قرآن مجید میں یوں آیا ہے.

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَاهُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَo قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَo قَالُوْا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَo وَكَانَ فِی الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَo قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَo وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَo فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَo فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَo (النمل: ۴۵ تا ۵۲)

یعنی جب قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو پیغمبر بنا کے بھیجا اور ان سے یہ کہلوایا کہ تم اللہ کی پرستش کرو۔ یہ سنا تھا کہ وہ دو فریق ہو کے باہم جھگڑنے لگے. صالح نے کہا کہ اے

میری قوم کے لوگو بھلائی سے پہلے برائی کی کیوں جلدی خواہش کرتے ہو. کیوں نہیں اللہ سے مغفرت طلب کرتے تا کہ تم پر رحم کیا جائے. انہوں نے اسکا جواب یہ دیا کہ حضرت بس رہنے دیجئے ہم نے تو تم سے اوران لوگوں سے جو تمہارے ہمراہ ہیں بُرا شگون لیا ہے. صالح نے جواب دیا تمہارا بُرا شگون اللہ کے ہاں ہے بلکہ تم ایک قوم ہو کہ تمہاری آزمائش کی جاتی ہے. اور اس شہر میں نو آدمی تھے جو زمین میں فساد کرتے تھے. اور کسی نیک سے انہیں سروکار نہ رہا تھا انہوں نے ایک دن ملکے اللہ کی قسم کھائی کہ ضرور بالضرور ہم صالح اور ان کے لوگوں پر شب خون کریں گے اور جب یہ راز کھل جائے گا تو ان کے وارثوں سے کہہ دیں گے ہم صالح کے ہلاک ہونے کے وقت وہاں موجود نہ تھے اور اس میں ہم بال برابر بھی جھوٹ نہیں بولتے. غرض انہوں نے یہ منصوبہ گانٹھ کے اسکی ایک تدبیر کی اور ہم نے بھی ان کے مقابلہ میں ایک تدبیر کی اور وہ ہماری تدبیر سے واقف نہ تھے پس اے نبی دیکھو کہ انکی تدبیر کا انجام کیا ہوا بے شک ہم نے نہ صرف اُنہیں بلکہ اُن کی قوم کو بھی ہلاک کر دیا. پس یہ اُن کے گھر خالی پڑے ہوئے ہیں محض اسی سبب سے کہ اُنہوں نے ظلم کیا یقیناً ہماری اس طرز عمل میں اُن لوگوں کے لئے نشانی ہے جو ہماری قدرت کو جانتے ہیں.

حضرت صالح علیہ السلام کے ذکر میں اتنا پتہ ضرور لگتا ہے کہ گو قوم کی قوم آپ کی مخالف تھی مگر چند آدمی ضرور ایمان لائے تھے اور بس بہ نسبت گزشتہ انبیاء کے حضرت صالح کو یہ کامیابی ضرور ہوئی. کہ اُنہوں نے اپنی قوم میں سے چند آدمیوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا مگر ان ایمان لانے والوں کی تعداد تین چار سے زیادہ نہیں معلوم ہوتی کیونکہ صرف نو آدمیوں نے ان کے ہلاک کرنے کی تدبیر کی تھی اگر حضرت صالح پر ایمان لانے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی تو صرف نو آدمی کبھی قتل کرنے کی جرأت نہ کرتے. یہ کامیابی بھی دراصل ناکامی ہے اور اسکا ہونا نہ ہونا برابر سمجھنا چاہیے.

پھر حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا ظہور ہوا، آپ نے بھی جہاں تک ہوسکا تبلیغ رسالت اور خدا پرستی کی اشاعت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا. مگر قوم کا حسد اور سرکشی برابر زور پکڑتی گئی اور آخر نتیجہ یہ ہوا کہ آپ زندہ آگ میں ڈال دیئے گئے. سوائے اسکے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص

رحمت سے آپ کو بچالیا اور کسی قسم کی کامیابی آپ کو نہ ہوئی. آگ کے واقعہ کے بعد آپ کو آپ کی قوم نے شہر سے نکال دیا.

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کا ذکر مختلف مقامات میں آیا ہے منجملہ ان کے ایک موقع پر آپ کی گفتگو جو قوم کے ساتھ ہوئی ہے لکھی گئی ہے. چنانچہ رب العزت اپنے قرآن کریم میں فرماتا ہے. وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ اِبْرَاهِيْمَo اِذْقَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ o قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِيْنَo قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَo اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَo قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَا آبَآءَ نَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ o قَالَ اَفَرَئَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَo اَنْتُمْ وَآبَآؤُ كُمُ الْاَ قْدَمُوْنَo فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّلِّيْ اِلَّارَبَّ الْعَالَمِيْنَo اَلَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنَo وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنَ o وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنَo (الشعراء:۶۹ تا ۸۰)

یعنی اے محمد ﷺ تم انہیں ابراہیم کی خبر سنادو جب اُنہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو انہوں نے کہا کہ ہم تبوں کی عبادت کرتے ہیں اور سارے دن ان ہی کی مجاوری کرتے رہتے ہیں. ابراہیم نے دریافت کیا کہ جب تم انہیں پکارتے ہو کیا وہ تمہاری باتوں کو سنتے ہیں یا وہ تمہیں فائدہ یا نقصان پہنچاتے ہیں؟ انہوں نے منفعل ہو کے جواب دیا کہ یہ تو کچھ نہیں ہوتا ہم نے تو اپنے باپ دادکو اسی طرح کرتے دیکھا ہے. ابراہیم نے کہا یہ تو مانا لیکن تم نے بھی ان کا کچھ دیکھ لیا ہے جو تم انکی پرستش کرتے ہو جنکی تمہارے باپ دادا کرتے تھے. یہ بت تو خاک بھی نفع نقصان نہیں پہنچا سکتے بے شک وہ میرے دشمن ہیں. مگر رب العالمین جس نے مجھے پیدا کیا میرا دوست ہے. مجھے وہی ہدایت کرتا ہے اور وہی کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں. تو مجھے شفا دیتا ہے۔. اِن موٹی موٹی باتوں سے جو حضرت ابراہیم نے اپنے باپ اور قوم سے کیں یہ آسانی سے سمجھ میں آتا ہے کہ ابھی معرفت کی ابتدا ہوئی تھی اور یہ بھی صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم پر ایک بھی ایمان نہ لایا تھا.

لہٰذا آپ کی مشن یوں ہی ناکام دنیا سے رخصت ہوئی. توریت میں آپ کے حالات

نہایت معمولی پیرائے میں بیان ہوئے ہیں. اور آپ کے ایک حملے اور پھر کامیابی کا بھی تذکرہ ہے. مگر ان سب قصوں سے یہ بات مطلق نہیں معلوم ہوتی کہ خفیف سی بھی کامیابی آپ کو کبھی ہوئی ہو.

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت اور کامیابی کو خیال کرنا چاہیے کہ سوائے صفر کے اور کچھ بھی نظر نہیں آتا. عصاء موسیٰ ید بیضا یہ دونوں معجزے آپ کو دیئے گئے تھے. مگر فرعون (یعنی والی مصر) کے دربار میں ان دونوں معجزوں کا ٹھٹھہ اڑایا گیا. اور شاہِ مصر نے مذاق کرنے کے لئے شہر کے بھان متیوں کو بلا کے حضرت موسیٰ کے سامنے کھڑا کر دیا.

فرعون یا بادشاہ مصر تو آپ پر ایمان نہ لایا تھا مگر جو لوگ ایمان لے آئے تھے وہ ہر وقت آپ کو ستایا کرتے اور نافرمانی پر تُلے ہوئے تھے. آپ نے اپنے مریدوں یا متبعین سے ذرا پیٹھ پھیری اور وہ بچھڑے کو بوجنے لگے. اللہ کریم کی طرف سے بھی حد ہوگئی کہ بنی اسرائیل کے سروں پر پہاڑ کھڑے کر کے اس طرح زبردستی ان سے حضرت موسیٰ کی اطاعت کا عہد لیا جاتا تھا. مگر پھر کیا وہی ڈھاک کے تین پات کچھ بھی نہ تھا. ان کی قوم یا برائے نام ان کے متبعین اِن سے وہ وہ سوال کرتے تھے کہ حضرت موسیٰ کو سخت پریشان کر دیا تھا مگر کوئی چارہ نہ تھا جس سے بنی اسرائیل کا یہ تذبذب اور یہ وحشت دور ہوتی. ان لغو سوالات کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے. چنانچہ ارشاد ہوتا ہے. **اَمۡ تُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَسۡـَٔلُوۡا رَسُوۡلَـكُمۡ كَمَا سُٮِٕلَ مُوۡسٰى مِنۡ قَبۡلُ وَمَنۡ يَّتَبَدَّلِ الۡكُفۡرَ بِالۡاِيۡمَانِ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيۡلِ** ٥ (بقرہ:۱۰۸) یعنی آیا تم اے مسلمانو! یہ چاہتے ہو کہ اس سے پہلے جس طرح موسیٰ سے اناپ شناپ سوالات کئے گئے تھے تم بھی اپنے نبی سے ویسے ہی لغو سوال کرنے شروع کرو اور جس نے ایمان کی عوض کفر بدل لیا تو خوب سمجھ لو کہ وہ سیدھے رستہ سے بھٹک گیا. یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ حضرت موسیٰ سے خود وہی لوگ جو ان پر ایمان لائے لغو لغو سوالات کرتے رہتے تھے. اور اس سے حضرت موسیٰ کا دم ناک میں آ گیا تھا. مثلاً اُن کی قوم کا قول اس طرح فرقان حمید میں نقل ہوا. **فَقَالُوۡۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهۡرَةً فَاَخَذَتۡهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلۡمِهِمۡ‌ ثُمَّ اتَّخَذُوا الۡعِجۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنٰتُ فَعَفَوۡنَا عَنۡ ذٰ لِكَ‌ وَاٰتَيۡنَا مُوۡسٰى سُلۡطٰنًا**

مُبِیْنًاo (النساء:۱۵۳) یعنی لوگوں نے موسیٰ سے کہا کہ اگر تم سچے نبی ہو اور خدا ہی کے بھیجے ہوئے ہو تو ہمیں اللہ کو آشکارا دکھا دو کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں. اُن کی یہ بات اللہ تعالیٰ کو ناگوار گزری فوراً بجلی کو حکم ہوا چنانچہ بجلی نے گر کے ان کا ستیاناس کر دیا. پھر جو لوگ باقی رہے تھے انہوں نے موسیٰ کے معجزوں کو دیکھ کے بھی گوسالہ بنایا پھر ہم نے اس سے درگزر کی اور موسیٰ کو صریح غلبہ عنایت کیا.

صریح غلبہ سے یہ مراد نہیں ہے کہ موسیٰ پر وہ دل سے ایمان لے آئے بلکہ صریح غلبہ یہ ہے کہ جس بچھڑے کو وہ پوجتے تھے موسیٰ ہی کے ہاتھ سے اسے برباد کر دیا. قرآن مجید سورہ، انفال پارہ، قال الملاء رکوع ۲۰ میں صاف طور پر موجود ہے کہ حضرت موسیٰ پر کچھ لوگ ایمان لائے تھے مگر انصاف کی بات تو یہ ہے کہ ان کی زندگی میں جوان پر خالص دل سے ایمان لے آئے تھے ان کی تعداد انگلیوں پر ہے اسکے علاوہ یہ بات دیکھنے کی ہے کہ نہ صرف انہوں نے موسیٰ ہی کو تنگ کیا اور سوالات کے مارے چھان دیا بلکہ توریت میں بھی موسیٰ کے بعد اختلاف کیا چنانچہ اسکا ذکر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتَابَ فَاخْتُلِفَ فِیْهِ (پارہ:۱۲، رکوع:۱۰) یعنی اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب توریت عنایت کی پس اس میں اختلاف کیا گیا. حالانکہ حضرت موسیٰ نے اپنی جان پر مصیبت جھیل کے اور سخت پریشانی اٹھا کے بنی اسرائیل کو فرعون شاہ مصر کے پنجہ سے نجات دی مگر تو بھی کم تھے جو حضرت موسیٰ پر ایمان لائے تھے اور بہت کم تھے وہ بنی اسرائیل جو سچے خدا پرست بنے ہوئے تھے. بنی اسرائیل پر تو حضرت موسیٰ کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ احسان کئے گئے ہیں کہ ان کی گنتی سے ان کی کیفیت معلوم ہوتی ہے پتھر سے بارہ چشموں کا بہنایا اِن کی نسبت جو محی الدین ابن عربی نے اپنی تفسیر میں یہ لکھا ہے کہ بارہ ہنر یا فن حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو تعلیم کئے تھے وہی ہنر اور فن بارہ چشموں سے تعبیر کئے گئے ہیں. بہر حال کچھ ہو، ہے تو بہت بڑا احسان اور باتوں کو جانے دو بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کے معمولی حکم کی تعمیل نہ کرتے جب آپ نے اپنی قوم کو ارض مقدس میں داخل ہونے کے لئے کہا تو سب نے انکار کر دیا کہ ہم نہیں جاتے. ان سب باتوں سے تنگ آ کے حضرت موسیٰ چالیس روز تک طور پر چلے گئے اور اپنی قوم کو اُسکے حال پر چھوڑ دیا آ کے

دیکھا تو خدا پرستی کرنے والا ایک بھی نہ رہا اور سب گوشالہ پرستی میں غرق ہیں قصہ مختصر یہ کہ مثل اور پیغمبروں کے حضرت موسیٰ کی مشن دنیا سے ناکام گئی.

کچھ اوپر چھ سو سال کے بعد حضرت مسیح کا ظہور ہوا اور وہ بھی ایک غیر معمولی طریقہ یعنی بلا باپ کے اور اُن کی نسبت کئی جگہ یہ فرمایا گیا. وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَاَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ . ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو اپنی قدرت کی نشانیاں عطا فرمائیں اور روح القدس سے اسکی مدد کی نتیجہ یہ ہوا کہ مسیح کے پیدا ہوتے ہی ان پر لعن طعن پڑنے لگی. وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا اور بسبب ان کے کفر کے اور مریم پر عظیم بہتان باندھنے کے حضرت مسیح کی زندگی بہت ہی مصیبت میں گزری. پندرہ برس تک تو یوسف بڑھئی کی دوکان پر جسکو حضرت مسیح اپنا باپ کہتے تھے. بسولا مارتے رہے اور پھر حضرت یحیٰ کے وعظوں میں جانے لگے. اور اخیر ان کی باتوں کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ حضرت مسیح نے ان سے بیعت کی۔ جوانی کے جوش میں ذرا احتیاط کم ہوتی ہے. حضرت مسیح پر وعظوں کا اثر اس قدر ہوا کہ وہ یہودیوں کے خلاف غصہ میں بھر آئے. انہیں بُرا بھلا کہنا شروع کیا. یعنی سانپوں اور سانپوں کے بچوں، شیطانوں، بدکاروں یہ آپ کا روز مرہ تھا. کہیں جوش میں آ کے کبوتروں کی کابکوں کو الٹ دیا اور کہیں سوروں کے غول کو مار ڈالا اور اسی اثناء میں آسمان کی بادشاہت کی منادی کرتے رہے. نتیجہ اسکا یہ ہوا کہ صرف چند مچھلی پکڑنے والے آپ کے ساتھ ہو گئے. ایمان تو ایک شخص بھی نہ لایا تھا. آسمانی بادشاہت کے شوق میں آ گئے کہ شاید یہودیوں کی سلطنت کا کوئی حصہ ملجائے گا مگر جب انہیں یقین ہو گیا کہ خالی باتیں ہی باتیں ہیں. تو ان میں سے ایک شخص نے چند روپے یہودیوں سے لیکے حضرت مسیح کو پکڑوا دیا اور یہودیوں نے آپ کو صلیب دے دی. مگر سولی پر ان کی جان نہیں نکلی. جیسا کہ قرآن مجید میں موجود ہے. مَاقَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ مسیح نہ قتل کئے گئے اور نہ سولی دی گئی. بعض نے صلیب کے معنی ہڈی توڑنے کے لئے ہیں اور اُنکا یہ بیان ہے کہ سولی پر تو چڑھا دیئے گئے مگر چونکہ سبت کا دن شروع ہونے کو تھا. لہٰذا حسب دستور مسیح کی پنڈلیوں کی ہڈیاں نہیں توڑی گئیں. بہرحال کچھ ہو

مطلب فقط یہ ہے کہ حضرت مسیح کی مشن تو حضرت موسیٰ سے زیادہ ناکام رہی.

ان صریح ناکامیوں اور مخلوق کی بدترین اور ناگفتہ بہ حالت پر رحم فرما کر اللہ تعالیٰ نے حضور انور رسول اللہ ﷺ کو دنیا میں مبعوث فرمایا اور آپ ہی کے ساتھ یہ بشارت بھی دیدی کہ ہم اپنا دین پورا کر چکے. جل جلالہ و عم نوالہ بڑی ہے شان تیری اور عظیم ہے جلال تیرا اور پُر شان ہے احسان تیرا کہ تو نے محمد مصطفےٰ جیسے رسول کو ہماری ہدایت کے لئے بھیجا جسکی بعثت کی بشارت اے اللہ کریم تو ان الفاظ میں دیتا ہے. اِنَّـا اَرْسَـلْـنٰـکَ بِـالْـحَـقِّ بَشِیْراً وَّنَذِیْرًا وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْـجَـحِیْمِ ٥ (بقرہ:۱۱۹) یقیناً ہم نے اے محمد ﷺ تجھے حق کے ساتھ خوشخبری دینے اور ڈرانے کیلئے اپنی مخلوق کی طرف بھیجا ہے مگر تجھ سے ان اصحاب جحیم کی نسبت سوال نہیں کیا جائے گا جنھوں نے محض اپنی بداعمالی کی وجہ سے دوزخ مول لی. آپ کی مہربانی اور خوش خلقی کی سند آسمان سے آچکی ہے. پھر دوسری گواہی کی کیا ضرورت ہے جہاں خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَـقَـدْ مَـنَّ الـلّٰـهُ عَلَی الْـمُـؤْمِـنِیْـنَ اِذْ بَـعَـثَ فِیْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ. (آل عمران:۱۶۴) یعنی بیشک اور یقیناً مسلمانوں پر اللہ نے بڑا ہی احسان کیا جو ان میں میں ان ہی کی قوم میں کا ایک رسول بھیجا. اُن کو خدائی آیتیں پڑھ پڑھ کے سناتا ہے. اور کفر کی نجاست سے انکو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب یعنی فرقان حمید اور علم سکھاتا ہے. اور بے شک اس رسول کی بعثت سے پہلے یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے.

اس سے زیادہ مہربانی اس سے زیادہ بزرگی اور نعمت کیا ہوگی یہ عالی شان اے میرے آقائے نامدار تیرے ہی ساتھ خصوصیت رکھتی ہے. ان مہربانیوں اور اخلاق کے ساتھ تیری بخشش اور درگزر بھی تمام انبیاء سے زیادہ ہے. اسکی سند بھی اللہ کے کلام میں موجود ہے. یٰـاَ هْـلَ الْکِتٰبِ قَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ کَثِیْراً مِّمَّا کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ قَدْ جَآءَ کُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ (المائدہ:۱۵) یعنی اے اہل کتاب بیشک تمہارے پاس ہمارا پیغمبر آ گیا جو تمہارے لئے کتاب اللہ یعنی توریت وانجیل کی وہ بہت سی باتیں ظاہر کرتا ہے

جنہیں تم چھپاتے تھے اور تمہاری بہت سی خطاؤں سے درگزر کرتا ہے بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور یعنی حق ظاہر کرنے والی کتاب آ چکی (یعنی قرآن مجید)

اس سے زیادہ اور کیا بخشش ہو سکتی ہے کہ کیسے نرم الفاظ کے ساتھ خطاب کیا جاتا ہے اور حضور انور کا احسان اصل کتاب پر بیان کیا جاتا ہے محض اس لیے کہ وہ ہدایت حاصل کریں. پھر آپ کی نفع رسانی کے متعلق ارشادِ الٰہی ہوتا ہے. وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ. قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِا اللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْ مُؤْمِنِيْنَ ۝ اَلَمْ يَعْلَمُوْآ اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِاللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ۝ (التوبہ:٦١ تا ٦٣) یعنی اور ان منافقوں میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو ہمارے نبی کو تکلیف دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ کان کے بڑے کچے ہیں اے نبی ان سے کہد و وہ تمہارے فائدہ کے کان ہیں اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور مسلمانوں کی بات کا یقین رکھتے ہیں اور جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں ان کے لئے رحمت مجسم ہیں اور یاد رکھو کہ جو لوگ اللہ کے رسول کو تکلیف دیتے ہیں ان کے لیے درد دینے والا عذاب تیار ہے. تمہارے آگے اے مسلمانو! یہ لوگ اللہ کی قسم کھاتے ہیں تا کہ تمہیں راضی کر لیں حالانکہ اللہ اور اس کا برگزیدہ رسول اسکا زیادہ حقدار ہے کہ اسے راضی کریں. اگر وہ ایماندار ہیں کیا انہیں معلوم نہیں کہ جو کوئی اللہ اور اسکے رسول کے خلاف کرتا ہے بیشک اسکے لئے دوزخ کی آگ تیار ہے. وہ اس میں ہمیشہ رہے گا حقیقت میں بہت بڑی رسوائی ہے.

آپ کی رافت ورحمت: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ (التوبہ: ١٢٩) یعنی اے لوگو یقیناً تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر ہمارا آیا. اُس پر شاق ہے کہ تم اُخروی تکلیف اُٹھاؤ وہ تمہارے ایمان لانے کے اوپر حریص ہے مسلمانوں پر شفقت کرنے والا مہربان ہے بس اے نبی اگر یہ لوگ تمہاری

پیروی سے اِعراض کریں تو کہدو مجھے اللہ کی مدد بس ہے کوئی معبود سوا اُس کے نہیں میں نے اُسی پر بھروسہ کیا اور وہ عرش بزرگ کا مالک ہے. تیری شان اے نبی کریم اتنی بڑی ہے کہ ہم اسکا احاطہ نہیں کر سکتے .اس میں شبہ نہیں کہ آپ مخلوق میں سب سے زیادہ راستباز تھے .اور رسالت سے پہلے بھی لوگ آپ کی صداقت قولی کے قائل تھے .آپ نے اپنے دشمنوں کے لئے بھی دعا خیر مانگی ہے. حقیقت میں آپ وہ پہلے نبی ہوئے ہیں جنکی ان کے صحابہ نے پوری عزت اور عظمت کی۔ کسی کی مجال نہ تھی جو تیرے حضور ہوں بھی کر سکتا ہے .جبکہ اور انبیاء کے حواریوں اور متبعین نے نئے نئے سوالات کر کے انہیں پریشان کر دیا تھا تیرے حضور ۲۳ برس کی مدت میں صرف تیرہ ہی سوال پیش کئے گئے جنکا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے.

اے آخر الزماں نبی، اے رسول کریم آج وہ قوم اسلام میں پیدا ہوگئی ہے کہ نہ صرف تیرے جلیل القدر صحابہ کو بُرا جانتی ہے. بلکہ ان کو گالیاں دینا اپنی نجات کی کنجی سمجھتی ہے .اور پھر تیری امت میں ہونے کا دعویٰ کرتی ہے جو پاک نفس زندگی بھر تیرے دمساز رہے !اور محض تیری محبت میں انہوں نے نہ صرف اپنے آبائی عقائد اور خیالات سے ہاتھ دھوئے بلکہ اپنا وطن اپنا گھر بار اپنے رشتہ دار اور اپنے بیوی بچے تک چھوڑ دیئے اور وفات کے بعد بھی تیری حضوری کا شرف نہ چھوڑا حیف ہے کہ ان پاک نفوس کو بعض شریر اور دنی الطبع شب و روز لعن طعن کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے اسلام کا بہت بڑا فرض ادا کیا تیرے یارِ غار کی ہم جتنی تعریف کریں کم ہے اور تیرے سچے فدائی کی جتنی تعظیم کریں وہ کچھ حقیقت نہیں رکھتی کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں صاف طور پر اس یار صادق اور صدیق اکبر کی نسبت یہ لکھتا ہے. اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْهُمَا فِي الْغَارِ اِذْيَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا. (التوبہ:۴۱) یعنی اگر تم نبی کی مدد نہ کرو گے تو نہ کرو بیشک اللہ نے خود انکی مدد کی جب انہیں کافروں نے مکہ سے نکالا ان کے ہمراہ صرف ابوبکر صدیق تھے اور وہ دو میں کے دوسرے تھے جب وہ دونوں غار میں تھے اور جب وہ اپنے ساتھی سے کہتے کہ رنج نہ کرو بیشک اللہ ہمارے ساتھ

ہے. پس اللہ نے اپنی طرف سے ان پر تسکین فرمائی اور ایسے لشکروں سے ان کی مدد کی جنکو تم نے نہیں دیکھا. اور کافروں کی بات نیچی کردی اور اللہ ہی کی بات بلند ہے.

اے فخر انبیاء اے سرتاج اصفیا جس تیرے صحابی کی نسبت اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ اس حزن وملال میں ہم نے اسکو تسکین دی اور اسکی ایسے لشکروں سے مدد کی جسکو کسی نے نہیں دیکھا آج چند بدنصیب افراد اسے علانیہ گالیاں دینی ایک اعلیٰ درجہ کی عبادت خیال کرتے ہیں اور اس طرح تیری مقدس روح کو صدمہ پہنچا کے جہنم کے سچے وارث بنتے ہیں. تیرے عزیز صحابہ کو گالیاں دینی حد سے زیادہ تیری بغاوت کرنی اور نمک حرامی ہے مگر یہ سرکش گروہ نہیں مانتا اور اس نے ہزار ہا کہانیاں ایسی تراش لی ہیں جو شیطان بھی نہیں بنا سکتا۔ اور انہی کہانیوں کی بنا پر تیرے پاک صحابہ پر ان کے سب وشتم کی بھرمار رہتی ہے. تو اس ظالم گروہ کے حق میں دعا کر شاید وہ راہ راست پر آ جائے.

تو یقیناً تمام انبیاء ہی کا نہیں کل کائنات کا خلاصہ ہے. تیری ذات اس کی شایاں تھی کہ تجھ پر وحی اور نبوت کا خاتمہ ہوتا. دنیا میں جبکہ کل انبیاء کی مشن ناکام رہی ☆

☆ بعض انبیاء کی نسبت جو لکھا گیا ہے ان پر ایک تنفس بھی ایمان نہ لایا تھا. اس کا مطلب یہ ہے کہ بہت ہی کم نفوس جنکا عدم وجود برابر ہے ایمان لائے تھے. اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ ایک آدمی بھی ایمان نہیں لایا. قرآن مجید اور صحف انبیاء سے اسکا ثبوت ملتا ہے ان کے مقابلہ میں حضور انور رسول اللہ کی کامیابی اور آپ کی زندگی ہی میں ایک ایسا حیرت انگیز امر ہے کہ عقلائے کی عقلیں چکر میں آ جاتی ہیں.۔

تیری مشن نے وہ کامیابی تیری ہی مبارک زندگی میں حاصل کی جسکی نظیر نہیں ملتی اور جسکی پوری کامیابی کی آوازیں آسمانوں سے اٹھیں اور کل ستاروں اور سیاروں میں ہوتی ہوئیں روح القدس کی زبانی اس سیارے یعنی زمین پر پہنچیں. اور وہ دل بڑھانے والی کامیابی کی آواز یہ ہے. اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا. (سورت النصر: پ۳۰) یعنی جب اللہ کی مدد آ گئی اور لوگوں کو تم نے دیکھ لیا کہ وہ اللہ کے دین میں فوج فوج داخل ہو رہے ہیں تو تم اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ پاکی بیان کرو. اور اس سے مغفرت طلب کرو بیشک وہ بڑا معاف کرنے والا ہے.

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ

مسلمانوں کے تنزل اور بربادی کی تصویریں ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں آنکھوں سے دکھائی دے رہی ہیں. دینی اور دنیاوی لحاظ سے انکی حالت روز بروز متزلزل ہوتی چلی جاتی ہے. علم عمل، زہد وتقویٰ، دیانت داری، راستبازی، خداپرستی اور حضور انور رسول اللہ ﷺ کی محبت بہت کم دلوں میں رہ گئی ہے. اور جو کچھ باقی ہے وہ مٹتی جاتی ہے. اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچ جائے گی کہ وہ مسلمانوں کے دلوں سے بالکل نسیا منسیا ہو جائیگی. مسلمانوں کی ابتر حالت اور ان کے نمایاں تنزل پر سب کا اتفاق ہے مگر صرف اسباب تنزل میں اختلاف ہے. مگر وہ قابل بحث اس قدر نہیں ہے. اس سے کوئی بھی انکار نہیں کرنے کا کہ دنیاوی تنزل سے زیادہ مسلمان مذہبی تنزل کر رہے ہیں. مسجدیں بیشک آباد ہیں. وعظوں میں ضرور کثیر مجمع دکھائی دیتا ہے. مگر کم ہیں جو محض خلوص سے عبادت کرتے ہیں اور وعظ سنتے ہیں. اور بہت کم ہیں جنکا اٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا محض رضائے الٰہی کے لئے ہے مسجدوں میں نمازی بہت جمع ہیں. مگر کون جانتا ہے کہ فیصدی ایک شخص نے بھی پوری توجہ اور خضوع وخشوع کے ساتھ نماز پڑھی لاکھوں بلکہ کروڑوں مسلمان ایسے ہیں. جو نماز روزہ جانتے بھی نہیں انکی عبادتیں اور ہی قسم کی ہیں اور وہ یہ جانتے ہیں کہ ان عبادتوں کے بعد پھر نہ نماز کی ضرورت رہتی ہے. نہ روزہ کی نہ حج کی نہ زکوٰۃ کی. ہندوستان کے کل مسلمانوں کی عبادتیں اگر شمار کی جائیں اور ان کے باطل معبودوں کو گنا جائے تو انکی تعداد ہندوؤں کے دیوتاؤں سے شاید کم نہ نکلے. نام کے تو بیشک مسلمان ہیں اور سرکار کی دس سالہ مردم شماری کی رپورٹ میں مسلمانوں کے خانہ میں انہیں جگہ دیجاتی ہے. مگر انہوں نے تمام عمر نہ قرآن مجید کبھی کھول کے پڑھا اور نہ اس کے مطلب سمجھنے کی کوشش کی. نہ انہوں نے مذہب کے فرائض سنے نہ ان کے بجالانے کا خیال پیدا ہوا. کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کبھی بھولے چوکے سے ان کی زبان سے نکل جاتا ہے.

باقی وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ کیا چیز ہے اور اسکے کیا معنے ہیں. ہزاروں قبریں، ہزاروں تھان، ہزاروں پتھر اور چونے کے ڈھیر، اشجار، چوپائے اور فرضی پیر شہید معبود بنے ہوئے ہیں. اور ان باطل معبودوں کی جس خلوص اور جوش کے ساتھ پرستش کی جاتی ہو حقیقی خالق کا ان کے مقابلہ میں ذرا بھی مرتبہ نہیں سمجھا جاتا. غور سے دیکھنے اور تحقیق کرنے کے بعد ایسے لاکھوں مسلمانوں کا پتہ ہر شہر میں بکثرت ملجائے گا زیادہ جستجو کرنے کی ضرورت نہیں ہے. قرآن مجید یقیناً پس پشت ڈال دیا گیا ہے. اور اس سے حجت لانی گناہ کبیرہ خیال کیا جاتا ہے. ان باطل معبودوں کی پرستش کرنے والی علیحدہ علیحدہ جماعتیں ہیں اور ایک جماعت دوسری جماعت کے معبودوں کی پرواہ نہیں کرتی.

مسلمان جب ہندوستان میں بغداد اور غزنی کی راہ سے پہلے پہل آئے تھے تو اپنے ساتھ ایک سیدھا سادھا مذہب اسلام لائے تھے. اور اس مذہب میں کچھ بھی تراش خراش نہ ہوئی تھی. صرف ایک اکیلے ان دیکھے خدا پر ایمان لانا اسکا بہت بڑا جز واعظم تھا اسکے بعد اور چند باتیں تھیں مثلاً محمد ﷺ کو برحق نبی مانو کل انبیاء پر ایمان رکھو آخرت کو سچا جانو، نماز پڑھو، روزہ رکھو اور اگر استطاعت ہو عمر بھر میں ایک دفعہ حج کرلو اور بس یہ باتیں معاشرت اور تمدن کے لحاظ سے ضروری تھیں کہ جھوٹی قسم نہ کھاؤ کسی کی حق تلفی نہ کرو یتیم کا مال نہ مارو، والدین عزیز و اقارب مساکین اور یتیموں کے ساتھ احسان کرو وغیرہ وغیرہ۔ جب مسلمان اپنے ساتھ ایسا سیدھا سادھا مذہب لیکے بتیس کروڑ دیوتاؤں کی سرزمین میں آئے تو یکایک ان بے تعداد معبودوں کی بندھنوں سے فطری طور پر لوگوں نے خلاصی چاہی اور جوق در جوق مسلمان ہونے لگے. مگر سخت افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ ان بیچاروں کو انکی حالت پر چھوڑ دیا گیا. اور کسی نے بھی ان کی خبر نہ لی. سلاطین کشور کشائی میں صدہا سال پڑے رہے سوائے تلوار کے زیادہ تر اور کسی چیز کی پوچھ گچھ نہ تھی. علماء کے گروہ کی سرپرستی جیسی بغداد اور قرطبہ میں سلاطین کی طرف سے کی گئی تھی ہندوستان میں اسکے مقابلہ میں بہت کم تھی. نہ بغداد و قرطبہ کی طرح کوئی دار العلوم بنا اور نہ کوئی مذہبی یا دنیاوی علوم کا کالج کھولا گیا. ہندوستان فتح کرنے کے بعد مسلمانوں کے خاندان آپس میں جنگ کرتے رہے اور صدیوں تک خدا کی مخلوق

خون میں نہاتی رہی اور جب اُنہیں جنگ و جدل سے فرصت ملی تو ملکی انتظام میں اپنا وقت صرف کیا.

اسلام کا یہ بہت بڑا معجزہ تھا کہ اس رُستخیز میں بھی وہ اس مرز و بوم میں برابر پھیلتا رہا مگر اس کی اصلی شان کو بہت کم عروج ہوا. اور نو مسلم اپنے صد ہا سال کے محسوسات، خیالات، اور عقائد کو یک لخت فراموش نہ کر سکے بتیس کروڑ دیوتاؤں کی سخت بندھنوں سے آزاد ہونا تو ہندوستانی بہت جلد چاہتے تھے. مگر فاتحوں کی طرف سے انہیں کچھ بھی مدد نہ دی گئی اور جو مسلمان ہو گئے تھے ان کے لئے علما کا ایک چھوٹا سا گروہ بھی مقرر نہیں گیا گیا جو انہیں خدا پرستی پر قائم رکھتا. یہ سر بفلک عمارتیں اور یہ بروج مشیدہ یہ زرنگار محلات. یہ قیمتی قصر صاف صاف اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ محض اپنے فانی عیش و آرام. ذاتی ناموری اور نمائش کے لئے غریب مخلوق کی لاکھوں بلکہ کروڑوں روپیہ کی کمائی برباد کی گئی. مگر اعلائے کلمتہ الحق کے لئے بہت کم خرچ کیا. یا بالکل نہیں کیا گیا.

جب یہ کیفیت یہودیوں کے اُس گروہ کو معلوم ہوئی جو حضور انور کے وقت سے در پے تھا.☆

☆ قرآن مجید میں اس گروہ کا ذکر آیا ہے اور یہ گروہ منافقوں کا تھا. تمام تفسیروں میں متفق الالفاظ اسکی شہادت موجود ہیں کہ یہ منافق یہودی تھے جنہوں نے حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت میں اعراب مدینہ سے بغاوت کرادی. پھر حضرت فاروق اعظمؓ کو شہید کرادیا. اسکے بعد حضرت عثمان غنیؓ کو بھی نہ چھوڑا. اور پھر حضرت علیؓ کو کوفہ میں شہید کر دیا. اور مسلمانوں میں اسقدر خونریزی کرائی کہ بنو امیہ کے خاندان کے کل زن و مرد کو قتل کروا ڈالا. یہ لوگ اگر چہ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں مگر اِن کی نسبت اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے. وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ. یعنی جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد مت ڈالو تو یہ کہتے ہیں ہم تو اصلاح کرتے ہیں خبردار رہو کہ بے شک وہی ہیں جو فساد ڈالتے ہیں۔ لیکن سمجھتے نہیں۔ اور یہ لوگ جب ایمان داروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب اپنے سرداروں کے ساتھ اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو صرف مسلمانوں سے مسخرہ پن کرتے ہیں۔

اور اسوقت حجاز، عراق عرب، عراق عجم پھیلا ہوا تھا اور اپنے مذہبی اصول کے مطابق اپنے کو چھپاتا

بہت تھا مگر اس تاک میں رہتا تھا کہ جہاں کمزور پہلو دیکھے جا دوڑے اس نے موقع غنیمت جان کے ادھر کا رُخ کیا یہاں آ کے حسب عادت ایک قیامت برپا کر دی اور بھولے بھالے نومسلمانوں کو ہتھے چڑھا کے ان کے ایمان کی رہی سہی پونجی بالکل برباد کر دی.

سب سے پہلے ایک یہودن نے اپنی اور اپنے رشتہ داروں کی چالاکی سے جہانگیر کے دربار میں رسوخ حاصل کر لیا. اور آخیر میں ملکہ بن گئی. اور اپنے بھائیوں وغیرہ کے مشورہ سے اور خود اپنی تیز ذہنی اور ذکاوت سے جہانگیر کو اسطرح مٹھی میں کر لیا. کہ وہ اسی کا کلمہ پڑھنے لگا اور اخیر اس یہودن کا فسوں یہاں تک کارگر ہوا کہ جہانگیر نے یہودیوں کو اپنی سلطنت کے بڑے بڑے عہدے تفویض کر دیئے. اور وہ لوگ مسلمانوں کو برباد کرنے کی تجویزیں بڑی سرگرمی سے کرنے لگے. یہ بات تو سردست مشکل تھی کہ صحابہ وراشدین کو گالیاں دی جاتیں. حضرت علی، حسین رضی اللہ عنہما کی ہجو ملیح کی جاتی. معاذ اللہ حضرت خاتون محشر کا حمل ساقط کرایا جاتا. اور حضرت علیؓ کی گردن میں رسی ڈلوا کے کھچوائی جاتی کیونکہ یکا یک ایسی ناگوار باتیں برداشت کرنی اور انہیں جز وایمان سمجھنا محال تھا مگر تو بھی نہایت ہوشیاری چالاکی سے حسینؓ پرستی اور علیؓ پرستی کی بنیاد ڈالی گئی اور ترکیب سے ایک ڈھانچہ کھپ چیوں کا بنایا گیا اور اسکا نام تعزیہ رکھا گیا اور عوام کو بہکانے کے لئے یہ بیان کیا گیا کہ تیمور بادشاہ اس قسم کی کوئی چیز اپنے ساتھ لایا تھا. تا کہ لوگ آسانی سے اُسے قبول کر لیں. حضرت علیؓ اور حضرت امام حسینؓ کے فرضی فضائل تصنیف کر کے عام لوگوں میں اشاعت دیئے گئے اور ہزار ہا فرضی اور جعلی حدیثوں سے لوگوں کو سمجھایا گیا کہ جو کچھ ہیں علیؓ ہیں حسین ہیں. اور بی بی فاطمہ ہیں. غرض پنج تن پاک کا ایک نیا ڈھکوسلا بنایا گیا اور ان لوگوں کو اس قدر آسمان پر چڑھایا گیا کہ انبیائے بنی اسرائیل سے بھی آگے بڑھا دیا. اور اُن کی فضیلت میں وہ وہ کہانیاں تراش لیں کہ جو رکھی جائیں نہ اٹھائی جائیں یہودن نے اخیر یہ چاہا کہ جہانگیر بھی علانیہ میرا مذہب قبول کر لے چنانچہ ہمیشہ جہانگیر کو اسی قسم کی ترغیب دیتی رہی. یہانتک کہ جہانگیر نے مجبور ہو کے یہ بات قبول کر لی کہ ایک مناظرہ مسلمانوں اور یہودیوں میں ہو جو گروہ غالب ہو اسیکا مذہب قبول کر لوں گا.

یہودیوں کا بھی اس میں مشورہ تھا مولوی ابوالحسن نے حضرت علی کی بہت لمبے چوڑے الفاظ میں تعریف کی یہودی اُسکے ساتھی خاموشی سے سنتے رہے. جب مولوی ابوالحسن اپنی تقریر ختم کر چکے تو یہودی سے اجازت لیکے انہوں نے یہ سوال کیا کہ درحق سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ چہ میگوئی، سلیم چشتی کا نام یہودی نے کبھی نہ سنا تھا اسے سخت غصہ آیا کہ علی بن ابی طالب کے مقابلہ میں اس نے سلیم چشتی کو کیوں پیش کیا. بدنصیب شریر اپنے اصول مذہب کے مطابق چشتی کو گالیاں دینے لگا. جہانگیر جو اب تک سناٹے میں بیٹھے ہوئے تھے چونکے اور تیوری بدل کے دریافت کیا کہ ہوں یہ کیا بک رہا ہے. دست بستہ عرض کیا گیا کہ یہ خیرہ سر خواجہ خواجگان حضر پیر مرشد حضرت سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو کتا اور خنزیر کہہ رہا ہے. اب کیا تھا جہانگیر طیش میں بھر آیا کہ اسکے یا اسکے باپ کے پیر کو جسکی دعا سے وہ پیدا ہوا تھا اور جسکے نام پر اسکا نام رکھا گیا آج اسی کے منہ پر ایک معمولی اجنبی شخص گالیاں دے رہا ہے. فوراً جلاد کو حکم دیا کہ اس بدبخت خیرہ سر کو اوندھا لٹا کے اسکی گدی کو چیر ڈال اور اسکی زبان نکال لے. یہودن تو بہت سٹ پٹائی لیکن جہانگیر مارے غصہ کے ازخود رفتہ ہو گیا تھا. اور اس وقت یہودن کا خیال اور خاطر داری اسے نہ رہی تھی. چنانچہ بغیر کسی حجت و تامل کے بادشاہ کے حکم کی تعمیل ہوئی. اور یہ شخص اسی طرح قتل کر ڈالا گیا. اور اپنے کیفر کردار کو پہنچا. اسکی لاش قلعہ کی کھائی میں ڈلوادی گئی جسکو چند روز کے بعد چوری چھپے اس کے ساتھی اٹھا کے لے گئے اور وہ آگرہ ہی میں گاڑ دیا گیا. اسکی قبر اس گروہ میں بڑی عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے اور ابتک موجود ہے لیکن یہ خبر نہیں کہ یہ اصلی قبر ہے یا نقلی بہر حال دفن تو وہ آگرہ ہی میں ہوا تھا.

کلاں یہودی کے اس قتل پر ہندوستان میں اسکی جماعت کے تن بدن میں مرچیں لگ گئیں اور وہ مسلمانوں کی طرف سے زیادہ مشتعل ہو گئی. اب اندر ہی اندر مذہب اور انتقام کی ریشہ دوانی ہونے لگی. بظاہر تو یہ گروہ کوئی کارروائی نہ کر سکتا تھا کیونکہ حکومت اسلام کا دور دورہ تھا مگر غافل کبھی نہ بیٹھا اور اخیر بہادر شاہ عالمگیر کے بیٹے کو اپنا ہم مذہب بنا کے کامیاب ہو گیا. اور بھائیوں بھائیوں میں وہ خونریزی کرائی کہ الامان اس سے عالمگیر کی قائم کی ہوئی سلطنت کی بنیادیں ہل گئیں

جہانگیر بجائے خود تعلیم یافتہ نہ تھا وہ اسی قدر پڑھا لکھا تھا جو اس زمانہ میں شہزادے ہوا کرتے تھے مگر اسکی بیوی یہودن اپنے شوہر کی نسبت زیادہ تعلیم یافتہ تھی اسنے ایک حد تک جہانگیر جیسے مفتون شوہر کو اپنی طرف رجوع کر کے ایک بڑے زبردست عالم کو ایران سے طلب کیا. یہ شخص بھی یہودی تھا اور یہودی گروہ میں بلحاظ عالم ہونے کے اسکا بہت بڑا پایہ تھا. اگر چہ اپنے علمائے متقدمین کی طرح وہ نفس علم سے مطلق بے بہرہ تھا اور اسے یہ بھی تمیز نہ تھی کہ حدیث ضعیف کسے کہتے ہیں اور صحیح حدیث کیسی ہوتی ہے مگر اندھوں میں کانے راجہ وہ ضرور سمجھا جاتا تھا. اس نے اپنا نام ہندوستان میں آ کے یہودیوں کے نام پر رکھ لیا تھا. اور وطن میں وہ دوسرے نام سے پکارا جاتا تھا. یہ شخص اوّل درجہ کا مفسد اور چالاک تھا اور جعلی حدیثوں کے بنانے کا ملکہ تو اس میں ایسا تھا کہ اپنے پیر کے بھی کان کترتا تھا.

جب یہ آگرہ پہنچا تو یہودن کی طرف سے اسکی خوب آؤ بھگت ہوئی اور مثل شاہی مہمانوں کے اسکی مدارات کی گئی جہانگیر سے بھی ملا دیا گیا اور اس کے علم و فضل کی یہودن نے بڑی تعریف کی چند روز کے بعد مجلس مناظرہ کا انعقاد یہودن اور جہانگیر کی موجودگی میں ہوا. سوائے یہودی کے اور بھی بہت سے اسکے ہم مذہب یہودی جمع ہوئے. مسلمان علمانے باہم مشورہ کیا کہ اس وقت یہودی بہت پھولا ہوا ہے. جہانگیر کو اپنے عیش و عشرت میں خبر نہیں یہودن کا پورا قبضہ سلطنت پر ہے. اسکا اس یہودن کو بڑا زور ہے. علاوہ اسکے زبان دراز اور جاہل شخص ہے اگر اس نے حضور ﷺ کے صحابہ کو برا بھلا کہہ دیا تو اس وقت مجلس میں برہمی پیدا ہو جائے گی اور یہودن اسکے مقابلہ میں ہم ہی کو قصوروار ٹھیرائے گی. اور ہمیں ہر قسم کی پریشانی اٹھانی پڑے گی. لہٰذا کوئی ایسی ترکیب کی جائے کہ اس یہودی کو کامل سزا ملجائے اور یہودیوں کو اپنے اس ناپاک مذہب کی اشاعت کی ہمت نہ رہے. نہ وہ آئندہ ایسی کوئی کارروائی کریں جس سے امن میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہو، خوب مشورہ کرنے کے بعد مولویوں نے مولوی ابوالحسن صاحب کو اپنی طرف سے بحث کے لئے پیش کیا.

یہودی نے مولوی ابوالحسن سے صورت دیکھتے ہی یہ سوال کیا کہ درحق علی بن ابی طالب چہ میگوئی. حالانکہ اس سوال کا نہ کوئی محل تھا اور نہ ضرورت مگر اس سے اسکی سخت شرارت پائی جاتی تھی اور

نتیجہ یہ ہوا کہ مغلیہ سلطنت ہندوستان کی سرزمین سے مٹ گئی. خود اورنگ زیب کے وقت اس گروہ کی خاصی قوت ہوگئی تھی کیونکہ یہ اکبر کے وقت سے ہندوستان میں ترقی کرر ہا تھا. ابوالفضل اور فیضی کا رجحان گو اسی طرف تھا لیکن عام مسلمانوں کے خیال سے دبے ہوئے تھے اور در پردہ عقائد اسلام میں رخنہ اندازی ضرور کرتے تھے. ملا عبدالقادر بدایونی کو ان کی یہ باتیں سخت ناگوار تھیں. وہ علانیہ دربار میں ان کے خلاف اسلام باتوں پر انہیں جھڑک دیا کرتا مگر سننے والا کون تھا اکبر بیچارہ تو بالکل جاہل تھا. ہاں بحث مباحثہ کا اسے بہت شوق تھا چنانچہ گوا کے ایک پادری اور ابوالفضل میں بحث ہوئی تھی. یہ وقت وہ تھا کہ اس یہودی مذہب کا سوائے در پردہ تحریک کے علانیہ کوئی نام بھی نہ لیتا تھا. جہانگیر کے زمانہ میں جیسا ہم اوپر لکھ آئے ہیں یہ پھوڑا پھوٹ پڑا اور اس کے گروہ کی رسائی سلطنت کے بڑے بڑے عہدوں پر ہوگئی.

اورنگ زیب بہ نسبت اپنے پیش رووں کے زیادہ تعلیم یافتہ تھا اور دینیات میں بھی اسے دسترس تھی وہ اس یہودی بظاہر مسلمان گروہ کے ہتھکنڈوں سے خوب واقف تھا مگر مجبور تھا. صدہا عہدوں پر یہ لوگ کام کر رہے تھے انہیں یکلخت علیحدہ کرنا اور انکی جگہ نا تجربہ کار لوگ مقرر کرنا امر محال تھا. علاوہ اور عہدوں کے میر منشی گری کا عہدہ بھی ایک شخص یہودی کے سپرد تھا اور اخیر تک نامبردہ اس عہدہ پر رہا. دکن کی لڑائی میں جو کچھ اس نے شرارتیں کی ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں وہ اورنگ زیب کا نمک خوار ملازم تھا بادشاہ اسکی لیاقت اور کارگزاری سے زیادہ اسکی خاطر کرتا تھا لیکن تاناشاہ کی وجہ سے اس نے حقوق آقا کو بالائے طاق رکھ دیا اور علانیہ حسب عادت گالیاں دینی شروع کیں. اپنے وقائع میں اسنے اورنگ زیب اور اسکی فوجوں کی ایسی برائی کی ہے ایک نمک حرام سے نمک حرام شخص بھی اپنے آقا کی ایسی ہجو کبھی گوارا نہ کرے گا. معمولی ناکامی پر رنگ چڑھا کے اپنے آقا کے فوجی افسروں کی ایسی نامردی اور بزدلی بیان کی ہے کہ سن کے تاسف آتا ہے. کہیں عالمگیر کے پیر پھسلنے پر وہ قہقہہ اڑایا ہے یہودی کا پاجی پن صاف پایا جاتا ہے. کہیں عالمگیر کے کیمپ کے متعلق یہ تحریر کرتا ہے

دریں ملک خراب امروز کس را نیست سامانے
چو گنج افتادہ اند اہل خرد در ملک ویرانے

حالانکہ عالمگیر نے جس دلیری اور غیر معمولی جرأت سے گولکنڈ جیسا ناممکن الفتح قلعہ چھ مہینے کے محاصرہ میں فتح کر لیا. اور پیرانہ سالی پر اسنے ابتدائی ناکامیوں سے جی نہیں ہارا وہ حد سے زیادہ تعریف کا مستحق ہے. تمام دنیا اس کے عزم بالجزم پر تعریف ہی کرتی ہے. مگر افسوس ہے اسکے نمک حرام ملازم پر جس نے سوائے دشنام دہی کے اپنے آقا کا حق نعمت اور کسی خدمت سے ادا نہیں کیا. جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں عالمگیر کے زمانہ میں اس یہودی گروہ کو پورا عروج ہو گیا تھا مگر جب تانا شاہ کی سلطنت پارہ پارہ ہوئی تو اور بھی اس گروہ کے دل میں دشمنی کی آگ بھڑکی اور وہ نہایت شدت اور سرگرمی کے ساتھ سلطنت اسلام کے برباد کرنے میں جان لڑانے لگا. اور عام طور پر یہ بات مشہور کی کہ عالمگیر محض تعصب مذہبی کی وجہ سے تانا شاہ پر حملہ آور ہوا تھا حالانکہ یہ بات نہ تھی.

تانا شاہ نہ دکن کا رہنے والا تھا نہ اسکا کوئی حق گولکنڈہ کی سلطنت میں تھا وہ فقیری لباس میں گولکنڈہ آیا. اپنی چالاکی اور شعبدہ بازی سے اس نے ایسا رسوخ دربار میں پیدا کیا اور شاہ گولکنڈہ کو اپنی نجابت وعالی خاندانی کا وہ دھوکا دیا کہ شاہ نے اپنی بیٹی تانا شاہ کو دیدی یہ چالاک شخص شاہ کی آنکھیں بند ہوتے ہی خود بادشاہ بن بیٹھا. اور اس کثرت سے روپیہ اڑانا شروع کیا کہ فتح پر عالمگیر کے ہاتھ کچھ بھی خزانہ نہ لگا. گولکنڈہ کو دیکھنے اور کھنڈروں کی پوری تحقیق کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تانا شاہ نے تعیش اور صرف بیجا کی حد کر دی تھی. ایک محل اسنے بنوایا جس کے چونہ میں بجائے پانی کے عطر ملوایا حالانکہ یہ احمقانہ فعل تھا تو بھی اسکے تعیش کی اس نالائق حرکت سے پوری کیفیت معلوم ہوتی ہے اس عطر والے محل کا اب بھی کچھ حصہ باقی ہے اور وہاں جانے والے اسکی پوری تصدیق کر سکتے ہیں.

''دکن'' شاہ جہاں کے وقت سے مستقل طور پر ایک باجگزار ریاست تھی. خراج بھی مقرر ہو گیا تھا لیکن تانا شاہ نے عالمگیر سے بہ سبب مذہبی نفرت کے برابری کا دعویٰ کیا. تین سال تک برابر خراج ادا نہ کیا. آرے بلے بتاتا رہا اخیر فوج کشی کی گئی. سارا گولکنڈہ تاخت وتاراج کر ڈالا گیا اور مسلمانوں کو اسکے مظالم سے نجات دی.

جب اورنگ زیب کی آنکھیں بند ہوئیں تو گویا انتظام کی لڑیاں ٹوٹ گئیں. اب اس

یہودی گروہ کو ہاتھ پیر مارنے اور مسلمانوں میں خونریزی کرانے کا اچھا موقع ملا. اس گروہ نے جو سلطنت کے امور میں پورا دخیل ہو چکا تھا. بھائیوں میں تلوار چلوادی حالانکہ عالمگیر وفات کے وقت اپنے بیٹوں کو مختلف صوبے تقسیم کر چکا تھا مگر اس ناشدنی یہودی جماعت نے بھائیوں میں وہ خونریزی کرائی کہ سلطنت کی بنیادیں ہل گئیں. اخیر کئی ہزار جاں بازوں اور کئی کروڑ روپے اور کئی صوبوں کے بدلہ میں بہادر شاہ نے فتح خریدی اور لاہور کو اپنا پائے تخت بنانے کے بعد اس بے امن ملک پر حکمرانی کرنے لگا. اور اسی شیطانی گروہ کے دھوکے میں آ کے پکا چھٹا یہودی بن گیا. اب کیا تھا مظالم کے دروازہ کھل گئے. کھلم کھلا غریب مسلمانوں پر آفت برپا ہونے لگی. دھڑا دھڑ یہودیوں کو آسامیاں ملنے لگیں اور دربار خاص اُن ہی لوگوں کے لئے مخصوص ہو گیا جو حضور انور رسول اللہ ﷺ کے جان نثار صحابہ اسلام کے پشت پناہ بزرگوں کو علانیہ اور حضرت علی اور آپ کے بچوں کو در پردہ گالیاں دیں. سوائے چند نفوس کے کل صحابہ تابعین کل تبع تابعین کو کافر کہیں. اسلام کے احکام توحید اور خدا پرستی کو صدمہ پہنچانے کے لئے ضریح اور علموں کے آگے سجدہ کریں. شفاعت رسول کریم اڑا کے حضرت امام حسین کے فرضی خون پر اپنی نجات کا دارومدار جانیں اور ان عقائد باطلہ سے بھولے بھالے مغلوں اور ہندوستان کے سیدھے سادھے نومسلمانوں کو برباد کریں.

حقیقت میں بہادر شاہ کا زمانہ بھی اسلام اور مسلمانوں کے حق میں زہر ہلاہل تھا. محمود، محمد غوری، بابر اور ہمایوں وغیرہ نے کتنی تکلیفیں سہہ کے مصیبتیں اٹھا کے اور اپنے لاکھوں جاں بازوں کا خون بہا کے تو اس براعظم پر قبضہ کیا. اسلام کی توحید پھیلائی اور اب یہ براعظم بجائے کفر کے اسلام کا مرکز بن گیا. مگر آج ان ہی شجاع بادشاہوں کی محنت کو ان ہی کا ایک ناخلف یہودیوں کے جال میں پھنس کے برباد کر رہا ہے. تقدیر الٰہی اسکی اس نامبارک حالت پر زہر خندہ کر رہی ہے. ابھی یہ براعظم ایک ہی بادشاہ کے زیر حکومت اور ایک ہی حکم کے تابع تھا. آج ایک یہودی گروہ کی وجہ سے پارہ پارہ ہو رہا ہے. گمنام قومیں جو ادھر ادھر چھپی ہوئی تھیں اٹھ کھڑی ہوئی ہیں. شاہی فوجیں برابر شکستوں پر شکستیں کھا رہی ہیں. ان کی حالت سخت قابل افسوس ہے. ایک چھتر جو تمام براعظم پر

سایہ فگن تھا اب اسکا سایہ کم ہونا شروع ہوگیا. اسکی ظاہری صورت اور علامات اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ ایک نہ ایک دن یہ سایہ ہی سایہ رہ جائے گا. اور تیموری نسل دنیا سے نیست و نابود کر دی جائے گی. چنانچہ یہ ہوا اور دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ بادشاہ نے اس بربادی کی بنیاد ڈالی اور بہادر شاہ ہی نے اس بربادی کو ختم کر دیا یعنی مریض مر گیا. اب اسے کسی دوا کی ضرورت نہیں ہے. کیا خدا کی شان ہے کہ بہادر شاہ سے تنزل شروع ہوا اور بہادر شاہ ہی پر اس تنزل کا آخری دور ختم ہو جائے اور یہ سایہ ہمیشہ کے لئے ہٹا دیا جائے سمندر پار لاکھوں من کے چونہ اور مٹی کے ڈھیر میں یہ سایہ قیامت تک دبا دیا جائے.

جو مظالم اس یہودی گروہ نے مسلمانوں پر کئے اسکی تاریخ جس قدر دردناک ہے اسی قدر طولانی ہے. ہندوستان میں مثل بغداد کے اس یہودی گروہ کا فسوں ایسا چل گیا تھا کہ دیکھ کے تعجب ہوتا ہے. تمام محکموں میں بے انتظامی، لائق اور کارگزار اشخاص کی جگہ محض تعصب مذہبی کی وجہ سے نالائق آدمیوں کا داخل ہونا، فسق و فجور، عیاشی اور مذہب کی آڑ میں متعہ کا ڈھکوسلا بنا کے علانیہ زنا کاری. رسول اللہ کے لاکھوں جلیل القدر صحابہ کو گالیاں دینی خدا اور نبی کو بیچ میں سے اڑا کے علی اور حسینؓ کو ان کی جگہ دے دینی کل مسلمانوں میں علی پرستی حسین پرستی فاسد عقیدہ پھیلانا. بیوی کی صحنک بیوی کی پڑیاں سید کبیر کی گائے. اوران ہی کے نام پر اس گائے کی قربانی غرض اس قسم کی پُر از شرک بلکہ پر از کفر بدعات ملکی ضعف کے ساتھ ہندوستان میں ترقی کرتی گئیں. اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ نفس اسلام کا ہندوستان میں پتہ نہ رہا مگر جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کی حفاظت کا وعدہ فرمالیا ہے. جس کے معنی اسلام کی حفاظت ہیں. اس لئے اخیر دور میں اس نے چند ایسے پاک نفوس یعنی شاہ ولی اللہ، محدث دہلوی شاہ عبدالعزیز، اور شاہ اسمٰعیل شہید جیسے پیدا کر دیئے جنہوں نے ایک حد تک اس شرک اور کفر کو مٹایا ورنہ ہندوستان میں سوائے ضریح، تعزیہ علم اور گوسالہ پرستی کے کوئی متنفس کچھ نہ جانتا تھا.

بہادر شاہ کا زمانہ بلحاظ قوت. کیا بلحاظ انتظام سلطنت کیا بلحاظ امن و عافیت ایک مصیبت

ناک زمانہ گزرا ہے. حقیقت میں اورنگ زیب کا بیٹا بالکل اپنے عالیشان باپ کے برعکس تھا. وہ یہودیوں کے ہاتھ میں ایسا پھنس گیا تھا کہ مثل کٹ پتلی کے اُسے نچاتے تھے اور جو چاہتے تھے اس سے کرا لیتے تھے. شریعت کے احکام کی باگ بالکل ڈھیلی کردی تھی اور تعیش کے لئے ہر قسم کی آزادی اسے دیدی تھی. متعہ کے نام سے وہ صدہا عورتیں اپنے پاس رکھتا تھا. ملک داری جہاں بانی کے لحاظ سے اسکا زمانہ تاریخ بالکل نہیں ہے اس لئے مورخوں نے اسکا ذکر بھی نہیں کیا. بلکہ مذہبی تبدیلی کے لحاظ سے اسکا زمانہ ہمیشہ خوفناکی سے یاد کئے جانے کے قابل ہے. خدا خدا کر کے پانچ سال کے بعد بہادر شاہ کا خوفناک زمانہ ختم ہوا. اگرچہ حکمرانی کی مدت بہت قلیل ہے لیکن بربادی کی بنیاد ڈالنے اور ہندوستان میں فساد کا بیج بونے میں یہ قلیل زمانہ ایک عرصہ دراز کے برابر ہو گیا.

بہادر شاہ کے بعد اسکے تین بیٹے یکے بادیگرے حکومت کے تخت پر بیٹھے ان کا زمانہ بھی کچھ قابل ذکر نہیں ہے. اوّل تو ان کی مجموعی حکمرانی کا زمانہ پانچ برس سے زیادہ نہیں. دوسرے وزیروں کے ہاتھوں یہ تینوں لڑکے مثل کٹ پتلی کے ناچتے رہے اور اس پانچ برس کے عرصہ میں یہودیوں کی سازش سے اور بھی رہی سہی قوت سلطنت کی زائل ہوگئی اس بربادی کو پورا کرنے کے لئے ۱۷۳۹ء میں نادر دہلی میں آ کودا جس نے سلطنت مغلیہ کا بالکل کچومر ہی نکال دیا. اس عرصہ میں یہودی گروہ سرسبز ہو رہا تھا. اور یہ فتنہ کا پودا خوب پھیلتا اور پھلتا رہا. اب بادشاہی برائے نام رہ گئی تھی. اگرچہ تخت نشینی کا سلسلہ 1857ء تک قائم رہا لیکن اصلی شان اور خودمختاری کبھی کی رفو چکر ہو چکی تھی. جب آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ نادر کو ہندوستان میں کس نے بلایا تو آپ کا کلیجہ کانپ جائیگا. اور مارے خوف کے لرزنے لگیں گے یہ شخص سعادت علی خاں ایرانی تھا جو یہودی جماعت کا سرگروہ اور اسلام اور مسلمانوں کا جانی دشمن تھا. بدنصیب شاہ دہلی نے اس نمک حرام کو ۱۷۶۰ء میں اودھ کا گورنر بنا کے بھیج دیا تھا حالانکہ ایسا جلیل القدر عہدہ اسے حاصل ہو گیا تھا لیکن یہ سلطنت مغلیہ کی اس معمولی شان کو بھی نہ دیکھ سکتا تھا. اس نے نادر کو لکھا کہ صرف اوپری عظمت اور شان رہ گئی ہے. اور سلطنت میں دم خم کچھ باقی نہیں ہے آپ فوراً آیئے اور اس سلطنت کو زیر زبر کر ڈالئے نادر پھر بھی

پس و پیش کرتا تھا لیکن جب اس نے ہر طرح کی قسمیں تحریر کیں. اور نادر کو یقین دلا دیا تو اس نے ایک دو قاصد بھیجنے کے بعد اِدھر کا رخ کیا یہاں کی حالت حقیقت میں بہت ہی خطرناک ہوگئی تھی. فوج بھوکی مر رہی تھی اور اسکو سالہا سال سے تنخواہ نہ ملی تھی. اسی طرح سلطنت کے اور صیغوں کی بھی یہی کیفیت تھی. ایسی کمزور حالت میں جب نادر دہلی کے قرب و جوار میں پہنچا ہے تو سعادت علی یہودی آ موجود ہوا اور ساری کیفیت جو کچھ تھی سب نادر کو زبانی سمجھا دی. اگر چہ محمد شاہ کی بے پروائی اور عیاشی سے فوجی قوت کا بھرکس نکل چکا تھا. پھر بھی چند جان نثار موجود تھے جنہوں نے ایک زبردست مقابلہ نادر سے کیا. ایک ہی لڑائی میں نادر کے چھکے چھوٹ گئے. اور وہ سمجھ گیا کہ اس شخص نے مجھے دھوکا دیا. نادر غصہ ہو کے کہنے لگا کہ اب بتائیں میں کیا کروں آگے دہلی کی دیواروں کے نیچے تو اس سے بھی سخت مقابلہ ہوگا مجھے ابھی سے بھاگ جانا چاہیے ایسا نہ ہو کہ میرے واپس جانے کا راستہ کاٹ دیا جائے. اور پھر میں یہیں مرکھپ کے رہ جاؤں. سعادت علی خاں نے اسے تسکین دی کہ اگر آگے خفیف سا بھی مقابلہ ہو تو مجھے توپ سے باندھ کے اڑا دیں جو بس مغلیہ یا تیموریہ قوت کا خاتمہ ہوگیا اب شہر تیرے لئے کھول دیا جائے گا. محمد شاہ نے خاص اپنے امراء کی ایک سفارت نادر کو کنجیاں دے کر روانہ کیں وہ لوگ گئے اور سب عہد پیان ہوگئے. سعادعت علی نے دیکھا کہ شہر تو بچ گیا. یہ بات کچھ نہ ہوئی جب تک دہلی میں خون کے دریا نہ بہیں چین سے نہ بیٹھنا چاہیے. یہ سوچکے سعادت علی نے چند شیاطین کو شہر میں بھیج کے یہ خبر مشہور کر دای کہ یکا یک نادر کا انتقال ہوگیا. بازاری شودے اور لقندرے اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے نادر کے چند آدمیوں پر جو بطور سیر دہلی میں آئے تھے حملہ کر کے قتل کر دیا پھر کیا تھا شہر سے نادر کے لشکر گاہ تک ایک آگ لگ گئی. اور نادر جیسے غصیلے بادشاہ کو سخت جوش آیا. اور وہ ہاتھی پر سوار ہو کے لاہوری دروازہ میں داخل ہوا اور بآواز بلند للکارا، نادر مرا نہیں ہے زندہ ہے. اسی وقت کسی بے وقوف نے کسی برآمدہ سے غلاظت کی ہنڈیا نادر پر پھینک دی اس سے نادر کے غصہ میں اور بھی اشتعال پیدا ہوا اور اس ہنڈیا نے آگ پر تیل کا کام دیا. یہ کام بھی یقیناً کسی یہودی کا ہوگا. اگر چہ وقائع نویس نے اسکی تصریح کچھ نہیں

کی ہے. تو بھی دل گواہی دیتا ہے کہ ہونہ ہو ہانڈی پھیکنے والا یہودی ہوگا. خیر اسکے بعد نادر کے تن بدن میں مرچیں لگ گئیں اور وہ لال پیلا ہو کے سنہری مسجد میں جو کوتوالی کے قریب ہے ننگی تلوار ہاتھ میں لے کر آ بیٹھا۔ اور قتل عام کا حکم دے دیا۔ دہلی کے بازاروں میں خون بہہ رہا تھا اور محض سعادت علی کی وجہ سے ہزاروں بے گناہ بے رحمی سے قتل کر ڈالے گئے۔ کیا کیا آفت شہر پر نہیں گزری اور کیا ستم اہل شہر پر نہیں توڑے گئے، تختِ طاؤس کے علاوہ نادر کروڑ ہا روپیہ نقد اور کروڑوں روپے کا زر و جواہر لے کے چلتا بنا اور سعادت علی مونچھوں پر تاؤ دیتا ہوا لکھنؤ چلا گیا. یہ ہے خونی سرگزشت اس گروہ کی جسکے سننے سے کلیجہ منہ کو آتا ہے اور بدن کانپنے لگتا ہے. یہ گروہ تو فرقہ نہلسٹ سے زیادہ خطرناک اور بدکردار ہے آخر الذکر صرف شاہوں کی جان کا دشمن ہے. رعایا کو تو نہیں ستاتا اور کسی غیر بادشاہ کو تو ملک پر چڑھا نہیں لے آتا.

کیا خدا کی شان ہے کہ 1707ء میں اورنگ زیب کا انتقال ہوا. اُس وقت عروج سلطنت اپنے انتہائی حالت پر پہنچا ہوا تھا. تمام دکن بنگالہ حتی کہ تبت بھی زیر نگین ہو چکا تھا. اسکے علاوہ کل افغانستان تابع فرمان تھا اور ادھر اُدھر کوئی کھٹکا نہ کسی دشمن کا تھا اور نہ کسی غنیم کا مرہٹوں اور سکھوں کے خروج کو مورخوں نے رنگ آمیزی اور مبالغہ سے بیان کیا ہے. ورنہ یہ عالمگیر کے سامنے ایک بے حقیقت سا معاملہ تھا اور اگر اورنگ زیب ہی جیسا عالی مدبر اور صائب تدبیر جانشین ہوتا تو محض ناممکن تھا کہ سکھ یا مرہٹے زور باندھتے اور تمام ہندوستان کو برباد کر دیتے. بہر حال عالمگیر نے اپنی وفات کے وقت اس کل براعظم کو ایک ہی نگین کے ماتحت چھوڑا مگر کتنے زاری اور رونے کا مقام ہے کہ محض اس یہودی گروہ کی کارستانی سے بائیس برس کے عرصہ میں سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور جس طرح کسی زلزلہ کے صدمہ سے ایک عالیشان عمارت چرچرا کے اور اڑ، اڑا کر کے یکا یک آ پڑتی ہے اسی طرح مغلیہ سلطنت کی عمارت گر پڑی اور پھر کوئی نئی عمارت تعمیر کرنے والا نہ ہوا.

دنیا میں کہیں بھی اتنی جلدی بربادی کی نظیر نہیں ملتی. غور سے دیکھنے کے بعد مغلیہ سلطنت کی ترقی اور تنزل کی تاریخ بالکل ایک طلسم معلوم ہوگی. جس طلسم کو کسی زمانہ کی آنکھ نے نہیں دیکھا.

بنوامیہ کی شامی سلطنت بھی اگرچہ جلدی سے برباد ہوگئی مگر اسے بھی اسی برس کا عرصہ لگا. بنوعباس تو صدہا سال تک حکومت کرتے رہے اور سلطنت اندلس قریب آٹھ سو سال کے رہی. اس طرح وسط ایشیاء کی حکومتیں خاصی مدت تک قائم رہیں. اگرچہ اس یہودی گروہ کی سازباز ہر ملک میں جاری رہی مگر اور ممالک کے لوگوں پر اس کا افسوں جلدی سے نہیں چل گیا. برخلاف مغلوں کے کہ یہ بھولی قوم بہت جلد ان کے ہتھے چڑھ گئی اور اپنا نام ونشان صفحۂ ہستی سے مٹا دیا.

نادر کے حملہ سے وسطی حکومت کا تو جب ہی خاتمہ ہوگیا مگر اور اطراف میں بھی خیر سلا نہ رہی جنوب کی طرف سے مرہٹے ٹوٹ آئے تھے اور انہوں نے غول بیابانی کی طرح دہلی کو گھیر لیا تھا. اور کھاؤں کھاؤں کر کے لپٹ گئے تھے. مغرب کی طرف سے افغانی بلائے بے درماں کی طرح نکل کھڑے ہوئے تھے. مرہٹوں نے وہ زور باندھا کہ قریب قریب کل ہندوستان پر ان کی ہی حکومت کا رنگ معلوم ہونے لگا اگر احمد شاہ دُرانی کی صورت میں ۱۷۶۱ء میں ان پر خدا کا غضب نازل نہ ہوتا تو یقیناً کل براعظم پر مرہٹوں کے سامنے کسی کو بھی حکومت کرنے کا یارا نہ ملتا. احمد شاہ نے پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کی مشتملہ قوت کو ایسی بے عزتی کی شکست دی کہ مرہٹی حکومت اور طاقت کے انجر پنجر سب ڈھیلے ہوگئے اور اخیر یہی حکومت آجکل چند چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی صورت میں دکھائی دیتی ہے مسلمانوں کی تو کچھ تقدیر ہی لوٹی ہوئی تھی. اگر احمد شاہ ایک جدید سلطنت کی بنیاد یہاں قائم کرنا چاہتا تو اس وقت اسکے لئے ہندوستان کا سارا میدان کھلا ہوا تھا مگر سلطنت قائم کرنے کا اُسے مطلق خیال نہ ہوا اور اُس نے یہی کافی سمجھا کہ ہندوستان کی اس بہادر قوم کو زیروزبر کر کے واپس چلا جائے.

احمد شاہ کے جانے کے بعد پھر مرہٹوں نے اپنی قوت کو اکٹھا کیا اور وہ اخیر مستقل طور پر دہلی کے مالک بن گئے. شاہ عالم ان کا دست نگر بنا رہا اور مہادیو جی سندھیا نے جو کچھ شاہ عالم کی تنخواہ مقرر کر رکھی تھی. اسی پر اس مغل بادشاہ کی گزر ہوتی تھی. انگریز اگرچہ اس عرصہ بنگال میں موجود تھے لیکن ان میں اتنی قوت نہ تھی کہ وہ باہر نکلتے اور مرہٹوں وغیرہ سے ہمسر ہو کے انہیں شکست دیتے.

اخیر انگریزی قوت آہستہ آہستہ بڑھتی گئی اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ شاہ عالم کا جانشین اکبر شاہ ثانی بجائے مرہٹوں کے انگریزوں کے پنشن خوار بن گیا.

سلطنت کی بالکل یہ بربادی قتل وغارت وغیرہ کی دہشت ناک اور عبرت انگیز کہانیاں تو آپ سن چکے کہ اس یہودی گروہ نے کیا کیا ستم برپا کئے اب سنیے دوسری کارروائی کہ آپ دنگ رہ جائیں اور پریشان ہو جائیں کہ یہ کیا غضب ہوا. اور اس گروہ نے کس قدر دشمنی اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ برتی. اُدھر تو سعادت علی سلطنت مغلیہ کی بیخ کنی کی تدبیریں کر رہا تھا. اُدھر دہلی ہی میں اسکے آدمی مرتضٰی خان اور مرید خان (تحفہ مطبوعہ "نولکشور پریس" لکھنؤ ص۶۹) کتب صحاح ستہ، مشکوٰۃ اور بعض تفسیروں کو برباد کرنے کی فکر میں لگے ہوئے تھے انہوں نے ہزاروں لاکھوں روپے خرچ کر کے ان کتابوں کے قلمی خوشخط نسخے خوشنویسوں سے لکھوائے اور بہت سی روایتوں کو اپنے مطلب کے مطابق الٹ پلٹ دیا اور بہت سی روایتیں اپنی کتابوں میں سے لیکے ان میں داخل کر دیں. اور ان کتابوں کو خوب آراستہ و پیراستہ کر کے نہایت سستی قیمت میں فروخت کرنا شروع کیا. اگرچہ یہ چالاکی بہت بڑی کی گئی لیکن اللہ کا شکر ہے کہ چل نہ سکی کیونکہ صحاح ستہ وغیرہ کے صدہا نسخے پہلے سے موجود تھے علمائے عصر نے جب ان نسخوں سے مقابلہ کیا تو سمجھ گئے کہ ان کا مذہب برباد کرنے کیلئے یہ چالاکی کی گئی ہے. انہوں نے اس کارروائی کو آگے نہ چلنے دیا اور مرتضے خاں کے وہ ترتیب دیئے ہوئے نسخے بیکار ہو گئے. اپنی طرف سے تو انہوں نے اسلام کے برباد کرنے کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا مگر خدا اپنے دین کا محافظ تھا کچھ پیش نہ گئی اور مرتضے خاں اور اسکا ساتھی اپنا سا منہ لے کے رہ گئے.

کیا یہ بات کم تھی کیا یہ حملہ اسلام پر نادر کے حملہ سے زیادہ سخت نہ تھا خدا پناہ میں رکھے اگر ان غلط اور محرف کتابوں کی اشاعت ہو جاتی تو اسلام کہاں رہتا اور دین خدا ڈھونڈنے سے بھی نہ ملتا. اور پھر اس گروہ کے آگے اہل حق کو جھکنا پڑتا اور رہی سہی اسلام کو پونجی سب غارت ہو جاتی جل جلالہ عم نوالہ کہ تو نے یہ ... یں کے اس کید سے مسلمانوں کو بچا دیا. اور انہیں راہ مستقیم سے ہٹنے نہ دیا.

الحمد اللہ کہ یہ مشہور کتابیں تو ان کی دست برد سے بالکل بچ گئیں ہاں بعض نادر الوجود اور

غیر مشہور کتابوں پر ان کا داؤ چل گیا جسکا ذکر اپنی جگہ پر آگے کیا جائے گا. اب یہ بات دیکھنے کی ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا داؤ چل گیا جسکا ذکر اپنی جگہ پر آگے کیا جائے گا. اب یہ بات دیکھنے کی ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے عقائد کی کیا کیفیت رہی نہایت افسوس سے اسکا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ان کے عقائد کے خراب کرنے میں یہودیوں کو بڑی کامیابی ہوئی عام طور پر یہودیت کا رنگ سب پر کم و بیش چڑھ گیا. اور حسینؓ پرستی کے غلو نے رہی سہی اسلام کی پونجی یعنی توحید کو بڑا صدمہ پہنچایا. اس گروہ نے نہایت چالاکی سے مسلمان بن بن کے جاہل مسلمانوں میں اپنی کتابوں کی روایتوں کو ایسا جاری کیا کہ بعض جاہل واعظ اپنے وعظوں میں وہی روایتیں بیان کرنے لگے. اس سے جہلا کو اور بھی دھوکا ہوا اور وہ یہودیت میں یہودیوں کی ہمسری کا دعویٰ کرنے لگے مجلسیں ان کے ہاں ہونے لگیں مرثیہ خوانی جس میں سوائے تبرّے بازی کے کچھ نہیں رکھا ہے مسلمانوں کے ہاں بہت دھوم سے جاری ہوگئی. تعزیئے یہ بنانے لگے. اور عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ ہزار ہا جاہل عورتیں محض برکتیں حاصل کرنے کے لئے تعزیوں کے ڈھانچوں کے نیچے اپنے بچوں کو لیکے نکلنے لگیں. شربت پلائے جانے لگے اور اس کھانڈ کے شیرے کو ایسا متبرک سمجھا گیا کہ مریض اپنے ازالہ مرض کے لئے بے غل وغش چڑھانے لگے. اگرچہ بہت سی جانیں اس شربت پینے کی نذر ہوگئیں مگر کون پوچھتا ہے فاسد عقیدہ نے جہلا کو اندھا کر رکھا ہے. قاسم بن حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مہندی ساتویں محرم کو مسلمان نکالنے لگے. اور اس پر اپنی جان فدا کرنے کے لئے آمادہ ہوگئے. لڑائیاں ہوئیں. سر پھٹول ہوئی قیدیں بھگتنی پڑیں اور ہزاروں روپے برباد ہوئے مگر اس عقیدے میں مطلق ضعف نہیں آیا. یہ تعجب سے سنا جائے گا. کہ محرم میں جتنے تعزیے مسلمان نکالتے ہیں. شاید اسکے نصف بھی یہودی نہ نکالتے ہوں. جاہلوں میں یہ بات یہودیوں نے مشہور کردی کہ حضرت شاہ عبدالعزیز نے تعزیہ داری کو اسلام کی شوکت کہہ کے جائز کر دیا اور فلاں عالم اور خدا رسیدہ شخص نے بچوں کے تعزیہ کے ساتھ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جاتے ہوئے دیکھا تھا. اور فلاں شخص بے ادبی کرنے سے کوڑھی اور مجذوم ہوگیا. اور فلاں گھرانہ علموں کے ٹھنڈا ہونے سے بالکل بے

چراغ ہوگیا. اوراس پر یہ بیتی اوراس پر یہ گزری یہی کہانیاں جہلا میں دین وایمان سمجھی جاتی ہیں اور عام طور پر انکا عقیدہ ہے. اگر کوئی شخص اس کے متعلق کچھ چون وچرا کرے تو اسے زندیق کافر مایا نیچری کہنے لگتے ہیں. اور جہلا سے اسے جان بچانی مشکل پڑجاتی ہے.

ہندوستان کے بڑے سے بڑے شہراور چھوٹے سے چھوٹے قصبہ میں محرّم کے دنوں میں پھریئے تو آپ کو اسلام کا دردانگیز نظارہ معلوم ہو. اور آپ کیسے ہی سنگ دل ہونگے. پھر بھی آپکی آنکھوں میں امت مرحومہ کی یہ زبوں تریں حالت دیکھ کے آنسو بھر آئیں گے. دنیا بھر کی بدعات کا خاتمہ ہوتا ہوا معلوم ہوگا قرآن کریم کی اصلی تعلیم نسیاً منیسا دکھائی دے گی. فسق وفجور کی انتہاء اور بدکاری کی ایک ڈراؤنی صورت نظر آئے گی. کہیں دیکھنے والا دیکھے گا کہ لوگ بانس کے ڈہانچہ کے سامنے سجدہ کر رہے ہیں. کہیں معصوم بچے ستے اور فقیر امام حسینؓ کے نام پر بنے ہوئے اسلام کا ایک خونی منظر پیش کرینگے کہیں یا حسین کے ساتھ سینہ کوبی ہوتی ہوئی دکھائی دے گی. امام باڑوں کی حالت رومتہ الکبریٰ کے گرجوں کی سی معلوم ہوگی. نیاز نذر چڑھانا، منتیں ماننا، تعزیہ کی کھپچیوں میں کلاوا باندھنا، تعزیئے کے بانسوں میں عرضیاں لٹکانہ یہ ساری باتیں اسے دکھائی دیں گی اور اگر اسکا گزر مرثیوں کی مجالس کی طرف ہوگیا تو اسے یہ دیکھ کے اور بھی صدمہ ہوگا کہ وہ لوگ جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں کس شوق سے صحابہ اور اماموں کی گالیاں سے لطف اٹھا رہے ہیں اور خوشی کے مارے جھوم رہے ہیں. یہ وہ مجلسیں ہیں. جہاں خدا کا نام لینا اور قرآن کریم پڑھا جانا اور اسکے اوامر ونواہی بیان کرنا گناہ کبیرہ خیال کرلیا گیا ہے. ان مجالس کا زور ہر شہر میں اس قدر ہوتا ہے کہ شاید ہی کوئی محلہ اس سے خالی ہوتا ہو.

اب آپ کو یہ معلوم ہوگیا کہ یہودی گروہ کو خیال سے زیادہ اپنے مذہب کے پھیلانے میں کامیابی ہوئی کہ کوئی مسلمان جو اپنے کو مسلمان کہتا ہے آدھا یہودی ہے اور یہودیت کے رنگ سے تو شاید ہی کوئی بچا ہوا ہو. عوام کے علاوہ سب سے زیادہ اس رنگ میں ہمارے صوفی رنگے ہوئے ہیں جنکی مجالس میں سوائے حضرت علی کے فرضی فضائل کے بیان اوران ولایت کے اور کچھ

ہوتا ہی نہیں. ان لوگوں کا خیال ہے کہ ولایت یا کرامت کا سرچشمہ حضرت علی ہیں خدا کی معرفت کا دروازہ خلقت کے مونہہ پر حضرت علیؓ ہی نے کھولا ہے. یہ لوگ اگرچہ صریح طور پر اور صاف الفاظ میں حضرت علیؓ کو حضرت صدیق پر فضیلت نہیں دیتے مگر معناً ان کی فضیلت کے قائل ہیں. اور حضرت صدیقؓ یا فاروقؓ کا بہت کم ذکر اُن کی مجلسوں میں آتا ہے. حضرت علی کے سچے فضائل کے تو ہم بھی معترف ہیں لیکن ہزاروں کہانیاں جو حضرت علی سے نسبت دے دی گئیں ہیں اور جن کا مصنف ملاؔ باقر مجلسی ہے، ہم تسلیم نہیں کرتے اور اُن اوپری فضائل اور خلاف فطرت باتوں کو ہم چانڈو خانہ کی گپ سے زیادہ وقعت نہیں دیتے.

یہ بالکل صحیح ہے کہ صحابہ راشدین میں ہر صحابی کی روحانی قابلیت اور معرفت کے جانچنے کا ہمارے پاس کوئی ٹھیک پیمانہ نہیں ہے. تو بھی جو مسالہ قرآن کریم اور واقعات تاریخ نے ہمیں دیا ہے اس سے ہم بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں جسکا ذکر ہم آگے کریں گے یہاں تو صرف دکھانا یہ ہے کہ خود مسلمان یہودیوں کی اصول عقائد کی بڑی دھوم سے اشاعت کر رہے ہیں حقیقت میں یہودیت کو اتنا فائدہ خود یہودیوں سے نہیں پہنچ رہا ہے جتنا مسلمانوں سے پہنچ رہا ہے جتنا مسلمانوں سے یہ عقیدہ کہ محرم میں غم حسین پر دو آنسوؤں کا بہا دینا باعث نجات ہے یا کم سے کم نیک اعمال میں داخل ہے. فی ہزار نو سو ننانوے مسلمانوں کا ہے. عوام تو عوام مولوی بھی اپنے وعظوں میں یہ بیان کرتے ہیں. مسلمانوں کی عورتیں سب یہی عقیدہ رکھتی ہیں اور ایسی مستورات تو فی لاکھ ایک بھی نہ ہوگی جو محرم میں نیاز نذر نہ دلوائے. ایک نئی بات اور بھی غور کرنے کے قابل ہے کہ جس گروہ نے یہ بدعات اسلام خراب کرنے اور مسلمانوں کو برباد کرنے کے لئے ایجاد کیں. اور ابھی تک اُس کا سلسلہ جاری ہے وہ ظاہر تو ہر قسم کے سوانگ بھرتا ہے لیکن باطنی طور پر ان تمام باتوں سے متاثر نہیں ہے. جس شخص نے لکھنو کی مجلسیں، رونا، پیٹنا، تعزیئے داری اور آصف الدولہ کے امام باڑے کو دیکھا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ محض دوسرے کے پھنسانے کے لیے یہ جال بنایا ہے باقی ان لوگوں کو اس سے کچھ سروکار نہیں.

سینکڑوں خاندان مرثیہ گویوں کے ہیں جن کی معاش اسی پر ہے کہ بغل میں مرثیوں کی

کتاب دبائی اور ادھر اُدھر پڑھتے پھرے اور ہر جگہ سے اپنے ٹکے سیدھے کر لئے. جو لوگ نامی گرامی دبیر انیس وغیرہ کے خاندان میں ہیں. وہ حیدر آباد تک جاتے ہیں اور ہزاروں روپیہ مار لاتے ہیں. گویا وہ خون حسین سے پرورش پا رہے ہیں. اگر انکا قیاس تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت امام حسین شہید ہو گئے. تو ان حضرات کو سب سے زیادہ احسان مند، یزید عبید اللہ بن زیاد، شمر اور عمر بن سعد کا ہونا چاہیے کہ انکے صدقہ میں آج وہ روٹیاں کھا رہے ہیں. اگر احسان ماننے کی کچھ بھی عادت ہے تو اے یہودیو! تم شمر وغیرہ کو سجدے کرو کیونکہ وہ تمہارے رزاق برحق ہیں. ایک مقولہ تو یہ ہے جسکی کھایئے اسکی گایئے. لیکن تم ایسا نہیں کرتے تم ادھر تو شمر کے صدقہ میں روٹیاں کھاتے ہو اور تو ند پھیلائے پھرتے ہو اور ادھر اسے گالیاں دیتے ہو. مرثیوں پر رونے کے لئے بیسیوں آدمی ملازم رکھے جاتے ہیں. اور مرثیوں پر واہ واہ کرنے کے لئے خاص تنخواہ دار نوکر ہوتے ہیں. جو مرثیہ خواں کے بہت قریب حلقہ باندھ کے بیٹھتے ہیں. ان کا کام صرف واہ واہ کرنا ہوتا ہے اور ان ہی کے دم کی رونق سمجھی جاتی ہے. اُدھر مرثیہ خواں نے ایک لفظ منہ سے نکالا اور انہوں نے اے سبحان اللہ کہہ کے ایک تہلکہ مچا دیا بعض اوقات سوائے ان کی بے ہنگام آوازوں کے یہی نہیں سنائی دیتا کہ مرثیہ خواں کیا پڑھ رہا ہے اسکے بعد پھر رونے والا گروہ اپنا تان سر درست کرتا ہے اور ایسی آواز بنا کے چیختا ہے کہ سننے والا تو یہ سمجھے کہ اب اسکا کلیجہ پھٹ جائے گا اور اسکے دل پر بڑی چوٹ لگی ہے مگر جب وہ اپنا ایک ڈراؤنا راگ ختم کر چکتا ہے. اور منہ کھولتا ہے تو آنکھ میں نمی تک نہیں ہوتی خوب ہنس ہنس کر باتیں کرنے لگتا ہے اور اسکی صورت سے مطلق یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اسے خفیف سا صدمہ ہوا ہے یہی کیفیت کل رونے والوں کی ہوتی ہے اور اسکا تجربہ ہر شخص کر سکتا ہے ان رونے والوں کی بھی قسمیں ہیں جنہیں زیادہ بدہیت آوازیں نکالنی آتی ہیں اور انہیں کامل مشق ہے وہ سو دو سو روپیہ گھنٹہ دو گھنٹہ کا لے لیتے ہیں مگر جو ادنےٰ درجہ کے یا نئے سیکھے ہوتے ہیں وہ فی مجلس دس روپے روز سے زیادہ نہیں پاتے حضرت عباس علمدار کی درگاہ اور ساتھ ہی حاضری کی روٹی پیاز اور مولی کی دوکان بھی قابل دید ہے. جو آصف الدولہ کے امام باڑے کا ایک جزو ہے. وہاں لوگ جاتے ہیں. دکان درگاہ کے

باہر لگی ہوئی ہوتی ہے سو دو سو روپے کی حاضری خریدی اور اندر درگاہ میں جا کے چڑھا آئے جب حاضری کی روٹیاں وغیرہ بہت سی اکٹھی ہو گئیں تو مجاور ایک کپڑے میں باندھ کے اور زائرین کی آنکھ بچا کے کان پر رکھ جاتا ہے. غرض دس دفعہ وہ روٹیاں حاضری کی فروخت ہوتی ہیں. اور دس دفعہ دکان پر لا کے رکھدی جاتی ہیں اور یوں دھوکا دے کے یا حسین یا حسین کہنے والے لوگوں کو لوٹتے ہیں. میں اس شرمناک حرکات کا بیان کر کے اپنی کتاب کو غلیظ نہیں کرتا جو تعزیوں کی آڑ میں ہوتی ہیں اور کئی بار ایسے شرمناک واقعات کا اظہار پبلک کے آگے ہو چکا ہے کہ کس طرح یہی لوگ جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں. قبیح افعال کے خاص تعزیئے اور ضریح کے سامنے مرتکب ہوتے ہیں اور کتنے وعدے خاص اسی رات کو پورے کئے جاتے ہیں. جسکو یہ لوگ شہادت کی رات کہتے ہیں.

ایمان کی بات تو یہ ہے کہ یا حسین یا حسین کہہ کے لوگوں کو دھوکا دیا جاتا ہے. لیکن دل میں اسکا کچھ اثر نہیں ہوتا ان یہود کے افعال خود اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ یہ لوگ حضرت امام حسینؓ کے انتہاء درجہ دشمن ہیں اور جہاں تک ان سے ہوسکتا ہے ان کی تذلیل اور توہین کا کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھتے. اُس کے بعد اِس سے بھی زیادہ دردناک نظارہ ان کسبیوں یا بازاری عورتوں کا ہے جو غم حسینؓ میں سبز کپڑے پہن لیتی ہیں. اپنی چوڑیاں توڑ ڈالتی ہیں. اور اپنے ہاں عزاداری کی مجلسیں کر کے سوزخوانی کرتیں اور نیاز حسین میں حلوے تیار کرتی ہیں ہزاروں یہودیوں کا وہاں مجمع ہوتا ہے. ان کی حرام کی کمائی کا حصہ بانٹنے کے لئے مومنین دوڑ پڑتے ہیں اور ان کے ہاں جا کے خوب تر حلوے اڑاتے ہیں. جب وہ اپنی مجلسوں میں مرثیہ خوانی کے لئے بڑے بڑے کتاب خوانوں اور مجتہدوں کو بلاتی ہیں تو وہ سر کے پاؤں بنا کے حاضر ہوتے ہیں اور اپنی مومنیت کی پوری داد دے کے ان کی حرام کی کمائی میں سے اپنی اُجرت لیکے محب اہل بیت کا لقب حاصل کر کے چلتے بنتے ہیں. انصاف اور ایمان سے اس حالت پر نظر کیجئے اور دیکھئے کہ یہودی گروہ کیا کر رہا ہے اور عام طور پر حضور انور رسول اللہ ﷺ کے عالی خاندان کو کس طرح بے عزت کر رہا ہے یہ بات بھی آپ تعجب سے سنیں گے کہ ہندوستان میں جتنی بازاری عورتیں ہیں سب اپنے آپ کو مومنین گنتی

ہیں. جتنے ہیجڑے زنانے ہیں ان کی بھی یہی کیفیت ہے. ادھر یہودیوں کا یہ گروہ عام مسلمانوں کو برباد کررہا ہے اور ادھر یہ غول بیابانی مسلمانوں کے ایمان کی بچی کچی پونجی لوٹے لیتا ہے.

یہ لوگ بظاہر اپنے پاک ہونے کا بہت بڑا ثبوت یہ دیتے ہیں کہ ہم ہندوؤں کے ہاتھ کا نہیں کھاتے اگرچہ یہ بات بھی غلط ہے تو بھی اسے صحیح تسلیم کرکے اندرونی حالت کو دیکھا جائے تو غلاظت کی حد ہوگئی ہے. ایک حوض اکثر یہودیوں کے گھروں میں بنا ہوا ہوتا ہے. اس حوض میں تمام دنیا کی چیزیں پاک کی جاتی ہیں. اس حوض کا پانی سڑ جانے پر بھی نہیں بدلا جاتا. قلعی کی دیگچیاں، گوشت، ترکاری، پھل اور پان غرض ہر قسم کی چیز جو بازار سے آتی ہے. پہلے پاک کرنے کے لئے اس حوض میں ڈبوئی جاتی ہے پھر اسکا استعمال آزادی سے کرلیا جاتا ہے. ایسے حوضوں میں اکثر کیڑے دیکھے گئے ہیں مگر یہ گروہ اس پر بھی اپنی صفائی اور پاکی کا دعویٰ کئے جاتا ہے. اسکے علاوہ اور بھی بہت سی غلیظ باتیں ہیں. لیکن جبکہ ان میں فحش بھرا ہوا ہے اسلئے ہم ان کا ذکر نہیں کرتے.

بچوں کو ابتدا سے بداخلاقی اور دشنام دہی کی تعلیم دی جاتی ہے. جس بداخلاقی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب تک بچہ ناسمجھ رہتا ہے اس کے چہرہ پر نرماہٹ اور بھول پن رہتا ہے مگر جوں جوں بڑا ہوتا ہے اسکے چہرہ پر کرختگی آتی جاتی ہے۔ اور ہوتے ہوتے وہ خوب تبرا کہنے لگتا ہے تو اُس کا چہرہ مسخ ہوجاتا ہے. آپ صدہا آدمیوں میں ایک یہودی کو پہچان لیں گے. کوئی یہودی ایسا نہیں دیکھا گیا جس کا چہرہ مسخ نہ ہوگیا ہو. یہودیوں کے ہاں قاعدہ ہے کہ بچہ جب برس دو برس کا ہوتا ہے تو اسکے لئے کوئی جانور مثل بکری یا بھیڑ کے پالتے ہیں بچہ کو اس سے محبت ہوجاتی ہے جب سال ڈیڑھ سال میں بچہ خوب ہل جاتا تو اس جانور کو علیحدہ کردیتے ہیں. بچہ بلک بلک کے روتا ہے اور اپنے پلے ہوئے جانور کو یاد کرتا ہے اس وقت اس سے یہ کہا جاتا ہے کہ ابوبکرؓ یا عمرؓ اس جانور کو لے گئے. پس وہ بچہ گالیاں دینے لگتا ہے اور اس طرح اسے گالیوں کی عادت پڑ جاتی ہے. جس قوم کے بچوں کو ابتدا سے اس بدتہذیبی کی تعلیم دی جاتی ہے اور جنکی پرورش اس انتہائی بداخلاقی میں ہوتی ہے اس قوم سے جس قدر برائی پھیلے وہ کم ہے اور یہ ان لوگوں کا روزمرہ ہے. اب انکی حمیت کی کہانی بھی سننے کے

قابل ہے۔ محرم میں ایک یہودی کو معقول اجرت پر یزید بنایا جاتا ہے اور وہ یہودی جبکہ یزید کے نام پر ہزاروں تبرے کرتا ہے. اور اسے بہت بڑا دشمن اہل بیت کا سمجھتا ہے. مگر تھوڑے سے لالچ میں آ کر خود یزید بن جانا گوارا ہوتا ہے پھر وہ ایک فرضی حسین کو قتل کرتا ہے. چند لڑکیوں کو جن کا نام زینب اور کلثوم رکھا جاتا ہے. یہ یزید یہودی ان کے کلوں پر تھپڑ مارتا ہے ان کے کانوں کی بالیں اور بندے نوچتا ہے. سیدنا حضرت امام حسین کو گالیاں دیتا ہے. کل یہودی نہایت ذوق شوق سے اسکی گالیاں سنتے اور خوش ہوتے ہیں. یہ ہے محبت اہل بیت اور یہ ہے سیدنا حضرت امام حسین کا ادب.

افسوس ہے ان مسلمانوں پر جو یہودیوں کی ایسی مجلسوں میں شریک ہوتے ہیں اور وہاں سے حلوہ روٹی کا تبرک بڑے شوق سے لاتے ہیں. اپنی آنکھوں سے حضور انور کے لاڈلے نواسہ کی توہین اور تذلیل دیکھتے ہیں. اور ذرا بھی انہیں درد نہیں آتا نہ شرم آتی ہے.

ادھر تو حضرت امام حسین اور آپ کے بچوں کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہیں اور اُدھر حضرت ام المومنین اور حضور انور کے بزرگ صحابہ کے ساتھ جو کچھ کرتے ہیں ہر سنجیدہ طبیعت اور مہذب شخص خواہ وہ کسی مذہب کا ہو، انہیں اوّل درجہ کا گمراہ اور وحشی سمجھے گا. مثلاً ام المومنین حضرت سیدہ عائشہؓ صدیقہ سے اس طرح انتقام لیتے ہیں کہ ایک بھیڑ پالتے ہیں اور اسکے بالوں کو سرخ رنگ سے رنگ لیتے ہیں کیونکہ حضرت ام المومنین کا لقب حمیراء تھا.

اس بھیڑ کو عائشہ کہہ کے پکارتے ہیں اس بے زبان جانور کو سخت ایذائیں دیتے ہیں. پیٹ بھر کے کھانے کو نہیں دیتے کبھی اسے پیاسا مارتے ہیں کبھی اسکے بال نوچتے ہیں. یہاں تک کہ وہ غریب بھیڑ تکلیفیں اٹھا اٹھا کر مر جاتی ہے. پھر یہ لوگ اسکی تکا بوٹی کر کے کووں چیلوں کو کھلا دیتے ہیں بعض اوقات جو بہت غصہ آیا تو دانتوں سے بوٹیاں نوچ نوچ کے خود بھی کھا جاتے ہیں. اب اس حماقت کو دیکھو کہ اس بے زبان کو آزار دینے سے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم حضرت ام المومنین سے انتقام لے رہے ہیں اور انہیں تکلیف دے رہے ہیں.

حضرت فاروق اعظمؓ سے یوں انتقام لیتے ہیں کہ ایک چھوٹے سے مشکیزہ میں گھی بھر کے

اسے ایک درخت میں لٹکا دیتے ہیں. پھر چھری لیکے دور ہٹ جاتے ہیں اور نہایت غصہ میں پینترے بدلتے ہوئے اسکی طرف دوڑتے اور حضرت فاروق کو گالیاں دے کے اس مشکیچہ میں چھری مارتے ہیں اور جب گھی بہنے لگتا تو منہ لگا کے پی جاتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے عمرؓ کا خون پیا.

مجھے ان یہودیوں سے ذاتی واقفیت ہے ان کی حرکات ایسی نہیں ہیں کہ انہیں نظر انداز کر دیا جائے. مثلاً ایک لڑکا لکھنؤ میں میرے پاس پڑھنے آیا کرتا تھا اس نے قسمیں کھا کے مجھے یقین دلایا تھا کہ میں مسلمان ہوں اگرچہ میرے والدین یہودی ہیں مگر میں ایسی باتوں کی طرف زیادہ توجہ نہیں کرتا نہ اس سے کچھ سروکار رکھتا ہوں میں سنکے خاموش ہو رہا اور دل میں کہا کہ یہ لڑکا مسلمان ہوگا. مگر ایک نئی بات جو دیکھی گئی وہ یہ تھی کہ لڑکا بوٹ کبھی نہیں اتارتا تھا. بعض اوقات فرش پر بیٹھ کے اس نے کھانا کھایا لیکن بوٹ پہنے ہوئے. میرے پاس اکثر احباب تشریف لایا کرتے تھے ان میں سے ایک صاحب کو ان لوگوں کی طرز معاشرت سے خوب واقفیت تھی اس لڑکے کی اس غیر معمولی حرکت پر شبہ ہوا. اس سے کہا گیا کہ بوٹ اُتارا کے بیٹھو اس نے انکار کیا. غرض سخت ردوکد کے بعد بعد بوٹ اُتروایا گیا اس کے اندر بیسیوں پرچیاں نکلیں. جن پر حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم وغیرہ کے نام لکھے ہوئے تھے.

فاضل اجل ابن تیمیہ نے بھی اپنی کتاب ''منہاج السنۃ'' میں اسی قسم کی بہت سی باتیں لکھی ہیں چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں کہ چکی کے دو گدھوں کا نام ابوبکر و عمر رکھتے ہیں. اور ان بے زبان جانوروں کو ایذا پہنچا کے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ابوبکرؓ و عمر کو ایذا دے رہے ہیں کبھی اپنے پاؤں کے تلوں پر ابوبکرؓ و عمرؓ کے نام لکھ لیتے ہیں اور اسے مٹنے نہیں دیتے پیر دھوئے اور پھر لکھ لیا. چنانچہ ایک شخص جس نے اپنے تلوں پر ابوبکرؓ و عمرؓ کے نام لکھے تھے. ایک مسلمان خلیفہ کے دربار میں گرفتار ہو کے آیا. خلیفہ نے حکم دیا اسکے پیروں پر دُرّے لگاؤ. جب دُرّے پڑنے لگے تو وہ شخص تکلیف سے غل مچانے لگا خلیفہ نے کہا تو بڑا احمق ہے. تجھے کون مار رہا ہے جو تو غل مچا رہا ہے. ابوبکر اور عمر پر مار پڑ رہی ہے تم چاہے جتنا شور مچاؤ یہ مار نہیں تھمنے کی یہاں تک کہ وہ نیست و نابود ہو جائیں گے.

پھر ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ بعض یہودی کتے پالتے ہیں اور ان کے نام ابو بکرؓ و عمر رکھتے ہیں بعض اس سے بھی زیادہ غلو کرتے ہیں یعنی اگر کوئی ان کے کتے کو بُکیر کہہ کے پکارے تو اس سے لڑنے لگتے ہیں کہ تم ہمارے کتے کو دوزخیوں کے نام سے کیوں پکارتے ہو.

ان نادانوں نے ابولولوہ قاتل فاروق اعظم کا نام ولقب بابا شجاع رکھا ہے اور اسکی مثل علیؓ کی تعظیم کرتے ہیں حالانکہ ابولولو مجوسی تھا اس میں ایک شخص کو بھی اختلاف نہیں ہے. مگر چونکہ اس نے فاروق اعظم کو چھری ماری تھی. اسلئے یہ لوگ اس مجوسی کو اپنا پیشوا جانتے ہیں.۔جس مکان کو چاہتے ہیں مشہد بنا لیتے ہیں اور مشہور کر دیتے ہیں کہ اہل بیت میں سے کوئی امام یہاں مدفون ہے حالانکہ ایسا کئی بار ہو چکا ہے کہ وہ قبر ایک کافر کی نکلی۔ .کربلا میں آج کل یہ دستور ہے کہ جب کوئی نادار یہودی مر جاتا ہے تو اسے حضرت امام حسین کے فرضی مقبرہ میں لا کے رکھ دیتے ہیں. اسکی چھاتی پر ایک پیالہ رکھا جاتا ہے. مردے کے ہاتھ پیر کھلے ہوئے ہوتے ہیں. جو زائر آتے ہیں روپیہ دو روپیہ اس پیالے میں ڈالتے جاتے ہیں جب وہ پیالہ بھر جاتا ہے تو وہ بدنصیب مردہ وہاں سے اٹھایا جاتا ہے. یہودیوں کے پیشواؤں نے یہ طریقہ اپنی معاش کا کر رکھا ہے.

محرم کے دنوں میں حضرت عمر کی تصویر اپنے گھروں میں لٹکاتے ہیں اور اس تصویر یا کاغذ کے پتلے کے گلے میں جوتیوں کا ہار ڈالتے ہیں. اور اس طرح اپنے دلوں کی آگ بجھاتے ہیں. چنانچہ ایک یہودی کا خط اسی دوران میں میرے پاس آیا تھا. جس میں یہ لکھا تھا کہ اب کے محرم میں تیری تصویر یا تیرے نام کا پتلا بھی عمرؓ کے پتلے کے برابر رکھا جائیگا. اور اسے بھی جوتیوں کا ہار پہنایا جائے گا.۔محرم کی خاص تاریخوں میں ان کی عورتیں بال کھولے ہوئے برہنہ سر اور برہنہ پا اپنے گھر میں چکر لگاتی ہیں بعض گلیوں میں بھی نکل آتی اور خوب بھس اڑاتی ہیں اور اس قدر تبرے بازی کرتی ہیں کہ الٰہی توبہ۔ غیر مذہب کے لوگ بھی سن کے کانوں میں انگلیاں دیتے اور ان کی یہ بداخلاقی اور زبوں تریں حالت کو دیکھ نہیں سکتے۔ .لکھنوکی دو روزہ سلطنت میں تو ایسی باتیں بالکل معمولی تھیں وہاں تو دنیا کی برائیاں دست بستہ کھڑی رہتی تھیں. مذہب کی آڑ میں سب کچھ کیا جاتا

تھا کوفہ جس طرح ان لوگوں کا پائے تخت تھا جو اپنے کو شیعان علی کہتے تھے اور خاندان نبوت کے جانی دشمن اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاتل تھے اسی طرح لکھنوان کی اولاد کا پایۂ تخت تھا۔ اسی لئے کوفہ اور لکھنؤ کے عدد بھی ایک ہیں یہاں کی پوری حالت لکھدی جائے تو ایک جلد علیحدہ تیار ہو جائے مگر ہم بہت ہی اختصار سے کام لیں گے۔

ہر بادشاہ یا نواب بارہ خوبصورت اور بن بیاہی لڑکیاں ایک علیحدہ محل میں بارہ اماموں کے نام کی اپنی طرف سے وقف کر دیتا تھا ان میں سے ہر دوشیزہ لڑکی ایک امام کی جورو کہلاتی تھی۔ ان سے کوئی شخص شادی نہ کر سکتا تھا بلکہ ان کی تعظیم علاوہ اور لوگوں کے بادشاہ بہت بڑی کرتا تھا۔ چونکہ ہر نواب بارہ اماموں کی جوروں میں قائم کرنے کو اپنی نجات اُخروی اور جناب امیر کی مہربانی کا ذریعہ سمجھتا تھا: اس لئے اسے ضرور ہوتا تھا کہ گدی پر بیٹھ کے پہلے بارہ کنواری لڑکیاں علیحدہ محل میں مقید کرے۔ ان میں سے جب کوئی لڑکی حاملہ ہوتی تھی تو وہ یہ مشہور کرتی تھی کہ میں خواب میں اس امام سے حاملہ ہوئی ہوں پھر اسکی اور بھی آؤ بھگت کی جاتی تھی بچہ پیدا ہوتا تھا اسکے آگے سجدے کئے جاتے اور اسکی پرستش ہوتی تھی۔ یہ تعظیم دیکھ کے لڑکیاں بہت ہی جلد ہی جلد حاملہ ہو جاتی تھیں اور جس قدر بچے پیدا ہوتے تھے وہ بارہ اماموں کے نام سے منسوب کئے جاتے تھے۔ متعہ نے زنا اور حرام کی ایسی ڈھیلی ڈوری کر رکھی تھی۔ جسکا نظیر کہیں نہیں ملتا خیر اس پر تو ہم بحث نہیں کرتے بلکہ یہودیوں کی چند اور حماقتیں دکھانا چاہتے ہیں جو پڑھنے والوں کے لئے بہت ہی دلچسپ ہونگی۔

زمانہ رسالت میں جس طرح جبریل کا حضرت علی کی خدمت کرتے کرتے ناک میں دم آ گیا تھا۔ اسی طرح لکھنؤ کے زمانہ شاہی میں یہودیوں نے حضرت علی کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ آئے دن تو روز جناب امیر کے نئے شگوفے اٹھتے تھے کہ آج جناب امیر یہ کہ گئے اور کل یہ کہہ گئے اور فلاں شخص کے لئے یہ حکم دے گئے اور فلاں کی یہ سفارش کر گئے۔ جہاں کوئی یہودی مرا اور حضرت امیر مع اپنے مصاحبوں کے آموجود ہوئے جب تک مردہ قبر میں نہ پہنچ لیا اور جنت میں داخل نہ ہو گیا جنات امیر نے ذرا بھی جنبش نہ کی۔ اسی طرح روزمرہ چالیس پچاس یہودی لکھنؤ میں مرتے تھے وہ

بھی وقت بے وقت اس پر حضرت علی کو آسمان پر رہنے کی تو مطلق فرصت نہ ملتی ہو گی علاوہ لکھؤ کے اور ہزاروں شہروں میں یہودی مرتے ہیں وہاں بھی جناب امیر کی حاضری ضروری ہوتی ہے کیونکہ یہودیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ہر جنازہ پر جو یہودی کا ہو جناب امیر کا آنا ضروری ہے ان کی حماقت یہاں تک بڑھی ہوئی کہ ایک انگریزی تعلیم یافتہ نوجوان نے ہم سے بیان کیا کہ جب کوئی یہودی مر جاتا ہے تو عذاب وثواب کے دو فرشتے آتے ہیں ایک دوزخ میں لے جانا چاہتا ہے اور ایک جنت میں ان دونوں کی آپس میں بحث ہونے لگتی ہے. اس بحث کو ایک عرصہ گزر جاتا ہے پھر جناب امیر آتے ہیں ثواب کے فرشتے کے ساتھ یہودی کی روح کو کر دیتے ہیں چنانچہ ایک مرتبہ دو ہزار برس تک دونوں فرشتوں میں بحث ہوتی رہی اور آخر غلبہ ثواب کے فرشتہ کو اس بنا پر رہا کہ یہ یہود اپنی بداعمالیوں کے ساتھ غم حسین میں رویا کرتا تھا. میں نے ہنس کے اس نوجوان سے کہا کہ دو ہزار برس تو اسلام کو بھی نہیں ہوئے یہ سن کے وہ شرمندہ ہو کے چپ کا ہو رہا۔ محرم میں جس دھوم کے ساتھ دُلدُل نکلا کرتا تھا وہ نظارہ بھی قابل دید تھا گھوڑے پر سرخ رنگ کی افشاں کی جاتی تھی اس پر تیر لگائے جاتے تھے وہ گھوڑا بڑے تپاک سے امام باڑے میں لایا جاتا تھا گھوڑے کے آتے ہی سب لوگ تعظیم کو کھڑے ہو جاتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ حضرت امام حسین تشریف لائے ہیں. گھوڑے کے آگے سجدے کئے جاتے تھے اور اس جانور کو اپنا معبود سمجھ لیا تھا اگرچہ اب تک یہ رسم باقی ہے لیکن اس میں تغیر بہت ہو گیا ہے. جس شخص نے پہلے لکھنو کا محرم دیکھا ہے. وہ ان سب باتوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ جب کوئی یہودی مر جاتا تھا یا کوئی مسلمان مالدار بننے کے لئے یہودی ہو جاتا تھا تو اسے ہاتھی پر سوار کیا جاتا تھا. خلعت فاخرہ پہنائی جاتی تھی کثرت سے روپیہ دیا جاتا تھا اور پھر دربار شاہی اسکے لئے کھول دیا جاتا تھا مگر یہ عزت اور دولت معمولی یہودی بننے سے میسر نہ ہوتی تھی بلکہ پہلے وہ شخص کئی مہینے سے خواب دیکھا کرتا تھا روزمرہ اپنے خوابوں کو شہر میں مشہور کرتا تھا چنانچہ ایک شخص نے آ کر مجتہد سے بیان کیا کہ میں شب بھر جاگتا ہوں ایک گڈی کے برابر پتلا روشندان سے نکل کر میرے پاس آتا ہے میرے کانوں اور نتھنوں میں سلائیاں کرتا ہے اور کہتا ہے کہ شاہ وقت کا مذہب

قبول کر لے میں پریشان ہو گیا ہوں. کیا کروں مارے خوف کے میری آواز تک بند ہو جاتی ہے میں بستر پر سے اُٹھ کے بھاگ بھی نہیں سکتا. یہ خواب دو تین مہینے تک شہر میں اشاعت پاتا رہا. آخر نواب تک اس کی خبر پہنچی سب حیران ہوئے کہ یہ کیا بات ہے یکا یک یہ حیرانی اور پریشانی دور ہو گئی. جب اس شخص نے یہ بیان کیا کہ آج میں نے اس پتلے کا کہا مان لیا اور میں یہودی بن گیا اس پتلے نے مجھ سے تبرا کہلوایا اور مجھ سے کہا کہ میں امام حسن ابن علی بن ابی طالب ہوں. جناب امیر کی مہربانی مجھ پر ہوئی تھی انہوں نے مجھے تیرے پاس آنے کا حکم کیا تھا کہ میں تیرے کانوں اور تیری ناک میں نکلے بھونک کے تجھے راہ راست پر لاؤں.۔ جونہی اس خبر کی اشاعت ہوئی ہزاروں آدمی اس کی زیارت کے لئے آموجود ہوئے شاہی چوبدار بھی بلانے کے لئے آ گیا. ہاتھی مع زرنگار عماری کے لایا گیا اور وہ حضرت اس پر سوار ہو کے دربار شاہی میں پہنچے اور مالا مال کر دیئے گئے غرض ایسے خواب روز مرہ صدہا تراشے جاتے تھے بغیر محنت اور دردسری کے دولت مند بنجاتے تھے.

یہودی حکومت کا آخری دور عیش پرست شاہ پر ختم ہو گیا. ملکی معاملات کی ابتری بیان کرنا ہمارا مقصد نہیں ہے ہم تو صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ متعہ نے اپنا پورا جلوہ اس دور آخر میں کیا تھا یہاں تک کہ غیر جنس سے بھی تعلق پیدا کرنا جائز قرار دیا گیا. عورتیں عام طور پر حلال کر دی گئی تھیں. واجد علیشاہ بچہ جننے لگے تھے اور ان کا جاپا بڑی دھوم سے کیا جاتا تھا. ان کی ہزاروں بیگمیں تھیں اور وہ سب متعہ کے صدقہ میں ان کی بیگم قرار پائی تھیں. جب شوہر بچہ دینے لگا تو بیگموں نے عرضیاں بھیجیں کہ ہم کیا کریں. واجد علیشاہ ہر عرضی پر یہ حکم لکھوا دیتے تھے کہ کیا تمہارے پاس کوئی داروغہ نہیں ہے کہ تم مجھے تکلیف دیتی ہو. میرے ہاں تو آپ ہی بچہ ہوا ہے میں کیا کروں. گو صدہا رئیس اور حکمراں عیاش گزرے ہونگے مگر مرد ہو کے بچے کسی نے نہیں جنے یہ اسی تبرائی مذہب کا طفیل ہے کہ مرد بچے جننے لگتے ہیں. اور وہ بچے اصلی بچے سمجھے جاتے ہیں. اسی طرح ان کی پرورش کی جاتی ہے گویا سچ مچ یہ شاہ کے پیٹ میں سے نکلے ہیں.۔ ہر مقام پر حضرت امام حسین اور حضرت عباس وغیرہ کے مزار بنے ہوئے ہیں اور وہ اصلی سمجھ کے پوجے جاتے ہیں. کربلائیں ہندوستان میں ہزاروں موجود ہیں. اور

وہ سب اسی طرح بزرگ سمجھی جاتی ہیں جیسی اصلی کربلا. جس سرزمین سے سخت نفرت کرتے اور کبھی اُدھر کا منہ نہ کرتے اور کربلا کے نام سے انہیں غصہ آجاتا مگر یہ لوگ اہلبیت حسین کی محبت کا فرضی دم بھرنے والے کربلا کے نام پر جان دیتے ہیں. اس قوم کے دولتمند ہزاروں روپے خرچ کرکے اپنے مُردوں کو وہاں دفن کرتے ہیں. وہاں کی مٹی اٹھا کے اپنی آنکھوں سے ملتے ہیں. اور اس کا نام خاک شفا رکھا ہے. یہ ہے اس یہودی گروہ کی محبت حسین. جہاں ان کے خیال میں سیدنا حضرت امام حسن ذبح کیے گئے. ان کی بہن بیٹیوں کے سروں پر سے چادریں اتاری گئیں اور خیمے جلائے گئے اس سرزمین کے یہ لوگ عاشق زار ہیں. اگر کسی شخص میں خفیف سی بھی محبت ہوتی تو وہ یزید اور عبید اللہ بن زیاد سے زیادہ کربلا کی سرزمین پر لعنت بھیجتا مگر نہیں یہ اس پر جان دیتے ہیں. مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ سے زیادہ اسکا احترام کرتے ہیں ان لوگوں نے محض کربلا کے لئے خدا اور نبی کے گھروں سے پیٹھ پھیر رکھی ہے صرف سرزمین کربلا کو بوسہ دینا اپنی نجات کا سبب جانتے ہیں. کربلا کے نام سے ایسے مانوس اور اسکے دلدادہ ہیں کہ ہر بڑے سے بڑے شہر اور ہر چھوٹے سے چھوٹے قصبہ میں ایک کربلا بنالی ہے اسے اوّل درجہ کی متبرک خیال کرتے ہیں. حالانکہ اسی اصول کے مطابق انہیں کوفہ کا سب سے زیادہ احترام کرنا چاہیے تھا کیونکہ وہاں حضرت حسین کے والد حضرت علی شہید ہوئے تھے. انہی کے خون کی مٹی کو خاک شفا بنانا چاہیے تھا. مگر یہ لوگ کوفہ کا نام بھی اپنی زبان پر نہیں لیتے وہاں کے باشندوں کو گالیاں دیتے ہیں اور کوفی بننا عذاب کی علامت سمجھتے ہیں. مگر کربلائی ہونا بڑا اعزاز جانتے ہیں. احد کی گھاٹی میں حضور انور رسول اللہ ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے. اور آپ کی پیشانی میں سے خون بہا تھا مگر کسی مسلمان نے اس نظر سے کہ حضور انور کے مقدس خون کے قطرے وہاں ٹپکے تھے اسے معبود نہیں بنایا. ان سب باتوں سے ایک فہمیدہ شخص یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ یہ قوم جو امام حسین کے محب بننے کا دعویٰ کرتی ہے آپ کی بڑی دشمن ہے کیونکہ یہ اس سرزمین کو جہاں آپ پیدا ہوئے آپ نے پرورش پائی آپ بڑے ہوئے اور نہایت خوشی اور آسودگی سے رہے سخت مقہور بارگاہ صمدی جانتی اور اس سے نفرت کرتی ہے مگر اسے وہ قطعہ زمین

زیادہ عزیز ہے جہاں آپ پر اور آپ کے بچوں پر نا قابل برداشت مصائب گزر گئے اور جہاں اس قوم کے زعم ناقص میں معاذ اللہ آپ کا خون بہایا گیا. ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا.

اسلامی شریعت میں کسی کے مرنے پر رونا پیٹنا، منہ نوچنا، بال بکھیرنا، سخت منع ہے. اسلام کا کوئی گروہ اسکو جائز نہیں سمجھتا. یہ طریقہ بت پرستوں کا تھا. اور ان ہی کے ہاں اب بھی جاری ہے. مگر اسلام نے اسے بالکل مٹا دیا. ہزاروں اخلاقی برائیاں اس سے پیدا ہوتی ہیں. اور انسان انسان نہیں رہتا اس یہودی گروہ کو چونکہ اسلام سے سخت دشمنی ہے اس لئے اسکا ممنوع رواج اسنے اپنے ہاں بہت شدومد سے جاری کیا ہزاروں فرضی روایتیں آدم حوا، اور ابراہیم ونوح وغیرہ کے رونے کی تراش کے اپنے زعم ناقص میں اس بات کو ثابت کرنا چاہا کہ رونا جائز ہے. تو بھی اس گروہ کے علماء ثابت نہ کر سکے کہ بال نوچنا بھی، بھس اڑانا، کپڑے پھاڑنا، سوائے بت پرستوں کے کسی نے آج تک کیا؟ اس زبون اور بدتریں رسم کو یہودیوں نے اپنے ہاں قائم کیا اور اس ترکیب سے اسکو رواج دیا کہ جاہل مسلمان بھی انکی دیکھا دیکھی ٹسوے بہانے لگے. حالانکہ ان ہی کی راویتوں میں کہیں بھی حضور انور کی وفات پر بی بی فاطمہ کا بس اڑانا، منہ نوچنا بیان نہیں ہوا اور نہ حضرت علی کی شہادت پر حضرت حسین کا. اس یہودی گروہ نے اس قدر غلو کیا کہ نماز روزے، حج، زکوٰۃ کو بھول کے رونے پر اپنی نجات سمجھ لی اور یہ فیصلہ کر دیا کہ غم حسین میں جو شخص رویا رونے کی صورت بنائی یا اسنے کسی کو رلا دیا اس پر دوزخ حرام ہے.۔ لکھنؤ میں شاہی وقت میں تو محرم کے آنسوؤں کی ایک آدھ تجارت ہوتی تھی مگر یہاں اسکا سلسلہ کچھ چلا نہیں ہاں ایران میں یہ تجارت مستقل طور پر کی جاتی ہے اور اسکا سلسلہ برابر جاری ہے. محرم میں جب مجلسیں منعقد ہوتی ہیں تو ہر شخص کو جو مجلس میں شریک ہوتا ہے روئی کا ایک پھل دیا جاتا ہے. جب کتاب خواہ یا مرثیہ والا مرثیہ پڑھنا شروع کرتا ہے اور لوگ رونے کی آواز بناتے ہیں تو چند آدمی جو خاص اسی کام کے لئے مقرر ہوتے ہیں بلوری شیشیاں ہاتھوں میں لیکے ہر شخص کے پاس جاتے ہیں اور جو آنسو رونے والا روئی کے پھل میں جمع کر لیتا ہے وہ اپنی شیشی میں ٹپکا لیتے ہیں. اصلی رونا تو کسی کو آتا نہیں نقلی آنسو بہانے کیلئے انہیں کہیں پیاز کی گھٹی

سے کام لینا پڑتا ہے اور کہیں کالی پسی ہوئی مرچوں سے جب آنسو زیادہ بہنے لگتے ہیں تو شیشی والا بہت خوش ہوتا ہے اس ترکیب سے کچھ شیشیاں بھر جاتی ہیں اور وہ بڑی حفاظت سے مجتہد اعظم کے پاس پہنچادی جاتی ہیں۔ مجتہد ان شیشیوں کو بحفاظت اپنے پاس رکھتا ہے اور جب کوئی رئیس اور دولت مند بیمار ہوتا ہے اور اطباء اسے جواب دے چکتے ہیں تو وہ پانی بڑی قیمت سے بیچا جاتا ہے۔ بعض اوقات مجتہد معمولی پانی بھی آنسوؤں کے عوض فروخت کر ڈالتا ہے۔ اور بے وقوف اگر چہ ان غلیظ آنسوؤں کے قطروں سے اچھے نہیں ہوتے مگر اپنی صحت جسمانی اور روحانی کے لئے یہی قطرے ذریعہ گنے جاتے ہیں ایران میں اس پانی کی بدولت بہت سے مجتہد بنے ہوئے ہیں اور مزے اڑاتے ہیں. خود رونے والوں کے دل پر تو کچھ اثر نہیں ہوتا مگر انکے آنسوؤں میں مسیحائی تسلیم کی گئی ہے. اور یہ سب سے بڑی حماقت ہے۔ ایک خاص قسم کی تسبیح ایسی تسلیم کی گئی ہے جو محرم کے دنوں میں اپنے اصلی رنگ کو چھوڑ کے سرخ بنجائے بلکہ اس میں سے خون کی بوندیں ٹپکنے لگیں. کل یہودیوں کو اس قسم کی تسبیح پر یقین ہے. اگر چہ کسی نے آنکھ سے نہیں دیکھی مگر یقین ہے کہ وہ فلاں شہر میں یا فلاں قصبہ میں ہے چنانچہ ابھی شہادت کے ثبوت میں ایک یہودی پرچہ نے یہ تحریر کیا تھا کہ سمانہ ضلع پٹیالہ میں ایک ایسی تسبیح موجود ہے جسکے دانے محرم میں خون ٹپکاتے ہیں. اس بیوقوف قوم نے جمادات کو بھی یہ شعور اور عقل دیدی مہینوں کا حساب بھی اسے بتادیا اور وہ امام حسین کو بھی جان گئی شہادت سے بھی واقف ہوگئی اس سے زیادہ خبط اور ہذیان کیا ہوسکتا ہے. جس گروہ کے یہ عقائد اور خیالات ہوں اسکے مذہب کی کیا کیفیت ہوگی.

چاندی کے پنجہ کی سب سے زیادہ پرستش کی جاتی ہے اور اس پنجہ سے یہودی کا کوئی گھر شاید خالی ہوگا. اس پنجہ سے مراد پنج تن لی جاتی ہے. اس پر شیرینی چڑھائی جاتی ہے. منتیں مانی جاتی ہیں. اسکی تعظیم مثل ایک امام کے کی جاتی ہے. جب وہ رکھے رکھے گر پڑتا ہے. تو اسے فوراً اٹھا کے آنکھوں سے لگایا جاتا ہے. اور اس گرنے کو ٹھنڈا ہونا بیان کیا جاتا ہے ٹھنڈے ہونے کا محاورہ عورتوں کی زبان میں قرآن مجید کے لئے استعمال کیا جاتا ہے. اسکے برابر غلہ تول کے خیرات کیا جاتا

ہے. اور اگر پے در پے ایسا معاملہ پیش آئے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ کوئی آسمانی آفت آنے والی ہے.
یہ سن کے کلیجہ کانپ جاتا ہے کہ اس چاندی کے پنجہ کی تعظیم معاذ اللہ قرآن سے بھی زیادہ کی جاتی
ہے. سینکڑوں گھر ایسے ہوں گے جہاں قرآن مجید دیکھنے میں بھی نہ آتا ہوگا مگر پنجہ ہر جگہ موجود ہے.
علی الصباح جس طرح ہندو بت کی پوجا کرتے ہیں اور اسکے آگے ڈنڈوٹ کرتے ہیں اسی طرح
یہودی اس پنجہ کی پرستش کرتے اور دنیاوی فلاح کا اسے بہت بڑا ذریعہ جانتے ہیں.۔استخارہ کے
بغیر کوئی یہودی قدم نہیں اٹھاتا. استخارہ لینے کی ترکیب یہ ہے کہ اپنے دل میں ایک بات سوچی جاتی
ہے کریں یا نہ کریں اور پھر تسبیح پھرائی جاتی ہے جو خاص دانہ بال یا نا کا مقرر کر رکھا ہے جب وہ ہاتھ
میں آجاتا ہے تو اسی پر عمل کیا جاتا ہے. کھانے کا دستر خوان آگے رکھا ہوا ہے اور استخارہ لیا جا رہا ہے
کہ کھائیں نہ کھائیں اور اگر کھائیں تو کون کونسا کھانا کھائیں جو کچھ استخارہ میں نکلتا ہے وہی کیا جاتا
ہے. لکھنؤ میں ایک مجتہد صاحب کسی رئیس کے لئے استخارہ کیا کرتے تھے اور انواع واقسام کے
کھانوں میں صرف اڑد کی دال رئیس کے لئے نکالتے تھے یا باسی روٹی کا استخارہ اسکے لئے آتا تھا.
بیت الخلا جانے کو بیٹھے ہیں اور استخارہ دیکھ رہے ہیں سونے کے لئے بستر پر جاتے ہیں اور استخارہ
دیکھ رہے ہیں کسی دوست سے ملنے کے لئے جاتے ہیں اور استخارہ دیکھ رہے ہیں غرض کوئی کام بغیر
استخارہ کے نہیں ہوتا. اس پر یہ بیوقوف گروہ فخراً کہتا ہے کہ ہم ہر کام خدا کی مرضی سے کرتے ہیں.
مریض جاں بلب ہے اور دوائی کی اشد ضرورت ہے ڈاکٹر یا طبیب اصرار کرتا ہے کہ یہ دوائی اسے
فوراً دیجائے مگر خوفناک استخارہ اجازت نہیں دیتا. مریض کے حلق میں پیاس کے مارے کانٹے
پڑے جاتے ہیں. زبان خشک ہوئی جاتی ہے. مگر استخارہ کا حکم نہیں ہے آخر وہ بیچارہ تڑپا تڑپا کے قتل کر
دیا جاتا ہے بالکل ہندوؤں کی نقل ہے. جس طرح راجہ اور ہندو رئیس قدیم زمانہ کے اور بعض اب بھی
بغیر جوتشی کے حکم اور پترے کی پروانگی کے کچھ نہ کرتے تھے. اسی طرح یہودی بغیر استخارہ کے کچھ نہیں
کرتے. یہ ہے کہ عطر یہودی عقائد کا جن عقائد سے نہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کو کچھ تعلق ہے نہ
راشدین صحابہ کو نہ حضرت امام حسن اور حسین کو۔

يُرِيدُ اللهُ اَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْكَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ (سورۃ انفال:۷،۸)

ترجمہ: اللہ چاہتا ہے کہ حق کو اپنی باتوں سے ثابت کردے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق ثابت کردے اور باطل کو مٹادے اور اگرچہ (اس سے) گنہگار ناخوش ہوں۔

اس کتاب میں اسلام کے اُن عظیم الشان واقعات پر جن پر پردہ پڑا ہوا تھا پوری روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ ثابت کیا گیا کہ جس طرح جنگ صفین و جمل ایک بے بنیاد افسانہ اور بعد کی گھڑت ہیں، اسی طرح امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ بالکل غلط اور محض بے بنیاد ہے۔

کتاب شہادت جلد 1

صفحہ 226 تا 496

مصنفہ

مرزا حیرت دہلوی

خلفائے راشدین ﷡ پر بعض سخت الزامات کی تحقیق

اور بے بنیاد حکایتوں کا افسانہ

جو گستاخیاں کہ خلفاء کی جناب میں ہو چکی ہیں. اور جو گالیاں کہ اب تک ان رہنمایان قوم کی کودی جا چکی ہیں. ان کی غلاظت حد سے زیادہ تجاوز کی ہوئی ہے اور انکی خشونت فلک الافلاک سے بھی آگے پہنچ چکی ہے حملے اور دل آزار حملے الزام اور ناواجب الزام گالیاں اور غلیظ ترین گالیاں اتہامات اور بے بنیاد اتہامات ان پاک نفوس پر ایک گروہ علانیہ عائد کر رہا ہے ہے. اور اسے کر وار ہا ہے۔ مسلمانوں کی دل آزاری کی کچھ پروانہیں تیرہ سو برس گزر گئے ہزار ہا خانوادوں اور خاندانوں کی اینٹ سے اینٹ بج گئی انسانی تمدن سینکڑوں پلٹیاں کھا چکا جن سلطنتوں میں کہ ان پاک نفوس پر تبرے بازی ہوتی تھی وہ ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دی گئیں. معاشرت انسانی محسوسات اور خیالات میں زمین آسمان کا فرق آ گیا مگر کسی قسم کا نمایاں اور بیّن فرق محسوس نہیں ہوا تو اس گالی گلوچ اور فحش بازی میں اگر چہ زور بہت کم ہو چکا ہے مگر ایک ناگوار غلیظ اور ناپاک بھنبھناہٹ مسموع ہو رہی ہے اور اس سے کروڑوں بے گناہ دلوں پر ایک چوٹ لگتی ہے اور اس چوٹ کا اثر اس دل سے پوچھا جائے جس دل پر چوٹ لگی واللہ بعداز رسول اکرم ﷺ سوائے حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے اور ہم کسی کو نہیں سمجھتے یوں تو اور بھی بزرگان اسلام ہیں. مگر مرتبے میں ان سے زیادہ نہیں ہیں. وہ مسلمان نہیں ہے جو ان بزرگوں کی شان میں گستاخانہ ناپاک اور ذلیل الفاظ سنے اور اسکا دل نہ دکھے جس دل میں ذرہ بھر بھی اسلام کی محبت ہے وہ دل کبھی ان خلفاء کی محبت سے خالی نہیں ہو سکتا. مسلمان اگر فی الواقع مسلمان ہے وہ کبھی ان کی طرف سے سوء ظن نہیں رکھ سکتا واللہ جو انہیں نہیں مانتا رسول اللہ کو نہیں مانتا جن کی اسلامی خدمات کا دنیا کے ہر حصے میں ڈنکا بج رہا ہے. ہندوستان، افریقہ، چین، اور یورپ جہاں پانچوں وقت اللہ اکبر کی جلیل الشان صدائیں گونجتی ہیں یہ سب ان ہی کے طفیل سے ہوا.

فضیلت اور غیر فضیلت کی بحث اور ہے صرف گفتگو اس میں ہے کہ یہ خلفاء مورد طعن تشنیع کیوں ہیں. حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم، حضرت عثمان غنی حضرت علی رضی اللہ عنہم ان سب کی نسبت علیحدہ علیحدہ قسم کی گالیاں تراشی ہیں. حضرت علی کو تو تعریفی پیرائے میں وہ ملاحیاں سنائی جاتی ہیں. جنکا وزن غور سے دیکھنے کے بعد غلیظ گالیوں سے بھی بڑھ جاتا ہے. اسلام کے سچے فدائی مسلمانوں کے عاشق زار نبی کے فرمانبردار اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار بندے ان سے بہتر آج تک نیک پاکباز سچے کسی کو نظر نہیں پڑے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے سابق تین خلفاء کی نسبت نہج البلاغہ میں ارشاد کرتے ہیں. " کہاں ہیں وہ لوگ جنہیں اسلام کی ترغیب دی گئی تو انہوں نے قبول کر لی قرآن پڑھا تو اسکو پختہ کر لیا. جہاد کے لئے بلائے گئے تو دودھ والی اونٹنیوں کو بچوں سے چھڑا کر حاضر ہو گئے تلواریں میان سے گھسیٹ لیں جماعت جماعت اور صف صف ہو کر اطراف عالم کو لے لیا کوئی مارا گیا کوئی بچ گیا نہ تو زندوں کی خوشخبری دی گئی اور نہ مردوں کا پرسا لیا گیا۔ خدا کی یاد میں روتے روتے انکی آنکھیں سوجھ جاتی تھیں. روزہ رکھتے پیٹ پیٹھ سے لگ جاتے تھے دعا کرتے تھے لب خشک ہو جاتے تھے جاگتے جاگتے رنگت زرد پڑ جاتی تھی. ان کے چہرے عاجز لوگوں کی طرح غبار آلود ہوتے تھے یہی لوگ میرے بھائی ہیں جو چلدیئے ہمیں اس وقت ان کی حد سے زیادہ ضرورت ہے ہمیں زیبا ہے کہ ان کی جدائی کے صدمے سے اپنا ہاتھ کاٹ کھائیں فقط. بعض کوتاہ نظر خیالات کے اختلاف کو دشمنی پر محمول کر لیا کرتے ہیں حالانکہ اس سے زیادہ کم ظرفی اور نہیں ہو سکتی یہ عظیم الشان مذہب جنکی بازوؤں کی قوت سے تمام دنیا میں پھیلا اور جس میں اب تک باوجود تنزل اور بربادی کے ہم آہنگی اور ایک حد تک ہم رنگی پائی جاتی ہے. یہ صرف ان نیک نفوس کی سچی ہمدردی اور نیک نیتی کے سوا اور کیا سمجھ میں آسکتا ہے.

کسی مذہب ملک یا سلطنت میں ایسے خلیفہ یا حکمران نہیں گزرے جیسے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اعظم اور حضرت عثمان غنی ۔ دنیا کی تاریخیں موجود ہیں بڑے بڑے حکمرانوں کے حالات قلمبند ہو چکے ہیں مگر مقابلہ کرنے پر یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہو جاتی

ہے کہ ان سے بہتر کیا ان کے مساوی بھی خدا کی مخلوق پر کسی نے حکمرانی نہیں کی وہ جلیل القدر بادشاہ تھے مگر مثل عام رعایا کے پیوند لگے ہوئے لباس میں شاہراہوں پر پھرتے تھے ادنیٰ خدمتی کی طرح۔

خدا کی مخلوق کی خدمت کرتے تھے ان کے دروازوں پر دربان نہیں تھے کوئی پہرا نہیں تھا۔ ان کے رہنے کے لئے بروج مشیدہ اور زرنگار قصر نہیں بنے ہوئے تھے۔ وہ ایک بہت ہی سیدھے سادھے مکان میں رہتے تھے ان کی معاشرت بہت ہی سادی تھی مگر ایک معمولی سی معمولی بڑھیا اور معمولی سا معمولی مزدور بآزادی ان سے ہم کلام ہو سکتا تھا۔ اور اپنا درد دکھ کہ سکتا تھا ان کی سلطنت کی وسعت دنیا کے بڑے سے بڑے شہنشاہ سے ٹکر کھاتی تھی۔ تمام ایران، مصر شام اور افریقہ کا بہت سا حصہ ان کے زیر نگین ہو چکا تھا مگر اس پر بھی کسی قسم کا طمطراق کسی قسم کی دنیاوی شوکت کسی قسم کا ملکی جلال مطلق نہیں تھا بعضوں عظام کے سفیر مدینہ میں آ کے صرف اس بات کی تلاش کرتے تھے کہ خلیفہ کہاں ہیں اور جب وہ خلیفہ کو تن تنہا کمل پوشی کی حالت میں مسجد کی سیڑھیوں پر یا ایک کھجور کے درخت کے نیچے لیٹا ہوا دیکھتے تو سناٹے میں آ جاتے کہ زمین کے ایک بڑے قطعہ کا مالک کس فقیرانہ لباس اور انکساری کے ساتھ زمین پر لیٹا ہوا ہے نہ اسکے گرد کوئی پہرہ ہے اور نہ زرین زین ولجام کے کوتل گھوڑے اسکے لئے تیار کھڑے ہیں نہ اسکا شاہی اسٹاف ہے یہ صورت دیکھ کے قدرتی طور سے نوارد کے دل پر ایک ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ اور وہ سکتے میں کھڑے کا کھڑا رہ جاتا تھا موجودہ یورپ کے حکماء اور فضلا نے ان خلفاء راشدین کی عظمت اور جلال کو تسلیم کر لیا ہے سر ولیم میور جو ایک بہت بڑا متعصب مورخ تھا اپنی کتاب ''خلافت'' میں حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم کی مدح میں رطب اللسان ہے اسی طرح ڈاکٹر ہوسیو لیبان پیرس پایۂ تخت فرانس کا مشہور فاضل اپنی مشہور اور نامور کتاب ''سیولائزیشن دی عربس'' میں راشدین صحابہ کی نسبت حسب ذیل لکھتا ہے۔

خلفائے راشدین:

جس وقت حضرت رسالت مآب نے ۶۳۲ء عیسوی میں رحلت فرمائی آپ کی رسالت پوری نہیں ہونے پائی تھی اور انواع واقسام کے خطرے موجود تھے۔ جن سے خوف ہوتا تھا کہ یہ

رسالت ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے. وہ ملکی اتحاد جسکی بنا آنحضرت نے عربستان میں ڈالی تھی محض اتحاد دینی کے سبب سے تھا اور ممکن تھا کہ یہ اتحاد دینی آنحضرت کی وفات کے ساتھ ختم ہو جائے. عربوں نے البتہ ایک ایسے رسول کی اطاعت کو جو منجانب اللہ ان کی ہدایت کے لئے آیا تھا قبول کر لیا لیکن اس رسول کے بعد کچھ ضروری نہ تھا خواہ مخواہ اسکا کوئی جانشین بھی ہو. بہتیرے قبائل عرب جنہوں نے اپنی فطری آزادی اور محکومیت کی جبلی نفرت کو ایک فرستادہ خدا پیغمبر کی خاطر سے چھوڑ دیا تھا اس پر راضی نہ تھے کہ اس پیغمبر کے خلفائے کی بھی جسکا ذکر خود پیغمبر نے کبھی نہیں کیا تھا اور جنہیں اس پیغمبر کی تعلیم کو جاری رکھنے کا کوئی حق نہ تھا اطاعت کریں. اور بھی اسباب اس قسم کے تھے جن سے اسلام کے دب جانے کا بڑا خوف تھا. حضرت رسالت مآب کی کامیابی کو دیکھ کر بہتیرے مخبوط الحواس اشخاص ایسے پیدا ہو گئے جنہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا ان میں سے ایک شخص نے تقریباً نصف یمن کو مرتد بھی کر لیا اور اگر بعض سچے اور وفادار مسلمانوں نے اسے بطور خفیہ قتل نہ کر ڈالا ہوتا تو یمن کا بڑا خطہ دائرہ اسلام سے باہر ہو جاتا. اسی قسم کے ایک اور شخص نے قرآن میں کچھ سورتیں بڑھانے کا ارادہ کیا تھا اور اس نے اس قدر کامیابی حاصل کی کہ خلفائے اولین کو چند روز تک اسکا مقابلہ کرنا پڑا. غرض یہ کہ اس نئے دین کو بہتیرے سے مواقع در پیش اور بے شک وہ اصحاب نبی کی خوش تدبیری ہی تھی جس نے انہیں ان مواقع پر کامیاب کیا. انہوں نے خلافت کے لئے ایسے ہی اشخاص کو انتخاب کیا جنکی ساری غرض اشاعت دین محمدی تھی اور حقیقت میں پیروان اسلام کسی خلیفہ کی اطاعت نہیں کر رہے تھے بلکہ اس قانون کی اطاعت کرتے تھے جو ان کے لئے آسمان سے اترا تھا اور جس میں کسی قسم کا شک وشبہہ نہ تھا.

خلفائے راشدین یعنی حضرت ابوبکر ۶۳۲ء عیسوی سے ۶۳۴ء تک، حضرت عمر ۶۳۴ء عیسوی سے ۶۴۴ء عیسوی تک، حضرت عثمان ۶۴۴ء سے ۶۵۵ء تک اور حضرت علی ۶۵۵ عیسوی سے ۶۶۰ عیسوی تک یہ سب حضرات رسالت مآب کے صحابہ تھے اور ان میں پیغمبر خدا کی سخت زندگی اور سادہ عادتیں موجود تھیں اور کسی قسم کی شان حکومت ان میں نہ تھی حضرت ابوبکر نے اپنی وفات کے

وقت کل تین چیزیں چھوڑیں. ایک جوڑا کپڑے کا جو آپ پہنتے تھے. ایک اونٹ جس پر آپ سوار ہوتے تھے اور ایک غلام جو آپ کی خدمت کرتا تھا. عین حیات وہ بیت المال سے کل پانچ درہم روزانہ اپنے اذوقہ کے لئے لیا کرتے. حضرت عمر بعوض اسکے کہ افواج اسلام کی بیش بہا غنیموں میں حصہ لیا محض ایک عبا کے مالک تھے. جس میں متعدد پیوند تھے اور آپ راتوں کو مساجد کی سیڑھیوں پر غربا کے ساتھ سو رہا کرتے تھے.

عربوں نے نہایت بتدریج سلطنت جمہوری سے سلطنت شخصی تک ترقی کی خلفائے راشدین کے زمانہ میں ہر شخص برابر سمجھا جاتا تھا اور ایک ہی قانون سب کے لئے تھا. حضرت علی خلیفہ چہارم خود بہ نفس نفیس ایک عدالت کے سامنے مدعی بنکر آئے اور ایک ایسے شخص پر دعویٰ کیا جس نے آپ کی زرہ چرائی تھی. جس وقت غسان کا نصرانی بادشاہ جو مسلمان ہو گیا تھا حضرت عمر سے ملنے کے لئے مکہ آیا تو حسب اتفاق ایک عرب نے نادانستہ اسے دھکا دیا. اس پر بادشاہ نے خفا ہو کر اسے مارا، عرب کی نالش پر حضرت عمر نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ بھی بادشاہ کو مارے. اس پر بادشاہ نے کہا "اے امیر المومنین یہ بھی ہو سکتا ہے. کہ ایک عام شخص بادشاہ کو ہاتھ لگائے" خلیفہ نے جواب دیا کہ "اسلام کا قانون یہی ہے اسلام میں نہ درجہ کی عزت ہے اور نہ ذات کی. ہمارے پیغمبر کی نظروں میں سب مسلمان برابر تھے اور ان کے خلفا کی نظروں میں بھی یہ ہی مساوات قائم رہے گی.

اس قسم کا مساوی انصاف زیادہ دنوں نہیں رہا اور خلفائے اسلام بھی بالآخر مثل خود مختار سلاطین کے ہو گئے لیکن آج تک اس امر پر اصرار کیا جاتا ہے کہ از روئے قرآن مجید کل مسلمان آپس میں برابر ہیں.

اوّل خلیفہ اسلام حضرت ابو بکر تھے. جناب رسالت مآب نے انہیں ایک مرتبہ اپنے بدلے نماز پڑھانے کا حکم دیا اور یہی وجہ ان کے انتخاب کی ہوئی. اس انتخاب سے کسی قدر باہمی نا اتفاقی پیدا ہوئی. اور اس قسم کی نا اتفاقیاں ہر ایک خلیفہ کے انتخاب کے وقت وقوع میں آتی گئیں. مورخین اسلام کا بیان ہے کہ جس وقت سب صحابہؓ بیعت کر چکے تو حضرت ابو بکرؓ نے ان سے کہا

"اے بھائیو! مجھے تم پر حکومت کرنے کی خدمت سپرد ہوئی ہے اگر میں اچھا کام کروں میری اعانت کرو اور اگر میں غلطی کروں تو مجھے روکو. جس شخص کے ہاتھ میں یہ حکومت ہو اس سے سچی بات کا کہنا عبادت ہے اور اس سے سچ کا چھپانا معصیت میرے سامنے قوی اور ضعیف مساوی ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ ہر ایک کے ساتھ بلا رورعایت انصاف کروں. اگر میں کسی وقت بھی اپنے کو حکم خدا اور رسول سے منحرف کروں تو اسی وقت تم لوگ میری اطاعت سے بری الذمہ ہو جاؤ گے.

حضرت ابوبکر کو سب سے پہلے ان لوگوں سے مقابلہ کرنا پڑا اور جو خلافت کے دعویدار تھے اور پھر ان اشخاص سے جو جزیہ سے بچنا چاہتے تھے. بہت تھوڑے ہی دنوں میں حضرت ابوبکر کو معلوم ہو گیا کہ سب سے عمدہ طریقہ ان نااتفاقیوں کے بند کرنے کا یہ ہے کہ عربوں کو ملک سے باہر اپنی جبلی جنگ وجدل کی عادت کو کام میں لانے کا موقع دیا جائے اور یہی خوش تدبیری ان کے بعد کے خلفا نے بھی برتی اور جب تک یہ تدبیر جاری رہی اسلام بہت ترقی کرتا رہا. جس روز عربوں کے لئے دنیا میں کوئی ملک فتح کرنے کو باقی نہ رہا اسی روز انہوں نے آپس میں خانہ جنگی شروع کردی.

یہی خانہ جنگیاں ان کی نااتفاقیوں کے باعث ہوئیں. اور پھر آپس کی نااتفاقیوں نے ان کے تنزل کی بنا ڈالی فی الواقع عربوں کی قوت قبل اسکے کہ اُس پر دشمنوں کا اثر پڑے خود ان کے اپنے ہاتھوں سے ضائع و برباد ہو گئی تھی.

خلیفہ دوم حضرت عمر ہی کا زمانہ تھا جس میں اسلام کی بڑی ملک گیریاں شروع ہوئیں. حضرت ابوبکر کے وقت میں کئی فتوحات شام میں ہو چکی تھیں لیکن ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ ان ابتدائی لڑائیوں میں مسلمانوں کی شجاعت بہت زیادہ تھی مگر فن حرب کی واقفیت بہت کم اور اسی وجہ سے جب تک انہوں نے مثل اپنے مخالفین کے فن حرب میں تعلیم نہیں پالی تھی. وہ کبھی کامیاب ہوتے اور کبھی شکست کھاتے. حضرت عمر جس قدر عمدہ منتظم تھے اس قدر سپہ سالار بھی تھے اور انکا انصاف تو ضرب المثل ہے. مورخین اسلام لکھتے ہیں کہ جس وقت حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو آپ نے یہ تقریر کی "اے سامعین غور سے سنو میری نظروں میں تم میں سے ضعیف سے ضعیف شخص سب سے قوی ہے بشرطیکہ وہ حق پر ہو اور تم میں سے قوی سے قوی شخص اضعف الناس ہے بشرطیکہ وہ ناحق پر ہو"

فی الحقیقت مسلمانوں کی سلطنت کی ابتداء حضرت عمر سے ہوئی اور جس وقت عربوں کے ظلم سے شہنشاہ ہرقل شام سے بھاگ کر قسطنطنیہ میں جا چھپا تو اسے معلوم ہو گیا کہ اب دنیا کی حکومت دوسروں کے ہاتھ چلی گئی "فقط یورپی محقق کا قول ختم ہوا۔ اس صداقت پر کہ جو آج یورپ کے علماء کے دلوں میں صحابہ کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے بدقسمتی سے مسلمانوں ہی میں ایک ایسا گروہ ہے جو اسلام کے ان حقیقی خادموں اور مسلمانوں کے سچے رہنماؤں کی شان میں غلیظ سے غلیظ ناپاک الفاظ اور غلط سے غلط شدید الزامات لگانا اپنی نجات کا باعث سمجھتا ہے بہرحال ہمیں ان الزامات کی تحقیق کرنی ہے اور ہندی کی چندی کر کے دنیا کو دکھا دینا ہے کہ مثل حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے اس گروہ نے ہزار ہا فرضی باتیں تراش لی ہیں۔ اور خدا کے ان برگزیدہ بندوں پر ایسے غلط اور لغو الزامات قائم کئے ہیں جو اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ شہادت کا واقعہ ایجاد کر لینا اس قوم کے آگے کوئی حقیقت نہیں رکھتا انہوں نے جا و بیجا راشدین صحابہ کے مقابلہ میں حضرت علی کو جھوٹی روایتیں بنا کے اندھا دھند بڑھا دیا ہے یہاں تک کہ وہ اپنی اصلی حالت سے بھی تجاوز کر گئے اور اس حد تک پہنچ گئے جہاں ان کی تعریف ہجو کی صورت میں تبدیل ہو گئی سب سے بڑا دعویٰ شیعوں یا رافضیوں کا ہے۔

رافضیوں کا قول:

امیر المومنین حضرت علیؓ کے فضائل بے حد اور کمالات بے انتہاء ہیں۔ جنہیں مخالف اور موافق سب نے نقل کیا اور ان کے سوا اور سب صحابہ کی شان میں جمہور نے بہت سے عیب نقل کئے ہیں اور حضرت علی کی شان میں کوئی بات بُرائی کی نقل نہیں کی تو انہوں نے حضرت ہی کے قول کی پیروی کی اور ان کو اپنا امام سمجھ لیا اور ان کے سوا اوروں کو چھوڑ دیا محض اسی وجہ سے کہ انکی تعریف مخالف اور موافق سب نے کی ہے یہاں تک کہ جو شخص انکی امامت کے سوا اور کسی کی امامت کا معتقد ہوا تو اسنے اپنے امام کی امامت میں بہت سی برائیاں نقل کی ہیں اور ہم یہاں قدرے قلیل وہ باتیں بیان کرتے ہیں جو ان کے نزدیک صحیح ہیں اور انہوں نے اپنے قول اور اپنی کتابوں سے معتمد میں نقل کی ہیں۔ تا کہ قیامت کے دن یہ ان پر حجت ہو منجملہ ان کے ایک وہ روایات ہے جو ابوالحسن اندلسی

نے جمع بین الصحاح الستہ یعنی موطا امام مالک صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، صحیح ترمذی، صحیح نسائی میں نبی ﷺ کی بی بی ام سلمہ سے روایت کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ آیۂ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا میرے ہی گھر نازل ہوئی ہے اور میں دروازہ پر بیٹھی ہوئی تھی میں نے (حضرت سے) پوچھا یا رسول اللہ کیا میں اہل بیت میں نہیں ہوں فرمایا کہ تم یقیناً بھلائی پر ہو بیشک تم اللہ کے رسول کی بی بی ہو اور اس وقت گھر میں آنحضرت ﷺ علی، فاطمہ حسن اور حسین تھے حضرت نے ان سب کو ایک چادر اڑھالی اور فرمایا کہ **اللّٰھم ھؤلاء اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا** یعنی اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں پس تو ان کی پلیدی رفع کر کے انہیں خوب پاک کر دے. فقط

اب اسکا جواب ملاحظہ فرمایئے یہ آپ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ حضرت فاروق اعظم اور حضرت صدیق اکبر کے جو فضائل حدیثوں میں آئے ہیں وہ ان فضائل سے بہت زیادہ ہیں جو حضرت علی کے لئے ثابت ہیں اب رہی یہ بات جیسا کہ شیعوں کا خیال ہے کہ بہت سی حدیثیں جو وہ بیان کرتے ہیں جمہور کے نزدیک ثابت ہیں یہ صریح ابلا فریبی اور دھوکا ہے حضرت علی کے فضائل اور راشدین صحابہ کے خلاف شان جو حدیثیں رافضیوں یا شیعوں نے جمع کی ہیں. وہ کیا جھوٹی ہونگی. یا ضعیف اور اگر کوئی صحیح بھی ہو تو اس میں کوئی بات ایسی نہ ہوگی. جو حضرت علی کی امامت پر دلالت کرے یا اس بات کا ثبوت دے کہ حضرت علی، صدیق اکبر اور فاروق اعظم سے افضل تھے صحیح حدیثوں میں جو فضائل حضرت علی کے آئے ہیں. وہ ان ہی کی ذات کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں وہی فضائل اور صحابہ میں بھی پائے جاتے ہیں. مگر تماشہ دیکھئے جو فضائل صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے لئے ثابت ہیں ان میں بہت سی ایسی فضیلتیں ہیں جو خاص انہی کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہیں اب رہا صدیق اور فاروق کے عیب جو رافضی بیان کرتے ہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی عیب ان دونوں کی ذات میں ہم تسلیم کرلیں تو حضرت علی بھی اس سے مبرا نہیں ہو سکتے بلکہ حضرت علی کے عیبوں کا وزن صدیق اور فاروق کے عیبوں سے بڑھ جائیگا اب رہا رافضیوں کا یہ دعویٰ کہ حضرت علی ہی ایک ایسے شخص ہیں جنکی تعریف مخالف موافق سب نے کی ہے اسی لئے ہم نے انہیں لے لیا اور سب کو

چھوڑ دیا یہ بھی کذب محض اور دروغ بے فروغ ہے کسی مخالف نے کہیں بھی حضرت علی کی تعریف نہیں کی بلکہ حضرت علی میں قدح کرنے والے مسلمانوں میں بہت سے فریق ہیں اور وہ ان لوگوں سے کہیں زیادہ افضل ہیں جو صدیق اکبر، فاروق اعظم، اور عثمان غنی میں قدح کرتے ہیں لہٰذا ان کا قدح کرنا بہ نسبت ان کے زیادہ قابل اعتبار ہوگا مثلاً ایک گروہ نے علی کو معبود برحق یا نبی مانا ہے. وہ خوارج سے جو حضرت علی کو کافر کہتے ہیں بدر جہا بدتر ہے مگر تماشہ دیکھئے کہ خوارج حضرت علی کو تو کافر بتاتے ہیں مگر صدیق اکبر اور فاروق اعظم کا دم بھرتے ہیں اور دونوں سے بے انتہاء خوش ہیں اور وہ مروانی گروہ جو حضرت علی کو ظالم کہتے ہیں اور انکا عقیدہ ہے کہ حضرت علی ہرگز خلفیہ نہیں تھے وہ بھی صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہیں ان بین شہادتوں پر کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت علی کی تعریف موافق اور مخالف دونوں نے کی یہ خوب سمجھ لیجئے کہ راشدین حلفاء کی تعریف کرنے والے مرتبہ تعداد اور فضائل میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں. اور جو لوگ حضرت علی میں قدح کرتے ہیں اور انہیں کافر فاسق اور گنہگار بتاتے ہیں انکا علم شیعوں سے کہیں زیادہ ہے کوئی شیعہ ان سے مناظرہ نہیں کرسکتا نہ آج تک کسی ملکی لڑائی میں شیعہ ان پر فتح یاب ہوئے اسکے علاوہ دوسری بات یہ ہے کہ یہ لوگ جو حضرت علی کو کافر اور ظالم ٹھہراتے ہیں بالاتفاق جمہور مسلمان ہیں انکا مرتد ہوجانا کبھی معلوم نہیں ہوا مگر وہ لوگ جو حضرت کی تعریف کرتے ہیں اور خلفاء ثلاثہ میں قدح کرتے ہیں انکا اسلام سے مرتد ہوجانا ثابت ہے. مثلاً فرقہ نصیریہ. اسمٰعلیہ جو نصیریہ سے بھی بدتر ہے یہ حضرت علی کو معبود برحق بھی مانتے ہیں اور نبی بھی مانتے ہیں. جمہور مسلمانوں کے نزدیک بیشک یہ لوگ کافر اور مرتد ہیں اللہ اور رسول کے ساتھ انکا کفر کرنا صاف ظاہر ہے. جس شخص نے آدمی کو معبود سمجھا یا حضور انور رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کے نبی ہونے پر عقیدہ رکھا اور دعویٰ کیا کہ یہ محمد ﷺ نبی نہ تھے بلکہ علی ہی نبی تھے اور جبرائیل سے غلطی ہوگئی تھی کہ وہ بجائے علی کے پاس وحی لانے کے محمد ﷺ کے پاس بھولے سے یہ وحی لے گیا. اس عقیدے کے آدمیوں کے کفر کی نسبت کون شک کرسکتا ہے. ان لوگوں سے اب اس گروہ کا مقابلہ کیا جائے جو خارجی کہلاتا ہے. جس کے عقیدہ میں علی کافر ہیں یہ گروہ آپ پر علانیہ لعنت بھیجتا ہے باہیں ہمہ انکا اسلام خیر القرون کا سا

اسلام ہے وہ لوگ خضوع اور خشوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں رمضان میں روزے رکھتے ہیں بیت اللہ کا حج کرتے تھے اللہ اور رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھتے تھے. ان میں کفر کی کوئی بات ظاہر نہ تھی بلکہ اسلام کے احکام اور ان کی علامتیں ان میں ظاہر تھیں جسکی وہ صدق ولی سے تعظیم کرتے تھے. اسکی صداقت وہ علمائے اسلام اور وہ باخبر مسلمان جو مسلمانوں کی حالت سے پورے واقف ہیں اچھی طرح دیتے ہیں پھر تعجب ہے رافضیوں کے اس دعوے پر مخالف بھی حضرت علی کی تعریف کرتے ہیں، جب ان لوگوں کا مقابلہ کیا جاتا ہے جو حضرت علی کی تعریف کرتے تھے اور حضرت عثمان کو بُرا کہتے تھے. یا وہ لوگ جو حضرت عثمان کی تعریف کرتے تھے اور حضرت علی کو برا کہتے ہیں۔ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔حضرت عثمان کی تعریف کرنے والے حضرت علی کی تعریف کرنے والوں سے بدرجہا بہتر شائستہ اور عالم ہیں صحابہ اور تابعین میں سے جن لوگوں نے حضرت علی سے جنگ کی اور ان پر لعنت کی وہ اُن لوگوں سے بڑے عالم اور بڑے دیندار تھے جو حضرت علی کا ساتھ دیتے تھے اور جو حضرت عثمان کو ملعون کہتے تھے یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ اگر اہل سنت والجماعت حضرت علی کی حمایت نہ کرتے تو حضرت علی کا دم بھرنے والوں میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا کہ جو خوارج اموی اور مروانیوں کا مقابلہ کر سکتا. حضرت علی سے جو لوگ عداوت رکھتے ہیں ان میں سے سب سے بدتر فرقہ وہ ہے جو حضرت علی کو کافر کہتا ہے. اور اسکا یہ ایمان ویقین ہے کہ حضرت علی اسلام سے مرتد ہوگئے تھے. اور ان کا یہ بھی یقین ہے کہ تقرب الی اللہ محض حضرت علی کے قتل کرنے سے حاصل ہوسکتا ہے. ان خوارح کے اٹھارہ فرقے ہیں مثلاً ازارقہ جو نافع ابن ارزق کے پیرو ہیں. اور نجدیہ جو نجدۃ الحروری کے پیرو ہیں اور اباضیہ جو عبداللہ ابن اباض کے پیرو ہیں ان سب فرقوں کے مفصل حالات حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں یہ لوگ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں موجود تھے اگرچہ صحابہ ان لوگوں سے مناظرہ اور مقاتلہ کرتے تھے مگر صحابہ نے کبھی اُنھیں کافر نہیں کہا اور نہ حضرت علی نے کبھی ان کے کفر کا فتوے دیا مگر جو فرقہ حضرت علی کی تعریف میں حد سے زیادہ آگے بڑھ گیا اور جسے فرقہ غالیہ کے نام پکارتے ہیں اس فرقہ کو صحابہ اور سب مسلمانوں نے بلکہ خود حضرت علی نے بھی کافر کہا ہے حضرت علی نے تو

اس فرقہ کے آدمیوں کو یہاں تک سزا دی کہ انہیں زندہ جلوا دیا گیا یہ لوگ جب کسی مسلمان کو اکیلا دیکھتے یا پاتے تھے قتل کر دیا کرتے تھے. پس یہی لوگ تھے جن پر تمام صحابہ کا حضرت علی کے ساتھ مرتد ہونے کا فتویٰ کفر موجود ہے وہ لوگ جو حضرت علی کی تعریف کرتے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان غنی سے کنارہ کش تھے ان کی نسبت صحابہ اور خود حضرت علی کا یہ فیصلہ ہو چکا تھا یہ اول درجہ کے خبیث اور بد باطن ہیں.

اب آپ چادر والی حدیث کو ملاحظہ فرمائیں جس پر شیعہ بہت اکڑتے ہیں اور ان کے خیال میں اہل بیت کی عظمت صداقت طہارت اور علو مرتبت کی اور کوئی دلیل نہیں. یہ بات زیادہ غور کرنے کے قابل ہے آج کل جب کوئی مناظرہ ہے یا مباحثہ ہوتا ہے تو سب سے پہلے چادر والی حدیث پیش کی جاتی ہے اب ہم اس پر بحث کرنا چاہتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ اسکی اصلیت کیا ہے.

ہم مانتے ہیں کہ امام احمد اور ترمذی نے ام سلمہ کی حدیث سے نقل کیا ہے اور مسلم نے اپنے صحیح میں حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کیا ہے جیسا کہ آپ فرماتی ہیں کہ ایک دن صبح کو رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے آپ ایک سیاہ اونی چادر اوڑھے ہوئے تھے اتنے میں حسن بن علی آ گئے تو آپ نے انہیں اپنی چادر میں لے لیا پھر حسین بن علی آئے انہیں بھی آپ نے چادر میں بٹھا لیا پھر خاتون محشر حضرت بی بی فاطمہؓ آئیں تو انہیں بھی وہی چادر اڑھائی پھر حضرت علی آئے ان پر بھی وہی چادر ڈال دی جب یہ سب کچھ ہو چکا تو آپ نے یہ آیت پڑھی اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا اب دیکھنا یہ چاہیے کہ حضرت بی بی فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم حضرت علی کے شریک حال ہیں لہٰذا حضرت علی کی کوئی خصوصیت اس میں نہیں رہی. اسکے علاوہ اس حدیث کا مضمون یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں اس امر کی دعا کی تھی کہ اللہ ان کی پلیدی کو دور کر دے. اور انہیں پاک کر دے ان کے لئے اس دعا کے ہونے کا زیادہ سے زیادہ فائدہ نکل سکتا ہے کہ وہ ان پرہیزگار لوگوں میں سے ہو جائیں جن سے اللہ نے پلیدی رفع کر کے انہیں پاک بنا دیا ہے پلیدی سے بچنا سب مسلمانوں پر واجب ہے اور پاک رہنے کا سب مسلمانوں کو حکم کیا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِنْ حَرَجٍ

وَلٰکِنْ یُرِیْدُ لِیُطَھِّرَکُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکُمْ (یعنی اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کچھ تنگی کرے لیکن یہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کر دے اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دے. اور پھر فرمایا خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ صَدَقَۃً تُطَھِّرُکُمْ وَتُزَکِّیْھِمْ بِھَا یعنی اے نبی ان لوگوں کے مالوں سے صدقہ لو جسکے ذریعے سے انہیں پاک اور صاف بنا دو اور پھر فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے. اس سے صاف یہ نتیجہ نکل آیا کہ حضرت خاتون محشر حضرت علی اور حضرت حسین کے حق میں یہ دعا مامور کو کرنے اور ممنوع کو چھوڑنے کے لئے ہوئی تھی اب اسکے مقابلہ میں آپ ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت صدیق اکبر کی طرف سے اللہ تعالیٰ نے فرقان حمید میں یہ فرمایا وَسَیُجَنَّبُھَا الْاَتْقَی o الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَہٗ یَتَزَکّٰی o وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَہٗ مِنْ نِّعْمَۃٍ تُجْزٰٓی o اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْہِ رَبِّہِ الْاَعْلٰی وَلَسَوْفَ یَرْضٰی o (سورت والیل: ۱۷ تا ۲۱) یعنی وہ پرہیز گار جو اپنا مال اپنے پاک ہونے کے لئے دیتا ہے اور اللہ کے ہاں کسی کا کچھ احسان نہیں ہے جس کا بدلہ اس کو دیا جائے مگر اپنے پروردگار بزرگ و برتر کی رضامندی حاصل کرنے کے صلہ میں اور عنقریب وہ راضی ہو جائے گا. پھر فرماتا ہے. وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ وَاَعَدَّلَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اَبَدًا ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (التوبہ: ۱۰۰) یعنی مہاجرین وانصار میں سے پہلے سبقت کرنے والے اور جن لوگوں نے نیکی کے ساتھ انکی پیروی کی ہے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے. اور ان کے لئے اللہ نے باغ تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے یہی بڑی کامیابی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان مقدس انفاس نے بلاشک وشبہ حکم الٰہی کو ادا کیا اور ممنوع ترک کیا کیونکہ یہ رضامندی اور یہ جزا فقط اسی سے حاصل ہو سکتی ہے. غرض یہ لوگ پلیدی سے بہت دور اور گناہوں سے بالکل پاک تھے. یہ ان کی صرف بعض صفات کا ذکر ہے اس کے علاوہ ان میں اور بھی بہت سی صفتیں تھیں جن سے انہیں تقرب الی اللہ حاصل ہوا۔ اور آج لاکھوں بلکہ کروڑوں مسلمان ان کی تعظیم کرتے ہیں. اور ان کی نیک صفات نیک عادات صدق مقالی سادہ

معاشرت اور اسلام کے پرجوش فدائی ہونے کو متمدن یورپ نے بھی تسلیم کرلیا ہے. اس سے یہ نتیجہ آسانی سے نکل سکتا ہے کہ جن چار چادر والوں کے لئے حضور نے دعا کی وہ اس صفت کا ایک حصہ ہے جس سے اللہ نے سابقین اولین کو موصوف فرمایا ہے اسکے علاوہ یہ بات بھی دیکھنا چاہیے. کہ حضور نے ان چادروں والوں کے علاوہ اور مسلمانوں کے حق میں بھی کھلے الفاظ میں یہ دعا فرمائی ہے کہ اللہ ان پر رحمت نازل کرے اور بہت سے مسلمانوں کے لئے آپ نے جنت و مغفرت کی دعا کی ہے جو چادر والی دعا سے بدر جہا بہتر ہے. ہاں یہ ضرور نہیں جسکے حق میں آپ نے مغفرت رحمت اور جنت کی دعا کی ہو، اسکا مرتبہ سابقین اولین سے بڑھا ہوا ہو بلکہ اصل مطلب یہ ہے کہ جب ان چادر والوں پر پلیدی سے بچنا اور پاکی حاصل کرنا واجب کر دیا تو حضور نے یہ دعا کی جس چیز کے کرنے کا اللہ نے حکم دیا اس میں وہ ان کی مدد فرمائے تا کہ وہ ذم اور عتاب کے مستحق نہ ہو جائیں بلکہ مدح اور ثواب کو حاصل کریں.

پھر شیعہ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت علی نے نماز پڑھنے میں ایک فقیر کو خیرات دی اور یہ کسی صحابی سے نہ ہو سکا قرآن مجید کی آیت پر صرف اب تک حضرت علی ہی نے عمل کیا ہے تو اس سے حضرت علی کی فضیلت صحابہ سے بڑھی ہوئی ہے. یہ دعویٰ شیعوں کا کہاں تک سچا ہے اسکے متعلق ہم کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں. چنانچہ وہ آیت یہ ہے. یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ، شیعون کا یہ قول ہے حضرت امیر نے یہ فرمایا ہے. کہ میرے سوا اس آیت پر کسی نے عمل نہیں کیا اور اللہ نے میری ہی وجہ سے اس آیت کے حکم میں امت مرحومہ کے ذمہ سے آسانی کر دی ہے. اب اسکا جواب ملاحظہ فرمائیے. اس طرح صدقہ کرنے کا حکم مسلمانوں پر واجب نہ تھا تا کہ وہ اسکے نہ کرنے سے گنہگار بنتے بلکہ یہ حکم اسی کو کیا گیا تھا. جو اپنا راز حضور انور کو بتانا چاہے کیونکہ اس آیت کے معنی یہ ہیں اے مسلمانو جب تم ہمارے رسول سے کچھ راز کہو تو اپنے راز کہنے سے پہلے ہماری راہ میں کچھ صدقہ دیدیا کرو اتفاق ایسا ہوا کہ اس وقت سوائے حضرت علی کے کسی مسلمان کے پاس ایسے راز کی بات نہ تھی جو حضور انور سے صدقہ دینے سے پہلے عرض کرتا مگر حضرت علی کے پاس کوئی راز کی بات ایسی تھی کہ جب آپ حضور سے

عرض کرنا چاہتے تھے چنانچہ آپ نے صدقہ دیا اور اپنے راز کی بات کہدی اسکی بالکل ایسی مثال ہے کہ جو عمرہ کے ساتھ حج کرنے کا ارادہ کرے تو اسے ہدیہ دینے کا حکم ہے اور جو شخص فقط حج یا عمرہ کرے اسے یہ حکم نہیں ہے اور جو شخص حج کرنے سے کہیں رک جائے تو اسے بھی ہدیہ دینے کا حکم ہے اسی طرح جس شخص کے سر میں جوئیں پڑ جائیں اور ان سے اسے بہت سخت تکلیف ہو تو اس شخص کو یہ حکم ہے کہ فدیہ دے یعنی روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے مگر سب کو یہ حکم نہیں ہے اور یہ آیت جس میں فدیہ دینے کا حکم ہے. کعب بن عجرہ صحابی کے حق میں نازل ہوئی ہے اور اسکی کیفیت یہ ہے کہ جب حضور انور انکے پاس گئے تو وہ دیگچی کے نیچے آگ جلا رہے تھے. اور انہیں سر کی جوئیں بہت ستا رہی تھیں بس اس وقت یہ آیت نازل ہوئی ایسا ہی حکم ان لوگوں کو ہے جو بیمار ہوں یا سفر میں ہوں کہ وہ اور دنوں میں روزہ رکھ لیں۔ اسی طرح جو شخص اپنی قسم میں اعانت ہو جائے یعنی اسکی قسم ٹوٹ جائے تو اسے حکم ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا انہیں کپڑا دے یا ایک غلام آزاد کرے اسی طرح جب لوگ نماز پڑھنا چاہیں تو انہیں حکم ہے کہ اپنے مونہوں کو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولیں اور جب کوئی مسلمان قرآن شریف پڑھتا ہے تو اسے حکم ہے کہ مردود شیطان سے پہلے اللہ کی پناہ مانگے. خلاصہ یہ ہے کہ اس قسم کے احکام اپنی اپنی شرطوں سے تعلق رکھتے ہیں. عام طور پر نہیں ہیں اور اس قسم کی مثالیں اور بھی بہت سی ہیں پس جو حکم کسی شرط سے تعلق رکھتا ہو تو جب وہ شرط سوائے ایک آدمی کے کسی میں نہ پائی جائے گی تو وہ حکم بھی سوائے اسی کی ایک آدمی کے اور کسی کے حق میں نہ ہوگا. اسی طرح اس آیت کو بھی سمجھ لینا چاہیے کیونکہ اس آیت کے نازل ہونے پر سوائے حضرت علی کے کوئی راز صحابہ کے پاس ایسا نہ تھا جو حضور میں عرض کرتے اور اس سے پہلے صدقہ دیتے ایسا عمل ائمہ کی خصوصیات میں سے نہیں ہوتا اور نہ اس میں حضرت علی کی کچھ خصوصیات ہو سکتی ہے. اب اگر ایک کمینہ خیال یہ دل میں پیدا ہو کہ حضرت علی کے سوا اور صحابہ نے صدقہ دینے سے بخل کرنے کے سبب سے راز نہ کہا ہو تو ایسا کمینہ خیال سخت افسوسناک ہے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ جس روز رسول اللہ ﷺ نے صدقہ دینے کی ترغیب دی تو سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر نے اپنا سارا مال راہ خدا میں خیرات کر دیا اور بلاضرورت راز کے حضرت

فاروق اعظم اپنے کل مال میں سے نصف لیکر حضور خدمت میں حاضر ہو گئے. اب بتائیے کہ دو تین درہموں کے دینے سے تو یہ غل وشور مچا دیا اور جہاں ہزاروں روپے کا مال بغیر راز کی بات کہنے کے شیخین نے صدقہ کر دیا اسکی طرف سے آنکھیں پھیر لیں. زید بن اسلم نے اپنے باپ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں نے عمرؓ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صدقہ کرنے کا حکم دیا اتفاق سے اس روز میرے پاس بھی مال تھا میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر میرے مقدر میں ابوبکر سے سبقت کر جانا ہے تو آج میں ضرور سبقت کر جاؤں گا. چنانچہ اسی خیال سے میں اپنا نصف مال لیکر حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا حضور انور نے ارشاد کیا اے عمر تو اپنے گھر والوں کے لئے بھی کچھ چھوڑ کر آیا ہے یا نہیں میں نے عرض کیا حضور نصف یہاں لایا ہوں اور نصف حصہ گھر چھوڑ آیا ہوں. اتنے میں ابوبکر اپنا سارا مال لیکے حاضر ہوئے. حضور نے ان سے بھی یہ ہی دریافت کیا کہ تم اپنے گھر والوں کے لئے بھی کچھ چھوڑ آئے ہو تو انہوں نے عرض کیا نہیں ان کے لئے اللہ اور اسکا رسول بس ہے اس وقت میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ میں ابوبکر سے کسی طرح سبق نہیں لے جا سکتا.

عام شیعی علماء مفصلہ ذیل روایت کو بڑی طمطراق سے اپنی کتابوں میں نقل کرتے ہیں اور اس سے حضرت علی کی فضیلت ظاہر کرتے ہیں وہ روایت یہ ہے محمد بن کعبؓ روایت کرتا ہے. کہ طلحہ بن شیبہ نے بنی عبدالدار عباس بن عبدالمطلب اور علی بن ابی طالب کے سامنے فخر یہ یہ کہا کہ میرے پاس بیت اللہ کی کنجیاں ہیں اور میں اسکا کارمختار ہوں اگر میں چاہوں تو بیت اللہ میں رات کو رہ سکتا ہوں اس پر عباس بولے کہ میں صاحب سقایہ ہوں یعنی چاہ زمزم پر میری سرپرستی ہے ہر طرح سے مختار کار ہوں اگر میں چاہوں تو مسجد حرام میں رات کو رہ سکتا ہوں. اس پر حضرت علی نے فرمایا کہ میں مطلق نہیں سمجھتا کہ تم دونوں کیا کہتے ہو کیا اسکے معنی یہ ہیں کہ در پردہ تم دونوں مجھ سے افضل ہونے کا دعویٰ کرتے ہو دیکھو میں وہ ہوں کہ میں نے سب لوگوں سے پہلے چھ مہینہ تک قبلہ رخ نماز پڑھی اور میں ہی صاحب جہاد تھا اس وقت اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی. اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا

يَسْعَوْنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (التوبہ:۱۹) یعنی کیا تم نے حاجیوں کا پانی پلانا اور مسجد حرام کا آباد کرنا اُس شخص کے (اعمال) کے برابر کر دیا جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان لایا اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اللہ کے نزدیک (یہ دونوں ہرگز) برابر نہیں ہیں. اور ظالموں کو اللہ ہدایت نہیں کرتا. اور اب اسکا جواب ملاحظہ فرمایئے اور شیعی علماء کی طمطراق کو دیکھئے جو الفاظ کہ شیعی علما نے پیش کئے ہیں وہ حدیث کی معتبر کتابوں میں نہیں ملتے بلکہ ان الفاظ کے کذب محض ہونے کی بہت سی دلیلیں ہیں پہلی دلیل تو یہ ہے کہ طلحہ بن شیبہ کا کسی کتاب سے بھی وجود ثابت نہیں ہوتا. کیونکہ خادم کعبہ تو شیبہ بن عثمان بن طلحہ تھے اس سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ یہ حدیث ہرگز صحیح نہیں ہے پھر اس میں عباس کا یہ کہنا کہ اگر میں چاہوں تو رات کو مسجد حرام میں سو رہوں یہ تو کچھ فضیلت کی بات نہیں ہے اسکے بعد حضرت علی کا یہ فرمانا کہ میں نے چھ مہینے تک قبلہ رخ سب آدمیوں سے پہلے نماز پڑھی ہے محض لغو اور بیہودہ ہے اور جسکا باطل ہونا روز روشن کی طرح ظاہر ہے کیونکہ حضرت ابوبکر زید اور خدیجہ الکبری کے اسلام لانے میں اور حضرت علی کے اسلام لانے میں صرف ایک دن یا اس سے قریب قریب کچھ فاصلہ ہے پھر کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ حضرت علی نے سب سے پہلے چھ مہینہ تک نماز پڑھی ہو، رہا شیعی علماء کی زبان سے حضرت علی کا دعویٰ کرنا کہ میں صاحب جہاد تھا محض غلط اور لغو ہے کیونکہ جہاد میں نہ صرف حضرت علی بلکہ اور ہزاروں صحابہ شریک تھے. مسلم نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں اس طرح نقل کیا ہے "نعمان بن بشیر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں. ایک دفعہ میں رسول اللہ ﷺ کے منبر کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک آدمی نے یہ کہا مجھے اسکی پروا نہیں ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد بھی کوئی نیک عمل کروں سوائے اسکے کہ حاجیوں کو آب زمزم پلایا کروں دوسرے نے کہا مجھے بالکل پروا نہیں ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد کوئی نیک عمل کروں سوائے اسکے کہ مسجد حرام کو آباد رکھوں. ان دونوں کا مطلب یہ تھا کہ اسلام لانے کے بعد سب سے افضل کام یہی ہیں اتنے میں ایک اور شخص یہ بول اٹھا کہ جو کچھ تم نے کہا ہے اس سے بدرجہا افضل راہ اللہ میں جہاد کرنا ہے اسپر حضرت عمر نے سب کو دھمکایا کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے منبر کے پاس شور مت مچاؤ آج جمعہ کا دن ہے میں جمعہ کی نماز پڑھ کر حضور کی خدمت میں حاضر ہونگا اور جس میں تم جھگڑ رہے ہو حضور سے فتویٰ لے دونگا اُس

وقت اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی جو اوپر لکھی جا چکی ہے۔اس آیت سے کچھ ائمہ کی خصوصیت ظاہر نہیں ہوتی نہ اس میں حضرت علی کی کچھ خصوصیت ہے کیونکہ جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں جہاد کئے ان کی تعداد بے حد و بے پایاں ہے اور اس وصف میں مہاجرین و انصار بھی سب کے سب شریک ہیں ہاں خاص کر صدیق اکبر اور فاروق اعظم ایمان و جہاد میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔اللہ تعالے نے فرمایا ہے۔ اَلَّذِیۡنَ آمَنُوۡا وَ ھَاجَرُوۡا وَجَاھَدُوۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ بِاَمۡوَالِھِمۡ وَ اَنۡفُسِھِمۡ اَعۡظَمُ دَرَجَۃً عِنۡدَ اللّٰہِ (التوبہ:۲۰) یعنی جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا وہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑے مرتبہ کے ہیں۔غرض بلا شک وشبہ یہ بات ماننی پڑے گی۔کہ صدیق اکبر کا جہاد اپنے مال اور اپنی جان سے حضرت علی وغیرہ کے جہاد سے کہیں زیادہ تھا چنانچہ صحیح حدیث میں حضور انور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اور نبی کا یہ قول مسلمانوں کے لئے زبردست اور غیر متبدل قانون کا حکم رکھتا ہے وہ قول یہ ہے۔ ان امن الناس علینا فی صحبته و ذات یده ابو بکر (یعنی ساتھ دینے اور مال خرچ کرنے میں ہم پر سب سے زیادہ احسان کرنے والے ابو بکر ہیں پھر فرمایا۔ نفعنی مال ما نفعنی مال ابی بکر یعنی اتنا فائدہ کسی مال نے نہیں دیا جتنا فائدہ مجھے ابو بکر کے مال نے دیا ہے۔کون اس سے انکار کر سکتا ہے کہ ابو بکر اپنی زبان اور اپنے ہاتھ سے سب سے بڑے مجاہد تھے اور یہ ان لوگوں میں سب سے اول ہیں جنھوں نے اللہ کی طرف بلایا اور یہی ان میں بھی اول ہیں جنھیں رسول اللہ ﷺ کے بعد اللہ کو ماننے میں تکلیف دی گئی اور آپ ہی ان میں بھی اوّل ہیں جنھوں نے حضور کی دل و جان سے حمایت کی آپ رسول اللہ ﷺ کے ہجرت کرنے کے بعد جہاد کرنے میں بھی شریک رہے ہیں یہانتک کہ جنگ بدر میں حضور کے ساتھ قریش میں آپ ہی اکیلے تھے اور احد کی لڑائی کے دن ابو سفیان نے سوائے رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر و عمر کے اور کسی کو نہیں پوچھا جب اس نے بآواز بلند یہ کہا کہ کیا تم میں محمد ﷺ ہیں تو حضور نے فرمایا کہ اسے جواب نہ دو پھر اس نے کہا کہ کیا تم میں ابن ابی قحافہ (یعنی ابو بکر) ہیں پھر بھی حضور نے یہی فرمایا کہ اسے جواب نہ دو پھر اسنے کہا کہ کیا تم میں ابن خطاب (یعنی فاروق اعظم) ہیں حضور نے پھر بھی یہی

ارشاد کیا کہ اسے جواب نہ دو. جب جواب نہ آیا تو ابوسفیان نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا اب اچھی طرح باآواز سنو کہ ان تینوں کو تم قتل کر چکے یہ سنکر حضرت فاروق اعظم سے نہ رہا گیا انھوں نے باآواز بلند پکار کر کہا کہ اے دشمن جنکا تو نے نام لیا ہے یہ سب زندہ ہیں اور اللہ نے ایسی چیز باقی رکھی ہے جو تیرے دل کو خوب جلائے گی (اس روایت کو بخاری وغیرہ نے نقل کیا ہے.)

اب رسول اللہ ﷺ کے وصی ہونے کی روایت کو ملاحظہ فرمایئے شیعی علماء کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے انس بن مالک سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سلمان سے کہا کہ تم نبی ﷺ سے پوچھو کہ آپ کا وصی کون ہے حضور نے فرمایا اے سلمان موسی کا وصی کون تھا اس نے عرض کیا یوشع بن نون آپنے فرمایا کہ بس میرا وصی میرا وارث علی بن ابی طالب ہے جو میرا قرضہ ادا کرے گا اور میرے وعدوں کو انجام دیگا. اسکا جواب ملاحظہ فرمایئے تمام محدثین کا اسپر اتفاق ہے کہ یہ حدیث بالکل جھوٹی اور گھڑی ہوئی ہے امام احمد حنبل کی مسند میں کہیں اسکا پتہ نہیں لگتا ہاں امام احمد بن حنبل نے فضائل صحابہ میں ایک کتاب تصنیف کی ہے اس میں ابوبکر عمر عثمان علی اور بہت سے صحابہ کے فضائل ذکر کیئے ہیں. اور اس بارے میں جتنی صحیح اور ضعیف روایتیں انہی مل سکیں انھوں نے بلا تنقید و تحقیق سب بھر دیں لہذا ایک نادان شخص بھی یہ دعوی نہیں کر سکتا کہ اُس مسند کی جو حدیث نقل کی جائے اسکی صحت میں پھر کوئی کلام نہ کر سکے. اس کے علاوہ اس کتاب میں ان کے بیٹے عبداللہ نے بھی بہت سی روایتیں الحاق کر دی ہیں اس طرح قطعی شک نے اپنے استاد کی نقل کردہ روایتوں سے بہت کچھ اس کتاب کو بھر دیا ہے وہ روایتیں اکثر غلط جھوٹی ہیں. ان میں سے بعض کا ذکر ہم آگے کرینگے غضب یہ ہے کہ قطعی کے استادوں نے ان لوگوں سے روایتیں لی ہیں جو امام احمد کے طبقہ میں ہیں مگر جاہل رافضی ہیں حب لوگ مسند میں کوئی حدیث دیکھتے تو یہ سمجھ جاتے تھے کہ اسے احمد بن حنبل نے روایت کیا ہے امام کے بیٹے عبداللہ نے جتنی رواتیں حضرت علی بن ابی طالب کے متعلق لکھی ہیں وہ سخت جھوٹی اور سرتاپا غلط ہیں.

ایک اور فضیلت: عام شیعی علما بڑے فخر سے بیان کرتے ہیں کہ حسب روایات یزید بن ابی مریم حضرت علی نے فرمایا ہے ایک دن میں اور رسول کریم خانہ کعبہ کے پاس پہنچے تو حضور نے مجھ

سے ارشاد کیا۔ تم بیٹھ جاؤ چنانچہ میں بیٹھ گیا پھر آپ میرے کندھوں پر کھڑے ہو گئے. جب میں آپ کو لیکر اٹھنے لگا تو آپ نے مجھ میں کمزوری دیکھی کیونکہ میری ٹانگیں لرزنے لگی تھیں. اور میں اچھی طرح اٹھ نہیں سکتا تھا آپ فوراً نیچے اُتر آئے خود بیٹھ گئے اور مجھے حکم کیا تم میرے کندھوں پر کھڑے ہو جاؤ چنانچہ میں نے حکم کی تعمیل کی آپ مجھے بے تکان لیکے کھڑے ہو گئے اس وقت میری یہ حالت تھی اور میں دل میں یہ سمجھ رہا تھا کہ افق آسمان تک پہنچ جاؤنگا۔ یہاں تک کہ میں بیت اللہ پر چڑھ گیا یہاں میں نے تانبے پیتل کا ایک بت رکھا ہوا دیکھا میں نے اسے اِدھر اُدھر پلٹا دیا اور جب میں اُسے اُٹھانے لگا تو حضور نے فرمایا اِسے نیچے پھینک دو میں نے اُسے نیچے پھینک دیا وہ گرتے ہی شیشہ کی طرح کرچی کرچی ہو گیا۔ پھر میں اور حضور انور وہاں سے چلے آئے۔ فقط.

اگر ہم اس حدیث کو صحیح بھی تسلیم کر لیں تو بھی اس میں حضرت علی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے کیونکہ بارہا ایسا دیکھا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابوالعاص کی لڑکی کو اپنے کندھوں پر بٹھا کے نماز پڑھ لیا کرتے تھے. جس وقت کھڑے ہوتے اٹھا لیتے اور جس وقت سجدہ کرتے تو اُسے علیحدہ بٹھا دیتے اسی طرح حضرت امام حسن بھی نماز کی حالت میں حضور کے کندھوں پر چڑھ جاتے تھے جب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی تو پھر حضرت علی کا اٹھا لینا اُن کے لئے کچھ خصوصیت کا باعث نہیں ہوا. اگر اس میں کوئی فضیلت ہے تو حضور انور کی ہے کہ آپ نے حضرت علی کو بے تکان اُٹھا لیا اور حضرت علی آپ کو نہ اُٹھا سکے اگر ہم بلا رورعایت اس فضیلت پر نظر کریں تو سب سے زیادہ طلحہ بن عبداللہ اس فضیلت کا مستحق ہے. جس نے جنگِ احد میں حضور انور کو اپنے کندھوں پر اٹھا کے ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچا دیا تھا اپنی جان و مال سے حضور انور کو نفع پہنچانا فضیلت رکھتا ہے یا حضور انور کی جان و مال سے اپنی ذات کو نفع پہنچانا کچھ افضل ہے.؟ مومن کی شان تو یہی ہے کہ اپنی جان و مال سے حضور انور کو نفع پہنچائے نہ حضور کی جان و مال سے خود نفع حاصل کرے.

ایک اور فضیلت :شیعی علماء کہتے ہیں کہ ابن ابی لیلیٰ سے مروی ہے حضور نے فرمایا صدیقین تین شخص ہیں ایک حبیب نجار جو آل یاسین میں سے ہے دوسرے حزقیل مومن آل فرعون میں سے

اور تیسرے علی بن ابی طالب اور یہ سب سے افضل ہے. فقط

اسکا جواب ملاحظہ فرمائیے یہ رسول اللہ ﷺ پر بہت بڑا بہتان ہے کیونکہ صحیح میں یہ ثابت ہو چکا ہے آپ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صدیق کہا اور پھر صحیح میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور وہ حضور انور سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا. علیکم بالصدق فان الصدق یهدی الی البروان البر یهدی الی الجنة ولا یزال الرجل یصدق ویتحری الصدق حتی یکتب عند الله صدیقا وایاکم والکذب فان الکذب یهدی الی الفجور و الفجور یهدی الی النار و لا یزال الرجل یکذب ویتحری الکذب یکتب عند الله کذابا . یعنی تم اپنے اوپر سچ بولنے کو لازم کرلو کیونکہ سچ بولنا نیکی کا راستہ دکھاتا ہے اور نیکی بہشت میں پہنچا دیتی ہے جو آدمی ہمیشہ سچ بولتا ہے اور سچ ہی بولنے کا قصد رکھتا ہے وہ اللہ کے نزدیک صدیق لکھ دیا جاتا ہے اور تم جھوٹ بولنے سے بچو کیونکہ جھوٹ بولنا فجور کا راستہ دکھاتا ہے اور فجور دوزخ میں پہنچا دیتا ہے اور جو آدمی ہمیشہ بولتا ہے اور جھوٹ ہی بولنے کا قصد رکھتا ہے. وہ کذاب لکھ دیا جاتا ہے. فقط۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہو گیا کہ صدیقین بہت سے لوگ ہیں اسکے علاوہ اللہ تعالیٰ نے مریم بنت عمران کے حق میں صدیقہ کا لفظ فرمایا حالانکہ وہ عورت ہیں اور خود حضور انور نے فرمایا کمل من الرجل کثیر ولم یکمل من النسا الا اربع . یعنی مردوں میں سے تو بہت سے کامل ہو چکے ہیں مگر عورتوں سے صرف چار ہی عورتیں کامل ہیں. اس سے یہ استنباط ہوتا ہے کہ مردوں میں صدیقین بہت سے ہوئے ہیں.

ایک اور فضیلت: سب سے زیادہ شیعی علماء کو حضور کے اِس قول پر بہت بڑا ناز ہے. انت منی انا منک یعنی تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں. فقط یہ حدیث بیشک صحیح ہے براء بن عازب کی سند سے اِسے صحیحین میں نقل کیا ہے اس طرح کہ جب علی، جعفر اور زید میں امیر حمزہ کی بیٹی پر جھگڑا ہوا تو حضور انور نے اِس لڑکی کو اُسکی خالہ کے سپرد کر دیا اور وہ جعفر کے نکاح میں آ گئیں. اس پر بطور ڈھارس کے حضور نے حضرت علی سے ارشاد کیا تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں. اور جعفر سے

فرمایا تم عادات اور خلقت میں میرے مشابہ ہوا اور زید سے فرمایا تم ہمارے بھائی اور ہمارے مولیٰ ہو لیکن یہی الفاظ کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں رسول اللہ ﷺ نے بہت سے صحابہ کے حق میں بھی فرمائے ہیں۔ جیسا کہ صحیحین میں ابوموسیٰ اشعری سے مروی ہے کہ جب ایک غزوہ میں اشعری لوگ بے سروسامان ہو گئے اور مدینہ میں اُن کی بہت تنگ زندگی بسر ہونے لگی تو جو لوگ اُن میں امیر تھے اُنہوں نے اپنا سارا مال ایک جگہ جمع کر دیا اور سب اشعریوں کو جمع کر کے اس مال کی برابر تقسیم کر لی. اس پر حضور انور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا. **ھم منی و انا منھم**، یعنی یہ مجھ سے ہیں اور میں اِن سے ہوں اور اسی طرح آپ نے جلیبب صحابی کے حق میں فرمایا تھا کہ وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں. چنانچہ مسلم نے اپنی صحیح میں ابی برزہ سے روایت کی ہے ایک غزوہ میں ہم حضور کے ساتھ تھے اللہ نے حضور کو اُس وقت فتح دی حضور نے دریافت کیا کہ یہاں کوئی صحابی غیر حاضر تو نہیں ہے عرض کیا فلاں فلاں دو آدمی نہیں ہیں پھر آپ نے فرمایا کہ اچھی طرح دیکھو کون کون حاضر ہیں عرض کیا گیا کہ تین آدمی غیر حاضر ہیں پھر آپ نے اپنے فرمایا بس ان کے علاوہ تو اور کوئی غیر حاضر نہیں ہے عرض کیا گیا نہیں. حضور نے فرمایا کہ مجھے یہاں جلیبب نہیں معلوم ہوتا ابھی ان کی تلاش کرو تلاش کرنے پر مقتولین میں ملے جہاں سات آدمی اُنہیں قتل کئے ہوئے پڑے تھے. جلیبب سے انکی لڑائی ہوئی تھی. سات آدمیوں کو مار کے وہ بھی جاں بر نہ ہو سکے حضور سنتے ہی فوراً ان کی لاش کے پاس آئے اور فرمایا کہ جلیبب نے سات آدمیوں کو مارا ہے اور پھر خود بھی قتل ہو گئے، یہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں حضور نے ان کی لاش کو اپنی کلائیوں پر اُٹھالیا انہیں تختہ پر نہیں رکھا اور قبر کھدوا کے انہیں دفن کر دیا. اس سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ حضور کا حضرت علی کے حق میں یہ فرمانا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں کچھ خصوصیت نہیں رکھتا جب یہ الفاظ آپ نے اشعریین کے حق میں بھی فرمائے جنکا مرتبہ خلفائے ثلاثہ سے کہیں کم ہے تو پھر حضرت علی کیلئے ان الفاظ سے کوئی وجہ فضیلت نہیں نکلتی.

ایک اور فضیلت : علمائے شیعہ اِس بات پر اتراتے ہیں کہ حضور انور نے فرمایا ہے کہ دس فضیلتیں علی بن ابی طالب میں ایسی ہیں جو اُن کے سوا کسی میں نہیں اور وہ دس فضیلتیں یہ ہیں.

(۱) ایک دن حضور انور نے فرمایا کہ میں ایک ایسے آدمی کو فوج کا سرگروہ بنا کے بھیجوں گا کہ اللہ تعالیٰ کبھی اُسے رسوا نہ کرے گا وہ اللہ سے اور اُسکے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اللہ کا رسول اُس سے محبت رکھتے ہیں. یہ سُن کر ہر ایک نے تمنا کی کہ حضور کی نظر شاید ہم پر پڑ جائے اور یہ فضیلت ہمیں حاصل ہو جائے. مگر تھوڑی دیر سکوت کے بعد حضور نے فرمایا کہ علی بن ابی طالب کہاں ہیں لوگوں نے عرض کیا کہ اُنکی آنکھیں بہت دُکھتی ہیں اور وہ آٹا پیس رہے ہیں. حالانکہ انہیں آٹا کوئی نہیں پیستا تھا کہ اسی اثنا میں حضرت علی وہاں آ گئے آنکھوں پر اِس قدر زور تھا کہ وہ دیکھ نہیں سکتے تھے حضور نے اپنا لعاب دہن اُنکی آنکھوں پر لگا دیا اور پھر تین دفعہ جھنڈا ہلا کے حضرت علی کو دے دیا. پھر وہ فتح پا کے صفیہ بنت حیی ابن اخطب کو لے آئے.

(۲) حضور نے ابوبکر کو سورہ براۃ دے کے بھیجا اور ان کے پیچھے ہی علی کو بھیجا جنہوں نے اُن سے سوہ براۃ لے لی. پھر آپ نے فرمایا کہ اسے وہی لے جا سکتا ہے. کہ وہ مجھ سے ہوا اور میں ان سے ہوں.

(۳) ایک دن حضور نے اپنے چچا کی اولاد سے پوچھا کہ تم میں سے دین و دنیا میں کوئی میرا ساتھ دے سکتا ہے سب نے انکار کر دیا فقط علی بولے کہ دین و دنیا میں میں آپکا ساتھ دے سکتا ہوں پھر آپ نے ہر ایک شخص سے الگ الگ پوچھا اور سب نے نفی میں جواب دیا. لیکن حضرت علی برابر یہی کہتے رہے کہ دین و دنیا میں میں آپ کے ساتھ ہوں اُس وقت آپ نے فرمایا کہ بے شک تم دین و دنیا میں میرے وارث ہو. (۴) خدیجہ الکبریٰ کے بعد سب لوگوں میں پہلے علی ہی اسلام لائے.

(۵) ایک دن رسول اللہ ﷺ نے اپنا کپڑا لیکے علی فاطمہ، حسن حسین کو اڑھالیا اور فرمایا "اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا.

(۶) ہجرت کے وقت آپ نے اپنی جان آڑ دے دی اور رسول اللہ ﷺ کے کپڑے پہن کر آپکی جگہ سو گئے. مشرک آپ کو برابر پتھر مار رہے تھے.

(۷) جنگ تبوک میں جب حضور لوگوں کو لیکر نکلے تو حضرت علی نے آپ سے عرض کیا کہ میں آپ کے ساتھ چلوں گا حضور نے فرمایا نہیں سنتے ہی علی رونے لگے اُس پر آپ نے فرمایا کہ کیا تم اِس بات پر راضی نہیں ہوتے کہ میرے لئے تم ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لئے ہارون. ہاں یہ ضرور ہے

کہ تم نبی نہیں ہو. میں کسی طرح مناسب نہیں سمجھتا کہ تمہیں اپنی جگہ چھوڑے بغیر چلا جاؤں نہیں تم میرے خلیفہ ہو کر رہو. (۸) ایک مرتبہ حضور نے حضرت علی سے فرمایا کہ میرے بعد تم ہر مومن کے حق میں میرے وارث ہو مسجد نبوی کے کل دروازے بند کر دیئے گئے تھے سوائے ایک علی کے دروازے کے. (۹) حضرت علی جنابت کی حالت میں بھی مسجد میں آ جاتے تھے. اور وہی انکا راستہ تھا اسکے علاوہ اور کوئی راستہ نہ تھا. ایک مرتبہ حضور نے فرمایا کہ جسکا میں مولیٰ ہوں اسکے علی بھی مولیٰ ہیں. (۱۰) حضور سے مرفوعاً مروی ہے کہ آپ نے براۃ میں ابوبکر کو مکہ بھیجا اس کے تین دن کے بعد آپ نے حضرت علی سے فرمایا کہ تم ابوبکر کے پاس جاؤ اور اُنہیں یہاں واپس بھیج دو اور برأۃ کی اشاعت تمہیں کرو چنانچہ فوراً اسکی تعمیل ہوئی ابوبکر جب واپس آئے تو حضور انور کے سامنے روتے لگے اور عرض کیا یا رسول کیا آپ نے مجھ میں کوئی برائی دیکھی؟ آپ نے فرمایا نہیں مجھے تو حکم ہی یہ ہوا ہے کہ براۃ کی اشاعت یا میں کروں یا کوئی میرا اور آدمی کرے. فقط۔

جواب: بس تمام شیعی مذہب کی یہی کائنات ہے اور اسی روایت پر وہ آپے کے باہر ہوئے چلے جاتے ہیں اب ہم اِسکا جواب دیتے ہیں یہ جواب بہت ہی غور سے سننے کے قابل ہے. یہ حدیث مستند نہیں ہے اور اگر عمرو بن میمون سے ثابت ہو جائے تب بھی مرسل ہوگی اور اس میں بہت سے ایسے الفاظ ملیں گے جن سے رسول اللہ پر ایک بہتان عظیم اُٹھایا گیا ہے مگر حضور کی طرف یہ نسبت دینا جیسا کہ اِس روایت میں اور آ چکا ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ علی یہ کسی طرح لائق نہیں ہے کہ میں تمہیں اپنی جگہ بغیر خلیفہ بنائے باہر چلا جاؤں یہ محض غلط اور بالکل لغو ہے کیونکہ حضور بارہا مدینہ کے باہر تشریف لے گئے ہیں اور حضرت علی کے سوا متفرق لوگ مدینہ میں آپ کے خلیفہ مقرر ہوئے ہیں چنانچہ جب آپ نے حدیبیہ کا عمرہ کیا تو حضرت علی آپ کے ساتھ تھے اور مدینہ میں آپ کا خلیفہ دوسرا شخص تھا اکے بعد آپ نے خیبر پر چڑھائی کی تو اُسوقت بھی علی آپ کے ساتھ تھے. اور مدینہ میں خلیفہ کوئی اور تھا. فتح مکہ میں بھی علی آپ کے ساتھ تھے. مدینہ میں اُس وقت بھی خلیفہ کوئی اور تھا. حنین اور طائف کی لڑائیوں میں بھی علی آپ کے ہمراہ تھے. اور مدینہ میں آپ کے خلیفہ اِن موقعوں پر کوئی اور تھے اور جب آپ نے حجۃ الوداع کیا تو اِس موقع پر علی آپ کے ہم رکاب تھے

اور مدینہ میں خلیفہ کوئی اور تھا. جنگِ بدر میں بھی حضرت علی آپ کے ساتھ تھے اور مدینہ میں اُس وقت بھی آپ کا خلیفہ کوئی اور تھا۔ یہ باتیں ایسی صاف اور روشن ہیں اور نفس واقعات سے تعلق رکھتی ہیں کہ ذرا بھی اِس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے. اب اگر کوئی یہ کہے کہ حضور کا خلیفہ بنانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خلیفہ افضل ہی آدمی کو بنایا کرتے ہیں تو اِس سے یہ لازم آئیگا کہ بہت سے غزووں میں علی مفضول تھے یعنی اور لوگ اُن سے افضل تھے. جب حضور انور کہیں باہر تشریف لے جاتے تھے تو اپنا ایک خلیفہ ضرور مقرر کر کے جاتے تھے اور اس پر سب کا اتفاق ہے. اسی طرح رسول اللہ پر یہ بہتان عظیم اُٹھایا گیا ہے کہ علی کے دروازہ کے سوا مسجد نبوی کے اور سب دروازے بند کر دیئے گئے تھے یہ قول بھی اُن اقوال میں سے ہے. جسکو مقابلہ کرنے کے لئے رافضیوں نے اپنی طرف سے گڑھ لیا ہے کیونکہ صحیح میں ابوسعید سے مروی ہے کہ حضور نے اپنے مرض وفات میں فرمایا ہے. ان امن الناس علی فی مالہ وصحتہ ابوبکر ولو کنت متخذاً خلیلا غیر ربی لا تخذت ابا بکر خلیلا ولا کن اخوۃ الاسلام و مودۃ لایبقین فی المسجد اخوخۃ الاسد الا خوخۃ ابی بکر یعنی اپنا مال خرچ کرنے میں اور ساتھ دینے میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان ابوبکر کا ہے اور اگر میں اپنے پروردگار کے سوا کسی کو خلیل بنانا چاہتا تو ابوبکر کو ضرو خلیل بناتا لیکن اسلامی بھائی بندی اور محبت، میں کافی سمجھتا ہوں اور مسجد میں سوائے ابوبکر کے راستہ کے اور کوئی نہ چھوڑا جائے. یہ روایت ابن عباس سے بھی صحیحین میں نقل ہوئی ہے. پھر ایک اور بہتان عظیم حضور انور پر اُٹھایا گیا ہے یعنی حضور نے حضرت علی سے یہ فرمایا کہ تم ہر مومن کے حق میں میرے وارث ہو. لاحول ولا قوۃ اِس قول کے موضوع ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے. پھر رافضیوں کی روایت کے اِس حصہ کو ملاحظہ فرمایئے جس میں یہ لکھا ہے کہ حضرت علی سے اللہ اور اللہ کا رسول محبت رکھتا ہے اور وہ اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتے ہیں یا حضرت کی نسبت یہ کہنا کہ وہ آپ کے آگے ایسے تھے جیسے موسیٰ کے آگے ہارون. یا یہ کہ جسکے رسول مولیٰ ہوں اُ کے علی بھی مولیٰ ہوں۔ یہ ایسی بے بنیاد باتیں ہیں جن سے کسی قسم کی کوئی فضیلت یا کسی قسم کی کوئی امتیاز حضرت علی کا ثابت نہیں ہوتا. یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ نہ صرف حضرت علی بلکہ مشرق ومغرب جنوب وشمال کا

ہر مسلمان اللہ کا اور اللہ کے رسول کا مولیٰ ہے. اب رہا سورہ بارۃ کا قصہ اسکا جواب شاہ عبدالعزیز نے اپنے تحفہ میں دیا ہے ہم اُسی کو کافی سمجھ کے یہاں نقل کر دیتے ہیں. مگر اُس وقت جواب کے نقل کرنے سے پہلے مختصر یہ عرض کر دیتے ہیں کہ عربوں میں یہ قاعدہ تھا کہ اگر کوئی پیغام وغیرہ انہیں بھیجا جائے تو وہ زیادہ تر اُس شخص کے قول کا اعتبار کرتے تھے. جو پیغام بھیجنے والے کا رشتہ دار ہو یا اُسکے خاندان کا کوئی آدمی ہو سمجھ میں نہیں آتا کہ اِس میں کونسی فضیلت نکلتی ہے. حضور نے پہلے اپنے صدیق کو سورۂ براۃ دے کے روانہ کیا مگر جب آپ کو وحشی اور جاہل عربوں کے قاعدہ کا خیال آیا تو آپ نے حضرت علی کو بھیج دیا کہ تم جا کے اِسکی اشاعت کرو مبادا وہ یہ چون و چراں نہ کرنے لگیں کہ وہ رسول اللہ کے خاندان کا کوئی نہیں کہ ہم اِسکی بات مانیں اور اُس سے عہد کریں. اب جو جواب شاہ عبدالعزیز نے اِس بہتان عظیم یا طعنہ کا دیا ہے وہ ملاحظہ ہو. چنانچہ آپ فرماتے ہیں. "شیعوں نے اِس روایت میں عجب تماشا کیا ہے. کسی کا سر اور کسی کا پانوں لیکر ایک صورت بنائی ہے اور یہ شعر ان ہی کے مناسب حال ہے".

چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا الایا ایہا الساقی ادر کاسا وناولھا

یہ تو تو وہی مثل ہوئی کہ ایک شخص نے مسئلہ پوچھا تھا کہ حسن اور حسین معاویہ کی تینوں بیٹیوں کے واسطے کیا حکم ہے "ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا" اِس ماجرے کی حقیقت یہ ہے کہ سُنیوں کے ہاں اس قصہ میں مختلف روایتیں ہیں. اور اکثر روایتوں میں یہ بات تحقیق ہے کہ حضرت ابوبکر کو حج کی امارت دیکر بھیجا تھا نہ سورہ برأت پہچانے کو اور جبکہ حضرت ابوبکر روانہ ہو چکے اُسکے بعد سورۃ براءت نازل ہوئی. اُس نئے حکم کے پہنچانے کے واسطے جناب علی مرتضٰی کو روانہ کیا. اس صورت میں ہرگز ابوبکر کی موقوفی نہ ہوئی. بلکہ یہ دونوں شخص دو کاموں کے واسطے مقرر ہوئے. ان روایتوں میں شیعوں کو کچھ اعتراض کی جگہ نہیں اِس واسطے کہ جب حضرت ابوبکر کا مقرر ہونا ثابت ہوا تو موقوفی کیونکہ ہو سکتی ہے. چنانچہ تفسیر بیضاوی اور مستدرک اور زاہدی اور تفسیر نظام نیشاپوری اور جذب القلوب اور مشکوٰۃ شریف کی شرحوں میں یہ روایت ہے اور محدثوں کے نزدیک بھی یہ بات قوی ہے اور معالم اور حسینی اور معارج النبوت اور روضۃ الاحباب اور حبیب السیر مدارج النبوت

میں یہ بات لکھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر کو سورۂ برات کے پڑھنے کو بھی فرمایا تھا اور بعد اُس کے جناب علی مرتضیٰ کو اِس بات کے واسطے مقرر کیا۔ اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ حضرت ابوبکر کو سوۂ برات پڑھنے کی خدمت سے موقوف کر کے جناب علی مرتضیٰ کو مقرر کیا۔ دوسرے یہ کہ حضرت علی مرتضیٰ کو حضرت ابوبکر کے شریک کیا دونوں مل کر ایک کام کو کریں۔ اور روایتیں روضہ الاحباب اور مسلم اور سب محدثوں کی دوسرے احتمال کی تائید کرتی ہیں اس واسطے کہ اِن سب ہوں نے متفق ہو کر روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے ابوہریرہ اور چند آدمیوں کو جو جناب علی مرتضیٰ کے متعین تھے نحر☆ کے دن حکم دیا کہ پکار دیں کہ **"لا یحج بعد الاعم مشرک ولا یطوف بالبیت عریانا"** یعنی حج کریں اِس برس کے بعد سے مشرک اور نہ طواف کریں ننگے لوگ

☆نحر کا دن بقرہ عید کی دسویں تاریخ کو کہتے ہیں۔ کہ اس روز قربانی ذبح کی جاتی ہے۔

اور ان روایتوں سے صاف ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر اِس خدمت سے موقوف نہ ہوئے تھے ورنہ دوسرے کے کام میں کیوں دخل دیتے اور پکارنے کے لئے لوگ کاہے کو مقرر کرتے. پس اِس صورت میں کہ معزولی نہ ہوئی شیعوں کا اعتراض اُٹھ گیا.اب پہلا احتمال باقی رہا کہ **"لا یئودی عنی الا رجل منی"** یعنی نہ پہنچاوے یہ حکم میری طرف سے مگر کوئی میرے گھر کا اُس کو تقویت دیتا ہے اور جناب پیغمبر خدا ﷺ کا یہ حکم بھی کہ سورۃ برات کو ابوبکر سے لے اور تو اُس کو پڑھ اگر صحیح گنا جائے تو اُسی کی تائید کرتا ہے اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کی موقوفی انکی بے لیاقتی یا اس کام کے قابل نہ ہونے کے سبب نہ تھی. اس واسطے کہ سب کے نزدیک ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر حج کی سرداری سے موقوف نہ ہوئے تھے اور حج کی سرداری کی لیاقت رکھتے تھے اور اس میں لاکھوں مسلمانوں کی عبادت کی درستی ہوتی ہے اور بہت سے حکم ادا کئے جاتے ہیں اور خطبے پڑھے جاتے ہیں اور مسئلے سکھانے ہوتے ہیں اور اُس انبوہ میں جو نئی نئی باتیں ہوتی ہیں اُسکے فتویٰ دیئے جاتے ہیں اور اِن باتوں کیلئے بڑا اجتہاد اور بہت سا علم چاہیے جبکہ اتنی اتنی بڑی باتیں حضرت ابوبکر سے متعلق ثابت ہوئیں تو قرآن کی کئی آیتوں کو پکار کر پڑھنے کی لیاقت کہ ہر قاری اور حافظ اسکو پڑھ سکتا ہے کیونکر نہ ہوگی اور حضرت ابوبکر کے خطبوں کی اور حج کروانے کی تعریفیں جو حضرت ابوبکر سے

اُس وقت ہوئیں تھیں۔ صحیح نسائی حدیث کی کتابوں میں بہت جگہ موجود ہیں اور سب مورخین کے نزدیک ثابت ہے کہ حضرت علی مرتضے اس سفر میں حضرت ابوبکر کی پیروی کرتے تھے۔ اور اُنکے پیچھے نماز پڑھتے تھے اور حج کے کاموں میں ان کی تابعداری کرتے تھے اور تاریخ کی کتابوں سے اور حدیثوں سے ثابت ہے کہ حضرت علیؓ مدینہ منورہ سے جلدی جلدی چلے اور جھٹ پٹ حضرت ابوبکر کے پاس پہنچے اور جناب پیغمبرﷺ کی اونٹنی کی آواز حضرت ابوبکر نے سنی بے قرار ہوئے اور جانا کہ شاید رسول اللہ ﷺ آپ حج کروانے کو تشریف لائے اور سارے لشکر کو کھڑا کیا اور ٹھہرے جبکہ حضرت علیؓ سے ملاقات ہوئی تو پوچھا کہ امیر اور مامور یعنی تو سردار ہے اور میں سرداری سے موقوف ہوا یا تو تابع ہے اور میں سردار حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ میں تابع ہوں۔ بعد اسکے حضرت ابوبکر روانہ ہوئے اور ترویہ کے دن سے پہلے خطبہ پڑھا☆

☆ترویہ کا دن بقرعید کی آٹھویں تاریخ کو کہتے ہیں۔

اور اسلام کے طریقہ کے موافق حج کے قاعدے لوگوں کو سکھانے شروع کئے اب ضرور ہے کہ حضرت ابوبکر کی موقوفی جو قرآن مجید کی چند آیت کے پڑھنے سے ہوئی بے لیاقتی اور نا قابلیت کے سوا اِس موقوفی کی اور کوئی وجہ ہو اور نہیں تو حضرت ابوبکر کو اتنے بڑے کام پر بحال رکھنا اور چھوٹے آسان کام سے موقوف کرنا صریحاً عقل کے برخلاف ہے اور جناب رسول اللہ ﷺ کے سب سے بڑے عقلمند تھے اُن سے بھی یہ بات نہیں ہوسکتی چہ جائے کہ اللہ تعالے حکمت کے برخلاف حکم بھیجے اور وجہ یہ ہے کہ عرب کے لوگوں کی عہد و پیمان کرنے یا لڑنے اور صلح کرنے میں یہ عادت تھی کہ ان باتوں کو خود قوم کے سردار سے کیا کرتے تھے یا اُس شخص سے کرتے تھے جو اُسکے بمنزلہ جان و جگر کے ہو جیسے بیٹا یا داماد یا بھائی اور اوروں کے کہنے کو وہ کیسا ہی بزرگ اور ذی عزت ہو باور نہ کرتے تھے۔ چنانچہ اب بھی عرب میں یہی رواج ہے کہ جب آپس میں بادشاہ یا امیروں یا زمینداروں کے کسی ملک یا سرحد کی بابت جھگڑا ہوتا ہے تو دونوں طرف کے وزیر اور امیر اور فوجیں اور لشکر لڑنے بھڑنے میں کوشش کرتے ہیں اور جبکہ عہد و پیمان قول و قسم کی نوبت پہنچتی ہے تو جب تک بادشاہ زادہ نہ آئے اور اپنی زبان سے اِس بات کو نہ کہے اُس وقت تک باور نہیں کرتے اور اگر غور کر کے دیکھو تو اُس انبوہ میں کہ چھ لاکھ

آدمیوں کے قریب اُس جنگل میں جمع ہوتا ہے. سورۂ برات کا پکار پکار کے پڑھنا اور ہر شخص کے کان تک آواز پہنچانی اس بات پر موقوف ہے کہ آدمی بہت محنت کرے اور پڑا پھرے اور ہر بازار اور کوچہ میں اور ہر خیمہ کے پاس پکار پکار کے پڑھتا پھرے. مگر امیر حج سے یہ بات ہرگز نہیں ہو سکتی. اس واسطے کہ وہ شخص حاجیوں کو ارکان حج سکھانے میں اور اُن کو فتنہ و فساد سے اور ہر طرح کے گناہوں سے بچانے میں مشغول رہے گا. پس ضرور ہے اِس کام کے لئے ایک اور بزرگ شخص جیسے کہ حضرت ابوبکر تھے۔ چاہئے. اِس نظر سے جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو اِس کام پر مقرر کیا اور حضرت ابوبکر کو حج میں تا کہ وہ دونوں کام بہت اچھی طرح سے انجام ہوں. اور لوگ یہ بات جانیں کہ یہ دونوں کام بڑے اور رسول اللہ ﷺ کو دل سے منظور تھے اور اگر صرف اِسی بات پر اکتفا کیا جاتا کہ حضرت ابوبکر اپنے آدمیوں سے عہد کا موقوف کرنا بھی کہلوا اور بگڑوا دیں تو لوگوں کو گمان ہوتا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے نزدیک عہد و پیمان کی بات چنداں ضروری نہ تھی نہیں تو اِس بات کے لئے بھی خاصکر ایک بڑے شخص کو بھیجتے اور اِس بات سے سنیوں کے عالموں نے ایک خوب لطفیہ نکالا ہے کہ حضرت ابوبکر میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی صفت کی شان تھی. اِس واسطے اُن کی شان میں فرمایا ہے کہ ارحم امتی بامتی ابو بکر یعنی تیری ساری امت میں سے بہت مہربان اُمت کے حق میں ابوبکر ہے اور مسلمان کہ مورد رحمت الٰہی ہیں اُنکا کام تو حضرت ابوبکر کے سپرد کیا. اور جناب علی شیر خدا ہیں. اللہ تعالےٰ کے جلال اور قہر کی شان تھی کہ کافروں کو مارنا حضرت کا شیوہ تھا اور کافر کہ مورد غضب الٰہی ہیں اُن کی عہد شکنی کا کام حضرت علی کو حوالہ کیا تا کہ اللہ تعالےٰ کے جمال اور جلال کی دونوں شانیں ظاہر ہوئیں. تماشا یہ کہ حضرت ابوبکر سورۂ برات کے کام میں بھی حضرت علی کے مددگار تھے چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرۃ سے روایت موجود ہے کہ حضرت ابو ہریرۃ کو اور ایک اور جماعت کو حضرت علی کے ساتھ معین کیا اور کبھی کبھی آپ بھی اس کام میں شریک ہوتے تھے. چنانچہ ترمذی اور حاکم نے ابن عباس سے روایت کی ہے☆ کان علی ینادی فاذا اعیی قام ابو بکر فنادی یعنی حضرت علی پکارتے تھے جب تھک جاتے تھے تو اُٹھ کر حضرت ابوبکر اُن لفظوں کو پکارنے لگتے.

☆ حاکم نام محدث کا ہے اور مستدرک اُس کی کتاب ہے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ فاذا بح قام ابو ھریرۃ فنادیٰ بھا ۔ یعنی جب آواز بیٹھ جاتی تھی تو حضرت ابوہریرہ ان لفظوں کو کھڑے ہو کر پکارتے تھے. غرضکہ حضرت ابوبکر کی موقوفی سے یہی غرض تھی کہ عرب کے موافق عہد شکنی کو ظاہر کر دیا جائے. تا کہ آئندہ عرب کے لوگوں کو کچھ عذر نہ رہے کہ ہمیں ہماری عادت کے موافق عہد شکنی سے خبردار نہیں کیا کہ ہم اپنی راہ پکڑتے اور اپنے کام کی سوچ کرتے. چنانچہ معالم، زاہدی، بیضادی، شرح تجرید، شرح مواقف، صواعق، شرح مشکوٰۃ شریف اور سنیوں کی کتابوں میں یہی بات لکھی ہے اور اسی واسطے جناب رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ میں صلح ہونے کے بعد اوس انصاری جو کہ لکھنے میں بہت مہارت رکھتا تھا کو عہد نامہ لکھنے کے واسطے بلایا سہیل بن عمرو نے جو مشرکوں کی طرف سے مصالحت کے لئے آیا تھا عرض کیا یا محمد ﷺ مناسب ہے. کہ یہ عہد نامہ حضرت علی آپ کے چچیرے بھائی لکھیں اور اُسکے لکھنے کو منظور نہ کیا یہ ذکر مدارج اور تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے.

دوسرا جواب: ہم نے مانا کہ حضرت ابوبکر کو سورۂ برات کے پہنچانے سے ایک جزوی مصلحت کے واسطے موقوف کیا لیکن ایسے شخص کی موقوفی جو صاحب عدالت ہو اور ہزاروں حدیثوں اور قرآن کی آیتیں اُسکی عدالت پر گواہ ہوں اِس بات پر دلیل نہیں ہوسکتی کہ وہ ریاست کی لیاقت اور صلاحیت نہیں رکھتا. خصوصاً اُس وقت میں کہ جس خدمت سے معزول ہوا. اُس میں کچھ تقصیر اور چوری نہ ہوئی ہو. اِس واسطے کہ حضرت علی نے عمرو ابن ابی سلمہ کو کہ رسول اللہ ﷺ کا خاص ربیب اور حضرت علی کے خاص دوستوں میں سے، عابد، زاہد، دیانتدار، عالم فقیہ اور پرہیزگار تھا. ولایت بحرین سے موقوف کیا اور اُسکے عذر میں خط لکھا جو کہ نہج البلاغت میں جو شیعوں کے ہاں بہت صحیح کتاب ہے موجود ہے. اما بعد فانی ولیت النعمان بن عجلان الذرقی علی البحرین ونزعت یدک بلاذمہ ولا تثریب علیک فقد احسنت الولایۃ وادیت الامانۃ فاقبل غیر ظنین ولا ملوم ولا متھم ولا ماثوم یعنی تحقیق میں نے سردار کیا نعمان بیٹے عجلان ذورقی کو بحرین پر اور تیرے ہاتھ سے نکالا بغیر تیری بُرائی کے اور بغیر الزام کے تجھ پر پس تحقیق تو نے اچھی حکومت دیانت اور امانت سے کی پس تو چلا آ اور میں تجھ پر کچھ گمان بد نہیں لے جاتا اور تجھے کچھ

تہمت اور گناہ نہیں لگاتا اور کچھ ملامت نہیں کرتا اور یقینی ثابت ہے کہ عمر بن ابی سلمہ نعمان بن عجلان زورقی سے اچھا تھا دین میں بھی اور حسب میں بھی اور نسب میں بھی اور حکومت بھی جیسا کہ چاہیے دیانت اور امانت سے کی اور اگر حضرت ابوبکر قرآن کی چند آیتیں پڑھنے کی بھی لیاقت نہ رکھتے تھے تو انہیں امیر حج کرنے کے اُس کام سے ہزاروں درجہ بڑا ہے کیا معنی اور جناب رسول اللہ ﷺ کہ سب کے نزدیک معصوم ہیں ایسی بات کیونکر ہوتی۔

علیؓ کی محبت : شیعی مذہب میں سب سے بڑی بات حضرت علی کی محبت کو مانا گیا ہے اُن کا خیال ہے کہ کیسا ہی ایماندار سے ایماندار شخص ہو اور کیسا ہی پرہیزگار آدمی ہو. اگر حضرت علی کی محبت اسکے دل میں نہ ہوگی تو جنت اور اُسکی کل نعمتیں یعنی ابدی نجات اس پر حرام ہے. علمائے شیعہ نے اخطب خوارزم کی ایک روایت پیش کی ہے اور وہ ہر جگہ اُس روایت کو نچاتے پھرتے ہیں اور بہت کچھ زور دیتے ہیں اور گویا یہ اُن کی مایہ ناز روایت ہے. حضور انور نے ایک دن حضرت علی سے ارشاد کیا اے علی اگر کوئی آدمی خدا کے اتنے دن عبادت کرے کہ جتنے دن نوح اپنی قوم میں رہے ہیں اور ساتھ ہی اُسکے پاس کوہ احد کے برابر سونا ہو اور وہ اُسے اللہ کی راہ میں خرچ کردے اور اُسکی اتنی بڑی عمر ہو کہ وہ پیادہ پا سو حج کرے اور پھر صفا مروہ کے بیچ میں مظلومانہ قتل کردیا جائے مگر تمہاری موالات کا قائل نہ ہو تو تم خوب سمجھ لو کہ اُسے جنت کی ہوا تک بھی نہیں لگے گی. فقط اِسی طرح ایک اور روایت شیعی علمانے پیش کی ہے وہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے سلمان سے پوچھا تھا کہ تمہیں علی سے اتنی زیادہ محبت کیوں ہے انہوں نے کہا میں نے حضور انور سے سنا ہے آپ فرماتے تھے جس نے علی سے محبت کی اُس نے مجھ سے محبت کی جس نے علی سے عداوت کی اُس نے مجھ سے عداوت کی. پھر تیسری روایت انس بن مالک کے نام سے موسوم ہے۔ چنانچہ شیعی علما کے خیال کے بموجب وہ کہتے ہیں حضور انور نے فرمایا ہے اللہ نے علی کے چہرے کے نور سے ستر ہزار فرشتے پیدا کئے. جو علی کے لئے اور اُن لوگوں کیلئے جو اُن سے محبت رکھتے ہیں قیامت تک استغفار کرتے رہیں گے. اسی طرح ابن عمر کے نام سے بھی ایک روایت شیعی دُنیا میں گشت لگا رہی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضور نے فرمایا جو شخص علی سے محبت رکھے گا خدا اس کی نماز اُسکے روزے او. اُسکی سب قسم کی عبادتیں اور اُسکی دعا قبول کرے گا. اِس طرح جس نے علی سے محبت کی اُسکے بدن کی ہر رگ کے عوض اللہ تعالیٰ بہشت میں

اُسے ایک شہر رحمت فرمائے گا اور جس نے آل محمد سے محبت رکھی وہ حساب میزان اور صراط سب سے بے فکر ہو گیا اور جو آل محمد کی محبت پر مر گیا تو میں بہشت میں اس بات کا ذمہ دار ہوں کہ وہ انبیاء کیساتھ رہیگا۔ اور جس نے آل محمد سے بغض رکھا تو قیامت میں اسکی پیشانی پر یہ لکھا ہوگا۔ الیس من رحمة الله یعنی اللہ کی رحمت سے نا اُمید ہو چکا. اسی طرح عبداللہ بن مسعود کی زبانی شیعہ یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضور انور نے فرمایا کہ من زعم انه امن بی بما جئت به وهو یبغض علیاً فهو کاذب لیس بمومن یعنی جو یہ کہے کہ مجھ پر وہ اور میری شریعت پر ایمان لایا حالانکہ وہ علی سے بغض رکھتا ہے تو وہ جھوٹا ہے مومن نہیں ہے. اسی طرح ابی برزہ کے منہ سے شیعی علما نے یہ کہلوایا ہے کہ ایک دن ہم حضور انور کی خدمت میں حاضر تھے حضور نے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جسکے قبضہ قدرت میں میری جان ہے قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ چار چیزوں کا حساب نہ لے لیگا. کسی بندے کا قدم تک بھی جنبش نہ کھائیگا اول تو عمر کی بابت کہ ساری عمر کس شغل میں گزاری. دوسرے جسم کی بابت کہ اُسے کہاں کہاں اور کِس کِس کام میں لگایا. تیسرے مال کی بابت کس طرح کمایا اور کہاں خرچ کیا. چوتھے ہمارے اہل بیت کی محبت کی بابت سوال ہوگا کہ تجھے اہل بیت سے محبت تھی یا نہیں۔ عمر بن خطاب نے اس پر سوال کیا کہ حضور آپ کے بعد آپ سے محبت کرنے کی کیا علامت ہے آپ نے علی بن ابی طالب کے سر پر ہاتھ رکھا جو آپ کے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے اور فرمایا کہ میرے بعد مجھ سے محبت رکھنی بعینہ ان سے محبت رکھنی ہے. پھر عبداللہ بن عمر کی شہادت شیعی علما اس طرح پیش کرتے ہیں کہ ایک دن کسی نے حضور سے پوچھا کہ شب معراج میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو کس زبان میں خطاب کیا تھا حضور نے جواب دیا کہ علی کی زبان میں پھر حضور نے ارشاد کیا مجھے الہام ہوا کہ اس سوال کا جواب مجھے یہ دیا گیا کہ اے محمد میں ایک چیز ہوں لیکن مثل اور چیزوں کے نہیں ہوں یعنی میری ذات سب سے نرالی ہے. مجھے آدمیوں پر کوئی قیاس نہیں کر سکتا ہے اور نہ اُن چیزوں سے میری تعریف بیان ہو سکتی ہے. تمہیں میں نے اپنے نور سے پیدا کیا اور علی کو تمہارے نور سے پھر میں تمہارے دل کی باتوں سے آگاہ ہوا کہ تمہارے دل میں علی کی محبت سے زیادہ کوئی چیز نہ پائی اس لئے اُسکی زبان میں میں نے تمہیں مخاطب کیا تا کہ تمہارے دل کو تسکین رہے. پھر شیعی علما نے ابن عباس پر یہ تھوپا ہے کہ اُنہوں نے بیان کیا رسول اللہ ﷺ

فرماتے تھے کہ اگر سارے باغات قلم بنجائیں اور سب دریا سیاہی ہوجائیں اور تمام جنات حساب کرنے والے ہوں اور تمام انسان لکھنے والے ہوں تو بھی یہ علی بن ابی طالب کے فضائل کو شمار میں نہیں لاسکتے .اور حضور نے یہ بھی فرمایا ہے کہ علی کے فضائل میں اللہ تعالیٰ نے اِس قدر اجر رکھا ہے جسکی کثرت بیان نہیں ہوسکتی. پس جس نے ان کی کسی فضیلت کا دل سے ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ اُسکے اگلے اور پچھلے سب گناہ بخشدے گا اور جس نے اُن کی کوئی فضیلت لکھی تو جب تک اُس لکھنے کا کوئی نشان باقی رہے گا فرشتے ہمیشہ اس کے لئے استغفار کرتے رہیں گے۔اور جس نے اُن کی کوئی فضیلت کانوں سے سنی تو اللہ تعالیٰ اُسکے وہ گناہ معاف کردے گا. جو کانوں کے ذریعہ سے ہوئے ہوں گے .اور جس نے اُن کے فضائل کی کتاب دیکھی تو اللہ تعالیٰ اُسکے وہ گناہ بخش دے گا جو اُسے دیکھنے سے ہوئے ہوں گے. پھر فرمایا کہ علی ابن ابی طالب کے چہرہ کا دیکھنا اور اُنکا ذکر کرنا بھی عبادت ہے .اور بغیر اُن کی ولایت کے یقین اور اُن کے دشمنوں سے بیزار ہونے کے اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ایمان کو قبول نہیں کرے گا. پھر ایک اور مزید ارحکایت حکیم ابن حزام سے شیعی علما نے نقل کی ہے اُن کا قول ہے اور وہ اپنے باپ اور دادا سے نقل کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا خندق کی لڑائی میں علی بن ابی طالب کا عمرو بن عبدود سے مقابلہ کرنا ہی میری امت کے قیامت تک کے عمل سے افضل ہے. پھر سعد بن ابی وقاص کی طرف یہ روایت منسوب کی گئی ہے کہ معاویہ بن ابی سفیان نے مجھے یعنی سعد کو حکم دیا کہ علی کو بُرا کہہ میں نے انکار کردیا معاویہ نے پوچھا کہ تمہیں اُن کو بُرا کہنے سے کیا چیز روکتی ہے . میں نے جواب دیا تین باتیں ہیں جو حضور انور نے فرمائیں اِس لئے میں انہیں کبھی بُرا نہ کہوں گا بلکہ اُن میں سے اگر میرے لئے ایک بھی ہوتو وہ میرے حق میں سرخ اونٹوں سے بہتر ہے، میں نے حضور سے سُنا ہے اور یہ وہ موقع ہے کہ جب حضور انور نے علی کو کسی غزوہ میں مکان پر چھوڑ دیا تھا.اور علی نے حضور سے کہا کہ آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں. حضور نے فرمایا کہ کیا تم اِس سے خوش نہیں ہوتے کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لئے ہارون تھے. ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے. پھر جنگ خیبر کے دن حضور نے فرمایا تھا. کہ میں ایک ایسے آدمی کو جھنڈا دوں گا کہ وہ اللہ سے اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اللہ کا رسول اُس سے محبت رکھتا ہے اس پر ہم سب ادھر اُدھر دیکھنے لگے کہ دیکھئے وہ کون ہوتا ہے

اتنے میں آپ نے ارشاد کیا کہ علی کو میرے پاس لاؤ وہ آئے تو اُن کی آنکھیں دُکھ رہی تھیں آپ نے اپنا لعاب دہن اُن کی آنکھوں میں لگایا اور اُن کے ہاتھ میں جھنڈا دے دیا. پھر اللہ نے انہیں فتح دیدی اور یہ آیت نازل ہوئی. فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاءَنَا وَاَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ یعنی اے مشرکو آؤ ہم اپنی اولاد کو اور تمہاری اولاد کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو بلائیں پھر حضور نے فاطمہؓ علیؓ اور حسن وحسین کو بلایا اور فرمایا کہ میرے اہل بیت یہی ہیں. فقط

جواب: اب ان سب اٹکل پچو روایتوں کا جواب ملاحظہ فرمائیے." پہلی روایت جو اخطب حوارزم کی بیان ہوئی ہے تو اِس شخص نے ایک کتاب تصنیف کی ہے اُس کتاب میں اُس نے تمام جہاں کی جھوٹی لغو اور مہمل اور بے معنی روایتیں بھر دی ہیں. اسکی لایعنی روایتوں کا صریح جھوٹ اُن لوگوں پر بھی پوشیدہ نہیں ہے جو حدیث کی ادنیٰ معرفت رکھتے ہوں. چہ جائیکہ علمائے حدیث پر پوشیدہ ہو. اس اخطب کا شمار ہرگز ہرگز علمائے حدیث میں نہیں ہے نہ اِس بارہ میں کبھی کسی نے اُس کی طرف خیال کیا اِس قسم کی کل حدیثوں کو محدثین اچھی طرح جانتے ہیں. کہ یہ سب کی سب جھوٹی اور گھڑی ہوئی ہیں. رافضی اِس بات کا دعویٰ تو کر بیٹھے ہیں کہ ہم وہ حدیثیں پیش کرتے ہیں کہ جو سنیوں یعنی مسلمانوں کے نزدیک صحیح ہوں. مگر ہمیشہ اس کے مقابلہ میں غلط اور گھڑی ہوئی حدیثیں پیش کرتے ہیں. جن حدیثوں کے جھوٹ ہونے پر کل محدثین کا اتفاق ہے. خوب اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ حدیث کی معتبر کتابوں میں سے وہ کسی کتاب میں مروری نہیں ہیں. اور نہ ائمہ حدیث میں سے کسی نے اُنہیں روایت کیا. خلاصہ یہ ہے کہ پہلی دس حدیثیں عمرو بن عبدود کی آخر حدیث تک جو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں. سب کی سب جھوٹی ہیں. ہاں سعد والی حدیث پر ہم توجہ کرینگے یہ حدیث بیشک مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے اور اس میں حضرت علی کی تین فضیلتیں بیان ہوئی ہیں. لیکن نہ وہ فضیلتیں ائمہ کی خصوصیتوں میں سے ہیں نہ ان میں حضرت علی کی ہی خصوصیت پائی جاتی ہے. اس وجہ سے کہ سعد کا یہ کہنا کہ حضور نے ایک غزوہ میں علی کو مکان پر چھوڑ دیا تھا تو اُنہوں نے حضور سے عرض کیا یا رسول اللہ آپ تو مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑتے ہیں اسپر حضور نے فرمایا کیا تم اس سے خوش نہیں ہوتے کہ تم میرے لئے ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لئے ہارون تھے. ہاں اتنا

فرق ضرور ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے تو اِس میں حضرت علی کی خصوصیت ہی کیا ہوئی کیونکہ مدینہ میں آپ اِس سے پہلے کئی آدمیوں کو اپنا خلفیہ کر چکے تھے. اور اُس وقت حضرت علی کا خلیفہ بنانا سابق خلفا سے کچھ زیادہ نہ تھا اور اِسی لئے حضرت علی نے یہ کہا کہ آپ تو مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں. کیونکہ حضور کا یہ قاعدہ تھا کہ آپ ہر غزوہ میں جاتے وقت مہاجرین اور انصار میں سے چند آدمیوں کو مدینہ میں چھوڑ جایا کرتے تھے. ہاں غزوہ تبوک میں ایسا نہیں ہوا کیونکہ اس غزوہ میں سب مسلمانوں کو جنگ میں شریک ہونے کا حکم دیا گیا تھا اور اس دفعہ سوائے معذورین عورتوں اور بچوں کے کوئی مدینہ نہیں رہا. اسی وجہ سے حضرت علی نے ایسے موقع پر اپنے خلیفہ ہونے کو بُرا سمجھا اور کہدیا کیا آپ نے مجھے عورتوں اور بچوں کے ساتھ چھوڑے دیتے ہیں. جس کے معنی یہ تھے کہ مجھے کیوں نہیں آپ اپنے ساتھ لے جاتے اس پر حضور نے یہ فرمایا میرے خلیفہ بنانے میں کوئی نقصان اور بُرائی نہیں ہے کیونکہ موسیٰ نے بھی اپنی قوم پر ہارون کو اپنا امانت دار سمجھ کر اپنا خلیفہ کر دیا تھا. اور اُسی طرح میں تمہیں اپنا امانت دار سمجھ کر اپنا خلیفہ بناتا ہوں. لیکن موسیٰ نے تو نبی کو خلیفہ کیا تھا اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور تشبیہ اصل خلیفہ ہی بنانے ہی میں ہے. کیونکہ حضرت موسیٰ نے ہارون کو تمام بنی اسرائیل پر خلیفہ کیا تھا اور ہمارے نبی ﷺ نے حضرت علی کو صرف عورتوں بچوں اور معذورین پر خلیفہ بنایا. اِسکے علاوہ اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ حضرت علی کی بہت بڑی فضیلت یہ ہے کہ اُنہیں حضرت ہارون سے تشبیہ دی تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی تشبیہ سے یہ تشبیہ ہرگز بڑھ کر نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت ابوبکر کو حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تشبیہ دی ہے اور حضرت عمر کو حضرت نوح اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تشبیہ دی ہے اور یہ چاروں پیغمبر حضرت ہارون سے بدرجہا افضل تھے. اور یہ بھی دیکھنا چاہیے ابوبکر و عمر میں سے ہر ایک کو دو، دو پیغمبروں کے ساتھ ساتھ تشبیہ دی ہے نہ کہ ایک کے ساتھ پس یہ تشبیہ حضرت علی کی تشبیہ سے ہر طرح بڑھی ہوئی ہے۔

اِسکے علاوہ حضرت علی کے خلیفہ ہونے میں بہت سے صحابہ ان جیسے اور انکی طرح خلیفہ ہوئے ہیں مگر حضرت ابوبکر کی تشبیہ میں کوئی بھی ان کے برابر اور ان جیسا نہیں ہوا لہذا یہ خلیفہ بنا دینا

کوئی خصوصیات نہیں رکھتا. اور نہ بعض احوال میں کسی نبی کے ساتھ تشبیح دینے میں کوئی خصوصیات پیدا ہوتی ہے. اور اسی طرح حضور کا یہ فرمانا کہ آج میں ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جو اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اللہ کا رسول اُس سے محبت رکھتا ہے. یہ حدیث بیشک صحیح ہے اور یہ حدیث کئی سندوں سے صحیحین میں نقل ہوئی ہے مگر یہ وصف بھی نہ ائمہ کے ساتھ خاص ہے نہ حضرت علی کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ اللہ اور اللہ کا رسول تو ہر ایک مومن پرہیز گار سے محبت رکھتا ہے اور ہر مومن پرہیز گار اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتا ہے. ہاں یہ حدیث اُن فرقوں کے مقابلہ میں اعلیٰ درجہ کی حجت ہے جو حضرت علی سے بیزار ہیں اور اُن کی ولایت کے قائل نہیں ہیں. اور نہ اُن سے محبت رکھتے ہیں بلکہ کافر و فاسق کہتے ہیں جیسے خوارج کیونکہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور اِس بات کے گواہ ہوگئے ہیں کہ علی کو اللہ سے اور اللہ کے رسول سے محبت ہے اور اللہ کو اور اللہ کے رسول کو علی سے محبت ہے. مگر رافضی اِس قول سے جو حجت لیتے ہیں اُن کی حجت صحیح نہیں ہوسکتی کیونکہ رافضی اُن نصوص کے بارے میں جو صحابہ کے فضائل پر دلالت کرتی ہیں یہ کہتے ہیں. یہ اُن کے مرتد ہونے سے پہلے کی ہیں مگر اسکے مقابلہ میں تماشے کی بات یہ ہے کہ خوارج بھی حضرت علی کی نسبت ایسا ہی خیال کرتے ہیں کہ جو فضائل اُن کے بیان ہوئے ہیں اگر وہ صحیح بھی تسلیم کرلئے جائیں تو اُن کے مرتد ہونے سے پہلے کے ہیں حالانکہ ہم خارجیوں اور رافضیوں کو یہ جواب دیتے ہیں کہ اس بات کو وہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ اللہ اور اللہ کا رسول ایسے شخص کی ہرگز تعریف نہیں کرنے کے جو کافر ہوکر مرے. پھر مباہلہ کی حدیث کو ملاخطہ فرمائیے. اِسکا ذکر مختصر طور پر ہوچکا ہے مگر اب ہم ذرا التفصیل سے اِس پر بحث کرنا چاہتے ہیں. یہ حدیث مباہلہ جس کی طرف نَدعُ اَبْنَاءِ انا وَاَبنَاءِ کُمْ. سے اشارہ کیا گیا ہے. اِس میں فاطمہ حسن حسین بھی حضرت علی کے شریک تھے. اِس سے معلوم ہوا کہ نہ وہ مردوں کے ساتھ مخصوص ہے نہ ائمہ کے ساتھ خاص ہے بلکہ اِس میں عورتوں اور بچوں کی شرکت بھی صاف طور پر پائی جاتی ہے۔ اس معاملہ کے وقت حسنین چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ کیونکہ یہ معاملہ فتح مکہ کے بعد ۹ یا سنہ ہجری میں نجران کا وفد آنے پر ہوا تھا. جب حضور انور رسول اللہ کا وصال باری تعالے. ہوا ہے تو اسوقت حسین سات برس کے بھی نہیں

ہوئے تھے اور حسن اُن سے قریب ایک سال کے بڑے تھے حضور انور نے انہیں صرف اِس لئے بلایا تھا کہ اللہ کا یہی حکم ہوا تھا کہ مباہلہ کرنے والوں میں سے ہر ایک اپنے اپنے قرابت داروں بچوں اور عورتوں کو بلالے اور خود بھی موجود ہو۔ چنانچہ حضور نے اپنے بچوں اور عورتوں کو بلالیا۔ اور یہ لوگ نسب کے اعتبار سے حضور کے سب سے زیادہ قرابت دار تھے۔ اگر چہ اور لوگ آپکے نزدیک ان سے زیادہ افضل تھے لیکن یہ حکم اللہ تعالیٰ کا نہیں ہوا تھا کہ تم اپنے پیروان میں سے افضل لوگوں کو بلالو فقط مقصود یہ تھا کہ صرف قرابت دار آئیں۔ انسانی فطرت یہی ہے اور عموماً مشرقی یا مغربی ممالک کی رسم بھی یہی ہے کہ جب کوئی قسما قسمی ہوتی ہے تو اپنے بچوں یا قرابت داروں کو درمیان دیا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہوئی کہ چادر والی حدیث میں اور مباہلہ کے موقع پر انہیں کی خصوصیت ہوئی۔ مقابلہ میں جو لوگ تھے اُن سے بھی یہی کہا گیا تھا کہ تم اپنے قرابت داروں کو لے آؤ۔ مگر اُن لوگوں نے چونکہ اُس مباہلہ سے اُن کے بال بچوں پر اثر پڑتا ڈر کے مارے مباہلہ منظور نہ کیا اور اُنہیں یقین ہو گیا کہ محمد ﷺ حق پر ہیں۔ یہ ہمارا ایمان ویقین ہے کہ اگر وہ مباہلہ کرتے تو بے شک خدا کا غضب ان پر نازل ہوتا اور لعنت کا طوق اُن کی گردنوں میں سب اپنی آنکھوں سے دیکھتے۔ اب اگر کوئی رافضی یہ کہے کہ جب حضرت علی کی فضیلتیں صحیح طور پر ثابت ہوگئیں اور اُن میں سے بعض ایسی فضیلتیں ثابت ہیں کہ بعض صحابہ نے اُن کی تمنا کی ہے جیسا کہ سعد اور عمر سے مروی ہے۔ اِسکا جواب یہ ہے کہ اس میں علی کے ظاہری اور باطنی ایمان پر حضور نے گواہی دی ہے۔ یہ گواہی اُن فرقوں کا رد ہے جو علی کے کافر ہونے یا فاسق ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں جیسے کہ خوارج جو سب سے زیادہ عبادت گزار تھے حضور نے ان کی نسبت فرمایا ہے **یحقر احدکم صلاته مع صلاتهم وصیامه مع صیامهم وقراءته مع قرائتهم یقرؤن القرآن لا یجاوز حناجرهم یمرقون من الاسلام کما یمرق السهم من الرمیة اینما یقلیتم فاقتلوهم** ۔ یعنی بظاہر اُن کی یہ حالت ہوگی کہ تم اُن کی نمازوں کے سامنے اپنی نمازوں کو ان کے روزوں کے سامنے اپنے روزوں کو اُن کی تلاوت کرنے کے سامنے اپنی تلاوت کو حقیر سمجھو گے وہ قرآن شریف پڑھیں گے مگر یہ پڑھنا ان کے گلوں سے نہیں اتریگا وہ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے کمان سے تیر نکلتا

ہے تم اُن سے جہاں ملو انہیں قتل کر دو فقط یہی لوگ تھے جو حضرت علی کو کافر کہتے تھے اور اُن کے قتل کر دینے کو حلال سمجھتے تھے. اور یہی باعث تھا کہ اُنہیں میں سے ایک نے جسکا نام عبدالرحمٰن بن ملجم تھا حضرت علی کو قتل کر دیا حالانکہ وہ سب سے زیادہ عبادت گزار تھا۔

مسلمانوں نے کبھی رافضیوں سے مناظرہ کرنے کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی وہ خوارج کا اکثر رد کرتے رہے انہوں نے حضرت علی کے ایمان انصاف اور دینداری کو ثابت کرنیکی بڑی بڑی کوششیں کی ہیں رافضی تو دومنٹ بھی خوارج کا مقابلہ نہیں کر سکتے بات یہ ہے کہ حضرت علی کے ایمان وغیرہ کے متعلق جتنی حدیثیں آئی ہیں اُن سب سے خوارج کا رد پایا جاتا ہے۔ اور ایسی فضیلتوں میں حضرت علی کو کوئی خصوصیت نہیں ہے کیونکہ ان جیسی اوران سے افضل اور اِن سے بہتر اوران سے اعلیٰ درجہ کی بہت سی نصوص ہیں جو اہل بدر اور بیعت رضوان کے لوگوں کے ایمان پر شاہد ہیں حالانکہ یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اِن صحابہ کی فضیلتوں کا مفہوم بھی خارجیوں اور رافضیوں کا رد ہی ہے اگرچہ اُن فضیلتوں میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جس سے کسی کی خصوصیات پائی جائے. اب رہا یہ کہ حضور انور نے اگر کسی کے لئے دعا مانگی اور باقی حاضر الوقت صحابہ نے اِسکی تمنا کی کہ کاش یہ دعا ہمارے لئے بھی مانگی جاتی اگرچہ اُس سے پہلے حضور انور وہی دعا اور لوگوں کے لئے بھی کر چکے ہوں مگر یہ اپنے برگزیدہ نبی اپنے برحق آقا کی ایک زبردست تعظیم اور محبت اور بزرگی ہے کہ ہر لفظ جو اُس صاحبِ وحی کی زبان مبارک سے نکلتا ہے ہر مسلمان شوق محبت سے خواہ کئی بار اسکی نسبت یہ کہا جا چکا ہو پھر بھی وہ یہی چاہتا ہے کہ یہ لوگ پاک برگزیدہ اور بارگاہ صمدی میں مقبول ہونے والے الفاظ میری نسبت بار بار کہے جائیں. اِسکی مثال بالکل ایسی ہے جیسا کہ حضور نے ثابت بن قیس بن شماس اور عبداللہ بن سلام کے جنتی ہونے کی نسبت شہادت دی اگرچہ آپ اوروں کی نسبت بھی جنتی ہونے کی شہادت دے چکے ہیں اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ کوئی خصوصیات نہیں اسکے علاوہ آپ ملاحظہ فرمایئے ایک دن آپ نے جنازہ کی نماز پڑھائی تو یہ دعا پڑھی. **اللھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرام نزلہ ووسع مدخلہ واغسلہ بالماء والثلج والبرد ونقہ من الذنوب والخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس وابدلہ دارا خیرا من دارہ واھلا خیر من اھلا**

وقہ فتنۃ القبر وعذاب النار وافسخ لہ فی قبرہ ونور لہ فیہ. یعنی آلہی اس کی مغفرت کر اس پر رحم فرما اُسے آرام دے اِسے قصور معاف کر اور اسکا اعزاز کر اسکی لحد وسیع کر اُسے پانی برف اور اولوں سے دھو دے اور گناہوں اور خطاؤں سے اُسے اِس طرح صاف کر دے جیسے سفید کپڑہ میل سے صاف کر دیا جاتا ہے اسکے گھر اور اہل کے عوض میں اِسے اچھا گھر اور اچھا اہل عنایت فرما عذاب قبر اور عذاب دوزخ سے اُسے بچا اور اسکی قبر فراخ کر اور اس میں اِسکے لئے روشنی کر. اِس دعا پر عوف بن مالک کے منہ میں پانی بھر آیا وہ خود کہتے ہیں کہ مجھے یہ تمنا ہوئی کاش یہ جنازہ میرا ہوتا حالانکہ یہ دعا اِسی میت کے لئے مخصوص نہ تھی. (اوپر والی حدیث صحیح ہے اور اسکی صحت پر سب کا اتفاق ہے) پھر اور ملاحظہ فرمایئے. رافضیوں کے علماء کہتے ہیں کہ عامر بن واثلہ سے مروی ہے اُن کا بیان ہے کہ ایک دن میں حضرت علی کے ساتھ تھا آپ لوگوں سے یہ فرما رہے تھے کہ میں تم پر ایسی حجتیں پیش کرتا ہوں. جنہیں تم میں سے کوئی عربی یا عجمی نہیں بدل سکتا پھر فرمایا اے لوگو تمہیں اللہ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا تم میں کوئی ایسا ہے جس نے مجھ سے پہلے اللہ کی توحید کی ہو یعنی اللہ کو وحدہ لاشریک سمجھا ہو سب نے متفق اللفظ جواب دیا. اللّٰھم لا یعنی توبہ توبہ ہرگز نہیں پھر حضرت علی نے ارشاد کیا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں. کیا تم میں میرے سوا کوئی ایسا ہے جسکا کوئی بھائی میرے بھائی جعفر طیار کی مثل ہو جو جنت میں فرشتوں کے ساتھ اُڑتے پھرتے ہیں سب نے جواب دیا اللّٰھم لا پھر فرمایا کے میں تمہیں قسم دیتا ہوں کیا تم میں کوئی شخص ایسا ہے جسکا چچا میرے چچا حمزہ کی مثل ہو جو اللہ کے اور اللہ کے رسول کے شیر تھے. اور تمام شہیدوں کے سردار ہیں سب نے کہا. اللّٰھم لا پھر فرمایا کہ میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں. کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے. جسکی بی بی فاطمہ جیسی ہو جو محمد ﷺ کی صاحبزادی اور تمام جنت کی عورتوں کی سردار ہے. سب نے جواب دیا. اللّٰھم لا پھر فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تم میں میرے سوا کوئی ایسا ہے جسکے دو بیٹے مثل میرے دونوں بیٹے حسن اور حسین کے ہوں جو سب اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہیں سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا کہ کیا تم میں میرے سوا کوئی ایسا ہے. جس نے دس مرتبہ اپنا بھید حضور انور سے کہا ہو اور بھید کہنے سے پہلے صدقہ دیا ہو سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم میں میرے سوا کوئی ایسا ہے. جس کے حق میں حضور انور نے فرمایا.

من کنت مولاء فعلی مولاہ اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاد الا لیبلغ الشاھد الغائب یعنی جسکا میں مولا ہوں اُسکا علی مولا ہے الٰہی تو اُس سے محبت کر جو علی سے محبت کرے اور اُس سے عداورت کر جو علی سے عداوت کرے اور چاہے کہ جو لوگ اِس وقت موجود ہیں اُن لوگوں کو حکم پہنچادیں جو اسوقت حاضر نہیں ہیں. سب نے کہا بلٰی پھر فرمایا میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم میں میرے سوا کوئی ایسا ہے جسکے لئے رسول خدا نے یہ دعا کی ہو کہ الٰہی میرے پاس ایسے شخص کو بھیج دے جو تیری ساری مخلوق سے زیادہ تجھے اور مجھے محبوب ہوتا کہ وہ میرے ساتھ اس شکار کو کھائے پھر وہ آپ کے پاس آیا ہو میرے سوا اِس شکار کو کسی اور نے نہیں کھایا ہو سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم میں میرے سوا کوئی ایسا ہے جسکے لئے حضور نے یہ فرمایا ہو کہ میں ایک ایسے شخص کو جھنڈا دونگا جو اللہ سے اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتا ہو اور اللہ اور اللہ کا رسول اُس سے محبت رکھتے ہوں وہ واپس نہ آئے گا جب تک اللہ اُسکے ہاتھوں فتح نہ دیدے سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا میرے سوا تم میں کوئی ایسا ہے. جس کے بارے میں حضور نے بنی وکیعہ سے فرمایا ہو کہ یا تو تم باز آؤ ورنہ میں تم پر ایسا آدمی بھیجوں گا جسکی جان میری جان جیسی ہے اور جسکی اطاعت مثل میری اطاعت کے ہے اور اس کی نافرمانی میری نافرمانی ہے وہ تلوار سے تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کردیگا. سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم میں میرے سوا کوئی ایسا ہے جسکی نسبت حضور نے یہ فرمایا ہو وہ شخص جو مجھ سے محبت رکھنے کا دعوے کرے اور علی سے بغض رکھے جھوٹا ہے سب نے کہا اللّٰھم لا پھر کہا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم میں کوئی ایسا آدمی ہے جسے ایک ساتھ میں میرے سوا جبرائیل، میکائیل، اسرافیل کے ساتھ تین ہزار فرشتوں نے سلام کیا ہو۔ اور یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب میں حضور انور کے لئے کنویں میں سے پانی لایا تھا سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم میں میرے سوا کوئی ایسا ہے جسے آسمان سے یہ آواز دی گئی ہو. "لا فتٰی الا علی لا سیف الا ذوالفقار" سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ میرے سوا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جسکی نسبت جبرائیل نے یہ کہا ہو. بعد از نبی یہی ہے اور حضور نے جبرئیل سے فرمایا ہو علی مجھ سے اور میں علی سے ہوں اس پر

جبرئیل نے کہا میں بھی تم دونوں میں سے ہوں سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دے کے پوچھتا ہوں کہ میرے سوا کوئی ایسا ہے جسکے حق میں حضور نے یہ فرمایا ہو کہ تو ناکثین قاسطین مارقین سے مقابلہ کرے گا سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں میرے سوا تم میں کوئی ایسا ہے جسکی نسبت حضور نے فرمایا ہو کہ میں تو قرآن شریف کے الفاظ موافق مقاتلہ کرتا ہوں اور تو اسکے معنی کے مطابق مقاتلہ کرتا ہے سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا کہ میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم میں میرے سوا کوئی ایسا ہے جسکے لئے آفتاب کو لوٹا دیا گیا ہو یہاں تک کہ اُس نے عصر کی نماز وقت پر پڑھ لی ہو سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا کیا تم میں کوئی ایسا ہے جسے حضور انور نے یہ حکم دیا ہو کہ ابوبکر سے برأت لے لے اس پر ابوبکر نے کہا یا رسول اللہ میرے بارے میں کوئی حکم نازل ہو گیا ہے حضرت نے فرمایا نہیں بلکہ یہ برأت میری طرف سے کوئی میرے گھر کا ہی آدمی ادا کر سکتا ہے سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا کیا تم میں کوئی میری سوا ایسا ہے جسکی نسبت حضور نے فرمایا ہو کہ سوائے مومن کے مجھ سے کوئی محبت نہیں کرتا اور سوائے فاسق کے کوئی مجھ سے کوئی بغض نہیں رکھتا سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں میں میرے سوا کوئی ایسا ہے کہ حضور نے وصالِ باری تعالیٰ کے وقت سب دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا تھا۔ مگر میرا، دروازہ کھلا رکھا تھا۔ پھر تم لوگوں نے اِس بارے میں کچھ کہا سنا تو حضور نے فرمایا کہ میں کیا کروں یہ تو اللہ کا حکم ہوا ہے کہ علی کا دروازہ کھلا رکھا اور سب دروازے بند کردے سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تمہیں یاد نہیں ہے کہ طائف کی لڑائی میں حضور نے راز داری کی باتیں مجھ سے ہی کی تھیں اور جب باتوں کو زیادہ دیر لگ گئی تو تم لوگوں نے کہا تھا کہ ساری باتیں علی ہی سے کی جاتی ہیں اور ہمیں کچھ نہیں بتایا جاتا اس پر حضور نے فرمایا تھا کہ راز داری کی باتیں میں نے نہیں کی ہیں بلکہ اللہ نے کی ہیں اس پر سب نے کہا کہ اللّٰھم لا یعنی ہاں بیشک پھر فرمایا کہ میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تمہیں یاد نہیں کہ حضور نے فرمایا تھا کہ حق علی کے ساتھ ہے اور علی حق کے ساتھ ہے اور علی جہاں جاتا ہے حق اُسکے ساتھ جاتا ہے سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میں تم میں دو چیزیں قابل قدر چھوڑے جاتا ہوں ایک اللہ کی کتاب دوسری عزت اہلبیت

جب تک تم ان دونوں پر قائم رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے اور یہ دونوں چیزیں کبھی جدا جدا نہ ہونگی یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں گی سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا میں تمیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم میں میرے سوا کوئی ایسا ہے جس نے اپنی جان پر کھیل کر حضور انور کو مشرکوں سے بچایا ہو سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم میں میرے سوا کوئی ایسا ہے جس نے عمرو بن عبدود عامری کا مقابلہ کیا ہو۔ جس وقت اُس نے تم سب کو میدان میں بلایا تھا۔ سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا میں تمیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم مں میرے سوا کوئی ایسا ہے جسکے حق میں تطہیر کی آیت نازل ہوئی ہو جیسا کہ اللہ تعالے فرماتا ہے۔ اِنَّمَا یُرِیدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَ كُمْ تَطْهِیْرًا سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم میں میرے سوا کوئی ایسا ہے جس کے حق میں حضور انور نے یہ لفظ فرمایا ہوا انت سید المؤمنین تو سب مسلمانوں کا سردار ہے سب نے کہا اللّٰھم لا پھر فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تم میں میرے سوا کوئی ایسا ہے جس کے حق میں حضور نے یہ فرمایا ہو کہ میں نے اللہ جب کسی چیز کا سوال کیا، تو علی ویسی ہی چیز کا تمہارے لئے سوال کیا سب نے کہا اللّٰھم لا۔ پھر رافضی کہتے ہیں کہ منجملہ ان کے ایک وہ روایت ہے جو ابو عمر وزاہد نے ابن عباس سے نقل کی ہے ان کا بیان ہے کہ علی میں چار صفتیں ایسی ہیں جو کسی میں نہیں ہیں۔ **اوّل** ان سے پہلے کسی عربی اور عجمی نے حضور کے ساتھ نماز نہیں پڑھی۔ **دوم** محض علی کی بہادری کی وجہ سے حضور کا جھنڈا ہر جنگ میں علی کے پاس رہتا تھا۔ **سوم**۔ جنگ حنین میں حضور کے ساتھ علی قدم جمائے رہے۔ **چہارم**۔ حضور کو غسل بھی اُنہوں نے ہی دیا اور قبر میں بھی اُنہوں نے ہی اتارا۔ پھر رافضی ایک اور روایت نقل کرتے ہیں وہ روایت یہ ہے کہ حضور نے فرمایا کہ شب معراج میں ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا جنکی باچھیں پھٹ رہی تھیں میں نے جبرئیل سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں. جبرئیل نے جواب دیا یہ وہ لوگ ہیں جو غیبت کر کے لوگوں کو کاٹتے تھے. پھر حضور نے فرمایا میرا گزر ایسے لوگوں کے پاس بھی ہوا جو شور وغوغا مچا رہے تھے. میں نے پوچھا اے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں انہوں نے کہا. یہ کفار ہیں پھر ہم اس راستہ سے ہٹ گئے. اور جب چوتھے آسمان پر پہنچے تو علی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا میں نے کہا جبرئیل کیا یہ علی ہیں۔

تعجب ہے کہ یہ ہم سے بھی بڑھ گئے جبرئیل نے کہا یہ علی نہیں ہیں۔ پھر حضور نے دریافت کیا تو کون ہے جبرئیل نے کہا جب مقربین اور کروبین فرشتوں نے علی کے فضائل کو سنا اور علی کے بارے میں تم نے جو کچھ کہا ہے اُسے بھی گوشگزار کیا یعنی **انت منی بمنزلة هارو ن من موسی الا انه لا نبی بعدی** تو یہ سب فرشتے علی کے دیکھنے کے مشتاق ہو گئے۔ اسوجہ سے اللہ تعالے نے علی کی صورت کا فرشتہ اُن کے دیکھنے کے لئے پیدا کر دیا ہے کہ انہیں علی کی زیارت ہوتی رہے۔ جب یہ فرشتوں کو علی کی صورت کا دیکھنے کا زیادہ اشتیاق ہوتا ہے۔ تو وہ سب یہاں چلے آتے ہیں اور زیارت کر لیتے ہیں۔ پھر رافضی ابن عباس کی زبانی ایک اور نقل بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور نے خوشی میں یہ فرمایا **انا الفتی ابن الفتی اخو الفتی** یعنی میں خود جوان ہوں جوان کا بیٹا ہوں جوان کا بھائی ہوں۔ اخیر کے جملہ سے حضرت علی مراد ہیں اور یہی معنی جبرئیل کے اِس قول کے ہیں جو انہوں نے جنگِ بدر کے دن آسمان کو جاتے ہیں ہوئے خوشی فرمایا تھا۔" **لافتی الاعلی لا سیف الاذ والفقار**" پھر رافضی ابن عباس کی زبانی یہ بیان کرتے ہیں یعنی ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے ابوذر کو خانہ کعبہ کے پردوں میں لٹکا ہوا دیکھا اور بار بار یہ کہتا سنا جو مجھے پہنچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہے اور جو نہیں پہنچانتا اُس سے کہو کہ وہ مجھے جان لے کہ میں ابوذر ہوں اور یہ کہتا ہوں کہ اگر اس قدر روزے رکھو کہ سوکھ کر کمان بنجاؤ اور اِس قدر نمازیں پڑھو کہ کُبڑے ہو جاؤ تو یہ تمہاری ساری عبادت بالکل فضول ہے اُسوقت تک جب تک تم علی سے محبت نہ رکھو فقط۔ رافضی علماء کا قول ختم ہوا۔ اب اِسکا جواب ملاحظہ فرمائیے۔

جواب: شروع میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ عامر بن واثلہ سے مروی ہے اور اِسکے علاوہ یوم شوریٰ کا ذکر کیا یہ باتفاق تمام محدثین بالکل جھوٹ غلط اور محض ہے۔ اِس مشورہ کے دن حضرت علی نے جتنی باتیں کہ اُن کے سر تھوپی گئی ہیں ایک بھی نہیں فرمائی۔ نہ اِس کے قریب قریب کچھ فرمایا بلکہ عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت علی سے یہ کہا تھا کہ اگر میں تمہیں امیر المومنین بنوا دوں تو کیا تم انصاف کرو گے حضرت علی نے جواب دیا ہاں انصاف کروں گا۔ پھر عبدالرحمٰن نے کہا اگر میں عثمان سے بیعت کر لوں یعنی انہیں امیر المومنین قرار دیدوں تو تم اُن کا کہا مانو گے حضرت علی نے کہا

کہ ہاں مانوں گا۔ اِسی طرح عبدالرحمٰن نے حضرت عثمان سے بھی یہی دونوں باتیں کی تھیں صحیحین میں صاف طور پر یہی درج ہے. اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں عمرو بن میمون سے حضرت فاروق اعظم کے شہید ہونے کے قصہ میں مروی ہے کہ جب ان کے دفن کرنے سے فراغت ہوئی تو یہ سب لوگ ایک جگہ جمع ہو گئے پھر عبدالرحمٰن نے کہا کہ تم سب اس کے کام کو اپنے میں سے تین آدمیوں کو سپرد کر دو زبیر نے اس پر کہا میں اپنا کام علی کے سپرد کرتا ہوں طلحہ نے کہا میں عثمان کے سپرد کرتا ہوں. سعد نے کہا میں عبدالرحمٰن کے سپرد کرتا ہوں جب یہ انتخاب ہو چکا تو عبدالرحمٰن نے کہا اب تم میں سے کون اِس کام سے علیحدہ ہونا چاہتا ہے اور یہ میں قسم دیکر کہتا ہوں کہ ہر ایک اپنے ہی دل میں فیصلہ کرلے کہ ہم میں افضل کون ہے تاکہ ہم یہ کام اسی کے سپرد کردیں. اس پر حضرت علی وعثمان خاموش ہو گئے. پھر عبدالرحمٰن بولے کہ کیا تم مجھے اختیار دیتے ہو کہ میں ہی معیّن کردوں اور اللہ کی قسم ہے میں تم میں سے افضل ہی کو اختیار کروں گا. اِس میں میری طرف سے مطلق کوتاہی نہیں ہونے کی. اس پر عثمان اور علی نے کہا ہاں ہاں تم ہی معین کردو تمہارا معین منظور ہے. پھر عبدالرحمٰن نے دونوں میں سے ایک کا ہاتھ پکڑ کے کہا تمہاری حضور سے قرابت داری ہے اور اسلام میں بھی تم مقدم ہو اب میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کے پوچھتا ہوں کہ اگر میں تمہیں خلیفہ کردوں تو تم انصاف کروگے یا اگر میں تم پر کسی کو خلیفہ بنادوں تو تم اُسکی اطاعت کروگے. پھر دوسرے کو علیحدہ بلا کر یہی الفاظ اُس سے بھی کہے جب یہ ہو چکا یعنی دونوں سے عہد لے چکے تو عبدالرحمٰن نے عثمان سے کہا تم ہاتھ بڑھاؤ انہوں نے ہاتھ بڑھایا اور سب نے اُن سے بیعت کرلی اِسکے علاوہ یہ شوریٰ کی کیفیت مسعود کی حدیث میں اِس طرح ہے کہ وہی لوگ جنہوں نے فاروق اعظم کو خلیفہ بنایا تھا آپ کی شہادت کے بعد جمع ہوئے اور آپس میں مشورہ کرنے لگے. اس پر عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا اِس بارہ میں کوئی مشورہ نہ دونگا. ہاں اگر تم اِس بات پر رضامند ہو تو میں تمہیں میں سے ایک کو معین کردیتا ہوں. چنانچہ سب نے متفق اللفظ عبدالرحمٰن کو اختیار دے دیا. یا جب سب کی طرف سے عبدالرحمٰن مختار ہوئے تو ساری جماعت کی جماعت مسلمانوں کی عبدالرحمٰن کی طرف متوجہ ہوگی. یہاں تک کہ فیصلہ ہوتے ہوتے رات ہوگئی ہم نے صبح ہوتے ہی عثمان سے بیعت کرلی. مسعود کہتے ہیں کہ ایک دن

کچھ رات گزرنے کے بعد عبدالرحمٰن میرے پاس آئے اور دروازہ پر دستک دی میری آنکھ کھل گئی عبدالرحمٰن کہنے لگے شاید تم سورہے تھے قسم ہے اللہ کی ان تینوں راتوں میں میری تو پلک تک بھی نہیں جھپکی اُٹھو زبیر اور سعد کو بلالاؤ میں فوراً اٹھ بیٹھا اور اُن دونوں کو عبدالرحمٰن کے پاس بلالیا۔ عبدالرحمٰن نے اُن سے تھوڑی دیر تک سرگوشی کی پھر مجھ سے کہا تم علی کو بلالاؤ میں انہیں بھی بلالیا. عبدالرحمٰن کی ان سے بھی سرگوشی کی پھر مجھ سے کہا تم علی کو بلا لاؤ میں انہیں بھی بلالیا. عبدالرحمٰن کی ان سے بھی سرگوشی ہوئی یہاں تک کہ موذن نے صبح کی اذان کہدی. جب سب لوگ صبح کی نماز پڑھ چکے تو ممبر کے پاس جمع ہوگئے. عبدالرحمن نے مہاجرین وانصار کو بھی بلایا اور فوجی افسروں کے پاس بھی آدمی بھیج دئے. جب سب جمع ہوگئے تو عبدالرحمٰن نے خطبہ پڑھا اور پھر علی سے مخاطب ہو کر یہ کہا. اے علی بیشک میں لوگوں کے اِس اختلاف میں خوب غور کرچکا ہوں مجھے اچھی طرح معلوم ہوگیا کہ لوگ تمہیں عثمان کی برابر نہیں سمجھتے لہٰذا تم اپنی طرف سے کوئی بات نہ کرنا۔ پھر کہا اے عثمان حضور انور کی نسبت اور آپ کے دونوں خلفا کے طریقہ کے موافق میں تم سے بعیت کرتا ہوں یہ کہہ کے عبدالرحمٰن نے عثمان کے ہاتھ پر بیعت کرلی عبدالرحمٰن کے بعد کل مہاجرین وانصار فوجی افسر عثمان کے ہاتھ بیعت ہوئے. (یہ الفاظ بخاری کے ہیں)

رافضیوں نے جو حدیث حضرت علی کے متعلق نقل کی ہے کہ اُنہوں نے اپنے بھائی اپنی بیوی اور اپنے چچا سے حجت پکڑی اور اُن کے ذریعہ سے اپنی فضیلت بیان کی واللہ باللہ ثم باللہ یہ بالکل غلط اور جھوٹ ہے حضرت علی پر یہ بہتان عظیم اُٹھایا گیا ہے اور حضرت علی اِس سے بالکل مبرا ہیں. حالانکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت علی ان سب سے افضل تھے. حضرت علی خود بھی جانتے تھے کہ اللہ کے نزدیک مخلوق میں سب سے زیادہ عزت دار وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے ایک ناسمجھ بچہ بھی اِس بات کو جان سکتا ہے کہ کوئی شریف آدمی کبھی اپنی فضیلت کا اظہار اپنی بی بی اپنے بچوں یا اپنے بھائی کا نام لیکر نہیں کرسکتا خیال تو کیجئے اِسی طرح اگر حضرت عباس یہ کہنے لگیں کہ مسلمانوں میں میرے بھائی حمزہ کی طرح اور میرے بھتیجوں، محمد، علی اور جعفر کی طرح کوئی شخص نہیں ہے تو کیا اِس سے یا اس قسم کی حجت سے حضرت عباس کی کوئی فضیلت بڑھ سکتی ہے. اِسی طرح اگر

حضرت عثمان یہ کہنے لگیں کہ کیا تم میں کوئی ایسا ہے جس نے نبی کی دو صاحبزادیوں سے شادی کی ہوا
اس قسم کی حجتیں اپنی فضیلت ظاہر کرنے کے لئے ایک اولوالعزم اور شریف الطبع انسان کبھی پیش نہیں
کر سکتا جس وقت حضرت علی کی زبان سے یہ کہلوایا ہے کہ کیا تم میں کوئی ایسا ہے جسکی بی بی فاطمہؓ کی
سی ہو تو تماشہ کی بات یہ ہے کہ اس سے کہیں پہلے بی بی فاطمہ کا انتقال ہو چکا تھا بھلا ایک غیر موجود
چیز پر اک انسان کیونکر فخر کر سکتا ہے۔ اسی طرح جتنے قول اس روایت میں حضرت حسنین وغیرہ کی
نسبت ہیں وہ سب جھوٹے اور بناوٹی ہیں. پھر رافضیوں کا یہ کہنا حضور انور نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ
میری طرف سے سوائے اہلبیت کے اور کوئی پیغام نہیں پہنچا سکتا یہ بھی محض غلط اور بالکل لغو ہے۔

یہ قول جسے کہ حضور انور کی طرف سے نسبت دیا گیا ہے کہ میرے احکام کو میرے اہلبیت
ہی میں سے کوئی شخص پہنچا سکتا ہے. یہ اہل کوفہ نے زید بن مثیع سے نقل کیا ہے اور یہ شخص یعنی زید مثیع
بڑا پکا چھٹا رافضی تھا. اسکی پوری کیفیت خطابی نے اپنی کتاب شعار الدین میں لکھی ہے. کون نہیں جانتا
کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے احکام جن لوگوں نے اقوام عرب کو پہنچائے اس میں اس بات کا
مشکل سے پتہ لگتا ہے کہ کوئی شخص اہلبیت کا ہو چنانچہ مدینہ کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کے
لئے حضور نے اسد بن زرارہ کو مدینہ بھیجا تھا وہی انصار کو قرآن مجید پڑھاتے اور دین کے احکام
سمجھاتے تھے. علاء بن حضرمی کو بحرین بھیجا تھا. اس طرح معاذ اور ابی موسیٰ کو یمن اور عقاب بن
اسید کو مکہ تلقین احکام قرآنی کے لئے بھیجا تھا تو اب یہ قول صاف طور پر مردود ہو گیا کہ سوائے اہلبیت
کے پیغمبر اور اللہ کے احکام اور کوئی نہیں پہنچا سکتا۔

اب رہی ابن عباس کی حدیث تو اس میں بھی کذب محض کی آمیزش ہو گئی ہے مثلاً اس
حدیث کا یہ جملہ کہ ہر لڑائی میں جھنڈا حضرت علی کو دیا گیا ایسا صریح جھوٹ لغو اور خلاف واقعہ ہے کہ
کسی طرح تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ سُنیے! جنگ احد میں حضور انور کا جھنڈا مصعبؓ بن عمیر کے ہاتھ میں
تھا اور فتح مکہ میں آپ کا جھنڈا زبیر بن عوام کے پاس تھا حضور نے انہیں حکم دیا تھا کہ اپنا جھنڈا حجون
میں گاڑ دو اس پر حضرت عباس نے زبیر بن عوام سے پوچھا کہ کیا یہاں جھنڈا گاڑنے کا حکم حضور نے
تمھیں دیا ہے اس روایت کو بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے. پھر اسی طرح رافضیوں کا یہ کہنا کہ

جنگ حنین میں حضور کے ساتھ فقط حضرت علی ہی تھے اور سب کے پیر اُکھڑ گئے تھے۔ یہ بھی محض غلط لغو اور چانڈو خانہ کی گپ کے برابر ہے واقعات شاہد ہیں کہ عباس بن عبدالمطلب اور ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب حضور انور کے بالکل دوش بدوش تھے حضرت علی کا وہاں پتہ بھی نہ تھا عباس آپ کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔ اور ابوسفیان بن حارث آپ کی رکاب تھامے ہوئے تھا۔ پھر حضور نے ارشاد کیا کہ اصحاب سمرہ کو آواز دو ابوسفیان بن حارث کہتے ہیں کہ میں نے فوراً ارشاد کی تعمیل کی میری آواز سنتے ہی وہ لوگ اِس آمادگی اور جوش محبت سے دوڑے جیسے گائے اپنے بچے کو دیکھ کر دوڑتی ہے۔ اور کہتے جاتے تھے یالبیک یالبیک اس پر حضور نے بڑے جوش سے فرمایا۔ انا النبی لا کذب انعبد المطلب یعنی میں نبی ہوں جھوٹا نہیں ہوں میں عبدالمطلب کی اولاد ہوں پھر آپ اپنے خچر سے اُترے اور کنکروں کی ایک مٹھی بھر کر دشمنوں پر پھینک دی اور فرمایا۔ الھزمو اورب الکعبة یعنی قسم ہے رب کعبہ کی تم سب بھاگ جاؤ۔ حضرت عباس کی روایت کے بموجب خصم میں بھاگڑ بڑگئی۔ یہاں تک کہ ایک شخص بھی میدان میں دکھائی نہ دیا۔ یہ حدیث صحیحین میں موجود ہے۔ بخاری روایت کرتا ہے کہ ابوسیفان حضور کے خچر کی لگام تھامے ہوئے تھے اور اِسی حدیث میں عباس کا قول یہ نقل کیا ہے کہ میں اور ابوسفیان حضور کے دوش بدوش رہے اور ایک لحہ کے لیے علیحدہ نہیں ہوئے۔

پھر حضور انور کو غسل دینے اور قبر میں اُتارنے کا قصہ اِس میں بھی بہت سی من گھڑت باتیں رافضیوں نے ملا دی ہیں صرف اتنی بات ضرور ہے کہ غسل حضرت علی نے دیا تھا اور وہ، اوروں سے زیادہ اِسکے مستحق تھے ہاں قبر میں اُتارنے کے متعلق اہلبیت کے علاوہ اور لوگ بھی شریک تھے مثلاً عباس اور اُن کی اولاد اور ان کے مولا شقران اور بعض انصار۔ پھر رافضیوں کا مذکور الصدر روایت میں یہ نقل کرنا کہ حضرت علی نے عربیوں اور عجمیوں میں سب سے پہلے نماز پڑھی ہے۔ یہ بھی محض غلط اور لغو ہے۔ ابن عباس کی روایت سے اِسکی بالکل تردید ہوتی ہے۔ پھر معراج کا قصہ کہ حضرت علی کی صورت پر تمام ملائکہ عاشق ہیں اور حضور کا یہ فرمانا کہ میرے لئے ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لئے ہارون تھے اس پر فرشتہ کو علی کی صورت بنا کر آسمان پر بٹھا دیا اور فرشتوں سے کہا کہ اِسکی پرستش کیا کرو یہ اُن

بے وقوفوں جاہلوں نادانوں بلکہ مجانین کا جھوٹ ہے جنہیں جھوٹ بولنے کا بھی سلیقہ نہیں ہے۔ یہ قصہ کہانیاں یہ چانڈو خانہ کی گپیں کچھ ایران کے قہوہ خانوں حماموں ہی کے لئے زیادہ موزوں تھیں انہیں کتابوں میں درج کرنا اور حق کے مقابلہ میں ان سے استدلال لانا سراسر جہل مرکب ہے کون نہیں جانتا اور اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ معراج ہجرت سے پہلے مکہ میں ہوئی تھی جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے۔ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ۝ (سورۃ الاسراء آیت : ۱) یعنی پاکی (بیان کرو) اُس اللہ کی جو اپنے بندے کو ایک رات مسجد الحرام (یعنی کعبہ سے مسجدِ اقصا (بیت المقدس) کی طرف لے گیا) جسکے گرد ہم نے برکت رکھی ہے تاکہ ہم اُسے اپنی (قدرت کی) بعض نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہی سننے والا بینا ہے۔ یہ بات بھی قرآن مجید میں موجود ہے کہ حضور کی روانگی مسجد حرام سے ہوئی تھی جیسا کہ فرمایا ہے۔ وَالنَّجۡمِ اِذَا ہَوٰی ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمۡ وَمَا غَوٰی ۝ وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡہَوٰی ۝ اِنۡ ہُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی۔ (سورۃ النجم آیت ۔ ۱ تا ۴) تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیتیں مکہ میں نازل ہوئی ہیں۔ اب بتایئے کہ فرشتوں کا علی کو پرستش کرنے کا قصہ کتنا لغو اور بے ہودہ ہے۔ پھر حضور کا یہ فرمانا کہ تم اس سے خوش نہیں ہوتے کہ میرے لئے ایسے ہو جیسے کہ موسیٰ کے لئے ہارون تھے یہ آپ نے غزوہ تبوک میں فرمایا تھا۔ اور یہ غزوہ سب غزوؤں سے آخری غزوہ ہے۔ جو ۹ ہجری میں ہوا تھا۔ پھر یہ کیونکر کوئی کہہ سکتا ہے کہ شبِ معراج میں فرشتوں نے حضور کا قول سُن لیا تھا۔ اِس سے پہلے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مدینہ میں حضرت علی کو خلیفہ بنانا مشترک امر ہے اس میں حضرت علی کی کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ دیکھا جائے تو اُن کی کم وقعتی ہے۔ کیونکہ وہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور مریضوں کے اوپر خلیفہ بنا کے چھوڑے گئے تھے اِسکے علاوہ اور جتنے غزوے ہوئے اُن سب میں مدینہ میں خلیفہ دوسرے شخص تھے غزوہ تبوک میں بھی ایسا ہی ہوتا کہ خلیفہ دوسرا شخص بنایا جاتا مگر اِس غزوہ میں ایک تندرست مسلمان اور ایک بالغ لڑکے کو بھی مدینہ میں رہنے کا حکم نہ تھا بلکہ یہ عام حکم دیدیا تھا سب حملہ آور فوج کے ساتھ میدان کارزار میں روانہ ہو جائیں اب اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ جتنے خلیفہ اب تک مدینہ میں بن چکے تھے اُن

سب سے حضرت علی کا درجہ گھٹا ہوا رہا. یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ حضور انور نے مدینہ سے تیس کے قریب سفر کیے اور ہر سفر میں مدینہ میں ایک خلیفہ مقرر ہوا تھا کرتا تھا جسے آپ چاہتے خلیفہ بنا دیتے تھے. چنانچہ غزوۂ ابواء میں آپ نے سعد بن عبادہ کو اور غزوہ بواط میں سعد بن معاذ کو اور پھر جب وہاں سے آئے اور کرز بن جابر فہری کی تلاش میں نکلے تو زید بن حارثہ کو خلیفہ مقرر کر دیا تھا غزوہ عشیرہ میں ابو سلمہ بن عبد الاشہل کو خلیفہ بنایا تھا. جنگ بدر میں ابن ام مکتوم کو غزوہ قرقرۃ الکدر میں بھی انہیں کو خلفیہ کیا تھا. بلکہ بنی سلیم پر چڑھ کر جانے اور غزوہ حمراء لاسد غزوہ بنی نضیر اور غزوہ بنی قریظہ میں بھی یہی خلیفہ بنائے گئے تھے. اور جب حضور اُن اُنٹوں کو تلاش کرنے لئے نکلے جنہیں عیینہ بن حصین لے بھاگا تھا تب بھی اور غزوہ حدیبیہ میں بھی آپ نے اُنہی کو خلیفہ کیا تھا اور فتح مکہ میں بھی یہی خلیفہ بنائے گئے تھے اور عزوہ بنی قنیقاع اور غزوہ سویق میں ابولبابہ کو خلیفہ کیا تھا اور غزوہ غطفان میں جسے غزوہ انمار بھی کہتے ہیں آپ نے حضرت عثمان بن عفان کو خلیفہ مقرر کر کیا تھا اور غزوہ بدر الموحد میں ابن رواحہ کو اور عزوہ ذومتہ الجندل اور عزوہ خیبر میں سباع بن عرفطہ غفاری اور غزوہ مریسیع میں زید بن حارثہ اور عمرۃ القضا میں ابورہم کو حضور انور ﷺ نے خلیفہ بنایا تھا. جتنے مذکور الصدر اصحاب خلیفہ ہوئے تھے وہ حضور انور کے آگے ایسے ہی تھے جیسے موسیٰ کے آگے ہارون کیونکہ مقصود اصل خلیفہ کرنے میں تشیخ دینی ہے اگر کسی رافضی کی یہ بھنبھناتی ہوئی آواز نکلے کہ تبوک کا سفر چونکہ دور دراز کا تھا لہٰذا ایسے وقت میں علی کو خلیفہ بنانا افضل ہوگا اسکا جواب یہ ہے کہ اسوقت مدینہ میں اور مدینہ کے آس پاس بالکل امن و امان تھا. کیونکہ قریب قریب سب مسلمان ہو گئے تھے اور جو نہیں ہوئے تھے وہ بھاگ گئے تھے. اور اِس جنگ کے سوا اور غزوؤں میں دشمن مدینہ کے پاس ہی لگا ہوا تھا اور اہل مدینہ کو بہت ہی سخت اندیشہ تھا تو اِن اوقات میں حضور نے اُن لوگوں کو خلیفہ بنایا جو زبردست اجتہادی قوت رکھتے تھے. اور جن میں جنگ مدافعت لڑنے کی پوری طاقت تھی چونکہ یہ اوقات زیادہ مہتمم بالشان اور نازک تھے اِس لئے ان میں حضرت علی کو خلیفہ نہیں بنایا گیا. پھر ملاحظہ ہو کہ رافضیوں نے "لا فتے اِلا علی لا سیف الا ذوالفقار" کی جو کہانی گھڑی ہے اور جس کہانی کا ذکر اوپر ہو چکا ہے یہ بھی چانڈو خانہ کی گپ سے کسی طرح کم نہیں ہی جبرئیل کا جنگ بدر کے بعد آسمان پر اُڑتے ہوئے لا فتے الا علی

پکارنا ایسا عجیب وغریب ڈھکوسلا اور بوستان خیال کی کہانی ہے جسکا نظیر نہیں ملنے کا. تاہم محدثین کے نزدیک یہ محض جھوٹی اور بنائی ہوئی حدیث ہے اسکا جھوٹ سند کی جہت کے علاوہ اور بھی کئی طرح سے صاف ظاہر ہے مثلاً قرآن مجید حدیث اور لغت عرب میں فتےٰ کا لفظ جیسا کہ اسمائے ذم سے نہیں ہے. اسی طرح اسمائے مدح سے بھی نہیں ہے یعنی اِسکے کہنے سے نہ کسی کی تعریف مراد ہوتی ہے ہو اور نہ کسی کی بُرائی مقصود ہوتی ہے. قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کی نسبت جو یہ کہا گیا تھا. سَمِعْنَا فَتًى يَذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ اِبْرَاهِيمُ اِسکے قائل کفار تھے اس لفظ سے ان کا مقصود صرف ابراہیم کی تعریف کرنا نہ تھا. پھر رافضیوں کا یہ کہنا کہ نبی نے اپنے دادا ابراہیم یا اپنے چچا کے بیٹے علی کے ساتھ فخر ظاہر کیا. ایک ایسا لفظ اور بیہودہ استدلال جو بے ادبی سے گزر کے کفر کے قرب وجوار میں پہنچ جاتا ہے آپ کی شان ابراہیم وعلی سے ارفع واعلی تھی. پھر رافضیوں کا یہ کہنا کہ حضور نے علی سے بھائی بندی کی اور ابوبکر وعمر میں بھائی بندی کرائی محض غلط اور لغو ہے. ہاں مہاجرین وانصار میں آپ نے بھائی بندی کرائی اور مہاجر سے مہاجر کی اور انصار سے انصار کی بھائی بندی نہیں ہوئی۔ بدر کی لڑائی میں جبرئیل کی آواز بھی ایک عجیب وغریب حکایت ہے جو بھنگڑ خانہ میں بیان کرنے کے قابل ہے اب رہا ذوالفقار کا معاملہ یہ بھی عجیب دلچسپ کہانی ہے. ذوالفقار ابوجہل کی تلوار کا نام تھا جو بدر کی لڑائی کے ختم ہونے پر لوٹ میں مسلمانوں کے ہاتھ لگی تھی. زمانہ جنگ بدر میں وہ تلوار مشرکین مکہ کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف چلی تھی. پھر جبرئیل کتنا ناواقف ونادان تھا کہ اُس نے ذوالفقار کا راگ گایا۔ امام احمد، ترمذی اور ابن ماجہ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ ذوالفقار جنگ بدر میں غنیمت کے مال کے ساتھ آئی تھی. پھر ابوذر کی حدیث کو خیال کیا جاتا ہے جس میں حضرت علی کی محبت کا راگ گایا گیا ہے وہ حدیث بھی بالکل جھوٹی اور سراسر بناوٹی ہے اور اگر اُسے تھوڑی دیر کے لئے صحیح بھی مان لیں تو بھی وہ قابل حجت نہیں ہے. جس طرح علی سے محبت رکھنی واجب ہے اسی طرح ابوبکر اور تمام انصار سے محبت رکھنی واجب ہے. صحیح میں حضور سے مروی ہے آپ نے فرمایا آیۃ الایمان حب الانصار وآیۃ النفاق بغض الانصار. یعنی انصار سے محبت ہونی ایمان کی نشانی ہے اور اُن سے بغض رکھنا نفاق کی نشانی ہے. صحیح مسلم میں حضرت علی سے روایت ہے کہ حضور نے مجھ سے یہ عہد

لیا تھا کہ مجھ سے وہی محبت رکھے گا۔ جو مومن ہوگا اور بغض وہی رکھے گا جو منافق ہوگا. رافضی کہتے ہیں کہ منجملہ محبت والی حدیثوں کے ایک وہ حدیث ہے جو فردوس نامی کتاب کے مصنف نے اپنی کتاب میں معاذ بن جبل سے نقل کی ہے اِسکا مضمون یہ ہے کہ علی سے محبت ہونی ایسی نیکی ہے جسکے ہوتے کوئی گناہ نقصان نہیں دے سکتا. اور علی سے بغض رکھنا ایسا گناہ ہے کہ اسکے ہوتے کوئی نیک فائدہ نہیں دے سکتی۔

جواب: کتاب الفردوس کے مصنف کو ہم جانتے ہیں اگر چہ یہ حدیث کے طلباء اور روایوں میں سے تھا. مگر اس نے اناپ شناپ بلا سمجھے بوجھے اندھا دھند جو کچھ ملا اپنی کتاب میں لکھدیا. مصنف کا نام شیرویہ بن شہریار دیلمی ہے. اسکی کتاب ملا باقر مجلسی کی کتاب بحار الانوار سے کچھ کم نہیں دنیا بھر کی جھوٹی کہانیں اِس نے جمع کردی ہیں. کون مسلمان یہ شہادت دے سکتا ہے کہ حضور انور نے علی کی نسبت ایسا فرمایا خوب سمجھ لو اور اچھی طرح خیال کرلو کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت رکھنی علی کی محبت رکھنے سے بدرجہ بہتر ہے اس پر بھی اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت کی موجودگی میں یا اُسکے ہوتے ہوئے گناہ نقصان دیتے اور مضر پڑتے ہیں چنانچہ شراب پینے پر حضور انور نے عبداللہ بن حمار کو مارا اور مارنے میں آپ یہ برابر فرماتے جاتے تھے کہ یقیناً یہ اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتا ہے. یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ شرک مشرک کو نقصان پہنچائے گا چاہے وہ علی سے کیسی ہی محبت کیوں نہ رکھتا ہو مثلاً غالیہ فرقہ کے لوگوں کی محبت حضرت علی سے موجودہ رافضیوں کی محبت سے بدرجہ بڑھی ہوئی ہے مگران کے کفر پر سب کا اتفاق ہے. اور کافر کی دائمی جائے قیام دوزخ ہے تو پھر حضرت علی کے محب یعنی غالیہ یعنی غالیہ لوگ دوزخی ہوئے. صحیح حدیث میں آیا ہے. حضور نے فرمایا. **لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدھا،** یعنی اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے گی میں اِسکا ہاتھ ضرور کاٹ ڈالوں گا. اِسکے علاوہ اِسلام اس بات کا فیصلہ کرچکا ہے چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور زانی کے لئے زنا کی حد لگائی جائے گی. اگر چہ وہ علی سے کتنی ہی محبت کیوں نہ رکھتا ہو قاتل سے مقتول کا ضرور قصاص لیا جائیگا. خواہ وہ حضرت علی کا عاشق زار ہی کیوں نہ ہو. علی کو جانے دو حضور انور رسول اللہ ﷺ کو لو آپ سے محبت کرنی علی سے محبت رکھنے سے بدرجہ بڑی ہی ہوئی

ہے. اِس پر بھی حضورانور کا سچا عاشق اگر نماز اور زکوۃ کو ترک کر دے اور کبیرہ گناہ کرنے لگے. تو وہ اُسی سزا کا مستحق قرار پایا جاتا ہے جسکا شریعت فیصلہ کرے. جو لوگ حضرت علی کی محبت کا دم بھرتے ہیں وہ دو قسم کے ہیں ایک وہ جنہوں نے حضرت علی کو دیکھا جنگ میں آپ کے ساتھ رہے اور ایک بعد میں آنے والی نسلیں جنہوں نے سوائے سننے کے حضرت علی کو دیکھا نہیں تو پہلی جماعت جس نے حضرت علی کی محبت کا دعویٰ کیا. بالکل جھوٹی ہے. اِس لئے کہ نہج البلاغۃ اِس سے بھری پڑی ہے کہ حضرت علی ان سے سخت نالاں تھے انہیں گالیاں دیتے تھے ان پر لعنت بھیجتے تھے اور کہتے تھے. خدا کے لئے تم میرے پاس سے چلے جاؤ یہ لوگ اُن رافضیوں کے بزرگ اور جدامجد ہیں جو آج کل حضرت علی کی محبت کا دم بھر رہے ہیں. خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ قول جو حضورانور کی طرف نسبت دیا گیا ہے. یہ تو ایک نا قابل معافی جرم ہے باقی نفس قول ایک کفر علی ہے جسکے قائل کو توبہ کرنی چاہیے. جو شخص اس بات کا قائل ہے کہ اُسکا ایمان اللہ اور آخرت پر ہے اُسے کبھی ایسا کہنا جائز نہیں ہے. پھر اِس جھوٹی روایت کا دوسرا ٹکڑہ کہ علی سے بغض رکھنا کفر ہے اور ایسا گناہ ہے کہ اسکے ہوتے کوئی نیکی فائدہ نہیں دیتی محض غلط اور لغو ہے. اس لئے کہ اگر وہ بغض رکھنے والا کافر ہے. تو اُسکا کفر ہی اِسکی بدنصیبی کے لئے کافی ہے اگر وہ مومن ہے تو اُسکا ایمان ضرور اسے فائدہ دے گا اگر چہ وہ علی سے کتنا ہی بغض رکھے. پھر رافضی ابن مسعود کی زبانی کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا. حب ال محمد یوماً خیر عبادة سنة ومن مات علیها دخل الجنة یعنی آل محمد سے ایک دن محبت رکھنی سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے اور جو اسی پر مرگیا وہ جنت میں جائیگا. اس طرح رافضیوں کا یہ کہنا انا وھذ احجة الله علی خلقه. یعنی حضور نے فرمایا کہ میں اور یہ یعنی علی اللہ کی مخلوق پر اللہ کی حجت ہیں.

جواب: یہ دونوں حدیثیں کل محدثین کے نزدیک بالکل جھوٹی ہیں اتنا لغو جھک مارا گیا ہے کہ سارے دن محبت رکھنی جسکے کچھ معنی نہیں ہیں سال بھر کی عبادت سے زیادہ ہے سال بھر کی عبادت میں پانچوں وقت کی نماز رمضان کے روزے اور زکوۃ وغیرہ سب آ گئی. سب مسلمانوں کا اِس پر اجماع ہے کہ آل محمد سے ایک مہینہ محبت رکھنی بھی اسکے قائم مقام نہیں ہوسکتی چہ جائے کہ فقط ایک

دن کی محبت اِسکے قائم مقام ہوجائے. آل محمد تو ایک طرف رہی خدا کی محبت بھی ایک سال کی عبادت کیا ایک دن کی عبادت کے قائم مقام نہیں بن سکتی. محبت کا معیار کیا ہے محبت کسے کہتے ہیں. زندگی میں تو محبت کی یہ علامتیں ہیں کہ روپے سے، رائے سے ہاتھ پیروں سے، دوسرے شخص کو مدد دی جائے اور اُسکے مرنے کے اُس سے محبت رکھنی یہ ہے کہ اُسکی حمیدہ خصائل اور پسندیدہ اور صاف کا تتبع کیا جائے. اور یہ تتبع دائمی ہو عارضی پیروی کوئی فائدہ نہیں دے سکتی. علی یا آل محمد کی محبت کا جو راگ گایا گیا ہے یہ ایسا لغو اور مہمل ہے کہ اسلام میں اسکی کوئی وقعت نہیں۔ لوگ زبانی طور پر خدا اور رسول یا علی کی محبت کا دم بھرنے والے ہیں مگر اُن کے احکام اور روشن ہدایتوں کو پس پشت ڈال دیا ہے وہ ہمارے خیال میں اِس شخص سے بدتر ہیں جو نہ محبت کا دم بھرے نہ حضور کے اقوال کو تسلیم کرے. سچے مسلمان کو اللہ اور رسول کی عملی محبت فائدہ دے سکتی ہے. اور غیر از اللہ و رسول مسلمانوں کو دوسرے کی محبت ضروری نہیں ہے. جو دل کہ گذر گاہ جلیل اکبر بن چکا ہو جس دماغ میں کہ حضور انور حضور انور رسول اللہ ﷺ کی محبت سما گئی ہو وہاں تو کسی دوسرے شخص کی محبت کا گزر نہیں ہوسکتا خواہ وہ علی ہو یا علی سنے بھی بڑپ چڑھ کے اب رہا مخلوق پر اللہ کی حجت فقط پیغمبروں ہی کی ذات سے قائم ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالے فرماتے ہے. لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ یعنی تا کہ پیغمبروں کے پہنچ جانے کے بعد لوگوں کے لئے اللہ پر کوئی حجت نہ رہے اللہ تعالیٰ نے یہ کہیں فرمایا کہ بعد الرسل ولا ئمۃ والا وصیاء وغیر ذلک بلکہ خاص پیغمبروں ہی کے لئے حجت ہونے کو بیان کیا ہے. پھر رافضیوں کا یہ کہنا کہ اگر تمام عالم حضرت علی کی محبت پر متفق ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ دوزخ ہی کو نہ پیدا کرتا ایسا صریح جھوٹ اور من گھڑت حکایت ہے کہ جو خود اپنے کذب محض ہونے کی شہادت دیتی ہے اس بات کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ اگر تمام دنیا حضرت علی کی محبت پر متفق ہوجائے مگر جب تک وہ اللہ اِسکے فرشتوں اسکی کتابوں اسکے پیغمبروں اور روز قیامت پر ایمان نہ لائے اور نیک عمل نہ کرے علی کی محبت اُسکے لئے محض بے کار ہے اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر فرمایا ہے. بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِندَ رَبِّهِ وَلَا

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. (سورۃ البقرہ آیت ۱۱۲) یعنی ہاں جس نے خدا کے آگے اپنا سر جھکایا اور وہ اچھے کام کرتا ہے تو اس کے رب کے ہاں اسکو اجر ملے گا نہ اُس اجر نہ اُسکو کسی قسم کا ڈر ہوگا نہ غم ہوگا اور فرمایا۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا. (سورۃ النساء آیت نمبر ۶۹) یعنی اور جو کوئی اللہ کی اور (اُس کے) رسول کی اطاعت کرے تو یہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہونگے جن پر اللہ نے اپنا انعام کیا ہے یعنی انبیاء، صدیقین، شہیدوں اور نیک لوگوں کے ساتھ (ہونگے) اور یہ بہت اچھے رفیق ہیں۔ اور فرمایا۔ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ. اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ. ٥ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُو اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ. وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ. وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ٥ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ. ٥ (سورہ آل عمران آیت ۱۳۲ تا ۱۳۶) یعنی اور اپنے پروردگار سے مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو جسکا عرض آسمان اور زمین (کے برابر) ہے اور اُن پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے جو فراخی اور تنگدستی میں (اللہ کے نام پر) خرچ کرتے ہیں۔ اور غصے کو روکتے ہیں۔ اور لوگوں سے (اگر خطا ہو جائے تو) درگزر کرتے ہیں اور اللہ نیک کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے (اور اُن کے لئے بھی) جو جب کبھی کوئی فحش کام کر بیٹھتے ہیں یا اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتے ہیں۔ اور اللہ کے سوا گناہوں کو کون معاف کر سکتا ہے اور وہ دیدہ دانستہ اپنے کسی (برے کام) کئے ہوئے پر اڑ نہیں بیٹھتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جنکی جزا اِن کے پروردگار کی طرف ہے اور (نیز جنت کے) گھنے باغات ہیں جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ لوگ ابدالآباد تک اُن میں رہیں گے اور (نیک) کام کرنے والوں کا یہ بہت اچھا بدلہ ہے اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ یہ لوگ جنتی

ہیں اوران پر علی کی محبت کی کوئی شرط نہیں لگائی گئی جیسے رافضیوں نے بیان کی ہے. اس طرح اللہ کا یہ حکم اِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ جَزُوْعًا سے فِیْ جَنّٰتٍ مُّکْرَمُوْنَ تک. اِسی طرح اور بھی بہت سی آیتیں ہیں جن میں حب علی کی کہیں شرط نہیں لگائی گئی. یہ کون نہیں جانتا کہ حضور انور ﷺ کی خدمت میں بہت لوگ آئے اور ایمان لائے. اور پھر ایسے بھی لوگ ایمان لائے جنہوں نے آپ کو نہیں دیکھا نہ اُنہوں نے علی کا ذکر سُنا اور نہ کبھی علی کو پہچانا. حالانکہ اِن کے متقی مومن ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہے. ہاں یہ ہم جانتے ہیں کہ علی کی محبت پر رافضیوں، نصیریوں، اسماعلیوں کا اجماع ہوا ہے. مگر یہ متفق علیہ کافر ہیں۔ رافضیوں اوران کے چھوٹے بھائی بعض صوفیوں کا یہ خیال کیا عقیدہ ہے کہ حضرت علی ہادیان اسلام کے پیشرو، اوراولیاء اکرام کے امام ہیں. اِس روایت یا حدیث کا غلغلہ اِس قدر مچا اور ایسا شور برپا ہوا کہ مسلمان بھی ایک حد تک اِسکے قائل ہوگئے. اوراب وہ حضرت علی کو امام الاولیاء تسلیم کرتے ہیں. اوراگر کوئی اس سے انکار کرتو اُسے خارجی اور ناصبی کے نام سے پکارتے ہیں. اِس روایت کی اصل پر ہم بحث کرنا چاہتے ہیں جس سے معلوم ہوجائے گا کہ یہ روایت کتنی جھوٹی اور ایجاد دہندہ ہے. تمام محدثوں اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مذکورہ روایت محض غلط اور بے بنیاد ہے یہ بیشک ہم مانتے ہیں کہ صاحب حلیہ نے اسے اپنی کتاب میں درج کیا ہے مگر خالی اسکا درج کردینا اسکی صحت کی دلیل نہیں ہوسکتا. کیونکہ صاحب حلیہ نے ابوبکر، عمر، عثمان، علی اور ساتھ ہی اوراولیاء وغیرہ کے فضائل بہت سی ضعیف حدیثیں نقل کردی ہیں جن کے موضوع ہونے پر کل علماء کا اتفاق ہے. یہ بیشک صحیح ہے کہ صاحب حلیہ حفاظ حدیث اور ثقہ لوگوں میں سے ہیں یہ قاعدہ ہے کہ محدثین اپنے استادوں سے حدیث نقل کرنے میں ثقہ ہی ہوتے ہیں. لیکن اگر کوئی مصیبت آتی ہے اور رواتیوں میں نئی پیچیدگی آکر پڑتی ہے تو وہ صرف اِس وجہ سے ہے کہ اوپر کے درجہ والوں سے آنکھ بند کرکے روایت کردی جاتی ہے. شاگرد استاد سے روایت کرتے میں جھوٹ نہیں بولتا مگر جس شخص کی یہ روایت ہے کہ اُسکے لئے کوئی سند پیش نہیں کرتا جیسا سنتا ہے ویسا ہی بیان کردیتا ہے. رواتیوں کی ایک قسم غریب بھی ہے. محض شہرت دینے کے لئے غریب روایتیں زیادہ نقل کردیتے

ہیں. حالانکہ غریب روایتیں اکثر ضعیف ہوتی ہیں جیسا کہ امام احمد نے فرمایا اتقوا ھذا الغرائب فان عامتھا ضعیفة یعنی بچو غریب روایتوں سے کیونکہ اکثر ضعیف ہوتی ہیں. اسکے علاوہ اِس حدیث میں حضرت علی کو کلمة التقویٰ کہا گیا ہے. یہ بھی صریح جھوٹ اور حضرت علی پر بہتان عظیم ہے. اس پر ہم زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے، حضرت مسیح کو کلمة اللہ دیکھ کے حضرت علی کو کلمة التقویٰ بنادیا ہے اور کچھ نہیں اسکے بعد عمار اور عباس کی بھی دونوں حدیثیں موضوع ہیں۔ رافضی کہتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کے عیبوں کا کیا پوچھنا ہے اُن میں سے بہت سے عیب جمہور نے نقل کئے ہیں. یہاں تک کہ صحابہ کے عیبوں میں کلبی نے ایک کتاب تصنیف کی ہے لیکن اِس کتاب میں کہیں بھی اہلبیت میں کوئی نقص نہیں نکالا گیا۔

جواب: صحابہ کی شان اقدس واطہر جو عیب بیان کئے جاتے ہیں ان کے مفصل جواب دینے سے پہلے ایک ضروری بات بیان کرنی ہے جو غور سے دیکھنے کے قابل ہے یعنی صحابہ کے جتنے عیب نقل کئے گئے ہیں وہ دو قسم کے ہیں ایک قسم تو وہ ہے جو جھوٹ ہے. یا اِس میں تحریف کردی گئی ہے یعنی کمی زیادتی کرنے سے برائیاں اور نقصان نکل آئے ہیں اور اِسکے ناقل وہ لوگ ہیں جو لاثانی کذاب شریر دغاباز فریبی اور کذب میں مشہور معروف ہیں جیسے ابو مخنف لوط بن یحییٰ اور ہشام بن محمد بن سائب کلبی اسی طرح اور بھی بہت سے کذاب ہیں جنکا کذب روز روشن کی طرح چمکا اور چمک رہا ہے. رافضیوں نے جو کلبی کو پیش کیا ہے یہ اُن کی نری ابلہ فریبی اور دھوکہ دہی ہے. اس لئے کہ خود ہی مدعی اور خود شاہد اور خود ہی جج بننا یہ عقل کے سخت منافی ہے. رافضی مدعی کلبی جو سب سے بڑا پکا چھٹا رافضی تھا وہ شاہد پھر فرمایئے کہ روایت کی تصدیق کیونکر ہو. ابن ہشام کلبی نے اپنی کتاب میں دو شخصوں سے روائتیں نقل کی ہیں. ایک ابو مخنف لوط سے اور اپنے باپ سے. دونوں کے رافضی ہونے میں کلام نہیں ہے امام احمد کلبی کے بارے میں یہ فرماتے ہیں کہ مجھے ہرگز امید نہیں ہے کہ کوئی شخص اِس سے حدیث نقل کرے. یہ تو قصہ گو رافضی ہے حدیث ہے اسے بالکل مس نہیں ہے. دار قطنی نے اِسے متروک لکھا ہے. اور ابن عدی نے اسکی نسبت تحریر کیا ہے. کہ اس رافضی پر قصہ گوئی غالب ہے سند میں

مجھے اسکی کوئی روایت معلوم نہیں ہوئی اسکا باپ بھی ایسا ہی کذاب ہے. پھر زائدہ، لیث سلیمان تیمی نے بھی اِسے کذاب کہا ہے یحیٰی کہتے ہیں اسکا ذکر ہی کیا کرنا یہ تو ساقط الاعتبار ہے کبھی بھولے سے بھی اِسکی طرف توجہ نہ کرنی چاہیے ابن حبان کہتے ہیں کہ اِسکا جھوٹ تو اِس قدر ظاہر و باہر ہے کہ اسکے دیکھنے اور تحقیق کرنے کی ضرورت ہی نہیں. دوسری قسم صحابہ کے عیبوں کی وہ ہے جو سچ ہے. اور ان میں اکثر امور ایسے ہیں جن میں انکا عذر اور مجبوریاں موجود ہیں۔ اور مجبوریاں، یہ عذر انہیں گنہگار بننے سے بری کر دیتے ہیں۔ خلفاراشدین سے جو امور اس بارے میں منقول ہیں اُن میں اکثر اس قسم کے ہیں کہ ان امور میں کسی سے بھی گناہ محقق نہیں ہوسکتا. کیونکہ ان کے فضائل اور اُن کا جنتی ہونا اِس بات کی کافی دلیل ہے. یہ مسلم ہے کہ آخرت میں محقق گناہ کا عذاب بھی چند اسباب سے معاف ہوجاتا ہے. اور سببوں میں سب سے بڑا سبب تو یہ ہے رافضیوں کے امام بھی نقل کرتے ہیں کہ خلفائے راشدین نے اُن گناہوں سے توبہ کر لی جو اِن سے صادر ہوگئے تھے. اس کے علاوہ قرآن مجید میں اس بات کا فیصلہ کر چکا ہے کہ نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. فَاِنَ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السّيِئاَتِ اور اِسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے. اِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَاتُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِرَ عَنْكُمْ سِيِّاَتِكُمْ. یعنی اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچو گے جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے. تو ہم تمہارے صغیرہ گناہوں کو بخشدیں گے اِسی طرح وہ مصیبتیں ہیں جو گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہیں. پھر مسلمانوں کی دعاء ہے جو ایک دوسرے کے لئے کی جاتی ہے. اور اسکے بعد حضور انور رسول اللہ ﷺ کی شفاعت ہے. دیکھنا صرف یہ ہے کہ ان اسباب میں ایک سبب سے بھی امت میں سے کسی ایک کا عذاب ساقط ہو جائے. یعنی معاف کر دیا جائے تو صحابہ اس سے بھی زیادہ مستحق ہیں. غرض صحابہ کے بعد جتنی امت ہے ہر تعریف اور ہر گناہ کے نفی ہونے میں صحابہ سب سے زیادہ مستحق ہیں. مسلمانوں کے جو عیب بالتفصیل رافضیوں نے بیان کئے ہیں ان پر ہم کچھ بحث کرنا چاہتے ہیں رافضی اپنی سند میں کبھی اپنے حقیقی بھائی کلبی کو پیش کرتے ہیں اور کبھی اس کے دوسرے بھائیوں کو ہم بھی ان سب کا تار تار الگ کر کے رکھ دیتے ہیں اور دکھا دیتے ہیں کہ

رافضیوں کے پیشواؤں نے جھوٹ بول کر نفس دروغ کو بھی شرما دیا ہے۔ رافضی کہتے ہیں کہ جب ابوبکر ممبر پر کھڑے ہوئے تو یہ فرمایا کہ محمد رسول اللہ ﷺ تو وحی کی وجہ سے محفوظ رہتے تھے لیکن میرے پیچھے ایک ایسا شیطان لگا ہوا ہے جو ہر وقت میرے سر رہتا ہے۔ پس اگر میں راہِ راست پر ہوں تو تم میری مدد کرو اگر میں اُس سے ہٹوں تو مجھے سیدھا کرو پھر رافضی یہ کہتے ہیں کہ ایسے شخص کا امام ہونا کیونکہ درست ہوسکتا ہے جو اپنے راہِ راست پر رہنے میں رعیت سے مدد مانگے باوجود یہ کہ رعیت خود اسکی محتاج ہوتی ہے۔

جواب: یہ حدیث صحیح ہے اِس میں بالکل کلام نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر نے ممبر پر کھڑے ہوکے یہ فرمایا ہم اس حدیث کو صدیق اکبر کے بہت بڑے فضائل میں سے سمجھتے ہیں۔ اِس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ملک میں بڑا بننا اور فساد پھیلانا صدیق اکبر ہرگز نہیں چاہتے تھے۔ بلکہ ریاست کے بھی خواہاں نہ تھے۔ نہ وہ ظالم تھے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی اور اللہ کے رسول کی اطاعت کا حکم دیتے تھے۔ اِس لئے اُن سے کہد یا اور کھلے لفظوں میں کہد یا کہ اگر میں راہِ راست پر ہوں یعنی حکم خداوندی پر قائم رہوں تو تم اِس میں میری مدد کرو اور اگر میں اِس سے ہٹوں اور کجرو ہو جاؤں تو تم مجھے سیدھا کرو۔ اسی طرح اور بھی ایک موقع پر آپ نے فرمایا ہے کہ اے لوگو تم میری اطاعت جب ہی تک کرو کہ میں اللہ کی اطاعت کروں اور جب میں اللہ کی نافرنی کرنے لگوں تو تم پر میری اطاعت کرنی ہرگز لازم نہیں ہے۔ اب رہا شیطان کا قصہ اگر اِسے فلسفیانہ نظر سے دیکھا جائے تو کوئی انسان ایسا نہیں نکلے گا جس میں دو صفتیں ایک نفس مطمئنہ اور ایک نفس امارہ کی نہ ہوں۔ صدیقین اور غیر صدیقین میں فرق یہی ہے کہ صدیقین کا نفس مطمئنہ نفسِ امارہ پر غالب رہتا ہے اور اگر اِسے مذہبی پہلو سے لیا جائے جسکا نتیجہ اخیر میں یہی نکلے گا تو صحیحین میں حضور انور رسول اللہ ﷺ کا قول ملاحظہ ہو آپ فرماتے ہیں **مامن احد الا وقد وکل اللہ بہ قرینۃ من الملائکۃ و قرینہ من الجن**، یعنی کوئی بچا ہوا نہیں ہے بلکہ اللہ نے ہر ایک کے ساتھ ایک فرشتہ اور ایک شیطان مقرر کر دیا کسی نے اسی وقت عرض کیا۔ یا رسول اللہ اور آپکے ساتھ بھی۔ آپ نے

ارشادفرمایا. وانا الا ان اللہ اعاننی فاسلم فلایا مرنی الا خیرا. یعنی میرے ساتھ بھی. مگر اِسکے مقابلہ میں اللہ نے میری مدد کی کہ وہ مسلمان ہوگیا اور مجھے اچھی ہی بات کراتا ہے. جسکا مطلب فلسفیانہ نظر سے یہ ہوا کہ میرا نفس امارہ نفس مطمئنہ بن گیا ہے. پھر حضور سے صحیح میں مروی ہے کہ آپ ایک دن رات کو صفیہ سے کچھ باتیں کر رہے تھے اُس وقت چند انصاری جو آپ کے پاس سے نکلنے لگے تو آپ نے فرمایا تم ذرا ٹھہرے رہنا جب وہ ٹھہر گئے تو آپ نے یہ فرمایا۔ انھا نصفیة بنت حی انی خشیت ان یقذف الشیطان فی قلوبکما شیئاً ن الشیطان یجری من ابن آدم مجری الام یعنی یہ صفیہ بنت حی ہے (تمہیں اس لئے سناتا ہوں) مجھے یہ ڈر ہوا کہ کہیں شیطان تمہارے دلوں میں تہمت کا شبہ نہ ڈالدے کیونکہ شیطان تو اولاد آدم کے بدن میں خون کی طرح پھرتا ہے صدیق اکبر کا اس قول سے مقصود یہ تھا کہ مثل رسول مقبول ﷺ کہ میں معصوم نہیں ہوں اور یہی حق بھی ہے اس پر رافضیوں کا یہ کہنا کہ ایسا شخص کیونکر امام ہوسکتا ہے جو اپنے راہ راست پر رہنے میں رعیت سے مدد مانگے. یہ ایسا جاہلانہ اعتراض ہے اور ایسے بیوقوف کی زبان سے نکلا ہوا ہے جو امامت اور اسکی حقیقت کو بالکل نہیں جانتا ہے کیونکہ امام یعنی حاکم رعیت کا خدا نہیں ہوتا. نہ وہ اللہ کا سفیر اور رسول ہوتا ہے تاکہ رعیت اور اللہ کے درمیان میں وہ واسطہ رہے بلکہ وہ اور رعیت کے لوگ برابر ہوتے ہیں سب آپس میں ایک دوسرے سے مدد لیتے ہیں امام ان کے دین و دنیا کی خیر خواہی کا ذمہ دار ہوتا ہے لہٰذا اُسے رعیت سے مدد لینی ضرور ہے اور رعیت کو اس سے مدد لینی ضروری ہے جیسا کہ افسرِ قافلہ جو قافلہ کو ٹھیک راستہ پر چلاتا ہے اگر وہ ٹھیک راستہ پر جارہا ہے تو سب اس کے پیچھے ہولیں گے اور اگر سالار قافلہ بھٹک گیا ہے تو قافلہ والے اُسے ٹھیک راستہ بتادینگے اور اگر کوئی اُس قافلہ پر حملہ آور ہوگا تو اُس کے رفع کرنے پر سالار قافلہ قافلہ والوں کی مدد کرے گا اور قافلہ والے سالار قافلہ کی. جب رعیت کا افسر یا امام علم قدرت اور مہربانی میں سب سے کامل ہوگا تو یہ اُس کے احوال کو سب سے زیادہ درست رکھیے گا اِسی واسطے نماز پڑھانے والا اگر ٹھیک ٹھیک پڑھائے تو مقتدی اس کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں اور اگر وہ بھول جاتا ہے تو سُبحان اللہ کہ کر اُسکو آگاہ کرتے

ہیں یعنی جب وہ کجرو ہو جاتا تو مقتدی اُسے سیدھا کر لیتے ہیں یہی حال حاجیوں کے معلم کا ہے اگر وہ انہیں شریعت کے راستہ پر چلاتا ہے تو یہ اُس کے پیچھے چلتے ہیں اور اگر وہ غلطی کرتا ہے تو یہ اُسے سیدھا کر لیتے ہیں. اب رہا تعلیم دین کا معاملہ یہ خوب سمجھ لیا جائے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے بعد لوگ دین کو امام یعنی حکم سے نہیں سیکھتے بلکہ ائمہ اور امت کے سب لوگ دین کو اللہ کی کتاب اور رسول کی حدیث سے سیکھتے ہیں اسی لئے اللہ تعالے نے صاف طور پر یہ فرمایا کہ جب تم میں کوئی اختلاف پڑے تو ائمہ کی طرف رجوع نہ کرو بلکہ خدا اور رسول کی طرف رجوع کرو چنانچہ وہ ارشاد یہ ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ. یعنی اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو اور حاکموں کی جو تم میں سے ہوں. پھر اگر کسی معاملہ میں تم باہم مختلف ہو جاؤ تو اُسے اللہ اور اُس کے رسول کے پاس لیجاؤ. اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اختلاف ہونے پر اماموں اور حاکموں کے پاس نہیں بلکہ اللہ اور رسول کے پاس لیجانے کا حکم دیا ہے. اور حاکموں کی اطاعت کرنے کا حکم بھی محض رسول کا اطاعت کے تابع ہونے کی وجہ سے کیا گیا ہے. اسی وجہ سے حضور انور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اِنما الطاعة فی للحروف یعنی اطاعت نیک ہی کام میں ہے اور ارشاد فرمایا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق یعنی خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہ کرنا چاہیے اور پھر فرمایا من امرکم معصية الله فلا تطيعوه یعنی جو تمہیں اللہ کی معصیت کرنے کا حکم دے اسکی اطاعت مت کرو۔ اب رافضیوں کے اس قول پر غور کیا جائے جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ ایسے شخص کا حاکم ہونا کیونکر درست ہو سکتا ہے جو اپنے راہ راست پر رہنے میں رعیت سے مدد مانگے باوجودیکہ رعیت اسکی محتاج ہوتی ہے یہ قول ایسا لغو خلاف واقعہ اور خلاف مشاہدہ ہے کہ اسکی تردید کے لئے کسی دلیل اور حجت کی ضرورت نہیں ہے. دنیا کے چھوٹے بڑے کارخانوں میں خواہ وہ تجارت سے تعلق رکھتے ہوں یا صنعت وحرفت سے جنگ سے تعلق رکھتے ہوں. یا صلح وامن سے سب میں حاکم رعیت کا محتاج ہوتا ہے اور رعیت حاکم کی افسر اپنے محکوم کا محتاج ہوتا ہے اور محکوم اپنے

افسر کا انسان فطری طور پر مدنی الطبع پیدا کیا ہے خواہ وہ انسان بادشاہ ہو جلاہا اور اس کا مدنی الطبع ہونا اُسکی احتیاج کی کامل شہادت ہے نماز کے امام کو دیکھئے کہ سب مقتدی اس کے محتاج ہوتے ہیں مگر جب اُن میں سے اسکی کوئی سہو بتاتا ہے تو امام مان لیتا ہے اور جمہور کے نزدیک ایک اسی طرح قرامت ہے جس وقت بھول جاتا ہے تو اپنے مقتدیوں سے مدد لیتا ہے وہ اُسے اُسکی بھول سے آگاہ کرتے ہیں اگر وہ اُسے شرعی نماز سے منحرف پاتے ہیں تو اُسکی پیروی نہیں کرتے اسکی مثالیں اور ہزاروں ہیں جنکے بیان کرنے کی یہاں ضرورت نہیں۔اب حضرت علی کو دیکھا جائے کہ آپ کا اپنی رعیت سے مدد مانگنا اور اپنی حاجت اُنکے آگے بیان کرنا صدیق اکبر کے مدد مانگنے سے کہیں زیادہ ہے۔اسی طرح صدیق کا اپنی رعیت کو درست کرنا اور رعیت کا اُن کی اطاعت کر لینا حضرت علی کو اپنی رعیت کے درست کرنے سے اور رعیت کو انکی اطاعت کرنے سے بدرجہ بڑھ کر ہے کیونکہ صدیق کے لوگ جب اُن کے خلاف کچھ کرتے تو صدیق اُن پر حجت قائم کرتے کہ انہیں آپ کی بات ماننی پڑتی جیسا کہ زکوٰۃ نہ دینے والوں وغیرہ سے جنگ کرنے کی بابت صدیق نے فاروق اعظم پر حجت قائم کی تھی۔اُن لوگوں کی یہ حالت تھی کہ ابوبکر جب انہیں کوئی حکم دیتے تھے تو وہ فوراً اُن کی اطاعت کر لیتے تھے بالکل اسکی ضد حضرت علی کی رعیت تھی فوج نے اور رعیت نے جس طرح حضرت علی کی مخالفت اور نافرمانی کی ہے رافضیوں کی مسلمہ کتاب نہج البلاغہ اُس سے بھری پڑی ہے۔اس کے علاوہ دوسرا پہلو یہ ہے کہ حضرت علی اپنی رعیت یا مصاحبوں کو کسی بات کا حکم دیتے تھے اور وہ اُس کے ماننے سے انکار کرتے تھے اور حضرت علی کو سمجھاتے تھے کہ آپ ایسا نہ کریں مصلحت کے خلاف ہے مگر حضرت علی اپنی ضد پر تلے رہتے تھے اور اخیر حضرت علی کو معلوم ہو جاتا تھا کہ میرا خیال یا رائے غلط تھی اور یہی لوگ سچے تھے اسکی مثال یہ ہے کہ آپ کے بڑے صاحبزادے امام حسن نے آپ کو سمجھایا تھا کہ آپ بغیر لوگوں سے بعیت لئے مدینہ منورہ سے نہ نکلیں نہ کوفہ جائیں اور نہ صفین پر جنگ کریں اور یہ بھی رائے دی تھی کہ امیر معاویہ کو معزول کرنا مصلحت نہیں ہے مگر آپ نے ایک بات نہ مانی پیچھے نقصان اُٹھایا اور نقصان اُٹھانے کے بعد امام حسن کی رائے کی قدر کی۔اگرچہ

جنگ صفین کا افسانہ بالکل بے بنیاد اور گھڑا ہوا ہے جس کو ہم وضاحت سے بیان کریں گے مگر یہ
بات دیکھنے کی ہے کہ جتنی باتیں حضرت علی نے کیں وہ سب مصلحت کے خلاف تھیں ان کے بڑے
صاحبزادے اور اُن کے احباب اُنکی رائے کے سخت مخالف تھے۔ اِس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ
صدیق، فاروق اور عثمان کے زمانہ میں سیاست کا جو انتظام تھا اور بڑی روشن ضمیری اور عالی دماغی
اور کوشش سے قائم کیا گیا تھا حضرت علی نے اسکا بالکل ستیاناس کر دیا صحابہ اور مسلمانوں کی وہ تلوار جو
مشرکین اور کفار کے مقابلہ میں اُٹھی تھی اُسکا رخ یکا یک مسلمانوں کی طرف پھر گیا اور مسلمان ایک
دوسرے کو آپس میں قتل کرنے لگے۔ اب دیکھنا فقط یہ ہے کہ اصحاب ثلاثہ کا یہ انتظام متولی اور رعیت
دونوں کے کمال کی وجہ سے تھا تو وہ اور ان کی رعیت دونوں افضل ہوئے اور اگر اکیلے متولی ہی کے
کمال کی وجہ سے تھا تو فضیلت میں یہ متولی سب سے بڑھا ہوا ہوگا۔ اب حضرت علی پر خیال کیجئے کہ
اگر یہ بے انتظامی اس وجہ سے ہوئی تھی کہ آپ کی رعیت میں بہت ہی زیادہ نقص تھا تو ظاہر ہے کہ
صدیق، فاروق اور عثمان غنی کی رعیت سے علی کی رعیت میں بالکل بعد المشرقین ہے۔ تماشا تو یہ ہے
کہ حضرت علی کی رعیت یا فوج زبانی تو انہیں مانتی رہی مگر عملی طور پر ان کے احکام کی بجا آوری نہیں
کی برخلاف اصحاب ثلاثہ کی رعیتوں کے کہ انہوں نے زبان سے بھی اقرار کیا اور عملی طور پر سر تسلیم خم
کیا اور یہ تسلیم سر خم کرنے والے علی کی امامت کے اقرار کرنے والوں سے بدرجہ افضل ہوئے تو اس
سے لازم آیا کہ ان تینوں میں سے ہر ایک حضرت علی سے افضل تھا۔ اسکے علاوہ سیاست کی شان
شوکت سلطنت کی عظمت حکومت کی جبروت جو امیر معاویہ کے وقت میں تھی حضرت علی کو اسکا سواں
حصہ بھی میسر نہیں آیا۔ پس اس سے لازم آتا ہے کہ امیر معاویہ کی فوج و رعیت حضرت علی کی فوج و
رعیت سے افضل تھی جیسا کہ خود نہج البلاغتہ میں مذکور رہی کہ حضرت علی نے بارہا اپنی فوج کو مخاطب
کر کے آرزومند اور پرشوق لہجہ میں یہ کہا ہے کاش امیر معاویہ اس بات پر راضی ہو جائیں کہ اپنا ایک
سپاہی میرے دس دس سپاہیوں سے بدل لیں تو میں فوراً اُن کے ایک سپاہی کے بدلہ میں اپنے دس
سپاہی دے دوں یہ سب جانتے ہیں کہ معاویہ کی رعیت کے لوگ حضرت عثمان کے شیعہ تھے اور ان

میں وہ فرقے بھی تھے جو حضرت علی سے بغض رکھتے تھے بس اس بنا پر حضرت علی کے شیعہ اور وہ بغض رکھنے والے فرقے حضرت علی کو شیعوں سے افضل ہوں گے غرض ہر تقدیر پر یہ لازم آئے گا کہ یا تو تینوں خلفا علی سے افضل ہوں اور یا عثمان کے شیعہ اور علی سے بغض رکھنے والے فرقے علی کے شیعوں اور رافضیوں سے افضل ہوں. اِن میں سے چاہے جونسی صورت لے لی جائے اُسی سے رافضیوں کے مذہب کا باطل ہونا لازم آتا ہے. کیونکہ اُنکا یہ دعویٰ ہے کہ علی تینوں خلفاء سے افضل ہیں. اب سوال یہ ہے کہ حضرت علی کے وقت میں انتظام سلطنت کیوں نہیں ہوا۔ جب رافضیوں کے قول کے مطابق امام بھی کامل اور رعیت بھی کامل پھر انتظام نہ ہونے کی کیا وجہ ہے. اور وہ اصحاب ثلاثہ کو بھی ناقص سمجھتے ہیں. اور اُن کی رعیت کو بھی یہاں تک کہ ان کی بیہودگی میں اتنا غلو ہوا ہے کہ وہ اپنے خیال میں صحابہ کو کافر اور فاسق بھی سمجھتے ہیں پھر انتظام میں یہ خامی کیوں ہوئی. خود حضرت علی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ میرے اصحاب جاہل مطلق بد دین نامرد اور کنجوس ہیں. پھر ان کا صحابہ ثلاثہ کی رعیت سے کیونکر مقابلہ ہوسکتا ہے. اور رافضیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ حضرت علی سے بڑھ کر ان کا کوئی امام معصوم صاحب وجاہت اور ذی شان سلطان نہیں ہے تو اب خیال کرنے کی بات ہے کہ جب حضرت علی ان کو راہ راست پر نہ لا سکے تو اب صدہا برس کے بعد ان کے مجتہد کیا تیر مار سکتے ہیں. پس معلوم ہوا کہ ان میں سب سے زیادہ نقصان ہے۔ اب رہی معصوم کی عصمت جسے رافضی واجب بتاتے ہیں کیونکہ اس میں مکلفین کی مصلحت اور بھلائی ہے مگر جب معلوم ہوگیا کہ ہر زمانہ میں شیعہ کی مصلحت سے اوروں کی مصلحت اور اُن کی بھلائی سے اور اوروں کی بھلائی بدرجہ بڑھی ہوئی ہے۔ تو اس سے یہ صاف معلوم ہوگیا کہ جس صورت سے یہ عصمت کو ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ صورت بالکل باطل ہے اور اس وقت امت ائمہ کی ضرورت ہونی بھی ظاہر ہوگی۔ اور یہ بھی صاف کھل گیا کہ صدیق ہی نے حق کہا اور انہوں نے ہی انصاف قائم کیا. رافضیوں کا اعتراض، رافضی کہتے ہیں کہ ابوبکر نے کہا تھا کہ علی کے ہوتے ہوئے میں تمہارے حق میں بہترین نہیں اس لئے میں تم سے معافی چاہتا ہوں اب اگر اسکی امامت حق تھی تو اس کا اس سے معافی چاہنا معصیت ہے اور اگر باطل

تھی تو وہی طعنہ لازم آئے گا۔

جواب: بالکل غلط محض غلط اور سفید جھوٹ ہے۔ حدیث کی کتابوں میں کہیں بھی اسکا پتہ نہیں کہیں اسکی سند نہیں ملتی ہے صدیق اکبر نے کہیں ایسا نہیں فرمایا کہ تم نے علی کے ہوتے ہوئے میرے ہاتھ پر بیعت کیوں کی بلکہ وہ حدیث جو صحیح میں ان سے ثابت ہوئی ہے یہ ہے کہ آپ نے سقیفہ کے دن لوگوں سے فرمایا تھا کہ ان دونوں یعنی عمر بن الخطاب اور عبیدہ بن جراح میں سے کسی ایک سے بعیت کرلو اس پر فاروق نے کہا ایسا ہرگز نہ ہوگا بلکہ آپ ہمارے سردار اور ہم سب سے بہتر ہیں اور حضور انور آپ سے زیادہ محبت رکھتے تھے۔ پھر کہا خدا کی قسم ہے کہ اگر میں اس امر میں پیش قدمی کروں اور تم میری گردن اُڑا دو تو یہ مجھے اُس سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے کہ میں ایسے لوگوں پر حکومت کروں جن میں ابوبکر ہوں مجھ یہ سے یہ کبھی نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ اگر ابوبکر ایسا کہتے بھی تو سب سے مقدم بات یہ تھی کہ وہ عمر کی جگہ علی کو خلیفہ بناتے اور یہ اُن کے لئے آسان تھا کیونکر ان کے ہر حکم پر مسلمان سر تسلیم خم کرتے تھے۔ پھر رافضی کا یہ کہنا کہ اگر ابوبکر کی امامت حق تھی تو اُس سے اُس کا معافی چاہنا گناہ تھا اسکا جواب ملاحظہ فرمایئے اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ ابوبکر نے واقعی ایسا کہا تھا تو حق کے معنی اگر جائز کے لئے جائیں تو جائز فعل کو ترک کرنا جائز ہے اور اگر اس کے معنی واجب ہونے کے لئے جائیں اور یہ ماننا پڑے گا تو اسی لئے لوگوں نے انہیں اس امر سے معافی نہیں دی نہ انکے علاوہ کسی کو اپنا حاکم سمجھا اور اگر وہ اُنہیں معافی دے دیتے اور کسی کو حاکم کر لیتے تو یہ اُن پر واجب نہ ہوتا اسکی ایک مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے خرید و فروخت یا اجارہ کا کوئی معاملہ کیا اور وہ معاملہ حق ہے لیکن پھر وہ اس معاملہ کو فسخ کر دیتا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نے حق سے روگردانی کی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ محض اپنی انکساری اور کسی کام کو بوجہ ناگوار معلوم ہونے کی وجہ سے کسی معاملہ کو لوٹایا جاتا ہے اگر چہ اُس کے مقابلہ میں کوئی اس سے زیادہ اُس چیز کا حقدار نہیں ہوتا کسی کی نفس انکساری اس کا حق ساقط ہونے کی کبھی سفارش نہیں کرتی۔ یہ ایک ایسی معمولی بات ہے کہ اس پر زیادہ بحث کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی بے شک رسول مقبول کی جانشینی خاص صدیق اکبر کے لئے ایک امر اہم تھا آپ جیسے خدا کے عاشق تھے رسول مقبول کے فدائی۔ تھے ایسے فدائی کا

ہمیشہ یہ خیال رہتا ہے کہ اپنے آقائے نامدار کے حکم کے خلاف کہیں ذرہ برابر مجھ سے بات نہ ہو جائے ایسا خوف آپ کی اعلیٰ درجہ کی محبت فرمانبرداری اور صداقت پر دلالت کرتا ہے. حاسد اور کور چشم اسے دوسرے پہلو سے دیکھتے ہیں حالانکہ یہ اُن کی خام خیالی ہے۔

رافضی بڑی بغلیں بجا بجا کے یہ کہتے ہیں کہ عمر نے کہا تھا کہ ابو بکر کی بیعت تو ناگہانی ہوگئی تھی اللہ نے اسکی بُرائی سے بچالیا اور اگر پھر کوئی ایسا کرے تو اُسے قتل کر دینا. اب اعتراض یہ ہے کہ اگر ابو بکر کی بیعت حق تھی تو اس کا کرنے والا قتل کا مستحق نہیں ہوتا اس سے عمر پر اعتراض لازم آتا ہے اور اگر باطل تھی تو یہ اعتراض دونوں پر لازم آتا ہے۔

جواب: ہم اس پر مفصل بحث کرنے سے پہلے فاروق اعظم کے اس خطبہ کی طرف نظر کو توجہ دلاتے ہیں جو آپ نے اپنے آخری حج کے بعد پڑھا تھا اور وہ خطبہ بخاری نے اپنی صحیح میں ابن عباس سے نقل کیا ابن عباس کہتے ہیں کہ میں جن مہاجرین کی مہمانداری کر رہا تھا اُن میں ایک عبدالرحمٰن بن عوف بھی تھے منا میں میرا خیمہ نصب تھا میں اُس میں بیٹھا ہوا تھا کہ یکا یک عبدالرحمٰن بن عوف میرے پاس آئے اور کہنے لگے کاش تم بھی اُس وقت ہوتے جس وقت ایک آدمی امیر المومنین فاروق اعظم کے پاس آیا تھا اور اس نے یہ بیان کیا تھا اے امیر المومنین آپ کے مرجانے کے بعد کیا میں فلاں آدمی سے بیعت ہو جاؤں مجھے خیال ہوتا ہے اور میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ابو بکر کی بیعت تو ناگہانی ہوگئی تھی اسکے بعد اسکی مستقل صورت پیدا ہوگئی اور وہ جم گئی یہ سنکر فاروق اعظم کو سخت غصہ آیا آپ نے فرمایا انشاء اللہ میں شام کو اسکی بابت کروں گا عبدالرحمٰن کہتے ہیں میں نے کہا اے امیر المومنین آپ ایسا نہ کیجئے آج کل حج کے دن ہیں سب قسم کے لوگ یہاں جمع ہو رہے ہیں جس وقت وہ آپ سے کوئی بات سنیں گے تو وہ بات ہوا کی طرح سب میں اُڑ جائیگی ممکن ہے کہ آپ کچھ فرمائیں اور اُنہیں کچھ یاد رہے اور وہ لوگ اسکے موقع محل نہ سمجھیں اور بطور خود اس سے کوئی نتیجہ پیدا کر لیں اس لئے مناسب یہ ہے کہ آپ توقف کریں اور پہلے مدینہ پہنچ جائیں کیونکہ وہ دار ہجرت اور قیام گاہ رسول مقبول ہے. وہاں سب لوگ فہمیدہ اور شرفا ہی ہوں گے پھر

آپ خوب اطمینان سے ارشاد فرمائے. آپ جو کچھ فرمائیں گے اہل علم اُس کو سمجھ لیں گے. اور اس کے موقع محل پر اسے یاد رکھیں گے یہ بات فاروق اعظم کی سمجھ میں آ گئی آپ نے فرمایا بہتر ہے خدا کی قسم میں مدینہ میں پہنچتے ہی اسے بیان کر دوں گا ابن عباس کہتے ہیں ماہ ذالحجہ کے بعد ہم مدینہ آئے اور جب جمعہ کا دن آیا تو آفتاب ڈھلنے سے پہلی ہی میں مسجد میں پہنچ گیا دیکھتا کیا ہوں کہ سعید بن زید بن عمر بن نفیل رکن ممبر کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں میں بھی انکے پاس بیٹھ گیا میرا گھٹنا ان کے گھٹنے سے لگا ہوا تھا. میں بیٹھا ہی تھا کہ عمر بن الخطاب تشریف لائے میں نے اُنہیں دیکھتے ہی سعید بن زید سے کہا کہ آج امیر المومنین ایسی باتیں کہیں گے کہ خلیفہ ہونے سے اس وقت تک نہیں کہیں ہوں گی سعید ابن زید کو میرا یہ کہنا ناگوار گزرا اُسنے کہا مجھے امید نہیں کہ ایسی کوئی بات کہیں گے کہ اس سے پہلے کبھی کہی نہ ہو. پھر امیر المومنین عمر فاروق ممبر پر بیٹھ گئے جب موذن خطبہ کی اذان کہہ چکا تو آپ کھڑے ہوئے پہلے خدا کی حمد وثنا بیان کی پھر فرمایا میں تم سے ایک ایسی بات کہتا ہوں جسکا کہنا مجھے ضروری ہو گیا ہے میں نہیں جانتا شاید یہ بات میری موت کے قریب ہو یعنی پھر اس کے بعد تم مجھ سے ایسی بات نہ سُن سکو اس لئے جو شخص اسے سمجھ لے اور خوب یاد کر لے اُسے چاہیے کہ جہاں تک اُسکی سواری پہنچ سکے اُسے پہنچا دے اور جسے میرے کلام سمجھنے میں شبہ ہو تو میں کبھی یہ اجازت نہیں دیتا کہ مجھ پر جھوٹ باندھے یاد رکھو اللہ تعالے نے حضور انور رسول اللہ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا تھا اور آپ پر کتاب نازل فرمائی تھی. اس کتاب میں رجم کی آیت بھی ہے ہم نے اُسے پڑھا اور سمجھا اور خوب یاد کیا رسول اللہ نے بھی رجم کیا اور آپ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا اب میں ڈرتا ہوں کہ لوگوں پر زیادہ زمانہ گزرنے کے بعد شاید کوئی یہ کہنے لگے کہ کتاب اللہ میں رجم کی آیت ہمیں نہیں ملتی اور پھر سب لوگ اس فرض کے ترک کرنے سے گمراہ ہو جائیں جو اللہ نے نازل فرمایا ہے۔ کتاب اللہ میں رجم ایسے شخص پر فرض ہے جو حصین ہو گی زمانہ کرے خواہ مرد ہو یا عورت ہاں گواہوں سے ثابت ہونا شرط ہے. اس کے علاوہ کتاب اللہ میں ہم یہ بھی پڑھا کرتے تھے۔ لا ترغبوا عن آبائکم فانہ کفر بکم ان ترغبوا عن آبائکم یعنی تم اپنے باپ دادا سے روگردانی مت کرو

کیونکہ یہ تمہارے حق میں کفر ہے۔ یاد کھوایک دن حضور انور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ مجھے تم اسطرح تنہ بڑھا دینا جیسے نصاری نے عیسٰی بن مریم کو بڑھا دیا بلکہ میری نسبت یہ ہی عقیدہ رکھنا کہ محمد اللہ کا بندہ اور اُس کا رسول ہے۔ اب سُنو تم میں سننے ایک شخص نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر عمر مر جائے تو قسم ہے اللہ کی میں فلاں شخص سے بیعت ہو جاوں گا تم کبھی اس کہنے سے دھوکے میں نہ آنا ابوبکر کی بیعت تو اچانک ہوگئی تھی پھر پوری ہوگئی لیکن اللہ نے اُسکی بُرائی سے بچالیا۔ یا درکھو مثل ابوبکر کے تم میں اور کوئی نہیں ہے کہ سب کی گردنیں اُسکی طرف جھک جائیں مسلمانوں میں سے جو شخص بغیر مشورہ کسی کی بیعت کرے گا اسکی بیعت نہ ہوگی اور جس سے بیعت کی ہوگی وہ امام شمار نہ ہوگا بلکہ دونوں قتل کردیئے جائیں گے۔ سُو اسکی کیفیت یہ ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد انصار میں اور ہم میں اختلاف خیال پیدا ہو گیا تھا اور وہ سب بنی ساعدہ کے سقیفہ میں جمع ہوئے علی اور زبیر اُن کے ہمراہی بھی ہمارے مخالف تھے مگر مقابلہ میں مہاجر سب ابوبکر کی طرف تھے میں نے ابوبکر سے کہا آپ ہمارے ساتھ ہمارے ان انصار بھائیوں کے پاس چلیں چنانچہ ہم دونوں جب وہاں پہنچے تو دو بڑے نیک آدمی ہمیں ملے اُنہوں نے لوگوں کا میلان ہم سے بیان کیا اور ہم سے دریافت کیا کہ تم کہاں جاتے ہو ہم نے کہا کہ ہم اپنے انصار بھائیوں کے پاس جاتے ہیں۔ اُنہوں نے کہا اُن کے پاس جانے کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے ہم نے کہا خدا کی قسم ہے ہم ضرور اُن کے پاس جائیں گے۔ چنانچہ ہم بنی ساعدہ کے سقیفہ میں پہنچے ہم نے کیا دیکھا کہ وہاں ایک شخص چادر لپیٹے ہوئے اُن کے سامنے پڑا تھا میں نے پوچھا یہ کون شخص ہے لوگوں نے کہا کہ یہ سعد بن عبادہ ہیں میں نے کہا انہیں کیا ہو گیا جواب دیا گیا کہ انہیں بخار آتا ہے ہم بیٹھے ہی تھے کہ اُن کا خطیب کھڑا ہوا اس نے حسب دستور پہلے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی پھر کہنے لگا کہ ہم اللہ کے انصار اور اسلام کے لشکر ہیں اور تمام مہاجر ہو تمہاری قوم کے لوگ ہم پر دباؤ ڈال کر یہ چاہتے ہیں کہ ہم کو بیخ و بنیاد سے اکھیڑ کر پھینک دیں اور اس کام سے ہمیں بالکل علیحدہ کردیں یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا میں نے کچھ بولنا چاہا اور بولنے سے پہلے میں نے یہ ادارہ کیا کہ جو کچھ میرے خیال میں آیا ہے پہلے ابوبکر سے بیان کر

دو۔ لیکن ایک خاص وجہ سے میں تاخیر کر رہا تھا۔ پھر میں کچھ بولنا چاہا تو ابوبکر نے مجھے ٹھہرا دیا میں اُن کے روکنے سے اُن پر ناراض نہیں ہوا ابوبکر نے آگے بڑھ کر یہ بیان کیا اُن کا بیان نہایت کامل اور باثر تھا وہ مجھ سے زیادہ بردبار اور باوقار آدمی تھے جو باتیں میں نے سوچی تھیں اس سے بھی زیادہ انہوں نے فرمایا اُن کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ اے انصار جو کچھ تم نے اپنی نسبت بیان کیا بے شک تم ایسے ہی ہو مگر یہ خلافت کا کام تو خاندان قریش ہی کے لئے ہے کیونکہ باعتبار نسب اور وطن کے یہ سارے عرب سے بڑھ کے ہیں اس وقت وہ آدمی تمہارے پیش ہیں اُن میں سے جس پر تمہارا دل جھکے اُس سے بیعت کرلو یہ کہہ کے آپ نے میرا اور ابوعبیدہ بن جراح کا ہاتھ پکڑ لیا ابوعبیدہ ہمارے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے اس پر انصار خاموش ہوئے اور چند لمحہ کے بعد ایک انصاری نے کہا اے قریشیو مناسب ہے ایک خلیفہ تم میں سے ہو اور ایک ہم میں سے ہو پھر شور وشغب ہونے لگا اُس وقت میں نے کہا کہ اے ابوبکر آپ اپنا ہاتھ بڑھایا میں نے اُنکے ہاتھ پر بیعت کی میرے بیعت کرتے ہی کل مہاجرین نے بیعت کر لی انصار پر اس کا بہت بڑا اثر ہوا انہوں نے شور وغل کو چھوڑ کے شوق اور جوش کے ساتھ بیعت کرنی شروع کی خدا کی قسم اُس وقت ہمیں ابوبکر بیعت سے بڑا کوئی کام نظر نہ آتا تھا۔ ہمیں یہ ڈر تھا کہ اگر ہم یہاں سے اسوقت چلے گئے تو انصار اپنے ہی آدمیوں میں سے کسی سے بیعت ہو جائیں گے اور پھر ہمیں بھی اُس سے بیعت ہونا پڑے گا ممکن ہے کہ یہ بیعت ہماری مرضی کے خلاف ہو اور خواہ مخواہ کی ہمیں مخالفت کرنی پڑے جس سے ہمیں فساد کا اندیشہ ہے. ابوبکر کی بیعت کی تو یہ کیفیت ہے کہ ایسے نازک موقع پر بیعت کی یہ کارروائی مستحسن تھی ہاں یہ میں صاف طور پر کہتا ہوں کہ اگر کسی مسلمان نے بغیر مشورہ کے اب کسی سے بیعت کر لی تو وہ بیعت نہ ہوگی اور جس سے بیعت کرے گا وہ اُسکا مستحق نہیں ہونے کا. امام مالک کہتے ہیں مجھ سے ابن شہاب نے بیان کیا اور وہ عروہ بن زبیر سے نقل کرتے تھے کہ یہ شخص جو ابوبکر اور عمر سے ملے تھے عویم بن ساعدہ اور معان بن عدی تھے اور یہ دونوں اُن لوگوں میں سے ہیں جو جنگ بدر میں شریک تھے.

صحیح بخاری میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ جس وقت حضور انور رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا تو

ابوبکر کی موجودگی میں عمر کھڑے ہوکر کہنے لگے اللہ کی قسم رسول اللہ کی وفات نہیں ہوئی اور یہ کہتے جاتے تھے کہ میرے دل میں اس کے سوا کوئی بات نہیں آتی کہ حضور ﷺ کو اللہ ضرور اٹھائے گا اتنے میں ابوبکر آ گئے انہوں نے آنحضرت کے رُخ مبارک کی چادر سرکائی اور بوسہ دے کے یہ عرض کیا رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوجائیں زندگی میں بھی مبارک ہے اور زندگی کے بعد موت میں بھی آپ کی دونوں حالتیں اچھی رہیں قسم ہے اُس ذات کی جس کے فیصلہ میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ آپ کو دودفعہ موت کی تکلیف کبھی نہ دے گا. پھر آپ باہر آئے اور عمر سے کہا اے قسم کھانے والے ذرا صبر کر یہ سنتے ہی عمر بیٹھ گئے ابوبکر نے اول اللہ کی حمد وثنا بیان کی پھر کہا یاد رکھو جو کوئی محمد کی عبات کرتا تھا وہ اس بات کو سُن لے کہ محمد ﷺ وفات پا چکے اور جو اللہ کی عبادت کرتا ہے وہ اس بات کو سمجھ لے کہ اللہ بیشک زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا اور اللہ نے فرمایا ہے۔ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَاِنَّھُمْ مَیِّتُوْنَ یعنی تم بھی مرتے ہو اور یہ بھی مرنے والے ہیں اور فرمایا وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَا ئِنْ مَّاتَ اَوْقُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ وَ مَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْهِ فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰهَ شَیْئًا وَسَیَجْزِی اللّٰهُ الشّٰکِرِیْنَ. (سورۃ آل عمران آیت: ۱۴۴) یعنی محمد رسول اللہ ہی ہیں ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں تو اب یہ اگر مرجائیں یا مارے جائیں تو کیا تم اپنی اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو کوئی اپنے اُلٹے پاؤں پھر جائے گا وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا شکر کرنے والوں کو اللہ ثواب دے گا یہ سنتے ہی سب رونے لگے. اس کے بعد اس روایت میں کچھ الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ بنی ساعدہ کے سقیفہ کا ذکر ہے جو اوپر ہو چکا ہے اس لئے ہم اُس حصہ روایت کو قلم انداز کرتے ہیں مگر اِسی قصہ میں عائشہ صدیقہ سے صحیح بخاری میں یہ مضمون نقل کیا گیا ہے کہ ابوبکر عمر کے خطبوں سے اللہ نے بہت ہی نفع دیا کیونکہ اس وقت لوگوں کی طبیعتیں مذبذب تھیں جب عمر نے انہیں ڈرایا اور ہدایت کی تو اللہ نے اُن کا تذبذب کھو دیا پھر ابوبکر کی روشن ہدایتیں ایسی با اثر ثابت ہوئیں کہ کسی قسم کا وہم وگمان لوگوں کے دلوں میں نہیں رہا. صحیح بخاری میں انس بن مالک سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے فاروق اعظم کا وہ اخیر خطبہ سُنا جو انہوں نے ممبر

پر بیٹھ کے پڑھا تھا اور یہ رسول اللہ کے کے وصال سے اگلے روز کا قصہ ہے اوّل عمر نے کلمہ شہادت پڑھا ابوبکر خاموش بیٹھے سنتے تھے پھر کہا مجھے خیال تھا کہ رسول مقبول زندہ رہیں گے اور ہم سب ان ہی کے آگے مرجائیں گے میرا وہ خیال غلط تھا حضورانور کی وفات ہو چکی ہے مگر ساتھ ہی اسکے اللہ نے ہمارے سامنے ایک نور قائم کردیا ہے اس سے تم ہدایت پاسکتے ہو اسی سے اللہ نے حضور کو ہی ہدایت کی تھی ابوبکر حضور کے وقت کے ساتھ ہی والے ثانی اثنین ہیں اور یہ تمہارے کاموں کے لئے سب مسلمانوں سے اولے ہیں پس تم کھڑے ہو اور اُن سے بیعت ہو. کچھ لوگ اس سے پہلے بھی بنی ساعدہ کے سقیفہ میں ان سے بیعت ہو چکے تھے مگر عام بیعت اس وقت ہوئی فقط پھر رافضیوں کا ایک اور اعتراض سنیئے وہ کہتے ہیں ابوبکر نے مرتے وقت کہا تھا کاش میں رسول اللہ سے دریافت کر لیتا کہ اس خلافت کے کام میں انصار کا بھی کچھ حق ہے یا نہیں پھر رافضیوں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ابوبکر کو اپنے امام ہونے میں شک تھا. یقین نہیں ہوا تھا

جواب: محض غلط اور بالکل غلط صدیق اکبر نے کبھی ایسا نہیں بیان کیا رافضی ادھر اُدھر کی جھوٹی روایتیں اور قصے نقل کردیئے ہیں اور بغیر کسی اسناد کے لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے ان قصوں کو نقل کرتے ہیں لہٰذا یہ روایت ملّا باقر مجلسی کے تر شیدہ قصوں کی طرح ایک بے بنیاد قصہ کی مثل ہے. جس پر ہم زیادہ بحث کرنا نہیں چاہتے. پھر رافضی صدیق اکبر پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اُنہوں نے مرتے وقت کہا تھا کاش میری ماں مجھے نہ جنتی تو اچھا ہوتا اور کاش میں کسی اینٹ میں تنکا ہو کے لگا رہتا. حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمادیا کہ جب کوئی شخص مرنے لگتا ہے تو اُسے اُس کا ٹھکانا جنت میں یا دوزخ میں دکھادیا جاتا ہے۔

جواب: یہ بھی محض جھوٹ ہے صدیق اکبر نے مرتے وقت کبھی ایسا نہیں کہا رافضی سر ٹیک کے بھی رہ جائیں تو اسکی کوئی قابل اعتبار سند پیش نہیں کرسکتے، بات صرف اتنی ہے کہ جب آپ کا زمانہ قریب آیا تو عائشہ صدیقہ رنج ظاہر کرنے لگیں آپ نے اس پر منہ کھولا اور فرمایا کہ اس طرح رنج نہ کرو بلکہ یہ کہو وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ (آیت نمبر ۱۹ سورۃ ق) یعنی موت کی سختی یقیناً آئے گی (پر اُس سے کہا جائے گا کی یہی ہے جس سے تو بھاگتا

تھا. رافضی جو یہ بیان کرتے ہیں کہ ابوبکر نے مرتے وقت کہا تھا کاش میری ماں مجھے نہ جنتی تو اچھا ہوتا، مرتے وقت نہیں بلکہ تندرستی کی حالت میں کہا تھا اور اُس میں یہی شرط ہے کہ آپ کا یہ کہنا تندرستی کی حالت میں بھی ثابت ہوجائے. اگر فرض کرو کہ ثابت ہوجائے تو آپ نے محض خود خدا کی وجہ سے ایسا فرمایا تھا ایسے اقوال تو بہت سے لوگوں کے منقول ہیں جو اُنہوں نے محض احوال قیامت کے خوف کی وجہ سے کہے ہیں. یہاں تک ایک صاحب باطن کا ذکر ہے جیسا کہ اُسنے کہا کہ اگر مجھے ان دو باتوں میں اختیار دے دیا جائے. ایک تو یہ کہ میرا حساب کتاب ہو کر جنت میں داخل کر دیا جاؤں. دوسرے یہ کہ میں مٹی کیا جاؤں تو میں اپنے مٹی ہی کئے جانے کو اختیار کروں گا اسی طرح امام احمد نے ابوذر سے روایت کی ہے. اُنہوں نے قسم کھا کر کہا تھا کاش میں ایک درخت ہو کر کاٹ دیا جاتا تو بہتر تھا ابونعیم نے حلیہ میں سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود کہتے تھے اگر میں جنت و دوزخ کے بیچ میں کھڑا کیا جاؤں اور مجھے حکم ہو کہ یا تو ان دونوں میں سے کسی کو پسند کر یا اپنے خاک ہونے کو اختیار کر میں اپنے خاک ہی ہونے کو اختیار کرلوں گا پھر امام احمد نے مسروق سے سند کے ساتھ روایت کی ہے وہ کہتے ہیں ایک آدمی عبداللہ بن مسعود سے کہنے لگا مجھے اپنا اصحاب یمین میں ہونا نہیں بھاتا. بلکہ میں تو مقربین میں سے ہونا پسند کرتا ہوں اس پر عبداللہ بن مسعود نے اپنی طرف اشارہ کر کے کہا یہاں تو ایک ایسا آدمی ہے جو یہ چاہتا بھی ہے اور پسندی بھی کرتا ہے کہ مرنے کے بعد اُسے اُٹھایا نہ جائے. اب رہی یہ بحث کہ اس طرح کہنا جائز ہے یا نہیں. یہ اور بات ہے اور اس کا دوسرا موقع ہے مگر یہ ضرور سمجھ لو کہ محض اللہ کے خوف کی وجہ سے جو بات بندے سے صادر ہو وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا اللہ پر ایمان ہے اور اللہ یقینی اُسکی مغفرت کرے گا۔ اسکی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے مرتے وقت یہ وصیت کر دی تھی کہ مجھے مرنے کے بعد آگ میں جلا دینا اور میری راکھ نصف دریا میں بہا دینا اور نصف ہوا میں اُڑا دینا اس شخص نے کوئی نیک عمل نہیں کیا تھا اور یہی وجہ اسکے خوف کی تھی مگر جب حکم خدا سے اسکے ذرے ذرے جمع کئے گئے. اور اللہ تعالیٰ نے اُس سے دریافت کیا کہ تو نے ایسا کیوں کیا تھا اُس نے کہا محض تیرے خوف سے کیا تھا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسکی مغفرت کر دی اس حدیث کو صحیحین میں نقل کیا ہے. اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے

حالانکہ اس شخص کو اللہ کی قدرت اور معاد میں شک تھا یعنی وہ جانتا تھا کہ جب میرے ریزے ریزے برباد ہوجائیں گے تو میں عذاب سے بچ جاؤں گا اور کوئی قوت میرے پریشان ذرون کو جمع کر کے مجھے دوبارہ زندہ نہیں کرسکتی لیکن باوجود اس شک کے جو اُس نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ محض اس وجہ سے کہ وہ اُس سے خوف کھاتا تھا اسکی مغفرت کردی اب یہ نتیجہ اس سے آسانی سے نکل آیا کہ اللہ کا خوف کرنا امور حقیقیہ کے لئے اسباب مغفرت ہونے میں اعلیٰ درجہ کا سبب ہے اور یہ بھی اُس وقت کہ یہ مان لیا جائے کہ وہ امور حقیقیہ گناہ ہیں۔فقط۔رافضی اعتراض کرتے ہیں کہ ابوبکر نے کہا تھا کاش بنی ساعدہ کے خیمہ میں اپنا ہاتھ اُن دو آدمیوں میں سے کسی کے ہاتھ پر مار دیتا یعنی میں اُن میں سے ایک کے ہاتھ پر بیعت ہوجاتا تو بہتر تھا تا کہ وہ خلیفہ ہوجاتا اور میں وزیر رہتا تو رافضی یوں منہ آتے ہیں کہ ابوبکر اپنے خلیفہ ہونے پر راضی نہ تھے۔پھر اُن کا خلیفہ بن جانا اور لوگوں کا انہیں خلیفہ تسلیم کرنا یعنی چہ۔

جواب: یہ اعتراض یا طعنہ مثل اور مطاعن کے بہت ہی سُبک کم وزن اور لغو ہے اگر یہ بات ثابت ہوجائے کہ صدیق اکبر نے ایسا کہا تو اس سے صدیق اکبر کی انتہائی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا خوف اُن کے دل میں کتنا تھا اور وہ خلافت کو کتنا اہم اور عظیم الشان کام سمجھتے تھے اُنہیں خوف تھا کہ کہیں ہم سے حق خلافت ضائع نہ ہوجائے اور یقیناً اسی خوف نے اخیر تک اُن کی رہبری کی اور حق خلافت اُن سے ضائع نہ ہوا۔ہاں اگر دوسرا شخص خلیفہ ہوجاتا تو وہ اس گرانقدر بار سے سبکدوش ہوجاتے اور اسی سبکدوشی کی آپ نے آرزو کی اور یہ آرزو کرنی گناہ نہیں ہے۔نہج البلاغۃ میں صاف طور پر یہ لکھا ہوا ہے کہ جب حضرت عثمان کے شہید ہونے پر حضرت علی سے خلیفہ ہونے کی درخواست کی گئی تو آپ نے صریح طور پر یہ فرمایا کہ مجھے تو وزیر ہی رہنے دو میں تو وزیر بنتا چلا آیا ہوں اور وزارت کے فرائض ادا کرنے خوب جانتا ہوں خلافت مجھ سے نہیں ہوسکے گی۔اس یقین اور اعتقاد پر بھی حضرت علی خلیفہ بن گئے جو جواب اس کا رافضی حضرت علی کی طرف سے دیں گے وہی صدیق اکبر کی طرف سے سمجھ لینا چاہیے۔رافضی یہ بھی طعنہ کرتے ہی کہ رسول اللہ ﷺ نے یکے بعد دیگرے کئی مرتبہ فرمایا تھا کہ اُسامہ کے لشکر کو روانہ کردو الا اس پر لعنت کرے جو اُسامہ کے

لشکر سے رہ جائے اور یہ تینوں یعنی ابوبکر عمر، عثمان، اُسامہ کے ساتھ تھے پھر ابوبکر نہ خو گئے نہ عمر کو جانے دیا.

جواب: یہ قصہ ہم مدت سے سنتے چلے آئے ہیں رافضی جواب پاتے ہیں اگر پھر ڈھٹائی سے یہ من گھڑت قصے قریب قریب اپنی ہر تصنیف میں درج کر دیتے ہیں جو لوگ سیر سے واقف ہیں اس روایت کے غلط ہونے پر سب کا اتفاق ہے. علماء میں سے کسی نے بھی یہ نقل نہیں کیا ہے. کہ حضور انور نے ابوبکر یا عثمان کے لشکر میں بھیجا تھا. ہاں فاروق اعظم کے بارے میں یہ بے شک مروی ہے بھلا ابوبکر اُسامہ کے لشکر میں کیونکر پہنچ جاتے جبکہ حضور انور نے اپنے زمانہ مرض میں مسلمانوں کو نماز پڑھانے کے لئے ابوبکر کو اپنا خلفیہ کر دیا تھا. حضور جمعرات کے دن سے بیمار ہوئے تھے اور اگلی جمعرات کے بعد پیر تک بارہ روز بیمار رہے متواتر حدیثوں سے ثابت ہے کہ نماز پڑھانے میں سوائے ابوبکر کے اور کسی کو آگے نہیں کیا. حضور کی بیماری میں جو نمازیں ابوبکر نے پڑھائیں وہ ایک یا دو نمازیں یا ایک دن یا دو دن کی نمازیں نہ تھیں تا کہ کسی کے دل میں شک پیدا ہو جائے جس کا رافضیوں نے بارہا گیت گایا ہے یعنی رافضی یہ دعوے کرتے ہیں کہ عائشہ نے بغیر حضور کی اجازت کے ابوبکر کو امام کر دیا تھا لہٰذا بیہودہ اعتراض کی اس سے تردید ہو گئی کہ آپ بارہ روز تک برابر حضور کے زمانہ مرض میں پانچوں وقت کی نماز پڑھاتے رہے اور یہ مسئلہ متفق علیہ ہے. ہاں ایک آواز ایسی بھی آتی ہے کہ ابوبکر نے سترہ نمازیں پڑھائیں تھیں اور جمعہ کے روز خطبہ بھی اُنہوں ہی نے پڑھایا تھا. اس خطبہ کی تمام صحیح حدیثیں متواتر شاہد ہیں. آپ خطبہ کے بعد پیر تک بھی نمازیں پڑھاتے رہے. پیر کے دن صبح کی نماز پڑھا رہے تھے کہ حضور نے پردہ اٹھا کے دیکھا کہ سب ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں. جو لوگوں کو معلوم ہوا کہ حضور ہمیں دیکھ رہے ہیں تو قریب تھا کہ وہ اپنی نماز کو خراب کر دیں آپ نے فوراً پردہ چھوڑ دیا اور یہ آپ کا آخری وقت تھا اسی روز عین دوپہر میں زوال کے وقت آپ کی وفات ہو گئی بعض کا قول یہ بھی ہے کہ حضور کی آخری نماز وہی تھی جو آپ نے صدیق اکبر کے پیچھے پڑھی پھر کیونکر خیال میں آسکتا ہے کہ حضور انہیں جنگ میں جانے کا حکم

دے دیتے. حالانکہ آپ صدیق کو لوگوں کے نماز پڑھانے کا حکم دے چکے تھے. اب رہا اُسامہ کا لشکر اُسکی کیفیت یہ ہے کہ حضور نے اپنے بیمار ہونے سے پہلے اُسکی تیاری کر دی تھی. اور اُسامہ اس لشکر پر افسر کیا تھا اس لشکر میں اکثر مہاجر تھے جس میں عمر بن خطاب بھی تھے. یہ سب تین ہزار آدمی تھے. حضور نے اُسامہ کو حکم دے دیا تھا کہ اہل مؤتہ اور فلسطین کی حدود پر حملہ کیا جائے جہاں زید جعفر اور ابن رواحہ شہید ہوئے تھے حکم ہوتے ہی اُسامہ زید جنگ میں جانے کے لئے تیار ہو گیا اور اپنا سب سامان حرب لے کے جوش میں چلا گیا اور حضور کی بیماری کی وجہ سے کئی روز تک تک وہاں ٹھیرا رہا اسی اثناء میں حضور نے ایک دن اُسامہ کو بلایا اور کہا کہ کل صبح کو تم ضرور یہاں سے کوچ کر جاؤ افسامہ نے عرض کیا کہ حضور مجھے زیادہ کمزور معلوم ہوتے ہیں. میں جانتا ہوں کہ خداوند تعالے حضور کو صحت عطا فرمائے اُس وقت میں یہاں سے روانہ ہوں. اس لئے میں اجازت چاہتا ہوں کہ جب تک حضور تندرست ہوں میں یہاں ٹھیرا رہوں گا. اگر اسی حالت میں چلا گیا تو سخت پریشان رہوں گا. اور مجھے حضور کے مزاج کی کیفیت معلوم نہ ہو سکے گی. اور یہ مجھے کچھ ناگوار سا معلوم ہوتا ہے کہ حضور کا حال میں دوسرے لوگوں سے پوچھوں یہ سُن کے حضور خاموش ہو رہے اور کچھ عرصہ کے بعد آپ کی وفات ہو گئی. جب ابوبکر خلیفہ ہوئے تو اُسامہ کو اس لشکر کے ساتھ روانہ کیا. ہاں اس سے یہ درخواست کی عمر بن حطاب کو مدینہ میں رہنے کی اجازت مل جائے کیونکہ ان کی اسوقت بوجہ اعلی تدبر کے بہت سخت ضرور ہے اُسامہ نے ابوبکر انور کی ہدایت کے بموجب حدود فلسطین اور موتہ پر حملہ کیا اپنے باپ زید کے قاتل کو مار ڈالا اور مظفر و مصنور مدینہ میں واپس آ گئے. اصل یہ ہے کہ حضور انور کی وفات کے بعد یہ ابوبکر کا دم تھا کہ اُسامہ کا لشکر حضور انور کی ہدایت کے بموجب روانہ ہوا حالانکہ کئی صحابہ کا اس میں اختلاف تھا اور وہ لشکر کی روانگی کو مصلحت وقت نہیں سمجھتے تھے مگر صدیق نے بہت زور سے یہ کہا کہ جس جھنڈے کی گرہ حضور انور نے دے دی میں اُسے نہیں کھولتا اور آپ نے فوراً کوچ کرنے کا حکم دیا. جو دشمن سے دشمن اور کوتاہ میں سے کوتاہ میں اور حاسد سے حاسد شخص بشرطیکہ وہ آدمی ہو ان باتوں سے صدیق کی کمال معرفت اُن کے ایمان تدبر اور صائب رائی

کا قائل ہو جائے گا. اب رہے وہ دنی الطبع جن کے دماغ مثل اُن کی صورتوں کے مسخ ہو گئے ہیں وہ گار اپنی ہانک لگائے جائیں اور بیہودہ طور پر بدزبانی کئے جائیں تو اسکا جواب سوائے خاموشی کے اور کچھ نہیں. رافضیوں کا ایک اور طعنہ یہ ہے کہ حضور نے اپنے زمانہ میں ابوبکر کو کبھی کسی کام پر حاکم نہیں بنایا مگر کبھی عمرو بن عاص کو اور کبھی اُسامہ کو حضور حاکم مقرر کرتے رہے. ہاں ایک دفعہ جب ابوبکر کو سورۂ برأت دیکر روانہ کر دیا تھا پھر تین روز کے بعد اللہ کی طرف سے وحی آنے پر پھر اُنہیں واپس بلا لیا بھلا ایسے شخص کی امامت پر عاقل اور بالغ نظر کیونکر راضی ہو سکتا ہے فقط.

جواب: سورۂ برأت کی بحث گزشتہ صفوں میں پوری ہو چکی ہے. باقی صدیق کے حاکم ہونے سے انکار کرنا یہ رافضیوں کی ابلہ فریبی اور دھوکہ دہی ہے. جنہیں تفسیر، معازی، سیر حدیث اور فقہ کا علم ہے وہ جانتے ہیں کہ ۹ ہجری میں حضور نے صدیق ہی کو حج پر حاکم مقرر کیا اور یہ حج اسلام میں سب سے پہلا حج تھا حضور انور نے مدینہ منورہ سے کیا. اس سے پہلے اسلام میں کوئی حج نہیں ہوا سوائے اُسکے عتاب بن اسید بن ابی العاص بن امیہ نے مکہ میں کر لیا تھا کیونکہ مکہ ۸ ہجری میں فتح ہوا اور اُسی سال حضور نے عتاب بن اسید کو اہل مکہ پر حاکم مقرر کر دیا تھا چونکہ وہاں موجود تھے انہوں نے اُسی سال مکہ میں حج کر لیا مگر حضور نے غزوہ تبوک سے آنے کے بعد ۹ ہجری میں حج کا حاکم صدیق کو مقرر کیا اور حضور نے حکم دیا کہ موسم حج میں یہ اعلان کرا دینا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کرنے نہ پائیگا. اور نہ ہوئی برہنہ بیت اللہ کا طواف کر سکے گا چونکہ یہ ایک عظیم الشان اور اہم معاملہ تھا حضور کی نظروں میں سوائے صدیق کے کوئی اس فرض کی تکمیل نہیں کر سکتا تھا. پس صدیق کی یہ ولایت ان کی خصوصیتوں میں سے ہوئی. اس شان اور اس نوعیت کا حاکم سوائے صدیق کے حضور نے کسی کو مقرر نہیں کیا اور نہ حضور نے نماز پر ایسا خلیفہ کو بنایا جیسا صدیق کو اسوقت علی بھی مثل اور لوگوں کے صدیق کی ماتحتی میں کام کرتے تھے جب علی وہاں پہنچے اور صدیق سے ملاقات ہوئی تو صدیق نے دریافت کیا کہ تم افسر ہو کر آئے ہو یا ماتحت ہو کر علی نے کہا میں ماتحت ہو کر آیا ہوں علی مثل اور مسلمانوں کے ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے اور اُن کی تعمیل حکم اپنا فرض سمجھتے تھے جیسے کہ اُن کے ساتھی ابوبکر کی فرمانبرداری کرتے تھے علی نے جو کچھ اعلان کیا ابوبکر کے حکم سے کیا. اور

لوگوں کی ولایت صدیق اکبر کی سی خصوصیت نہیں رکھتی کیونکہ اوروں کی ولایت میں دوسرے لوگ بھی شریک ہیں جیسے علی کی ولایت ویسی ہی اوروں کی بھی ولایت ہے کوئی خصوصیت مثل صدیق کے علی ولایت میں نہیں ہے. تمام تر تاریخیں اور روایتیں اس بات کی شاہد ہیں کہ حضور نے صدیق پر کبھی حاکم مقرر نہیں کیا نہ اُسامہ بن زید کو نہ عمرو بن عاص کو اُسامہ کو صدیق پر حاکم مقرر کرنے کا قصہ چانڈوخانہ کی گپ سے بھی زیادہ کم وزن رکھتا ہے. تمام علما نے اس سرے سے اُس سرے تک اُس کے جھوٹ ہونے پر اتفاق کیا ہے. رہا عمرو بن عاص کا قصہ اُس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ واقعہ غزوہ ذات السلاسل کا ہے حضور نے ایک رسالہ پر عمرو کو افسر کر کے بھیج دیا تھا. اور رسالہ کو بنی عذرہ پر چڑھائی کا حکم دیا تھا بنی غذرہ والے عمرو کے رشتہ دار تھے حضور نے عمرو کو اس لئے افسر کیا تھا کہ اُسکی رشتہ داری ہونے کی وجہ سے بنی غذرہ کا مسلمان ہوجانا قرین عقل معلوم ہوتا تھا. پھر حضور نے ابوعبیدہ یا اور اُن کے ساتھ ابوبکر عمر وغیرہ مہاجر بھی تھے ابوعبیدہ سے حضور نے فرما دیا تھا کہ تم اور عمرو آپس میں صلح رکھنا ایک دوسرے کے مخالف نہ بننا. جب ابوعبیدہ، عمرو سے ملے اور نماز کا وقت ہوا تو کہنے لگے میں اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاؤں گا تم اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاؤ عمرو بولے نہیں بلکہ تم سب میرے پیچھے نماز پڑھو کیونکہ تم میری کمک پر آئے ہو نہ کہ میرے افسر بنکے ابوعبیدہ نے کہا کہ حضور نے مجھے حکم دے دیا ہے کہ میں تم سے صلح رکھوں لہذا تم اگر یہی چاہتے ہو تو تمہاری اطاعت کئے لیتا ہوں. اس پر بھی تو تو میں میں ہے نہیں ہوئی. اخیر صدیق نے فرمایا عمرو ایسا نہ کرو جب یہ اطاعت کرتے ہیں پھر جھگڑا ہی کا ہے میں رہا غرض وہ معاملہ رفع دفع ہوگیا اور سب نے عمرو بن العاص کے پیچھے نماز پڑھی. حالانکہ یہ سب جانتے تھے اور سب کو یقین تھا کہ صدیق، عمر فاروق اور ابوعبیدہ عمرو سے بدرجہا افضل ہیں. اس وقت عمرو کا افسر ہونا ایک خاص وجہ سے تھا جسکو ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں. کسی بڑی مصلحت کی وجہ سے ایک ادنے شخص کو افسر بنا دینا ہر قوم میں بارہا ہو چکا ہے اور تاریخیں اسکا پتہ دیتی ہیں. حضور کے غزوات میں بھی اسکی نظریں موجود ہیں جیسا کہ غزوہ مؤتہ میں جب زید بن حارثہ شہید کردیئے گئے تو حضور نے اُن کے بیٹے اُسامہ کو افسر بنا کے بھیجا تا کہ وہ جوش کے ساتھ جنگ کر کے اپنے باپ کو خون کا عوض لے. متواتر حدیثوں سے معلوم ہو چکا ہے کہ صدیق

زیادہ حضور کا کوئی مقرب نہ اُن سے زیادہ کوئی خاص تھا نہ کوئی رات دن ح ضور کی خدمت میں رہتا تھا صدیق کے سوا کوئی صحابی ایسا نہ تھا جو حضور کے دربار میں صدیق سے پہلے بول سکے. صدیق ہی امر و نہی کرتے اور فتوے دیتے تھے. حضور صدیق کی اس نصیحت فتوے اور امر و نہی پر خوش ہوتے تھے اور اُسے ایسا ہی رہنے دیتے تھے. اور سب کام حضور کی اجازت سے ہوتا تھا. یہ درحقیقت حضور کی امداد اور آپکی اور سب سے زیادہ حضور سے چاہنے والے اور سب سے زیادہ آپ کی پیروی کرنے والے تھے باقی اس بہتان کا وہ حصہ جو سورۂ برات سے تعلق رکھتا ہے بحث میں آپکا اس لئے اب زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں. ایک اور نیا الزام سنئے رافضی کہتے ہیں کہ ابوبکر نے چور کا اُلٹا ہاتھ کاٹ دیا اور یہ نہ جانا کہ سیدھا ہاتھ کاٹنا چاہئے تھا. پھر بھلا ایسے ناواقف شخص کی امامت کیونکر صحیح ہو سکتی ہے.

جواب: یہ کہنا کہ صدیق اس بات کو جانتے نہ تھے صریح جھوٹ اور کذب محض ہے ہاں اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ ابوبکر اسے جائز کہتے تھے تو ان کا قول بے شک قابل اعتبار ہوگا کیونکہ قرآن مجید میں کوئی لفظ صریح ایسا نہیں ہے جو سیدھے ہاتھ کی تعیّن پر دلالت کرے. ہاں ابن مسعود کی قرائت میں سیدھے ہاتھ کی طعیّن ضرور ہے جیسا کہ **فاقطعم ایمانهما** سے ظاہر ہے. بس اسی قرأت پر حکم شرعی جاری ہوگیا. اب یہ بات غور طلب ہے کہ آیا صدیق نے اُلٹا ہی ہاتھ کاٹا تھا. اس کی سند کہاں ہے اور صدیق سے کس جگہ منقول ہے آثار صحابہ کے بیان میں علماء کی جتنی کتابیں موجود ہیں اُن میں کہیں بھی اسکا ذکر نہیں نہ علما نے اختلاف ہونے کی بابت کوئی قول نقل کیا. ایسی اٹکل بچو باتیں واقعات پر ہرگز پردہ نہیں ڈال سکتیں. پھر رافضیوں کا ایک اور خطرناک حملہ سنئے جو وہ صدیق اکبر پر کرتے ہیں یعنی یہ کہ **فجائة سلمی** کو ابوبکر نے آگ میں جلا دیا حالانکہ حضور نے آگ میں جلانے سے منع فرمایا ہے.

جواب: زندہ آدمیں کا آگ میں جلا دینا جتنا حضرت علی کی طرف منسوب ہے شاید اور کسی کی طرف اتنا منسوب نہ ہوگا. مسنوب ہی نہیں بلکہ صحیح ہے کہ حضرت علی نے زندہ آدمیوں کو آگ میں جلایا سُنے صحیح میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ **غلاۃ شیعہ** میں سے بددین لوگ علی کے پاس لائے گئے حضرت علی نے فوراً انہیں آگ میں جلوا دیا جونہی ابن عابس نے یہ سُنا تو وہ سخت افسوس کرنے لگے اور انہوں

نے ٹھنڈا سانس بھر کے یہ کہا کاش میں اُس وقت علی کے پاس ہوتا تو کبھی اُن آدمیوں کو آگ میں نہ جلائے دیتا کیونکہ حضور انور نے اس وحشیانہ فعل کی سختی کہ ساتھ ممانعت کر دی ہے۔ ابن عباس کے اس کہنے کی خبر حضرت علی کے کان تک پہنچی اور وہ اپنی اس حرکت پر سخت پشیماں ہوئے۔اب دیکھئے کہ حضرت علی نے تو ایک جماعت کی جماعت کو آگ میں پھونک دیا۔اگر صدیق اکبر کا وہ فعل تسلیم کر لیا جائے اور یہ سمجھ لیا جائے کہ اُس فعل سے حضور انور کے حکم کی خلاف ورزی ہوئی تو حضرت علی نے اس مقابلہ میں بدرجہ اولے خلاف ورزی کی اور اگر حضرت علی کا یہ فعل ایسا ہے کہ ائمہ کے اعتبار سے اُسے خلاف نہیں کہ سکتے تو صدیق اکبر کے اس فعل کو بدرجہ اولے خلاف نہ کہیں گے کیونکہ انہوں نے تو ایک ہی کو جلایا تھا اور حضرت علی نے جماعت کی جماعت کے اوپر ہاتھ صاف کر دیا۔رافضی صدیق اکبر پر ایک اور الزام لگاتے ہیں اور وہ یہ ہے جیسا کہ اُن کا بیان ہے کہ ابوبکر کو اکثر احکام شریعت معلوم نہ تھے اور نہ اُنہیں کلالہ کا حکم معلوم تھا اور اسکی بابت انہوں نے خود کہا تھا کہ میں اسکی بابت اپنی رائے سے فتوے دیتا ہوں اگر ٹھیک ہے تو اللہ کی طرف سے ہے۔اور اگر غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ پھر ابوبکر نے دادا کے وارث ہونے میں ستر حکم لائے اور یہ اُن کی علمی کی صاف دلیل ہے فقط۔

جواب: صدیق اکبر پر یہ سب سے بڑا بہتان ہے کہ انہیں احکام شریعت اکثر معلوم نہ تھے کم عقل سے کم عقل بھی یہ خیال نہیں کر سکتا کہ صدیق جیسے شخص پر احکام شریعت کیونکر پوشیدہ رہ سکتے ہیں۔ حالانکہ حضور انور کی موجودگی میں سوائے ابوبکر کے اور کوئی حکم دینے والا اور فتویٰ لگانے والا نہ تھا اور نہ رسول اللہ ابوبکر اور عمر کے سوا اور کسی صحابی سے زیادہ مشورہ لیتے تھے اور نہ اِن دونوں سے زیادہ کوئی صحابی حضور کی مبارک نظروں میں خصوصیت کا درجہ رکھتا تھا۔ بہت سے علما مثلاً منصور بن عبدالجبار سمعانی وغیرہ نے اس بار پر کہ ابوبکر اعلم الامتہ تھے یعنی اُمت میں سب سے بڑے عالم تھے۔اہل علم کا اجماع نقل کیا اور یہ بات بالکل صحیح ہے کیونکہ اُن کی خلافت میں امت کا کسی ایسے مسئلہ میں اختلاف نہیں ہوا جس کا اُنہوں نے تصفیہ نہ کر دیا ہو۔ صدیق اکبر ہر مسئلہ کو اپنے علم کے ساتھ لوگوں کے سامنے بیان کرتے اور قرآن وحدیث سے اُسکی دلیل فوراً ذکر کر دیتے تھے جیسا کہ

سب کے سامنے حضور کی وفات ہونے کو بیان کر دیا تھا اور اس اُسکی دلیل میں آیت پڑھ کے مسلمانوں کو سنادی تھی اس کے بعد حضور کے دفن ہونے کی جگہ بتائی اور زکوۃ نہ دینے والوں سے جنگ کرنا لوگوں سے بیان کیا حالانکہ اس میں فاروق اعظم کی بھی شک تھا اور نبی ساعدہ کے سیقفہ میں بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ خلافت غیر قریش میں بھی ہو سکتی ہے تو صدیق اکبر نے صاف بیان کر دیا کہ نہیں خلافت تو قریش ہی میں رہے گی. اس کے علاوہ حج پر آپ کا حاکم بننا اور اُس کے بعد مسلمانوں کو احکام حج سکھانا جو عبادات میں سب سے زیادہ اوق اور مشکل احکام ہیں سوائے صدیق کے دوسرے کا کام نہ تھا اگر صدیق کو زیادہ علم نہ ہوتا تو حضور انور اُن کو ہرگز حاکم نہ کرتے اسی طرح نماز میں بھی آپ نے صدیق ہی کو خلیفہ بنایا اگر صدیق نماز کو پورے طور سے نہ جانتے ہوتے تو حضور انہیں ہرگز خلیفہ نہ بناتے حضور نے کبھی سوائے صدیق کے نہ نماز میں اور نہ حج میں کسی کو خلیفہ بنایا اور وہ زکوۃ نامہ جو حضور نے خود مرتب کیا تھا انس نے ابوبکر ہی سے لیا ہے اور وہی صحیح ہے تمام فقہا کا اس پر صاد ہے اور سب اسے معتبر سمجھتے ہیں. خلاصہ یہ ہے کہ شریعت میں ایسا کوئی مسئلہ نہیں جس میں صدیق اکبر کی غلطی مشہور ہوئی ہو ہاں انکے اوروں کے لئے اس قسم کے بہت سے مسئلے ہیں جن کا اگر مناسب ہوا تو کسی موقع پر ذکر کر دیا جائے گا. اس بات کو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ صدیق اکبر کے بعد فرائض اور طلاق کے بہت سے مسئلوں میں صحابہ کا اختلاف ہو گیا تھا ان میں سے بعض مسائل کے اختلاف نے اتنا طول کھینچا کہ اسکا سلسلہ اخیر دور میں بھی ختم نہ ہوا فاروق اعظم کی خلافت میں یہ اختلاف محض اجتہادی اختلاف قرار دیا گیا اور ہر صحابی ایک دوسرے کے اجتہاد کو مانتا اور اقرار کرتا تھا جیسے کہ فقہا اہل علم والدین کا اختلاف ہے ہاں عثمانِ غنی کی خلافت میں اس اختلاف نے بعض امور میں درشت اور کرخت صورت اختیار کر لیتی تھی یہاں تک کہ بعض صحابہ مس ی سخت کلامی تک نوبت پہنچ گئی مگر تلوار کے قبضے پر ہاتھ نہیں پڑا صرف زبانی تیز م تاز اپر معاملہ ہو گیا. ہاں جب مسلمانوں کی بدقسمتی کا زمانہ شروع ہوا یعنی حضرت علی کی خلافت کا آغاز ہوا تو اس اختلاف سے خون ٹپکنے لگا ہزاروں بیگانہ صحابہ اسلامی شاہراہوں اور صحراؤں میں خاک و خون میں لوٹے اور مسلمانوں کی تلواریں مسلمانوں پر پل پڑیں اور وہ شمشیر ہائے بران جو کفار کی طرف اُٹھ رہی تھیں

یکا یک اُنکا رخ مسلمانوں کی طرف پھر گیا اب اس پر آشوب اور خون آلودہ زمانہ کا صدیق اکبر کے عہد محمود مسعود سے مقابلہ کیا جائے تو زمین آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے. یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے. اب یہ بات پائیہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ صدیق اکبر کے زمانہ خلافت میں ایک مسئلہ میں بھی اختلاف نہیں تھا. یہ صرف صدیق اکبر کے علمی کمال، انصاف، اور اُن دلیلوں کی معرفت کا نتیجہ تھا جنہوں نے اختلاف کی بیخ و بنیاد اکھیڑ کر پھینک دی. جب کبھی لوگوں میں کچھ اختلاف ہوتا تھا تو صدیق وہ فاصل حجت بیان کرتے تھے جس سے اختلاف بالکل رفع ہو جاتا تھا. ایسا فیصلہ کرنے والی حجتیں اور دلیلیں سب سے پہلے صدیق ہی نے بیان کی ہیں ایسی حجتیں بہت کم ہیں جو عمر یا علی نے بیان کی ہیں اور صدیق نے اُنہیں قائم رکھا ہو. اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر اور ان کی رعیت عمر سے اور اُنکی رعیت سے عثمان سے اور اُن کی رعیت سے، علی سے اور اُن کی رعیت سے بدرجہ افضل تھی. کیونکہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے بعد ابوبکر اور انکی رعیت کے لوگ تمام ائمہ اور ان کی رعیت سے افضل تھے. اب رہے وہ اقوال جن میں صدیق کے انتقال فرمانے کے بعد اختلاف بیان کیا گیا ہے اُن سب میں صدیق ہی کا قول اس شخص کے اقوال سے رائج ہے جس نے اُن کے انتقال کے بعد ان کے خلاف کیا اور اسی پر (میراث میں) دادا اور بھائی کے وارث ہونے کا مسئلہ مبنی ہے کیونکہ صدیق، جمہور، صحابہ، اور اُن کے اکابر کا یہ قول ہے کہ دادا کی موجودگی میں اسکا بھائی وارث نہیں ہوتا. یہی مذہب امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ امام شافعی اور حنبلی لوگوں میں سے بہت سوں کا ہے مثلاً شافعیوں میں سے ابوعباس بن صریح اور حنبلیوں میں سے ابوحفص بن مکی کا یہی مذہب ہے امام احمد سے بھی اسی کی تائید میں ایک روایت آتی ہو. مگر جو لوگ دادا ہوتے بھائی کے وارث ہونے کے قائل ہیں. مثلاً علی، زید اور ابن مسعود یہ باہم سخت مختلف ہیں. اگر ان میں سے کوئی ایک بات کہتا تو دوسرا رد کر دیتا ہے اور اپنے قول میں تمام صحابہ سے علیحدہ ہو جاتا ہے. اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ صدیق اکبر اور جمہور صحابہ ہی کا قول ٹھیک ہے اور وہی قول رائج ہے جس پر شرعی دلیلیں متعدد طریقہ سے دلالت کرتی ہیں. فی الحال ہم اس کی تفصیل یہاں نہیں لکھتے. اب صرف یہ دکھاتے ہیں کہ رافضی جو یہ کہتے ہیں ابوبکر کو کلالے کا حکم معلوم نہ تھا اس وجہ سے اُنہوں نے اپنی رائے سے

فتوے دیا۔اس کا جواب یہ ہے کہ اپنی رائے سے فتوے دینا اُن کی اعلی درجہ کی علمیت ثابت کرتا ہے کیونکہ جو رائے اُنھوں نے کلالہ کی بابت ظاہر کی تھی ان کے انتقال کے بعد تمام علما کا اسی پر اتفاق ہوگیا۔ اور کلالہ کے بارے میں ان سب نے ابوبکر کا قول اختیار کیا۔(کلالہ اُسے کہتے ہیں جس کے نہ اولاد ہو نہ باپ ہو) اب رہا یہ کہ اپنی رائے سے فیصلہ کرنے کا مسئلہ یہ حضور انور کی زندگی ہی میں صحابہ میں رائج تھا۔اور حضور انور کے خاص حکم کے بموجب ہوا کرتا تھا۔کیونکہ حضور انور جب دینی سفارت پر کسی کو بھیجتے تھے یا کسی کو صوبہ کا حاکم بنا کے روانہ فرماتے تھے تو یہ حکم دے دیا کرتے تھے کہ جب کوئی مسئلہ پیش ہو تو پہلے قرآن سے فیصلہ کرنا اگر قرآن میں اسکی بابت ذکر نہ ہو تو حدیث کی طرف رجوع کرنا۔اور اگر حدیث بھی نہ ملے تو اپنی رائے سے فیصلہ کر لینا۔ چنانچہ اسی بنا پر نہ صرف ابوبکر نے بلکہ عمر، عثمان، علی، ابن مسعود زید بن ثابت، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم نے کیا۔ایک صحیح روایت میں آیا ہے کہ قیس بن عباد نے علی سے کہا تھا کہ یہ حکم جو آپ لگا رہے ہیں کیا رسول اللہ ﷺ نے آپ کو یہ رائے دے دی تھی یا محض آپ کی رائے ہے۔علی نے جواب دیا کہ حضور ﷺ نے حکم دیا تھا میں اپنی راوے سے کر رہا ہوں۔ اس روایت کو ابوداؤد وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ غرض علی کی یہ رائے جس سے بے شمار خونریزیاں ہوئیں اور بے گناہ صحابہ قتل ہوئے۔ پھر وہ رائے امام سے کیونکر روک سکتی ہے جسکی خیر خوبی پر تمام علما کا اتفاق ہوگیا ہو۔ پھر رافضیوں نے جو ابوبکر کی قضا کی بابت ذکر کیا ہے انہوں نے دادا کے وارث ہونے میں ستر حکم لگائے یہ بالکل جھوٹ ہے اور یہ ابوبکر کا قول نہیں ہے نہ یہ اُن سے منقول ہے بلکہ جن رافضیوں نے ابوبکر سے یہ نقل کیا ہے وہ اوّل درجہ کے کذاب اور جاہل مطلق ہیں۔ستر حکم لگائے۔مگر یہ بھی بالکل غلط ہے۔حضرت فاروق پر بھی یہ بہتان محض ہے۔صدیق اکبر کا دادا کے بارے میں یہ مذہب تھا کہ وہ اُسے باپ کے قائم مقام کرتے تھے۔اور یہی قول صحابہ کا اکثر تھا اور یہی مذہب فقہا کا تھا اور دونوں قولوں میں دلیل سے ہی زیادہ یہی قول ہے اور اسی واسطے یہ کہا جاتا ہے کہ ابوبکر کی غلطی فتوؤں میں کہیں نہیں معلوم دیتی۔جبکہ اور صحابہ کی غلطیاں اُن کے فتوؤں میں موجود ہیں۔اس ساری بحث سے یہ نتیجہ نکل آیا کہ دادا کی میراث کے بارے میں ابوبکر کا فیصلہ بالکل صحیح اور سب سے افضل ہے۔رافضیوں نے حضرت علی کی ایک

فرضی فضیلت بیان کر کے صدیق اکبر سے اُسکا مقابلہ کیا ہے مثلاً رافضی یہ کہتے ہیں کہ ابوبکر کو ایسے شخص سے کیا نسبت ہو سکتی ہے جو کہتا ہے **سلونی قبل ان تفقدونی سلونی عن طرق السماء وانی اطرف بها من طرق الارض.** یعنی میرے مرنے سے پہلے جو کچھ مجھ سے پوچھنا ہو تو پوچھ لو مجھ سے آسمان کے طریقے پوچھ لو کیونکہ میں اُن کو زمین کے طریقہ سے زیادہ جانتا ہوں ابوالبختری کہتے ہیں میں نے کوفہ میں حضرت علی کو دیکھا کہ آپ منبر چڑھ اُس وقت رسول خدا زرہ آپ کے بدن پر تھی۔ حضور ہی کی پہلو میں آویزاں نہیں۔ اور حضور ہی کا علماء سپر بند ھا تھا۔ اور حضور ہی کی انگوٹھی ہاتھ میں پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے منبر بیٹھ کے اپنا پیٹ کھودیا۔ اور فرمایا کہ یہ علم کی جھولی ہے پس مجھ سے جو کچھ پوچھنا ہے میرے مرنے سے پہلے پوچھ لو۔ اور قسم ہے اللہ کی اگر میرے لئے ایک غالیچہ بچھا دیا جائے اور میں اس پر بیٹھوں تو اہل توریت کو اں کی توریت سے اور اہل انجیل کو انجیل سے ایسے فتوے دوں کہ اگر اللہ تعالیٰ توریت اور انجیل کو گویا کر دے یعنی یہ دونوں کتابیں بولنے لگیں تو وہ صاف طور پر یہ شہادت دیں کہ علی سچ کہتا ہے۔ اور بے شک علی نے وہی فتوے دیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہم میں نازل کیا ہے اور تم کتاب پڑھتے ہو کیا سمجھتے نہیں۔ فقط

جواب: حضرت علی کا یہ قول کہ سلونی اس سے آپ اہل کوفہ کو خطاب کرتے تھے۔ تا کہ انہیں علم اور دین سکھائیں کیونکہ اُن میں اکثر لوگ بالکل جاہل تھے۔ اُنہوں نے حضور انور کا زمانہ نہیں پایا تھا۔ حضرت علی کو اکثر ایسے ہی لوگوں سے خطاب کرنے کا اتفاق ہوا ہے۔ جن میں جہلا اور عوام زیادہ خواص اور عالم کم پائے گئے۔ اب رہی صدیق اکبر کہ جو لوگ اُن کے منبر کے آس پاس ہوتے تھے وہ اکابر صحابہ تھے اُنہوں نے علم اور دین خود حضور انور ﷺ ہی سے سیکھا۔ اس لئے ابوبکر کی رعیت کے لوگ ساری امت سے دیندار اور سب سے بڑھ کر عالم تھے۔ اور جن لوگوں سے علی خطاب کرتے تھے۔ وہ ہم لکھ چکے ہیں کہ عوام الناس میں سے تھے۔ اور بالکل جاہل مطلق تھے جنہیں حضرت علی اکثر اوقات جھنجلا کر بد عا اور گالیاں دینے لگتے نہج البلاغت ان بددعاؤں اور گالیوں سے بھری پڑی ہے۔ اس کے علاوہ لوگوں نے وہ فیصلے اور فتوے جمع کیے ہیں جو ابوبکر، عثمان، اور علی رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں ان

سب میں بہتر اور اپنے مفتی اور قاضی پر زیادہ دلالت کرنے والے ابوبکر ہی کے فتوے ہیں. اور ان کے بعد عمر کے اس وجہ سے عمر کے فتوؤں میں نص کے خلاف بہت ہی کم حکم ہے ہاں علی کے فتوں میں نص کے خلاف بہت سے حکم پائے جاتے ہیں. اس کے مقابلہ میں ابوبکر کا کوئی حکم یا فیصلہ ایسا نہیں ہے جس میں نص کے خلاف اشارہ بھی پایا جاتا ہو. "ببیں تفاحت راہ از کجاست تا کجا" اب رہی اوپر والی حدیث جو حضرت علی سے نقل کی گئی ہے محض جھوٹی اور لغو ہے ایسی حدیث ایسی حدیث کو حضرت علی کی طرف منسوب کرنا سخت نازیبا بات ہے کیونکہ علی تو اللہ سے اور اللہ کے دین سے ایک حد تک واقف تھے وہ یہ کس طرح کر سکتے تھے کہ توریت اور انجیل سے حکم دینے کا ارادہ کرتے حالانکہ تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ سوائے قرآن مجید کے کسی مسلمان کو اور کسی کتاب سے حکم دینا جائز نہیں اور اس پر ہی اتفاق ہے کہ جب یہود انصاری مسلمانوں سے اپنا کچھ فیصلہ کرانا چاہیں گے تو ان میں بھی اور کسی چیز سے فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے مگر اسی سے جو اللہ نے قرآن شریف میں نازل فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔ يَآ اَيُّهَا الرَّسُوْلُ لاَ يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ح " یعنی اے رسول تمہیں وہ لوگ رنجیدہ نہ کریں جو کفر میں جلدی کرتے ہیں یعنی وہ لوگ جنہوں نے منہ سے تو کہہ دیا کہ ہم ایمان لائے. حالانکہ ان کے دل بے ایمان ہیں اور وہ لوگ جو یہودی ہو گوے یہ جھوٹ کے بہت سننے والے ہیں اُن دوسرے گروہ کے لئے جو ابھی تک تمہارے پاس نہیں آئے. اور یہ توریت کے کلمات کی اُن کے اصلی معنی معلوم ہو جانے کے بعد تحریر کرتے ہیں. پھر فرمایا فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ح وَ اِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ. اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ . یعنی اگر یہ لوگ تمہارے پاس (اپنا کوئی مقصد لیکر) آئیں تو (تمہیں اختیار ہے چاہو) تم اُن میں فیصلہ کر دیا کرو یا اُن سے اعراض کرو. اور اگر تم ان سے اعراض کرو گے تو یہ ہرگز تمہیں کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے. اور اگر تم فیصلہ کرو تو ان میں

انصاف سے فیصلہ کرو دو پھر فرمایا ہے. فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ. وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ. وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ. (المائدہ:۴۸تا۴۹)

یعنی پس (اے نبی) تم اُن لوگوں کے درمیان اس کے موافق فیصلہ کیا کرو جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور جو حق تمہارے پاس آچکا ہے اُس (عدول کر کے) اُن کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے. اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت کر دیتا لیکن (جداگانہ شریعت) اس لئے (دی) کہ جو کچھ تمہیں دیا ہے اُس میں تمہاری آزمائش کرے. پس تم نیکیوں میں جلدی کرو اور (یقین کر لو کہ) تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کے جانا ہے. پس وہ تمہیں اس آمد سے خبردار کر دے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے اور (اے نبی ہم تم سے کہتے ہیں کہ) ان لوگوں میں اللہ کے نازل کئی ہوئی احکام کے مطابق فیصلہ کرنا. اور اُن کی خواہشوں کی ہرگز پیروی نہ کرنا اور ان سے بچتے رہو (ایسا نہ ہو) کہ کسی حکم سے جو اللہ نے تمہاری طرف نازل فرمایا ہے. یہ لوگ تمہیں گمارہ کر دیں. پھر اگر یہ لوگ (تمہارے فیصلہ سے) اعراض کریں تو سمجھ لو کہ اللہ یہی چاہتا ہے کہ اُنہیں اُن کے بعض گناہوں کے سبب سے عذاب کرے. اور بے شک اکثر لوگ بدکار ہیں. فقط۔ جب قرآن حدیث اور اجماع سے یہ معلوم ہو گیا کہ یہود اور نصارے میں فیصلہ کرنے کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ سوائے کلام خدا یعنی قرآن مجید کے کسی اور چیز سے فیصلہ کرے چاہے وہ فیصلہ اُن کی توریت اور انجیل کے موافق ہو یا نہ ہو. تو اب جس شخص نے یہود اور نصاری میں توریت اور انجیل سے فیصلہ کرنے کو یا ان سے فتوے دینے کو علی کی طرف منسوب کیا ہے اور اس سے ان کی تعریف کرنا ہے یا تو وہ دین سے اور علی کی تعریف کرنے سے بالکل جاہل اور کندہ ناتراش اور

یا وہ بددین کافر اور مردود ہے جو ان باتوں سے اُن پر اعتراض کرانا چاہتا ہے جن کے کرنے والے کو ثواب اور تعریف حاصل ہونا تو درکنار بلکہ عذاب اور بُرائی اس کے حصہ میں آ جاتی ہے۔ رافضی سب اس پر متفق ہیں کہ حضور انور نے یہ فرمایا ہے اور اسکی سند (بیہقی سے لیتے ہیں) کہ جو شخص حضرات آدم کے علم حضرت نوح کے تقوے۔ حضرت ابراہیم کی بردباری۔ حضرت موسیٰ کی ہیبت حضرت عیسیٰ کی عبادت کو دیکھنا چاہے وہ علی بن ابوطالب کو دیکھے اور جو صفتیں ان سب پیغمبروں میں تھیں وہ حضور نے علی کے لئے ثابت کر دیں۔

جواب: ہمیں اس حدیث کی کہیں سند نہیں ملی۔ اب رہا بیہقی کا معاملہ سو وہ بہت ہی مخدوش ہی بیہقی فضائل میں نہ صرف ضعیف بلکہ موضوع حدیثیں نقل کر دینے میں پس وپیش نہیں کرتے ان کے بعض ہم عصروں کی بھی یہی عادت ہی اس طرح یہ حدیث بھی محض لغو اور جھوٹی ہے اس حدیث کے قائل یا راوی بہت بڑا بہتان باندھا ہے۔ محدثین نے اسی وجہ سے اُس حدیث کو ذکر نہیں کیا۔ اگر چہ وہ حضرت علی کے فضائل بیان کرنے کے بڑے شایق اور طامع تھے جیسے کہ نسائی کیونکہ انہوں نے قصد کیا تھا کہ علی کے تمام فضائل ایک کتاب میں جمع کر دیں جس کا نام اور بہنوں نے خصائص رکھا تھا اور ترمذی نے بھی علی کر فضائل میں متعدد حدیثیں ذکر کی ہیں جن میں سے بعض حدیثیں ضعیف بلکہ موضوع تک ہیں اور باوجود اس جیسی اور حدیثوں کو انہوں نے ذکر نہیں کیا۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ نے اپنے تحفہ میں لکھ دیا ہے کہ بیہقی میں یہ حدیث نہیں ملتی۔ اب معلوم نہیں کہ کہیں کاتب کی غلطی ہے یا کسی رافضی نے شاہ صاحب کی تحریر میں تحریف کر دی ہے۔ بہر حال رافضیوں نے اُسکا وہ وند مچایا اور جس طرح کہ چوہا ہلدی کی گرہ لیکر پنساری بن بیٹھتا ہے پس انہوں نے آسمان کو سر پر اُٹھالیا یہاں تک کہ قلی کے بیٹے نے جو ہندوستان کے رافضیوں کا مجتہد اعظم ہے ایک کامل جلد اس پر لکھ دی مگر جو مختصر جواب ہم نے اسکا دیا ہے ہم اسے کافی سمجھتے ہیں۔ پھر رافضی ایک اور فضیلت حضرت علی کی بیان کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ابوعمر زاہد کا قول ہے کہ ابوالعباس کہتے تھے حضور انور رسول اللہ ﷺ کے بعد ہم نے کوئی آدمی ایسا نہیں دیکھا جس نے یہ کہا ہو کہ شیث کے زمانہ سے لیکر محمد کے زمانہ تک کی باتیں مجھ سے

پوچھ لو یہ علی تھے جنہوں نے ایسا فرمایا تھا. چنانچہ اکابر صحابہ یعنی ابوبکر عمر وغیرہ نے اُن سے کچھ سوالت کیے. یہاں تک کہ سوال ہی ختم ہو گئے اور جواب دینے میں بس نہ ہوئی پھر اسکے بعد علی نے فرمایا کہ اے کمیل بن زیاد یہاں علم بہت ہے. کاش تمہیں اس علم کا کوئی حاصل کرنے والا ملجاتا.

جواب: یہ نقل اگر ثعلب سے ثابت ہو جائے تو ثعلب نے بھی اسکی کوئی سند ذکر نہیں کی. تا کہ یہ حجت کرنے کے قابل ہو جاتی. مگر جب ہم ثعلب کو دیکھتے ہیں تو وہ اُن ائمہ حدیث میں سے نہیں ہے جو صحیح اور ضعیف حدیث کو پہچانتے ہیں تا کہ یہ کہنے کا موقع مل سکے یہ ثعلب کے نزدیک صحیح ہے بعض فقہا بھی جو ثعلب سے کہیں زیادہ علم میں برتر ہیں اکثر ایسی حدیثیں ذکر کر دیتے ہیں. جن کی کوئی سند نہیں ہوتی. مگر اوپر کسی کا اعتبار نہیں ہوتا پھر ثعلب بیچارہ کس گنتی میں ہے. ثعلب نے جن لوگوں سے یہ حدیث سنی ہے وہ اپنے اقوال کو کسی سے منقول ہونا بیان نہیں کرتے حضرت علی نے مدینہ منورہ میں ایسا ہر گز نہیں فرمایا. نہ ابوبکر کی خلافت میں نہ عمر کی خلافت میں نہ عثمان کی خلافت میں بلکہ ممکن ہے کہ انہوں نے اس قسم کی باتیں کوذ میں بنائی ہوں. تا کہ اُن لوگوں کو تعلیم دیں جنہیں اتنی بھی خبر نہ تھی کہ ہمیں کس چیز کا علم ہونا ضروری ہے. حضرت علی اُنہیں علم سیکھنے کی بہت تاکید کیا کرتے تھے حضرت علی کو اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ لوگ محض جاہل اور کندہ ناتراش ہیں کمیل بن زیاد کی حدیث سے بھی یہ بات صاف طور پر پائی جاتی ہے مگر حضرت علی کا خیال مہاجرین اور انصار کے بارے میں ایسا نہ تھا آپ ہمیشہ اُن کے ثنا گو رہتے تھے اب رہے تھے اب رہے حضرت صدیق اکبر انہوں نے علی سے کبھی کچھ نہیں پوچھا ہاں فاروق اعظم عثمان، علی، عبدالرحمٰن بن مسعود، زید بن ثابت وغیرہ سے مشورہ لیا کرتے تھے اس لحاظ سے علی اہل شورے میں داخل تھے. یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ اکابر صحابہ میں سے ابوبکر و عمر ایسے نہ تھے کہ وہ خاص علی سے کچھ سوال کرتے برخلاف اس کے یہ بات ثابت ہو چکی ہے. کہ جو کچھ علی نے سیکھا تھا ابوبکر ہی سے سیکھا تھا چنانچہ سنن میں حضرت علی سے مروی آپ فرماتے ہیں جب میں نبی ﷺ سے کوئی حدیث سنتا تھا تو اللہ کو جس قدر مجھے نفع دینا منظور ہوتا تھا وہ اُس سے مجھے نفع دیتا تھا اور جب مجھ سے کوئی شخص حدیث بیان کرتا تھا تو پہلے میں اُس

سے خدا کی قسم لے لیتا تھا کہ آیا حدیث صحیح حدیث ہے یا نہیں جب وہ میرے آگے قسم کھا لیتا تھا تو میں تصدیق کر دیتا تھا ابوبکر نے ایک حدیث مجھ سے بیان کی اور واقعی میں گواہی دیتا ہوں کہ بالکل سچ کہا چنانچہ وہ حدیث یہ ہے ابوبکر کہتے ہیں میں نے حضور انور سے سُنا آپ فرماتے تھے۔ من عبد مومن بذنب ذہنا فیحسن الطهور فیصلی ثم یستغفر الله الاغفر الله له یعنی جو مسلمان بندہ گناہ کر لیتا ہے اور پھر وضو کر کے نماز پڑھتا ہے اور اللہ سے بخشش چاہتا ہے تو اللہ تعالی اُسے ضرور بخش دیتا ہے اسی طرح بھی بہت سی روایتیں ہیں جن سے پایا جاتا ہے کہ علی نے ابوبکر سے بہت کچھ سکھا نہج البلاغت میں بھی جابجا اس کے اشارے پائے جاتے ہیں جہاں آپ نے راشدین صحابہ کی تعریف کی ہے وہاں اُس نے اپنا مستفیض ہونا بھی بیان کیا ہے۔

مالک بن نویرہ کا قصہ: خالد نے مالک بن نویرہ کو قتل کر دیا تھا پھر سُنا گیا اُسکی جورو سے نکاح کر لیا خلافت حضرت ابوبکر کی تھی جب مدینہ میں یہ خبر ہوئی تو خالد جوابدہی کے لئے طلب کیا گیا سُنا ہے فاروق اعظم کی یہ رائے تھی اسے قتل کر دیا جائے مگر تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ جو الزام اس پر لگایا گیا ہے وہ غلط ہے لہذا چھوڑ دیا گیا۔ اس پر رافضی ابوبکر پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا خدا کی مقرر کی ہوئی حدود سے کیوں تجاوز کیا۔

جواب: یہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں جن سے ایک خلیفہ اعظم یا ایک بڑے شہنشاہ پر کوئی الزام قائم نہیں ہوسکتا جو فیصلہ کہ دربار صدیقی میں ہو چکا اُس کے خلاف ہمیں اعتراض کرنے کا کیا مجاز ہے۔ اعتراض تو وہ کر سکتا ہے کہ اُس وقت موجود ہوتا بیانات سنتا اگر صدیق کوئی غلطی کرتے تو اُن کی غلطی سے انہیں آگاہ کرتا جب تو ایک بات بھی تھی اب سینکڑوں برس کے بعد مالک بن نویرہ کے گڈے کو نچاتے پھرتے ہیں اور بیکار اُلٹے سیدھے اعتراض کر کے اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کرتے ہیں۔ ابوبکر برحق اور مستقل خلیفہ تھے اور انہیں اس بات کا حق تھا کہ جس بات کو وہ اپنے خیال میں راست سمجھیں اُس پر اپنی رائے قائم کریں اس کے خلاف کسی کی مجال نہیں ہے کہ وہ اتنے بڑے جج کے فیصلہ پر کچھ اعتراض کر سکے جبکہ روئداد مقدمہ اُسے مطلق معلوم نہیں۔ اس بیہودہ اعتراض کا جواب شاہ

عبدالعزیز اپنے تحفہ میں دے چکے ہیں مگر ہم دوسرے رنگ پر بحث کرتے ہیں وہ یہ کہ اگر مالک کے قاتل سے قصاص نہ لینے میں کوئی الزام ابوبکر پر قائم ہوسکتا ہے تو اُس سے بڑا الزام علی پر قائم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے عثمان کے قاتلوں سے قصاص نہیں لیا. تمام دنیا اس بات کو تسلیم کرے گی کہ مالک سے عثمان بدرجہا افضل تھے اگر مالک جیسے اشخاص سے تمام زمین بھر جاتی تو عثمان کی ایک تہاذات اُن سب سے زیادہ قیمتی ہوتی آپ خلیفۃ المسلمین تھے اور بلاشک اور لاریب ظلما شہید کر ڈالے گئے کوئی تاویل ایسی نہ تھی کہ جو اُنکے قتل کرنے کا جواز ثابت کرتی علی نے اُن کے قاتلوں کو قتل نہیں کیا یہی وجہ تھی کہ عثمان کے شیعہ یعنی ساتھی علی سے بعیت نہیں ہوئے اگر عثمان کے قاتلوں کو قتل کرنے میں علی کے پاس کوئی شرعی عذر تھا تو مالک کے قاتل کو قتل نہ کرنے میں ابوبکر کے پاس اس سی بھی قوی عذر تھا اور اگر یہ بیان کیا جائے کہ ابوبکر کے پاس کوئی عذر نہ تھا تو عثمان کے قاتلوں کو قتل نہ کرنے میں علی کے پاس بدرجہ اولے کوئی عذر نہ تھا اب اگر کوئی آپ کہہ عثمان کے قاتلوں کے قتل نہ کرنے میں علی معذور اور مجبور تھے کیونکہ انتقام لینے کی شرطیں نہیں پائی گئیں تھیں یا تو اس وجہ سے کہ خاص قاتل معلوم نہ تھے یا وہ قوی ایسے تھے کہ علی اُن سے بدلہ نہ لے سکتے تھے. اسی طرح اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ مالک کے قاتل کو قتل نہ کرنے کی بھی شرطیں نہیں پائی گئیں تھیں یہ بات بڑے تعجب کی ہے کہ مصر کے چند باغ مدینہ میں گھس آئے اور جنہوں نے اپنے کو مسلمان بیاں کیا تین دن تک حضرت عثمان کے مکان یعنی بیت الخلافہ کا محاصرہ رکھا اور حضرت علی صرف اپنے بچوں کو دروازہ پر بھیج کے اپنے مکان میں بند بیٹھے رہے اور ایک منٹ کے لئے باہر نہ نکلے یہ مانا کہ مدینہ میں فوج نہیں تھی مگر تو بھی چند باغیوں کا پسپا کر دینا حضرت علی کے آگے کوئی بات نہ تھی. حضرت علی نے ایسا کیوں نہیں کیا اس کی بابت ہم کچھ نہیں کہ سکتے. یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ مالک کے قاتل کر دینے کے لئے عمر نے ابوبکر کو مشورہ دیا تھا اور اسی طرح عبداللہ بن عمر کو قتل کرنے کی بابت علی نے عثمان کو مشورہ دیا تھا مگر دونوں مشورے نہیں مانے گئے اس کا جواب یہ ہے کہ عثمان کے قاتلوں کو قتل کرنے کی بابت طلحہ اور زبیر وغیرہ نے علی کو مشورہ دیا تھا لیکن علی نے اتنے آدمیوں کے مشورہ دینے پر بھی اُنہیں قتل نہیں کیا اسکے مقابل میں جن لوگوں نے ابوبکر کو قصاص لینے کا مشورہ دیا تھا ابوبکر نے ایسی حجت اُن پر قائم کی

کہ وہ ساکت ہو گئے اور ابوبکر کا حق پر ہونا تسلیم کر لیا گیا مگر علی کا معاملہ ایسا نہیں ہوا انہوں نے کوئی حجت اپنے مشیروں کو سات کرنے کی پیش نہیں کی جسکی وجہ سے باہم سخت فساد پیدا ہوا حضرت علی کے ہاتھ میں تھا اگر وہ چاہتے تو عثمان کے قاتلوں کو قتل کر دیتے اگر اُن میں کوئی اجتہادی صورت پائی جائے۔ابوبکر بدرجہ اولی سمجھنی چاہیے اور اگر رافضی یہ کہیں کہ عثمان کا قتل کر دینا مباح تھا تو ہم کہتے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں مالک بن نویرہ کا قتل کرنا اور بھی زیادہ مباح تھا۔ اس میں کسی کو بھی شک نہیں ہے کہ عثمان کو قتل کر دینے کی نسبت مالک کو قتل کر دینا بہت ہی خفیف تھا کیونکہ مالک بن نوریہ کا معصوم الدم ہونا کہیں معلوم نہیں ہوتا اور نہ کسی کے نزدیک یہ ثابت ہے ہاں عثمان کی بابت تو اتر قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ آپ بیشک معصوم الدم تھے۔انہیں قتل کرنا کسی طرح بھی روا نہ تھا ایک بیوقوف سے بیوقوف شخص ہی اُس فرق کو جو عثمان اور مالک میں ہے اچھی طرح سمجھ سکتا ہے اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ عثمان مباح الدم تھے۔تو وہ علی اور حسنین کو کسی طرح بھی معصوم الدم نہیں ثابت کر سکتا۔کیونکہ عثمان کا معصوم الدم ہونا علی اور حسین کے معصوم الدم ہونے سے زیادہ ظاہر و ثابت ہے۔اُن لوگوں کے عقیدہ کے مطابق جو حسین کو کربلا میں کوفیوں کے ہاتھ سے قتل کرواتے ہیں علی اور حسین کی بہ نسبت عثمان سوحیات قتل سے بہت دور تھے کیونکہ عثمان نے نہ تو کسی مسلمان کو قتل کیا نہ اپنی ولایت پر کسی سے لڑے اور نہ کبھی لڑنا چاہا۔اور اگر کوئی یہ کہے کہ جو شخص اپنی ولایت پر مسلمانوں میں سے ایک کثیر مخلوق کو قتل کر دے تو وہ ضرور معصوم ہوتا ہے۔اور وہ اپنے اس فعل میں مجتہد شمار کیا جاتا ہے تو اس صورت سے بھی عثمان کو ضرور ہی معصوم الدم کہنا پڑے گا۔اس لئے کہ وہ اموال اور ولایت کی بابت اپنی حکمت عملیوں میں بدرجہ اولےٰ مجتہد ہوں گے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ مالک بن نویرہ کے قصے میں زیادہ سے زیادہ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ معصوم الدم تھا اور خالد نے کسی تاویل سے اُسے قتل کر ڈالا تو اس سے خالد کا قتل کرنا مباح نہیں ہو سکتا۔اُسامہ بن زید نے اسی طرح ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تھا حضور نے تین مرتبہ فرمایا کہ اے اُسامہ کیا لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی تم نے اسے قتل کر دیا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے اسامہ کے قتل کر دینے کے خلاف تو سمجھا لیکن نہ اُسامہ پر قصاص واجب کیا نہ خون بہا اور نہ کفارہ۔

محمد بن جریر طبری وغیرہ نے ابن عباس اور قتادہ سے روایت کی ہے کہ آیت ولا تقولوا لمن القی الیکم السلام لست مومناً ۔ اسکی شان میں نازل ہوئی ہے جو ایک غطفانی شخص تھا حضور نے اس کے قبیلہ پر چڑھائی کرنے کے لئے ایک سریا بھیجا تھا اور اُس قوم کا سپہ سالار غالب لیثی تھا اُس کے سب ساتھی بھاگ گئے اور یہ اکیلا رہ گیا اس نے مسلمان ہونے کا اقرار کر لیا مگر اسلامی لشکر نے اُسے گرفتار کر لیا اُس نے انہیں سلام کیا لیکن انہوں نے اُسے قتل کر دیا اور اُسکا سب مال لوٹ لیا اُس وقت اللہ تعالے نے یہ آیت نازل فرمائی جو اوپر مذکور ہوئی ہے۔ رسول کو یہ حکم دیا کہ اُسکا مال گھر والوں کے پاس پہنچا دو اور آئندہ مسلمانوں کو ایسا کرنے سے منع کر دو۔ اسی طرح جب خالد بن ولید تاویل کر کے بنی خزیمہ کو قتل کر دیا تو حضور نے اپنے دونوں ہاتھ اُٹھا کے بارگاہ الٰہی میں یہ التجا کی الٰہی جو کچھ خالد نے کیا ہے میں اُس سے بالکل بری ہوں مگر باوجود اس کے حضور نے خالد کو قتل نہیں کیا کیونکہ اُن کے پاس تاویل تھی جب تاویل ہونے کی وجہ سے بنی خزیمہ کے اس قدر مسلمانوں کو قتل کر دینے پر بھی حضور نے خالد کو قتل نہیں کیا تو مالک بن نویرہ کو قتل کر دینے کی وجہ سے خالد کو ابوبکر کا نہ قتل کرنا بدرجہ اولے ہے۔ اب رافضیوں کا یہ کہنا کہ عمر نے خالد کے قتل کر دینے کو کہا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا اخیر درجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ اجتہادی مسئلہ تھا۔ ابوبکر کی تو اس میں یہ رائے ہوئی خالد کو قتل نہ کیا جائے اور عمر کی یہ رائے ہوئی کہ قتل کر دیا جائے۔ عمر ابوبکر سے زیادہ عالم نہ تھے۔ نہ مسلمانوں کے نزدیک نہ رافضیوں کے نزدیک ابوبکر کو کچھ ضرور نہ تھا کہ وہ عمر کی رائے کی وجہ سے اپنی رائے کو ترک کر دیتے۔ اور نہ کسی شرعی دلیل سے ظاہر ہوا کہ عمر ہی کا قول رائج تھا۔ پھر کیونکر عقل میں آ سکتا ہے کہ بیٹھے بٹھائے ایک بات ایجاد کر کے ابوبکر پر الزام لگا دیا جائے ہاں ایک جاہل مطلق اور کندہ ناتراش ایسا کر سکتا ہے کوئی صحیح حدیث ایسی نہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ یہ واقعہ حد تک آ پہنچا تھا کہ خالد کا قتل کر دینا اُس سے واجب قرار پا جاتا۔ پھر رافضیوں کا یہ اعتراض کہ خالد نے مالک بن نویرہ کو قتل کر کے اُسی روز اُسکی جورو سے خود نکاح کر لیا۔ اسکا ثبوت ہمیں کسی تاریخ سے نہیں ملتا۔ اب رہا عدت کے متعلق اس میں فقہا کے دو قول ہیں کہ آیا کافر کے لئے عدت ہے یا نہیں اسی طرح اس میں بھی دو قول ہیں کہ ذمی عورت پر عدت واجب ہے یا نہیں بخلاف طلاق کی عدت کے کیونکہ یہ عدت وطی کرنے کے سبب سے ہوتی

ہے اور مرنے کے بعد کی عدت محض عقد نکاح کی وجہ سے واجب ہوتی جب شوہر صحبت صحیحہ سے پہلے مرگیا اور وہ کافر تھا تو اس میں اختلاف ہے کہ اسکی عدت کرنی چاہیے یا نہیں اسی طرح اگر وہ اپنی بیوی سے صحت صحیحہ کر چکا ہو. اور اُس کے بعد ایام کی حالت اُس پر طاری ہوگئی ہو تو اس میں بھی ویسا ہی اختلاف ہے اور یہ اُس صورت میں ہے کہ جب شوہر اصلی کافر ہو. لیکن اگر مرتد کو قتل کر دیا جائے یا وہ مرتد ہونے کی حالت میں مرجائے تو امام شافعی، امام احمد ابو یوسف، اور امام محمد کے مذہب میں اسکی عورت پر عدت نہیں ہے. کیونکہ شوہر کے مرتد ہونے کی وجہ سے اس کا نکاح باطل ہو چکا ہے اور یہ جدائی امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک طلاق نہیں ہے ہاں امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک طلاق ہے. اسی واسطہ وہ ائمہ ایسی عورت پر مرنے کی عدت واجب نہیں کرتے بلکہ جدائی کی عدت کو کہتے ہیں. پس اگر اُسنے اس عورت سے صحبت صحیحہ نہ کی ہو تو اُس کے ذمہ عدت نہیں ہے جیسا کہ اُس پر طلاق کی عدت نہیں ہے. یہ سب کو معلوم ہے کہ خالد نے مالک بن نویرہ کو اسی وجہ سے قتل کیا تھا کہ انہوں نے اُسے مرتد ہوا دیکھا تھا اب اگر اُس نے اپنی عورت سے صحبت نہ کی تھی تو اکثر فقہا کے نزدیک اس عورت کے ذمہ عدت واجب نہ تھی اور اگر وہ کر چکا تھا تو بھی اُس پر فقط ایام سے رحم کو صاف کر لینا ضروری نہ تھا اور اگر مالک فی الحقیقت کافر تھا تو فقہا کے قول کے مطابق اسکی عورت کے ذمہ عدت وفات بالکل نہیں. غرض کسی طرح بھی یہ خیال نہیں ہوسکتا کہ یہ قصہ اس طرح واقعہ ہوا ہو جس میں اجتہاد کی گنجائش نہ ہو. ایسی رکیک اور چھوٹی چھوٹی باتوں سے طعن کرنا یہ علماء کا طریقہ نہیں ہے۔

فدک کا فسانہ: یہ کہانی بھی عجیب وغریب ہے ایسی معمولی بات کو اس قدر طول دیا ہے کہ پناہ بخدا کتابیں اس سے سیاہ ہوگئیں بعض نے تو جلدیں کی جلدیں اس پر لکھ دیں مگر رافضی پھر بھی مرغی کی ایک ٹانگ کئے جاتے ہیں تحفہ میں بہت کچھ لکھا جا چکا آیات بینات نے بھی اس میں کمی نہیں کی غرض مسلمانوں کی طرف سے اس کے سینکڑوں جواب ہو چکے ہیں. تو بھی رافضی کے ہاں ہنوز وزاول ہے بہر حال ہم بھی اس پر کچھ لکھنا چاہتے ہیں. ہمارا لکھنا جس قدر مختصر ہوگا اُسی قدر اسفطاعی فیصلہ ہوگا یقیناً اور لاریب تمام دنیا کے رافضی ملکر بھی اسکا جواب نہیں دے سکتے۔ طعنہ یہ ہے کہ ابوبکر

نے نبی کے حکم مخالفت کی اور اُن کی صاحبزادی کو فدک نہ دیا جو اُن کی میراث تھی. اور بغیر حضور انور رسول ﷺ کے خلیفہ کئے اپنا نام خلیفہ رکھ لیا. اس کا جواب یہ ہے کہ میراث کے بارے میں سوائے بعض رافضیوں کے کل مسلمان ابوبکر کے ساتھ ہیں. میراث کا نہ ہونا حضور انور سے یقیناً ثابت ہے. فدک سے ابوبکر کو کچھ تعلق نہ تھا نہ اُن کے بعد عمر کو اُس سے کچھ تعلق رہا. کوئی رافضی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ ابوبکر نے یا اُس کے خاندان نے عمر نے یا اُس کے خاندان نے فدک کی ایک کھجور بھی کھائی ہو. اور نہ رافضی اس سے انکار کر سکتے ہیں کہ ابوبکر کو کچھ تعلق نہ تھا نہ اُن کے بعد عمر کو اُس سے کچھ تعلق رہا. کیا رافضی اس سے انکار کر سکتے ہیں کہ ابوبکر کو کچھ تعلق نہ تھا نہ اُن کے بعد عمر کو اُس سے کچھ تعلق رہا؟ کیا رافضی اس سے انکار کر سکتے ہیں کہ ابوبکر وعمر فدک کے محاصل سے کہیں زیادہ بنی ہاشم کو اپنے ہاتھوں سے دیا کرتے تھے اسکے مقابلہ میں علی نے خلیفہ ہو کر سب سے پہلے اپنے بھائی ابن عباس پر ہاتھ صاف کیا اور اُن کا حصہ اُنہیں نہ دیا جب وہ مجبور ہو گئے تو اُنہوں نے بصرہ کا مال دبا لیا. اور اِدھر اُدھر رفو چکر ہو گئے اور پھر اُن کا پتہ نہ لگا. اس زیادتی کا علی کی طرف سے کوئی بھی جواب نہیں ہو سکتا. ہاں رافضی یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ امام عادل تھے. اور حق پر تھے تو ابوبکر کا ان کے مقابلہ میں امام عادل ہونا اور حق پر ہونا بطریق اولے ہے. یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے اور اسکی شہادت تمام معتبر روایتیں اور تاریخیں دیتی ہیں کہ ابوبکر کو حضرت خاتون محشر یعنی بی بی فاطمہ سے بہت ہی محبت تھی اور ابوبکر جہاں تک اُن سے ہو سکتا تھا بی بی فاطمہ کی رعایت کرتے تھے مگر فرمان خدا رسول کے مقابلہ میں مجبور تھے ایسی حالت میں یہ خیال کر لینا کہ ابوبکر بی بی فاطمہ کے مخالف تھے کسی طرح بھی زیبا نہیں ہے ابوبکر کا علم بی بی فاطمہ سے کہیں زیادہ تھا اس لئے کہ آپ حضور انور ﷺ کے ساتھ ایسے معاملوں میں اکثر رہا کرتے تھے. نہ صرف ابوبکر بلکہ تمام فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ مال میں انبیا کا کوئی وارث نہیں ہوا کرتے ہیں لیکن جو بات اُنہیں حضور انور ﷺ سے معلوم ہو گئی اُسے وہ کسی ایک آدمی کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے اور نہ اُنہیں اللہ نے اللہ کے رسول نے یہ حکم دیا کہ حضور کے سواوہ کسی اور سے بھی اپنا دین حاصل کریں نہ آپ کے قرابت داروں سے

نہ غیر قرابت داروں سے بلکہ اللہ انہیں رسول کی اطاعت اور انہیں کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے صحیحین میں حضور انور سے یہ ثابت ہے آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ کس طرح فلاح کو پہنچ سکتے ہیں جو اپنا کارمختار ایک عورت کو بنادیں غرض یہ ہے کہ اُمت مرحومہ سے یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ وہ اُس بات کو چھوڑ دے جو حضور انور سے اُسے معلوم ہوگئی ہو اور اُس کے خلاف اُسے اختیار کرلے جو فاطمہ سے منقول ہو. اس بارہ میں کہ انہوں نے میراث مانگی تھی اس خیال سے کہ میں وارث ہوں. اب رہی یہ بات کہ ابوبکر نے اپنا نام خلیفہ رسول اللہ کیوں رکھ لیا تھا. اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نام تو مسلمانوں نے ابوبکر کا رکھا تھا. ہاں اگر خلیفہ وہی ہوتا ہے جسے خود مالک تخت خلیفہ کردے جیسا کہ رافضیوں کا دعوے ہے تم ہم کہتے ہیں کہ حضور انور نے ابوبکر کو خلیفہ کردیا تھا چنانچہ سب مسلمان اس بات پر متفق ہیں اور اگر خلیفہ اُسے کہتے ہیں جو دوسرے کی جگہ مقرر ہوا گر اُس نے اپنی مرضی سے اُسے خلیفہ نہ بنایا تو ایسی حالت میں بھی وہ خلیفہ ہوسکتا ہے قرآن اور حدیث اس بات پر شاہد ہیں کہ خلیفہ وہی شخص ہے جو ایک کے بعد دوسرا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ (یونس:۱۴) اور پھر فرمایا ہے وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ (انعام:۱۶۵) اور پھر فرمایا وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِی الْاَرْضِ یَخْلُفُوْنَ. اور پھر فرمایا. وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ. اور دوسرے قصہ میں فرمایا ہے خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون سے فرمایا اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ. پس ان سب آیتوں لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اور فرمایا اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ یعنی رات کا خلیفہ ہوتی ہے اور دن رات کا خلیفہ ہے پس یہ دونوں یکے بعد دیگرے ہوتے رہتے ہیں. حضرت موسیٰ نے فرمایا عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ یُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَیَسْتَخْلِفَكُمْ فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اور فرشتوں سے فرمایا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً اور فرمایا یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً

فِی الْاَرْضِ. ان سب آیتوں سے یہ پایا جاتا ہے کہ دوسرا پہلے کا خلیفہ ہوتا ہے اگر چہ اُس نے خود اسکو خلیفہ نہ کیا ہو. خلیفہ کو خلیفہ اسی واسطے کہتے ہیں کہ خلف کے معنی بعد کے ہیں اور وہ پہلے کے بعد ہوتا ہے اللہ تعالے اس کو خلیفہ کر دیتا ہے جیسا کہ اُس نے رات کو اور دن کو کر دیا ہے. کہ یہ ایک دوسرے کے خلیفہ ہوتے رہتے ہیں اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ اوروں کی طرف سے خلیفہ ہیں جیسا کہ بعض لوگوں نے گمان کیا ہے. یہ عام قاعدہ ہے کہ لوگ مسلمانوں کے حاکموں کو خلفا کہتے ہیں خود حضور انور نے فرمایا ہے بسنتی وسنته الخلفاء الراشیدین المهیدمیں من بعدی.

اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ عثمان نے علی کو خلیفہ نہیں بنایا تھا اور نہ فاروق اعظم نے کسی کو اپنا خلیفہ کیا تھا. آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں کسی کو خلیفہ بناؤں تو کچھ حرج نہیں ہے۔ کیونکہ ابوبکر نے خلیفہ کیا تھا. اور اگر میں کسی کو خلیفہ نہ بناؤں تو کچھ حرج نہیں ہے کیونکہ ابوبکر نے خلیفہ کیا تھا. اور اگر میں کسی کو خلیفہ نہ بناؤں تو یہ بھی درست ہے کیونکہ حضور انور نے کسی کو خلیفہ نہیں کیا تھا. باوجود اسکے آپ صدیق اکبر کو یا خلیفہ رسول اللہ کہہ کر پکارتے تھے. یہی کیفیت نبی اُمیہ اور نبی عباس کے خلفا کی ہے اُن میں بھی اکثر ایسے تھے کہ انہیں اُنکے پیشرو نے خلیفہ نہیں بنایا تھا اس سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوگئی کہ کسی کے جانشین کو خلیفہ کہتے ہیں. حدیث میں آیا ہے جیسا کہ حضور انور نے فرمایا رحمۃ اللہ علی خلفائی صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے خلفا کون ہیں حضور نے ارشاد کیا الذین یحیون سنتی ویعلمونها الناس یعنی جو میری اس سنت کو زندہ کرتے ہیں اور لوگوں کو تعلیم دیتے ہیں اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اس مسئلہ میں پوری حجت ہے اور اگر صحیح نہیں ہے تو کم سے کم اس سے یہ تو پایا جاتا ہے کہ وہ لوگ اس بات کے عادی تھے کہ کسی کے جانشین کو خلیفہ کہکے پکاریں.

ایک اور سنگین اعتراض یا ناپاک طعنہ

رافضی کہتے ہیں حافظ ابونعیم نے اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء میں عمر سے روایت کی ہے کہ جب اُن کا اخیر وقت ہوا تو اُنہوں نے ٹھنڈا سانس بھر کے یہ کہا کہ کاش میں اپنی قوم کی بھیڑ ہوتا کہ اوّل وہ مجھے موٹا تازہ کرتے پھر اُن کا کوئی عزیز مہمان آتا تو اس کے لوے مجھے ذبح کر لیتے اور

میرے نصف گوشت کے کباب بناتے اور نصف کا قیمہ کر کے مجھے کھا لیتے وغیرہ. رافضی کہتے ہیں کہ یہ قول کیا کافر کے اس قول کے مطابق نہیں ہے جیسے کہ کہا ہے یا لیتنی کنت ترابا یعنی کاش میں مٹی ہوتا. پھر رافضی کہتے ہیں کہ فاروق اعظم نے مرتے وقت ابن عباس سے کہا تھا کہ اگر میرے پاس زمین سنے کی بھری ہو اور اس کے برابر خزانہ بھی ہو تو میں قیامت کے خوف کی وجہ سے سب اپنی جان چھڑانے کے عوض میں دے ڈالوں پھر رافضی کہتے ہیں کہ یہ قول بعینہ اس قول کی طرح ہے وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَافِی الْاَرْضِ جَمِیْعاً وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْابِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ یَوْمَ الْقِیَامَه (یعنی اور اگر ظالموں کو جو کچھ دنیا میں ہے سب مل جاوے اور اسکے مثل اُس کے ہمراہ اور بھی ہو تو بیشک یہ اُسے قیامت کے بڑے عذاب کا فدیہ دیدیں)

پھر رافضی کہتے ہیں بالغ نظر اس بات کو خیال کر سکتا ہے کہ ابوبکر اور عمر نے مرتے وقت کیا کہا صدیق اکبر کے متعلق طعنہ کا جواب گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے) اور علی نے کیا کہا علی کا قول یہ تھا کہ میرے دل میں سوائے اللہ کی محبت کے اور کچھ نہیں ہے محمد ہوں یا اُن کی اُمت جسکے دل میں یہ محبت ہو وہ شقی کر کے کیونکر اُٹھایا جا سکتا ہے. جس وقت آپ کو ابن ملجم نے مارا تو آپ نے یہ فرمایا تھا فزت ورب الکعبته یعنی قسم ہے کعبہ کی رب کی میں تو بامراد ہو گیا.

جواب: رافضیوں کا یہ طعنہ یا اعتراض اُن کے خیال میں تو بہت سنگین ہے مگر اصل میں ایسا لغو بیہودہ اور پُر از جہالت ہے کہ معترض اور طعنہ زن کی کامل حماقت اس سے معلوم ہوتی ہے اس نے علی کی طرف سے جو قول نقل کیا ہے ایسے ہی قول اُن لوگوں سے بھی منقول ہیں جو ابوبکر، عمر، عثمان، اور علی سب سے کم درجہ پر ہیں بلکہ یہی قول بعض خوارج کا بھی مرتے وقت ثابت ہوا ہے جو علی بن ابوطالب کو کافر کہتے ہیں. ابوبکر کے آزاد کردہ بلال سے مروی ہے کہ اُن کے اخیر وقت ان کی بیوی بیان کر کے رو رہی تھیں وہ اس رونے کا یہ جواب دیتے تھے کہ اُسے خوش ہونا چاہیے جس کے دل میں سوائے اللہ کے اور کسی کی محبت نہ ہو اس میں خواہ محمد ہوں یا ان کی امت جس کتاب کا حوالہ رافضیوں نے دیا ہے اُسی کتاب یعنی حلیتہ الاولیا میں ابونعیم نے حارث بن عمیر سے روایت کی ہے

کہ معاذ کے اس قدر کاری نیزہ لگا تھا کہ وہ اُسکی تکلیف سے بیہوشی میں یہی کہتے تھے اور جب انہیں ہوش آتا تھا تو بھی کہتے تھے کہ اے میرے پروردگار مجھ پر رحم فرما قسم ہے تیری عزت کی تو خوب جانتا ہے کہ تیری محبت میرے دل میں ہے. اب سُنئے ابوبکر کے دوسرے آزاد کردہ عامر بن فہیرہ جب سرمعونہ کی جنگ میں شہید ہوئے اور شہادت سے پہلے جبار بن سلمی نے اُن کے نیزہ مارا اُس وقت عامر نے وہی کہا جو علی نے ابن ملجم کی کٹاری کھا کر کہا تھا یعنی فزت ورب الکعبه. عروہ بن زبیر کہتے ہیں لوگ کہا کرتے تھے کہ عامر کو فرشتوں نے دفن کیا تھا. اور سنئے یہ تو یہ شبیب خارجی کے جب نیزہ لگا تو وہ بار بار یہ کہتا تھا عجلت الیک رب لترضی ایسی مثالیں بہت سی ہیں لہٰذا حضرت علی کے صرف اتنے سے قول پر رافضیوں کی اکڑفوں بے سود ہے. اب حضرت عمر کے خوف کی طرف خیال کرنا چاہیے صحیح بخاری میں مسعود بن مخرمہ سے مروی ہے. وہ کہتے ہیں جب حضرت عمر کے نیزہ لگا اور اُنہیں تکلیف زیادہ ہونے لگی تو ابن عباس اُنہیں تسلی دینے کے لئے کہنے لگے اے امیر المومنین اگر کوئی ایسی ویسی بات ہو بھی گئی تو آپ رسول اللہ کی صحبت میں رہ چکے ہیں خوب اچھی طرح اُنکا ساتھ دیا ہے حضور آپ سے بہت ہی خوش اس جہاں سے گئے ہیں پھر آپ ابوبکر کے ساتھ بھی ویسے ہی رہے اور اُن کا بھی جس وقت انتقال ہوا وہ آپ سے بہت خوش وخرم تھے پھر آپ مسلمانوں کے ساتھ بھی ویسے ہی رہے اور اگر آپ اب ان سے مفارقت کریں گے تو یہ سب آپ سے راضی اور خوش ہیں. لہٰذا آپ کو اندیشہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے فاروق اعظم نے فرمایا کہ حضور انور کی صحبت میں رہنے اور حضور کے راضی رہنے کا جو تم نے ذکر کیا ہے تو یہ تو اللہ کی طرف کا احسان ہے کہ اُس نے مجھ پر بہت ہی بڑا احسان کیا. اسی طرح ابوبکر کی صحبت اور اُن کے راضی رہنے کا جو تم نے ذکر کیا یہ بھی مجھ پر اللہ کا بہت بڑا احسان ہے باقی میری یہ پریشانی جو تم دیکھتے ہو یہ تمہاری وجہ سے اور تمہارے ساتھیوں کیوجہ سے ہے کہ اب دیکھیے تم پر کس طرح اور کیا گزرے گی میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں اگر میرے پاس سونے کی بھری ہوئی زمین ہو تو میں اللہ کے عذاب کو دیکھنے سے پہلے وہ سب اُس کے فدیہ میں دیدوں ۔ پھر صحیح بخاری میں فاروق اعظم کے شہید ہونے کے متعلق ایک اور حدیث حسب ذیل نقل ہوئی ہے. عمر بن میمون سے مروی ہے فاروق اعظم نے ابن عباس

سے فرمایا تم تحقیق کرو کہ مجھے کس نے مارا ہے ابن عباس گئے اور تحقیق کر کے آئے. اور عرض کیا کہ مغیرہ کے غلام نے آپ نے فرمایا کہ صنع نے ابن عباس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا اللہ اُسے غارت کرے میں نے تو اُس کے ساتھ اچھا سلوک کیا تھا. پر نہایت ہی خوش ہو کے فرمایا اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اُس نے مجھے کسی مسلمان کے ہاتھ سے قتل نہیں کرایا. پھر فاروق اعظم کو اُٹھا کے ان کے گھر لے گئے راوی کا قول ہے کہ ہم اُن کے ساتھ ہی اُس وقت لوگوں کی پریشانی اور صدمہ کی یہ کیفیت تھی کہ گویا اس سے پہلے انہوں نے کوئی مصیبت دیکھی ہی نہ تھی کوئی کہتا تھا زیادہ اندیشہ کی بات نہیں ہے خدا نے چاہا تو اچھے ہو جائیں گے کوئی کہتا تھا ہمیں بہت اندیشہ ہے دیکھئے کیا ہوتا ہے. پھر شربت منگوا کر آپ کو پلایا تو زخم کے راستہ سے نکل گیا پھر دودھ منگوا کر پلایا تو وہ بھی اسی طرح نکل گیا. یہ دیکھ کے سب آپ کی زندگی سے مایوس ہو گئے بہت سے لوگ وہاں بیٹھے ہوئے آپ کی تعریف کرر ہے تھے اتنے میں ایک نوجوان شخص وہاں آیا اور کہنے لگا اے امیر المومنین تمہیں اللہ سے خوشی کی امید رکھنا چاہیے کیونکہ حضور کی صحبت اُٹھا چکے ہو ابتدائی زمانہ کے مسلمان ہو اپنی حکومت کے زمانہ میں تم نے بڑا انصاف کیا اور اب تمہیں شہادت نصیب ہوئی. پھر پریشانی کی کوئی وجہ نہیں ہے فاروق اعظم نے فرمایا کہ میں تو دل سے چاہتا ہوں کہ اس سب کے عوض میں برابر سرابر چھوٹ جاؤں نہ مجھے کوئی تکلیف ہو نہ عیش و آرام جب وہ پیٹ پھیر کے چلنے لگا تو اُسکا تہ بند زمین پر لگتا جاتا تھا فرمایا کہ اس لڑکے کو بلاؤ جب وہ آیا تو ارشاد کیا اے بھتیجے اپنا تہبند اوپر کر کیونکہ اوپر رکھنے میں کپڑا بھی پاک رہتا ہے اور یہ اللہ کی خوشنودی کا بھی سبب ہے. اپنے بیٹے عبداللہ کی طرف خطاب کر کے کہا دیکھو میرے ذمہ کتنا قرض ہے انہوں نے حساب لگا کے بتایا تو چھیاسی ہزار یا اس کے قریب قریب ہوا اس پر آپ نے فرمایا کہ عمر کے گھر کے سارے مال سے اسکا بھگتان ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ ناچار بنی عدی بن کعب سے سوال کرنا ان کے سوا اور کسی کے پاس مت جانا یہ سب مال لے کے میری طرف سے ادا کر دینا. اب تم ایک کام یہ کرو کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ کے پاس جاؤ پہلے میرا سلام کہنا اور دیکھنا اس بات کا خیال رکھنا کہ امیر المومنین میرے نام کے ساتھ نہ کہنا کیونکہ اب میں امیر المومنین نہیں رہا صرف اتنا ہی کہنا کہ عمر بن خطاب یہ اجازت چاہتا ہے کہ وہ اپنے دونوں

دوستوں یعنی حضور انور ﷺ اور صدیق اکبر کے پاس دفن کیا جائے۔ یہ سن کے ابن عمر گئے اول اپنے والد کا سلام صدیقہ کی خدمت میں عرض کیا اور اندر آنے کی اجازت مانگی اجازت ہونے پر صدیقہ کی خدمت میں پہنچے دیکھا کہ آپ بیٹھی رو رہی ہیں. عرض کیا کہ عمر بن خطاب سلام عرض کرتا ہے اور یہ اجازت چاہتا ہے کہ میں اپنے دونوں دوستوں کے پاس دفن کیا جاؤں صدیقہ نے ارشاد کیا کہ وہ جگہ تو میں نے اپنے لئے تجویز کر رکھی تھی لیکن آج عمر کو میں اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں. پس یہ اجازت لیتے ہی ابن عمر واپس آئے جس وقت وہ اپنے باپ فاروق اعظم کے پاس پہنچے تو ایک شخص نے عرض کیا ابن عمر آ رہے ہیں فاروق اعظم نے فرمایا مجھے اُٹھاؤ ایک نے سہارا دیکر آپ کو اُٹھا کے بٹھایا بیٹے سے پوچھا کیا خبر لائے عرض کیا اے امیر المومنین وہی جو آپ چاہتے تھے اُنہوں نے اجازت دے دی ہے۔ فرمایا اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے مجھے تو اس سے زیادہ اور کوئی بات مشکل نہ معلوم ہوئی تھی اب میں تمہیں یہ وصیت کرتا ہوں سنو جب میں مر جاؤں تو مجھے اُٹھا کے لے چلنا اور صدیقہ کی خدمت میں جا کے پھر سلام کہنا کہ اب عمر بن خطاب اجازت مانگتا ہے اگر وہ میرے لئے اجازت دے دیں تو وہیں دفن کرنا ورنہ وہاں سے واپس لے آنا اور مسلمانوں کے گورستان میں دفن کر دینا.

اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ فاروق اعظم سے کسی نے کہا کہ جس وقت حضور انور ﷺ نے وفات پائی تو وہ آپ سے بہت خوش تھے اور آپکی ساری رعیت بھی آپ سے راضی خوشی ہے کیونکہ اس میں آپ نے پورا پورا انصاف کیا ہے۔ صحیحین میں یہ ثابت ہے کہ حضور انور ﷺ نے ارشاد کیا ہے **خیار المتکم الذین تحبونهم ویبونکم وتصلون علیهم ویصلون علیکم وشرار ائتمکم الذین تبغضو نهم ویغبضونکم وتلغونهم ویلعنونکم** یعنی بہتر حاکم تمہارے وہ ہیں کہ تم اُن سے محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں. وہ تمہارے لئے دعا کریں تم اُن کے لئے دعا کرو اور تمہارے بدترین حاکم وہ ہیں کہ تمہیں اُن سے بغض ہو اور اُنہیں تم سے بغض ہو تم اُن پر لعنت بھیجو اور وہ تم پر لعنت بھیجیں. یہ بات بھی زیاد غور اور خوض کی ہے کہ فاروق اعظم کا قاتل ایک ایرانی مجوسی کافر تھا اور اس پر سب کا اتفاق ہے ممکن ہے کہ کوئی رافضی اس پر چڑ کے اور فاروق اعظم کے حسد اور دشمنی میں اندھا ہو کے اُسے نہ صرف مسلمان بلکہ اپنے ائمہ سے بھی آگے بڑھا دے یہ اُسے اختیار ہے۔

فاروق اعظم کا اللہ سے ڈرنا محض اُن کے علم کے کمال کی وجہ سے تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے
اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہُ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَا یعنی اللہ سے اُس کے عالم ہی بندے ڈرا کرتے ہیں اب حضور
انور ﷺ کی طرف خیال کرو کہ جس وقت آپ نماز پڑھتے تھے تو رونے کی وجہ سے آپ کے مبارک سینہ
میں سے شعلہ مارتی ہوئی آگ کی طرح آواز نکلا کرتی تھی ایک مرتبہ ابن مسعود نے آپ کو سورۂ نساء
سنائی اور جب وہ اس آیت پر پہنچے فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَہِیْدٍ وَجِئْنَا بِکَ عَلٰی
ھٰٓؤُلَآءِ شَہِیْدًا تو نے فرمایا کہ بس کافی ہے. ابن مسعود کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ آپ کی دونوں
مبارک آنکھوں سے آنسو بہ رہے ہیں. پھر غور کرو اللہ تعالے فرماتا ہے قُلْ مَا کُنْتُ بِدْعًا مِّنَ
الرُّسُلِ وَمَا اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ یعنی اے نبی تم کہدو کہ میں اور رسولوں سے کوئی علیحدہ
رسول نہیں ہوں اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا، کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا، کیا جائے گا. صحیح
مسلم میں ہے کہ جب عثمان بن مظعون قتل ہوئے تو حضور نے فرمایا قسم ہے اللہ کی باوجود یہ کہ میں اللہ کا
رسول ہوں لیکن مجھے معلوم نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہوگا اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا. ترمذی وغیرہ میں ابوذر
سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا میں وہ چیز دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے میں وہ آواز سنتا ہوں جو تم نہیں
سنتے آسمان چرچراتا ہے اور اُسے چرچرانا ہی زیبا ہے کیونکہ اس میں چار انگل کی جگہ بھی ایسی نہیں ہے
جہاں فرشتہ اپنی پیشانی رکھے ہوئے اللہ کو سجدہ نہ کر رہا ہو. خدا کی قسم جو میں جانتا ہوں اگر وہ تمہیں معلوم
ہو جائے تو تم روؤ بہت اور ہنسو کم اور عورتوں سے مقاربت کرنا چھوڑ دو اور اللہ کی پناہ مانگتے ہوئے
جنگلوں میں بھاگ جاؤ میری یہ دلی آرزو ہے کہ میں ایک درخت ہو کر کاٹ دیا جاتا تو بہتر تھا اور بعض
محدثین کہتے ہیں کہ یہ قول ابوذر کا ہے حضور کا نہیں) ترمذی میں حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے
آپ فرماتی ہیں میں نے حضور انور سے دریافت کیا یا رسول اللہ کیا مرد وہ ہے جو زنا کرے چوری کرے
اور اللہ سے ڈرتا ہے حضور نے فرمایا اے صدیق کی بیٹی یہ مرد نہیں ہے بلکہ مرد، وہ ہے جو نماز پڑھے
خیرات کرے اور اور پھر بھی اللہ سے ڈرے کہ یہ مجھ سے قبول ہوگی یا نہیں. اب، یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرٰبًا
کی طرف خیال کیجئے جو رافضی اپنے طعنہ بیان کرتے ہیں اصل یہ ہے کہ کافر یہ قیامت کے دن کہے گا
جس وقت اُس کی توبہ وغیرہ قبول نہ ہوگی اور نہ کوئی نیکی وغیرہ اُسے نفع دیگی اور جو شخص دنیا میں یہ کہتا ہے

تو اُسے خوب سمجھ لینا چاہیے کہ وہ محض اللہ کے خوف سے کہتا ہے کیونکہ دنیا دار العمل ہے اور توبہ کے دراوزے کھلے ہوئے ہیں. حضرت بی بی مریم کی نسبت خال کیجئے قرآن مجید میں آپ کا قول اس طرح نقل ہوا ہے۔ "یٰلَیْتَنِی قَبْلَ هٰذَا وَ كُنْتُ نَسْیًا مَنْسِیًا" یعنی کاش میں اس (واقعہ) سے پہلے ہی مر جاتی اور (بالکل) بھولی بسری ہو جاتی. بی بی مریم کا یہ کہنا قیامت کے دن موت کی تمنا کرنے کی طرح نہ ہوگا اور نہ یہ دوزخیوں کے اُس قول کے مطابق کہا جا سکتا ہے جو اللہ تعالے نے اُن کی طرف سے بیان کیا ہے. پھر اللہ تعالیٰ دوسری جگہ دوزخیوں کا قول نقل کرتا ہے۔ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ یَكُوْنُوْا یَحْتَسِبُوْنَ. یعنی جو کچھ دنیا میں ہے اگر سب ظالموں کو مل جائے اور اُس کی مثل اُس کے ہمراہ اور بھی ہو تو بے شک یہ اُسے قیامت کے بڑے عذاب کا فدیہ دے دیں اور اُن کے لئے اللہ کی طرف سے وہ بات پیش آئے گی جس کی یہ امید نہ رکھتے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کیفیت قیامت کے دن کی بیان کی ہے جس وقت کافروں کو نہ تو کچھ توبہ کرنے سے نفع ہوگا نہ خوف کرنے سے کیونکہ تمام حجتیں پوری ہو چکی ہوں گی. اور توبہ کے دروازے بند ہو چکے ہوں گے. اس مقابلہ میں اگر کوئی بندہ دنیا میں اپنے پروردگار سے ڈرے تو اُسے اس خوف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اجر عظیم دے گا اور قیامت میں اُس ڈر سے اللہ اسے ضرور امن دے گا اور جو بے وقوف جاہل مطلق سچے مسلمان کے دنیا میں اللہ سے ڈرنے کو اُس ڈر کے مطابق کرے جو کافر کو آخرت میں ہوگا اُس سے زیادہ احمق اور کندہ ناتراش بلکہ راہ حق سے بھٹکا ہوا اور کون شخص ہو سکتا ہے. جس شخص نے مسلمانوں کا حاکم بنکے ایسا انصاف کیا کہ ساری مخلوق اُس کے انصاف کی شاہد ہے. اور وہ باوجود اس کے اللہ سے ڈرتا ہے کہ شاید کوئی ظلم نہ ہو گیا ہو تو وہ اُس شخص سے بدرجہ افضل ہے جس کی اکثر رعیت اُسے ظالم بتائے اور وہ اپنے جی میں عذاب سے بے خوف ہو کے بیٹھ جائے. وہ خوارج جو علی کو کافر کہتے ہیں. اور اُنکا عقیدہ ہے کہ بے شک علی ظالم اور قتل کر دینے کے لائق تھے وہ بھی عام مسلمانوں کے علاوہ فاروق اعظم سے راضی تھے اُن کی عادت اور اُن کے انصاف کی نہایت تعریف کرتے تھے تیرہ صدیاں گزر گئیں لیکن عمر کا انصاف ضرب المثل ہے چنانچہ سیرۃ العمرین مشہور ہے. عمرین سے مراد عمر بن خطاب اور عمر بن عبدالعزیز ہیں جیسا کہ اہل علم اور محدثین یعنی امام احمد

وغیرہ کا قول ہے مگر اہل لغت یعنی ابوعبیدہ کا قول ہے کہ عمرین سے مطلب ابوبکر صدیق اور عمر ہیں بہر حال کچھ ہومگر یہ تو ثابت ہوگیا کہ عمر بن خطاب دونوں صورتوں میں داخل ہیں خوب سمجھ لیجئے کہ اپنے حاکم کے حق میں رعیت کی شہادت خود حاکم کے اپنے لئے شہادت دینے سے بدرجا افضل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا. یعنی اور اسی طرح ہم نے تمہیں اوسط درجہ کی امت بنایا تاکہ تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بنو اور تم پر رسول گواہ بنیں. صحیحین میں حضور انور سے مروی ہے کہ ایک دن آپ کے پاس سے ایک جنازہ نکلا لوگوں نے جو وہاں موجود تھے اس کی بہت تعریف کی کہ یہ بڑا نیک آدمی تھا. اس پر حضور انور نے فرمایا وجبت وجبت پھر ایک اور جنازہ نکلا اس کی لوگوں نے بُرائی کی کہ یہ شخص اپنی زندگی میں اچھا نہیں تھا. اس پر بھی حضور انور ﷺ نے وہی الفاظ دہرائے۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ان الفاظ کا کیا مطلب ہے حضور انور ﷺ نے فرمایا جس کی تم نے تعریف کی تھی اُس کی نسبت میں نے کہا تھا کہ اس پر جنت واجب ہوگئی اور جس کی تم نے بُرائی کی تھی اُس کی نسبت میں نے کہا تھا کہ اس کے لئے دوزخ واجب ہوگئی کیونکہ زمین میں تم اللہ کے گواہ ہو. مسند میں حضور انور سے مروی ہے آپ نے صحابہ سے فرمایا تھا کہ اہل جنت اور اہل دوزخ کو تم آپ ہی معلوم کرلیا کروگے عرض کیا گیا یارسول اللہ کس طرح حضور نے ارشاد کیا کسی کی تعریف ہونے اور کسی کی برائی ہونے سے یعنی جس کی لوگ تعریف کریں وہ جنتی ہے جس کی بُرائی کریں وہ دوزخی ہے. یہ سب جانتے ہیں اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ فاروق اعظم کی رعیت شرق وغرب سارے میں پھیل گئی تھی. اُن کی رعیت علی سے بدرجہ بہتر تھی اور علی کی رعیت فاروق کی رعیت کا ایک حصہ تھا اور باوجود اس کے فاروق اعظم کے انصاف زہد اور سیاست کی سب تعریف وتعظیم کرتے ہیں اور اُمت مرحومہ میں یکے بعد دیگرے ہر زمانہ کے لوگ آپ کی انصاف شعاری آپ کی پاکبازی راستبازی، عدل وانصاف، رعب وداب جبروت انتظام جہانداری اور زہد وسیاست کی تعریف کرتے چلے آرہے ہیں یہ کہیں سے بھی نہیں معلوم ہوتا کہ کسی نے اس بارہ میں طعن کیا ہو لطف تو یہ ہے کہ رافضیوں نے بھی فاروق اعظم کی ان صفات میں طعن نہیں کیا خود حضرت علی اور آپکی اولاد

فاروق اعظم کی بڑی مداح رہی مگر جو جو زمانہ گزرتا گیا اور حضرت علی کو انسانی دائرہ سے نکال کے پیغمبری بلکہ خدائی مرتبہ دینا شروع کیا تو زبردستی کے الزام فاروق اعظم کے سر پر چپیک دیئے بس اس تمام شور وشر کی یہ کہانی ہے اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کو لو وہ سب حضرت علی سے محبت رکھتے ہیں اُنکی ولایت کے قائل ہیں اور اس بات کی صاف شہادت دیتے ہیں کہ علی بے شک خلفائے راشدین اور ائمہ مہدمین میں سے تھے لیکن اسکا کیا علاج ہے کہ اُن ہی کی فوج اور اُن ہی کی رعیت نہ اُن پر پھروسہ رکھتی تھی. نہ اعتقاد اور خارجی تو اُنہیں کھلم کھلا کافر ہی کہتے تھے خارجیوں پر کیا مقرر ہے خود اُن کے اہلبیت اور غیر اہلبیت بھی اس بات کو علی الاعلان بیان کرتے تھے کہ واقعی علی نے انصاف نہیں کیا عثمان کے طرف داروں کا یہ قول ہے کہ علی اُن لوگوں میں ہیں جنہوں نے عثمان پر ظلم کیا ہے. خلاصہ کلام یہ ہے کہ علی کے انصاف کی مطلق وہ شہرت نہیں ہوئی جو فاروق اعظم کے انصاف کو نصیب ہوئی. بلکہ اس کے قریب قریب بھی تصور میں نہیں آ سکتی. اب ذرا انصاف سے غور کرنے کی بات ہے اور بغیر رو رعایت اس کا فیصلہ کیجئے کہ فاروق اعظم نے اپنے رشتہ داروں میں سے کسی کو کہیں کی حکومت نہیں دی اس کے برخلاف حضرت علی نے اپنے رشتہ داروں کو مختلف صوبے دیدئے تھے جنہوں نے رعایا کو اپنے ظلم وستم سے پیس دیا بیت المال کا سرکاری روپیہ کھا گئے تعیش یہاں تک بڑھا کہ رعایا کی سیکڑوں دوشیزہ لڑکیاں اپنے تصرف میں لے آئے جس کا خود حضرت علی نے بڑا اواویلا مچایا ہے. نہج البلاغتہ میں عاقل تو عاقل بلکہ معمولی عقل کا آدمی بھی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ علی کو عمر سے کچھ بھی نسب نہیں تھی بہ نسبت علی کے عمر بہت بڑے عادل اور خدا سے ڈرنے والے تھے اس سے صاف طور پر یہ ثابت ہو گیا کہ عمر, علی، سے بیشک افضل تھے عمر کی رعیت حالانکہ اُن سے راضی تھی مگر پھر بھی آپ مارے خوف کے کاپنے جاتے تھے کہ کہیں کسی پر ظلم نہ ہو جائے. اور علی اپنی رعیت کے شاکی تھے یہاں تک کہ اُسے ظالم کہتے تھے اُس کے حق میں بددعائیں کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں ان لوگوں کو دل سے بُرا جانتا ہوں اور یہ مجھے دل سے بُرا جانتے ہیں. میں ان سے اُکتا گیا ہوں اور یہ مجھ سے اُکتا گئے ہیں. آپ اکثر فرمایا کرتے تھے **الھم فابدلنی بھم خیرا مھنم وابد لھم بی شرامنی** یعنی الٰہی ان کے بدلہ مجھے ان سے بہتر

لوگ عطا کر اور میرے بدلہ انہیں مجھ سے بھی بُرا شخص دے.

کاغذ، قلم، دوات کا قصہ: یہ قصہ کئی صدی سے تمام دنیا میں گشت لگا رہا ہے کہ حضور انور نے وفات کے وقت کاغذ قلم دوات مانگی اور فاروق اعظم نے یہ کہہ کے ٹال دیا کہ ہمیں اللہ کی کتاب بس ہے اسکا صاف اور صریح جواب بارہا ہو چکا ہے. مگر پھر بھی جواب سے لاجواب ہو کے جب کبھی موقع ہوتا ہے رافضی یہ قصہ لے بیٹھتے ہیں اور بیچارے ان پڑھ لوگوں کو ورغلاتے ہیں.

جواب: فاروق اعظم کا علم و فضل اس قدر ثابت ہے کہ سوائے صدیق اکبر کے اور کسی کے لئے ثابت نہیں ہے چنانچہ صحیح مسلم میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے وہ حضور انور سے روایت کرتی ہیں آپ فرماتے تھے کہ تم سے پہلی امتوں میں محدث لوگ ہوئے ہیں مگر میری امت میں اگر کوئی محدث ہے تو وہ عمر ہے. بن وہب کہتے ہیں کہ محدثین کے معنی ملہمین کے ہیں یعنی جن لوگوں کو الہام ہوتا ہوا نہیں مُلہمین کہتے ہیں پھر ملاحظہ ہو بخاری جس نے ابو ہریرہ سے روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں حضور نے فرمایا کہ تم سے پہلے جو اُمتیں گزر چکی ہیں اُن میں محدث لوگ تھے مگر میری امت میں اگر کوئی محدث ہے تو عمر بن خطاب یقیناً محدث ہے۔ پھر بخاری کی ایک روایت میں یہ ہے کہ تم سے پہلے بنی اسرائیل میں بہت سے آدمی ہوئے ہیں جو بلا پیغمبر ہوئے لوگوں کو اس قسم کی باتیں بتیلایا کرتے تھے جیسا کہ پیغمبر بتلاتے تھے مگر میری امت میں اگر ایسا کوئی شخص ہے تو وہ عمر ہے. صحیح میں ابن عمر سے مروی ہے انہوں نے کہا حضور نے ایک دن فرمایا کہ میں سو رہا تھا یکایک میں نے دیکھا کہ کوئی میرے پاس دودھ کا ایک پیالہ لایا میں نے اُس میں سے اتنا پیا کہ اسکی سیرابی اور تر و تازگی مجھے اپنے ناخنوں سے نکلتی ہوئی معلوم ہونے لگی، پھر بچا ہوا میں نے عمر بن خطاب کو دے دیا. صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے اسکی تعبیر کیا لی فرمایا علم. صحیحین میں ابو سعید سے مروی ہے انہوں نے کہا حضور انور نے ارشاد فرمایا میں سو رہا تھا میں نے خواب دیکھا کہ لوگ میرے سامنے پیش کئے جاتے ہیں وہ سب قمیص پہنے ہوئے ہیں بعض کی قمیص سینا تک ہیں بعض کے اُسکے کسی قدر نیچی تھی مگر عمر جو آئے تو اُن کی قمیص اس قدر نیچی تھی کہ وہ اُسے گھسیٹتے ہوئے چلتے تھے صحابہ نے عرض کیا یا رسول آپ نے اسکی تعبیر کیا لی فرمایا دین. صحیحین میں ابن عمر سے مروی ہے وہ کہتے ہیں فاروق اعظم

فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے پروردگار کی تین باتوں میں موافقت کی ہے پہلی مقام ابراہیم میں دوسری پردہ کے بارے میں اور تیسری بدر کے قیدیوں کے بارے میں. بخاری نے انس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں حضرت فاروق اعظم فرماتے تھے کہ میں نے اپنے پروردگار کی تین باتوں میں موافقت کی ہے یا یہ فرمایا تھا کہ میرے پروردگار نے میری تین باتوں میں موافقت کی ہے کیونکہ میں نے حضور انور سے یہ عرض کیا تھا یا رسول اللہ آپ مقام ابراہیم کو مصلےٰ بنالیں تو اچھا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى اور میں نے کہا تھا یا رسول اللہ آپ کے پاس اچھے اور بُرے سب طرح کے آدمی آتے ہیں لہذا آپ امہات المومنین کو پردہ کرنے کا حکم دے دیں تو اچھا ہے. اس پر اللہ نے پردہ کی آیت نازل فرمائی میں نے سنا تھا کہ حضور انور ﷺ کی بعض بیبیاں آپ کو کچھ ناراض رکھتی ہیں اُن کے پاس گیا اور میں نے کہا کہ کیا تم اس عادت سے باز آجاؤ ورنہ اللہ تعالے اپنے رسول کو تم سے بہتر بیبیاں عطا کردے گا. اس پر ایک بی بی نے مجھے یہ جواب دیا تھا کہ کیا رسول اللہ اپنی بیبیوں کو آپ نصیحت نہیں کرسکتے جو تم اُنہیں نصیحت کرنے آئے ہو اُس وقت اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ. کاغذ کے قصہ کے متعلق صحیحین میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ حضور نے اپنی بیماری میں مجھ سے فرمایا تم اپنے باپ اور بھائی کو میرے پاس بلالاؤ کہ میں ایک تحریر لکھدوں کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کوئی اور کچھ تمنا نہ کرنے لگے اور کہے سب سے بہتر میں ہی ہوں اللہ تعالی اور سب مسلمان تو ابوبکر کے سوا اور کا فرا نکار ضرور ہی کردیں گے۔ صحیح بخاری میں قاسم بن محمد سے مروی ہے وہ کہتے ہیں ایک دن عائشہ صدیقہ نے سخت تکلیف میں کہا وارا ساہ یعنی میرے سر میں بہت درد ہے. اس پر حضور نے فرمایا اگر میری زندگی میں وفات ہوجائے تو میں تمہارے لئے استغفار کروں اور تمہارے حق میں دعا کروں اس پر عائشہ صدیقہ نے (مسکرا کر بطور تمسخر کے) یہ عرض کیا کہ آپ تو میرا مرنا ہی چاہتے ہیں اگر میں مرگئی تو آپ کسی دوسری بی بی کو میری جگہ کریں لیں گے. اس پر حضور نے فرمایا نہیں عائشہ صدیقہ یہ بات نہیں ہے مگر "وارساہ" بیماری میں تو میں خود گرفتار ہوں میں نے پختہ ارادہ کرلیا ہے کہ ابوبکر اور اُن کے بیٹے کے پاس کس کس کو بھیجوں گا کہ نئی نئی آرزو رکھنے والے کچھ

اور نہ کر بیٹھیں اللہ تو اُنہیں دفع ہی کر دیگا اور سب مسلمان بھی اُن سے انکار کر دیں گے۔ صحیح مسلم میں ابن ابی ملیکہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے عائشہ صدیقہ سے سُنا یہ اُسوقت کا ذکر ہے جب اُن سے کسی شخص نے سوال کیا تھا کہ اگر رسول اللہ کسی کو خلیفہ کرتے تو کسے کرتے فرمایا ابوبکر کو اس نے پوچھا ابوبکر کے بعد فرمایا عمر کو اس نے کہا پھر عمر کے بعد فرمایا ابوعبیدہ عامر بن جراح پھر آپ نے کچھ نہیں فرمایا۔ رہا حضرت عمر کو شک پیدا ہو جانا کہ حضور بیماری کی گھبراہٹ میں فرما رہے ہیں یا واقعی آپ کا منشا یہ ہے کہ کچھ بڑی بات نہیں ہے مگر یہ بات کہیں سے بھی ثابت نہیں ہوتی۔ نہ کسی کتاب سے نہ حاضرین کی شہادت سے یعنی وہ لوگ جو اُس وقت حضور انور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے انہوں نے متفق ہو کے یہ شہادت دی ہو کہ حضرت عمر نے دوات قلم کاغذ مانگنے پر یہ کہا ہو کہ ہمیں کتاب اللہ بس ہے تحریر کی کیا ضرورت ہے اور اگر ہم فرض کرلیں کہ فاروق اعظم نے کہا تو اُس وقت علی کہاں گئے تھے جو فوراً دوات قلم کاغذ لے آتے اور حضور سے لکھوا لیتے بہر حال حدیوں کی روایتوں کے بموجب یہ بات ہر طرح ماننی پڑے گی کہ اگر حضور نے درحقیقت دوات قلم کاغذ مانگا تھا تو صرف وہی رقعہ لکھنے کے لئے مانگا تھا جسکا ذکر خود ہی آپ نے عائشہ صدیقہ سے کیا تھا جب آپ نے دیکھا کہ لوگوں کو شک پڑ گیا ہے تو آپ سمجھ گئے کہ اس رقعہ سے یہ شک رفع نہیں ہوگا لہٰذا اس کے تحریر کرنے سے کوئی فائدہ نہیں اور آپ کو یقین ہو گیا کہ اللہ تعالےٰ سب مسلمانوں کو اسی پر قائم کر دے گا جو میں نے ارادہ کیا ہے چنانچہ آپ نے صاف طور پر فرما بھی دیا تھا کہ اللہ اور سب مسلمان ابوبکر کے سوا سب کا انکار کر دیں گے۔ اس قصہ میں یہ بھی بیان ہے کہ ابن عباس جو اُس وقت ایک صغیر سن بچے تھے اور جس کی تنہا روایت پر جو خبر احاد کا مرتبہ رکھتی ہے تمام دنیا میں قلم کاغذ دوات کے قصے کا یہ شور و غوغا مچا ہوا ہے۔ وہی صاحبزادے کہتے ہیں کہ سب سے بڑی مصیبت ہم پر وہی تھی جو حضور انور اور آپ کے اس کتاب لکھنے کے درمیان میں حائل ہوگئی تھی۔ اُسکا جواب سُنیے! اگر صاحبزادے کی اس بات کو تسلیم کرلیں تو یہ مصیبت اُن لوگوں کے حق میں بیشک تھی جو صدیق کی خلافت میں شک رکھتے تھے بے شک اگر اس وقت وہ کتاب ہوتی تو یہ سارے شک اور شبہ بالکل جاتے رہتے لیکن جن لوگوں کو یہ یقین تھا کہ ابوبکر کا خلیفہ ہونا بے شک حق ہے تو اُن کے لئے کچھ بھی

مصیبت نہ تھی وللہ الحمد۔اب سُنیئے ! اگر کوئی بیوقوف آدمی یہ وہم کرے کہ یہ تحریر علی کی خلافت کے بارے میں تھی تو یہ شخص باتفاق تمام لوگوں کے خواہ مسلمان علما ہوں خواہ رافضی علماء ہوں یقینی گمراہ ہے اہل سنت یعنی مسلمانوں کے نزدیک تو اس لئے کہ ابوبکر کی تفصیل اور تقدیم پر ان سب کا اتفاق ہے یعنی سب اہل سنت علی سے ابوبکر کو افضل اور مقدم سمجھتے ہیں۔اب رہے شیعہ یا رافضی تو وہ اس بات کے سب قائل ہیں کہ امامت اور خلافت کے مستحق علی ہی تھے۔اور کہتے ہیں کہ علی کی امامت پر اس سے پہلے ہی حضور انور نے نصِ جلی ظاہر ومعروف فرمادی تھی تو جب یہ بات ہے تو اس تحریر کی علی کی خلافت کیا امامت کے لئے کچھ ضرورت نہ رہی۔اب اگر کوئی یہ کہے کہ اس معلوم ومشہور نص کا تو امت نے انکار کردیا تھا تو اسکا جواب یہ ہے کہ پھر اس تحریر کا چھپالینا تو نہایت ہی آسان بات تھی جو چند ہی آدمیوں کے سامنے لکھی جاتی ہے۔اس کے علاوہ کسی ضروری بات کے بیان کرنے کو مرض موت تک مؤخر کرنا تو اُن کے نزدیک جائز ہی نہیں ہے اور نہ کسی کے شک کرنے کی وجہ سے حضور انور کو اس تحریر کا چھوڑ دینا جائز تھا پس آپ جو کچھ اس کتاب میں لکھتے تھے اور وہ ایسا مضمون تھا کہ اُس کا بیان کرنا اور لکھ دینا واجب تھا تو حضور اُس کو ضرور بیان کرتے اور لکھدیتے اور کسی کے کہنے کی طرف آپ توجہ بھی نہ کرتے کیونکہ آپ اللہ کی ساری مخلوق سے زیادہ مطیع اور فرمانبردار تھے۔

اب سنو! جب آپ نے اس کتاب یا تحریر کو چھوڑ دیا تو اُس سے یقینی طور پر معلوم ہوگیا کہ یہ کتاب ضروری نہ تھی اور نہ اس میں دین کی کوئی ایسی بات تھی کہ اس کا تحریر کرنا اس وقت ضروری تھا۔کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپ اُسے ضرور ہی کر گزرتے اور اگر مان بھی لیا جائے کہ فاروق اعظم کو کسی بات میں شبہ ہوگیا پھر وہ بات آپ کو معلوم ہوگئی تو یہ اُن لوگوں سے بڑھ کر نہیں ہے جو اپنے اجتہاد سے فتویٰ دیتے اور مقدمات کے ایسے فیصلے کرتے تھے کہ حضور انور ﷺ نے اُن کے خلاف حکم دیا تھا مگر حضور انور کا حکم دینا اُنھیں معلوم نہ ہوا۔کیونکہ حق میں شک اور شبہ ہونا اس سے بہت کم درجہ کا ہے۔کہ اس کے خلاف پر کسی کو یقین ہوجائے۔یہ سب اجتہادی امور میں اس کی انتہا صرف اس پر ختم ہوتی ہے کہ اسے ایک ایسی خطا قرار دے دی جائے کہ جس کا مواخذہ کرنا اللہ تعالیٰ نے معاف کردیا ہے۔جیسا کہ علی نے اُس حاملہ عورت کے بارے میں جس کا شوہر مرگیا تھا یہ حکم لگا دیا تھا کہ وہ عورت اُس

عدت کو پوری کرے جو دونوں عدتوں میں زیادہ ہو حالانکہ صحاح میں ہے کہ حضور انور ﷺ سے یہ بیان کیا گیا کہ ابوسنابل بن بعکک نے سبیعہ اسلمیہ کی بابت یہ فتویٰ دیا (جو حضور کے بعد علی نے دیا) تو آپ نے فرمایا کہ ابوسنابل جھوٹا ہے اُس نے غلط فتویٰ دیا سبیعہ کی عدت پوری ہو چکی وہ جس سے چاہے نکاح کرلے۔ اب دیکھنا چاہیے کہ حضور نے اُسے جھوٹا فرمایا جس نے یہ فتویٰ دیا تھا ابو سنابل کوئی مجتہد لوگوں میں سے نہ تھا اور نہ اُسے حضور انور کے ہوتے یہ فتویٰ دینا چاہیے تھا اب رہے علی اور ابن عباس یہ دونوں بھی یہی فتوے دیتے تھے لیکن یہ انکی اجتہادی غلطی اور حضور انور کی وفات کے بعد تھا۔ ان دونوں یعنی علی اور ابن عباس کو سبیعہ کے قصے کی خبر نہیں ہوئی تھی۔ صرف نیت کو دیکھنا چاہیے اور نیت ہی پر سارا مدار ہے علی اور ابن عباس بے شک بے خبر تھے مگر انہوں نے بدنیتی سے فتویٰ نہیں دیا تھا۔ لہٰذا اُن سے کوئی مواخذہ نہیں ہوسکتا۔ علماء کا اختلاف فقط اس میں ہے کہ مصیب ہر مجتہد کو کہہ سکتے ہیں یا نہیں۔ اس بارے میں قول فیصل یہ ہے کہ مصیب کے اگر یہ معنی ہیں کہ اللہ اور اللہ کے رسول کا مطیع ہو تو ہر مجتہد اپنی طاقت کے موافق اللہ سے ڈرتا ہے لہٰذا وہ اللہ کا اور اللہ کے رسول کا مطیع ہے خود اللہ تعالیٰ نے اس کا فیصلہ کر دیا ہے جہاں ارشاد ہوتا ہے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَهَا یعنی اللہ ہر ایک نفس کی وسعت سے زیادہ اُسے تکلیف نہیں دیتا اور یہ مجتہد نفس الامری حق کے پہچاننے اور معلوم کرنے سے عاجز ہیں اس لئے یہ حکم اُن کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر مصیب سے وہ عالم مراد ہے جو اللہ کے نفس الامری حکم کو جانتا ہو تو اس معنی کا مصیب بے شک ایک ہی ہوگا۔ کیونکہ نفس الامر میں حق ایک ہی ہے۔ اِسی طرح علی کا مفوضہ کی بابت یہ حکم لگا دینا ہے کہ اس کا مہر مرنے سے جاتا رہتا ہے باوجود یہ کہ واشق کی بیٹی بروع کے بارے میں حضور انور نے یہ حکم دیا تھا کہ اسکو اور عورتوں کے مطابق ضرور مہر ملے گا۔ اور ایسا ہی علی کا ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کا پیغام دینا ہے یہاں تک کہ حضور انور اُن سے ناراض ہو گئے اور آپ کو بہت غصہ آ گیا تو علی اس سے رک گئے تھے پھر اسی طرح کا حضرت کو جواب دینا کہ جو آپ نے علی کو اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تہجد کی نماز پڑھنے کے لئے کہا تو علی نے تقدیر سے حجت کی قصہ یہ ہے کہ حضور انور نے یہ فرمایا کہ کیا تم دونوں تہجد کی نماز پڑھتے ہو تو اس پر علی بولے کہ ہم تو ہر طرح سے اللہ کے قبضہ میں ہیں ہم خود کس طرح

اٹھیں جب وہ ہمیں اُٹھانا چاہتا ہے اُٹھا دیتا ہے حضور یہ سُن کے بہت ہی چیں بہ چیں ہوئے اور آپ کو اس قدر غصہ آیا کہ آپ اپنی رانوں پر دو ہتڑ امارتے ہوئے پیٹھ پھیر کر چل دیئے اور آپ فرماتے تھے وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا. یعنی انسان سب سے زیادہ جھگڑا کرنے والا ہے. اس قسم کی مثالوں سے حضرت علی پر جو کچھ اعتراض نہیں کر سکتے کیونکہ وہ مجتہد تھے جب انہیں حق ظاہر ہو گیا تو انہوں نے اپنے پہلے قول یا فتوے سے رجوع کر لیا. اسی طرح حضرت عمر کو بھی سمجھنا چاہیے. جس طرح حضرت علی پر اعتراض نہیں ہو سکتا. اسی طرح آپ پر بھی نہیں ہو سکتا. کیونکہ آپ بھی مجتہد تھے جب انہیں کسی امر میں حق معلوم ہو جاتا تھا وہ خود رجوع کر لیتے تھے. مگر یاد رکھو جن امور سے حضرت علی کو رجوع کر لینا ضروری تھا. وہ اُن امور سے بے شمار زیادہ ہیں جن سے فاروق اعظم کو رجوع کرنا چاہیے تھا. یہ بات صاف طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت عمر نے اکثر امور سے رجوع کر لیا تھا اُن کے مقابلہ میں حضرت علی نے فقط چند ہی امور سے رجوع کیا اور وہ امور جن پر حضرت علی مرتے دم تک قائم رہے بہت ہیں. مثلاً انہوں نے یہ فتویٰ دے رکھا تھا کہ جس حاملہ کا خاوند مر جائے تو وہ دونوں عدتوں میں بڑی عدت گزارے. اسی طرح مفوضہ جب اس کا شوہر مر جائے تو مہر نہیں لے سکتی. عَلٰى هٰذَا القیاس نحیرہ. وہ عورت جس کو اس کے شوہر نے اختیار دے دیا ہو. کہ وہ خود اس کی زوجہ رہے یا نہ رہے) کی بابت حضرت علی کا یہ فتویٰ تھا کہ شوہر کے اختیار دینے سے اُسے طلاق ہو جاتی ہے۔ حالانکہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے اپنی ساری بیبیوں کو اختیار دے دیا تھا. اور اس اختیار سے کسی کو بھی طلاق نہ ہوئی. غرض ایسے بہت سے مسئلے ہیں جن میں حضرت علی کی کھلم کھلا اجتہادی غلطی پائی جاتی ہے دیکھو امام شافعی کی کتاب ''اختلاف علی وعبد اللہ'' میں یہ ساری باتیں موجود ہیں اور وہی مسئلہ محمد بن نصر مروزی کتاب ''رفع الیدین فی الصلوۃ'' میں ذکر کئے ہیں. اور یہی مسائل اُن کتابوں میں بھی موجود ہیں جن میں صحابہ کے اقوال مع سند اور بلا سند کے درج ہوئے ہیں. مثلاً مصنف عبدالرزاق، سنن سعید بن منصور، مصنف وکیع، مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ، سنن اثرم، مسائل حرب عبداللہ بن احمد وصالح. ان کے علاوہ ابن منذر، ابن جریر طبری، ابن نصر اور ابن حزم کی کتابیں موجود ہیں جن میں اس قسم کے مسائل بہت سے پائے جاتے ہیں.

فاطمہ کی بددعا اور فدک کے پروانہ کا قصہ: رافضی کہتے ہیں کہ جب فاطمہ نے فدک کے معاملہ میں ابوبکر کو نصیحت کی اور قائل کیا تو ابوبکر نے ایک رقعہ لکھ کے اُنہیں دیدیا تھا وہ رقعہ لیکر باہر نکلی تھیں کہ عمر بن خطاب مل گئے اور انہوں نے وہ رقعہ لے کے چاک کر ڈالا. اس کے علاوہ عمر نے خدائی قانون کو چھوڑ دیا تھا مثلاً مغیرہ بن شعبہ پر حد جاری نہیں کی. حالانکہ وہ حد مارے جانے کے قابل تھا. اسکے علاوہ بیت المال سے نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کو ضرورت سے زیادہ دیتے تھے اور عائشہ وحفصہ کو دس ہزار درہم سالانہ دیتے تھے اور جلاوطنوں کے بارے میں حکم الٰہی کو بدل دیا تھا اور احکام سے بہت ہی کم واقف تھے. فقط

جواب: صدیق اکبر پر رقعہ لکھنے کا بہتان سخت شرمناک، غلط اور محض بے بنیاد ہے علمائے حدیث میں سے کسی نے بھی اسے ذکر نہیں کیا. اس رقعہ لکھنے کی کہیں سند معلوم ہوتی ہے. یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ایسی خیالی اور اٹکل پچو باتوں سے ایسے جلیل القدر صحابی مثلاً صدیق اکبر پر کوئی الزام قائم نہیں ہوسکتا. ہم اس پر اس لئے بحث نہیں کرتے کہ اس چانڈوخانہ کی گپ کا جواب سوائے اسکے ہمارے پاس اور کچھ نہیں ہے کہ وہ محض غلط ہے. اب رہا حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو بددعا دینا اور اس بددعا کے اثر سے ابولولو مجوسی کا فاروق اعظم کو قتل کرنا ایسا مضحکہ خیز اور بیہودہ استدلال ہے جس کی نظیر نہیں مل سکتی. حضرت بی بی فاطمہ نے کبھی فاروق اعظم کو بددعا نہیں دی. اسے اچھی طرح سمجھ لو کہ ابولولو مجوسی کا یہ فعل ابن ملجم کے اُس فعل سے جو اُس نے حضرت علی کے ساتھ کیا تھا کہیں افضل ہے. کیونکہ ابولولو مجوسی کافر مطلق تھا اس کا فاروق اعظم کو قتل کرنا ایسا تھا جیسا کوئی کافر مسلمان کو قتل کرتا ہے اور یہ شہادت اُس شہادت سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہے جو ایک مسلمان کے ہاتھ سے ہو. کافر کے مقتول کا درجہ مسلمان کے مقتول سے بہت ہی بڑھا ہوا ہے. اور تماشا دیکھئے کہ ابولولو مجوسی نے فاروق اعظم کو حضرت بی بی فاطمہ کے انتقال کے ایک عرصہ کے بعد قتل کیا تھا. پھر یہ کیونکہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ آپ کا شہید ہونا اسی بددعا کی وجہ سے تھا اور یہ تو کوئی بددعا بھی نہیں ہوئی بلکہ دعا خیر سمجھنی چاہیے کہ ایک کافر مسلمان کو قتل کرے. اسی قسم کی بددعائیں حضور انور ﷺ نے اپنے صحابہ کے حق میں کی ہیں. مثلاً آپ فرمایا کرتے تھے یغفر اللہ الفلاں جب کسی کے لئے آپ ایسی دعا کرتے تو وہ شہید کر

ڈالا جایا کرتا تھا. رافضیوں کی اس ہرزہ سرائی اور دریدہ دہنی کے مقابلہ میں اگر کوئی یہ کہے کہ اہل صفین اور خوارج پر چونکہ حضرت علی نے ظلم کیا تھا. اور اس سخت ظلم کو برداشت نہ کر کے انہوں نے حضرت علی کو بد دعادی اس لئے ابن ملجم نے اُن کا کام تمام کر دیا تو کیسی بنے گی؟ فدک کے متعلق گزشتہ صفحات میں مفصل بحث ہو چکی ہے. یہاں صرف اسی قدر ہمیں دکھانا ہے کہ فاروق اعظم کی کوئی ذاتی غرض فدک میں نہ تھی. نہ اُنہوں نے اسے اپنے لئے لیا نہ اپنے کسی قرابت دار کے لئے نہ کسی اپنے دوست کے لئے نہ اہل بیت کو محروم رکھنے میں اُن کا کوئی مطلب تھا فاروق اعظم اہلبیت کی اتنی تعظیم کرتے تھے کہ عطا میں اُنہیں سب سے مقدم رکھتے تھے اور سب لوگوں سے افضل سمجھتے تھے یہاں تک کہ جب عطا کا محکمہ قائم ہوا اور لوگوں کے نام لکھے گئے تو محرروں نے فاروق اعظم سے کہا کہ اول ہم آپ کا نام لکھیں گے فرمایا ہر گز نہیں سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں کے نام لکھو اور عمر کو تو وہیں رکھنا جہاں اُسے اللہ نے رکھا ہے چنانچہ اس رجسٹر میں اول بنی ہاشم کے نام درج کئے گئے اور اُن کے ساتھ ہی بنی عبدالمطلب کے نام لکھے گئے کیونکہ حضور انور ﷺ نے فرمایا تھا کہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو ایک ہی سمجھنا چاہئے اس لئے کیونکہ انہوں نے نہ ہمارا ساتھ جاہلیت میں چھوڑا نہ اسلام میں پھر عباس، علی، حسن، حسین کو مقدم رکھا اور ان کا حصہ ان سب سے زیادہ رکھا جو اور تمام خاندانوں میں اتنا حصہ کسی کا نہ تھا اور نہ بات بھی زیادہ غور طلب ہے کہ اس عطا میں خود فاروق اعظم نے اپنے صاحبزادہ عبداللہ سے اُسامہ بن زید کو مقدم رکھا اس پر عبداللہ کو غصہ آ گیا اُس نے خفا ہو کر اپنے باپ فاروق سے کہا کہ تم اسامہ بن زید کو مجھ پر کیوں مقدم رکھتے ہو اس کا جواب حضرت فاروق اعظم نے یہ دیا. بیٹا خفا ہونے کی بات نہیں ہے انصاف اسی کا مقتضی ہے کیونکہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کو تم سے زیادہ اُسامہ سے محبت تھی اور تمہارے باپ کی نسبت اسکا باپ حضور انور کا زیادہ محبوب تھا. اب سمجھنے کی بات ہے کہ جو شخص رسول کے قرابت داروں اور آپ کے کنبہ والوں کی اس قدر رعایت کرتا ہو وہ آپ کی صاحبزادی بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا پر کیوں زیادتی کرنے لگا اور وہ بھی ایک تھوڑے سے مال کے لئے اسکے مقابلہ میں غور کرو کہ عمر فاروق بی بی فاطمہ کی اولاد کو اس سے کئی گنا زیادہ دیتے تھے اور اُن لوگوں کو بھی دیتے تھے جو حضرت بی بی فاطمہ کی نسبت حضور انور رسول اللہ ﷺ کے دور کے رشتہ دار تھے اور حضرت علی کا بھی ایک

معقول مشاہرہ مقرر کر رکھا تھا مغیرہ بن شعبہ پر حد نہ لگانے کا جو اعتراض رافضی نے کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مغیرہ بن شعبہ کے قصہ میں جو فاروق اعظم نے عمل کیا ہے اس پر سب علماء کا اتفاق ہے یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ اس قصہ میں کوئی شہادت ایسی نہیں پہنچی جس سے خفیف سا ثبوت بھی ہوتا ہو فرض کرو کہ اگر کسی نے اس میں کچھ خلاف کہا ہے تو وہ بھی اخیر جا کے اس پر متفق ہو گئے ہیں کہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے لہٰذا اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا. ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ عثمان کے قاتلوں سے علی کے قصاص نہ لینے اور ان پر حد نہ لگانے کی وجہ سے جو علی پر اعتراض ہوتا ہے وہ فاروق اعظم پر اعتراض ہونے سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے. پس جب علی پر اعتراض کرنے والا جھوٹا ہے تو فاروق اعظم پر اعتراض کرنے والا بدرجہ اولٰے جھوٹا ہوا. فاروق اعظم نے مغیرہ کے ساتھ جو کچھ کیا وہ سب صحابہ کی موجودگی میں کیا جن میں حضرت علی بھی حاضر تھے بلکہ اس معاملہ میں حضرت علی نے تو سب سے زیادہ حصہ لیا اس کی کیفیت یہ ہے کہ جب مغیرہ کے تین دفعہ حد میں کوڑے لگ چکے تو ابو بکرہ نے اُس پر پھر تہمت لگائی اور کہا قسم ہے اللہ کی اُس نے زنا کیا ہے اسکے کہنے پر فاروق اعظم نے پھر کوڑے لگانے کا قصد کیا اس پر حضرت علی مزاحم ہوئے اور کہا اے امیر المومنین اگر آپ کا منشاء اسکو دوبارہ کوڑے لگانے کا ہو کہ اُس سے یہ بہتر ہوگا کہ آپ اسے سنگسار کرنے کا حکم دیں. حضرت علی کا اس سے صاف مطلب یہ تھا کہ اگر ابو بکرہ کا یہ کہنا پہلا ہی ہے تو مغیرہ پر حد لگ چکی ہے اب دوبارہ کیوں لگے اور اگر آپ اُسے دوسرا قول سمجھتے ہیں تو نصاب چار کا پورا ہو چکا تو اُسے سنگسار کر دینا واجب ہے یہ سنتے ہی فاروق اعظم نے مغیرہ کو چھوڑ دیا. لہٰذا اس امر کی صاف دلیل ہے کہ فاروق اعظم کی پہلی حد لگانے پر حضرت علی راضی تھے دوسری حد لگانے پر راضی نہ تھے. فاروق اعظم کی تو یہ کیفیت تھی کہ اگر حضرت علی سے بھی کم درجہ کا شخص انہیں کسی بات پر ٹوکتا تھا اور قرآن و حدیث سے اُن پر حجت قائم کر دیتا تھا تو آپ فوراً اس کے قول کو مان لیتے تھے اور کبھی اپنے قول کو سچ نہیں کرتے تھے کیونکہ آپ کو اللہ کی کتاب کا سب سے زیادہ علم تھا. بخاری نے ابن عباس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں عیینہ بن حصین اپنے بھتیجے حر بن قیس کے پاس آیا. یہ حُر حضرت عمر کے مقرب مصاحبوں میں سے تھا) عیینہ نے اپنے بھتیجے سے کہا کہ تمہاری اس امیر سے رسائی ہے، لہٰذا مجھے اُن کے دربار میں حاضر ہونے کی اجازت دلوا دو اُس نے کہا اچھا میں تمہارے

لئے اجازت لے لوں گا۔ ابنِ عباس کہتے ہیں حر نے اپنے چچا کے لئے اجازت لے لی۔ چنانچہ عیینہ دربارِ فاروقی میں پہنچا اس نے (نہایت ہی کرختگی اور بدتہذیبی سے) فاروق اعظم سے کہا اے ابن خطاب اوہر دیکھو اللہ کی قسم تم ہمیں کچھ نہیں دیتے اور نہ تم ہم میں انصاف سے فیصلہ کرتے ہو۔ اس پر فاروق اعظم کو غصہ آ گیا قریب تھا کہ اسکی گردن ماردیں اُسی وقت حر نے فاروق اعظم کی طرف خطاب کر کے کہا اے امیر المومنین اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی برحق سے فرمایا ہے خُذِا الْعَفْوَ وَامُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ یعنی تم درگزر کرنا اختیار کرو اور لوگوں کو اچھی بات کا حکم دو اور جاہلوں سے اعراض کرو۔ میرا یہ بدتہذیب چچا آپ نے خود اندازہ کر لیا ہوگا کہ وحشی آدمیوں میں سے ہے۔ حُر کی زبان سے قرآن مجید کی یہ آیت سُن کے حضرت عمر بالکل خاموش ہو گئے اور کچھ نہیں کہا۔ بلاشک وشبہ فاروق اعظم کتاب اللہ سے خوب واقف تھے اور متواتر یہ ثابت ہے کہ فاروق اللہ کے معاملہ میں کبھی کسی ملامت وغیرہ کا خیال نہ کرتے تھے۔ ایک نہایت عبرت انگیز قصہ آپ کی نسبت مشہور ہے کہ مصر میں آپ کے ایک صاحبزادہ نے شراب پی لی اس پر عمرو بن عاص نے قانون شریعت کے بموجب اس عظیم الشان خلیفہ کے بیٹے کو حد لگائی مگر جب فاروق اعظم کو خبر ہوئی تو آپ سخت غضبناک ہوئے اور نہایت دھمکی اور غصہ کا خط عمرو بن العاص کو مصر بھیجا کہ تم نے میرے بیٹے کے ساتھ کیوں رعایت کی کہ اُس کو گھر میں بند کر کے حد لگائی جبکہ ایسے جرائم میں اور مسلمان علی الاعلان پٹا کرتے ہیں چنانچہ اسی فرمان میں آپ نے اُسے لکھا کہ میرے بیٹے کو فوراً مدینہ بھیج دے۔ چنانچہ بیٹا مدینہ پہنچ گیا اور آپ نے دوسری دفعہ سب کے سامنے اُسے پٹوایا۔ لوگوں نے بلکہ بالخصوص رافضیوں نے جو یہ مشہور کر رکھا کہ فاروق اعظم نے اپنے مرے ہوئے بیٹے پر حد لگائی۔ یہ فاروق اعظم پر بہت بڑا الزام ہے کہیں سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی میت کو مارنا کسی طرح جائز نہیں۔ غرض حدود کو قائم رکھنے اور معاملات الٰہی میں کسی کے بُرا بھلا کہنے کی ذرہ برابر پروا، نہ کرنے کی بابت حضرت عمر کی اس قدر خبریں ہیں جو یہاں بیان نہیں ہوسکتیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ مغیرہ بن شعبہ کے حد نہ لگانے میں فاروق اعظم کی کونسی غرض تھی کہ آپ اسکی وجہ سے رعایت کر جاتے حالانکہ تمام مسلمانوں کے نزدیک فاروق اعظم مثل اُسی سچی ہوئی ترازو کے ہیں جس پر پلڑہ نہ ادھر جھکتا ہو نہ اُدھر جھکتا ہو۔ پھر رافضیوں کا الزام کہ عمر حضور انور رسول

اللہ ﷺ کی ازواج ومطہرات کو بیت المال سے زیادہ دیتے تھے۔اور فقط عائشہ اور حفصہ کے دس ہزار درہم سالانہ مقرر کر رکھے تھے یہ گویا بہت بڑی فضول خرچی تھی۔اس کا جواب یہ ہے کہ بی بی حفصہ کو تو بہت کم مشاہرہ ملا کرتا تھا اس وجہ سے کہ وہ آپ کی صاحبزادی تھیں۔اسی طرح اپنے بیٹے عبداللہ کو بھی کم دیتے تھے۔ انصاف اور خوف وغیرہ میں یہ آپ کی انتہا درجہ کی احتیاط تھی اور آپ اس دینے میں اُسی کو فضیلت دیتے تھے جس میں خود فضیلت ہوتی تھی۔اس لئے مثل اور عورتوں کے ازواج ومطہرات کو زیادہ دیتے تھے۔ اسی طرح اور قبائل کے مقابلہ میں بنی ہاشم میں سے آلِ ابی طالب ہو اور آلِ عباس کو زیادہ دیا کرتے تھے۔یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ فاروق اعظم نے کسی ایسے لوگوں کو کچھ نہیں دیا جنکی آپ سے کچھ بھی محبت ہو اور کچھ بھی قرابت داری ہو محض اس لئے کہ آپ پر کوئی تہمت نہ لگائے کہ اپنے محبتوں اور قرابت داروں کو یہ دیتے تھے۔آپ اہبیت نبی کو سب سے مقدم سمجھتے تھے آپ کے بعد یہ طریقہ تو کسی نے بھی نہیں برتا حضرت عثمان نے نہ حضرت علی نے۔اب اگر کوئی شخص حضور انور کی ازواج کے فضیلت دینے میں فاروق اعظم پر اعتراض کرے تو اُسے اس پر بھی ضرور اعتراض کرنا چاہئے کہ آپ بنی ہاشم میں سے آلِ ابی طالب اور آلِ عباس کو کیوں زیادہ دیتے تھے۔ حالانکہ رافضی یہاں ساکت ہیں اور کچھ ہوں ہاں نہیں کرتے۔پھر رافضیوں کا یہ الزام کہ فاروق اعظم نے جلاوطنوں کے بارے میں حکم الٰہی کو بدل دیا تھا اُسکا جواب یہ ہے کہ اللہ کے حکم کو بدلنے کے تو یہ معنی ہیں کہ اُسکے خلاف کرے مثلاً جو بات اللہ نے واجب کی اسکو ساقط کر دے اور جو چیز اللہ نے حلال فرمائی اُسے حرام کر دے۔مگر جلاوطنوں کے بارے میں یہ معنی ہرگز نہیں چسپاں ہوتے کیونکہ شراب پینے پر جلاوطن کرنا اُس تعزیز میں داخل ہے۔جس میں اجتہاد جاری ہوتا ہے اور اُسکی تفصیل یہ ہے کہ حضور انور نے شراب کی کوئی سزا مقرر نہیں کی نہ اُسکی کوئی صفت بیان فرمائی کبھی آپ نے شرابی کو لکڑی سے پٹوایا کبھی اُس کے جوتے لگوائے اور کبھی کھجور کی بیدوں سے پٹوایا۔ ہاں تہمت لگانے اور زنا کرنے کی حد میں آپ آدمیوں کو کوڑوں سے پٹوایا کرتے تھے۔حضور کے ایک عرصہ کے بعد صحابہ اور فقہا نے تعداد مقرر کی مگر اس میں بھی بڑا اختلاف رہا کیونکہ صحابہ نے شراب پینے والے کو چالیس کوڑے بھی مارے ہیں اور اسی بھی فقہا کے اس میں دو قول ہیں بعض کہتے ہیں چالیس سے زیادہ مارنا حد واجب ہے جیسا امام ابوحنیفہ

اور امام مالک کا قول ہے اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا بھی یہی قول ہے. بعض کہتے ہیں کہ یہ حاکم کا اختیاری امرِ تعزیر ہے (تعزیراً اُسے کہتے ہیں جو حاکم موقع دیکھ کر کوئی جدید سزا تجویز کرے). چاہے حاکم اُسے جاری رکھے چاہے مصلحت دیکھ کے چھوڑ دے. یہ قول امام شافعی کا ہے اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا بھی ہے. فاروق اعظم نے کبھی شراب خوار کو سر منڈوانے کی سزا دی اور کبھی اُسے جلاوطن کر دیا جیسا آپ موقع دیکھتے تھے وہ کرتے تھے. یہ یقینی تعزیر ہی میں داخل ہے. حضور رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ شراب خور کو تیسری یا چوتھی دفعہ شراب پینے پر حضور نے قتل کرنے کا حکم دیا تھا. (یہ حدیث امام احمد و ترمذی وغیرہ نے روایت کی ہے) خلاصہ یہ ہے کہ جب جلاوطن کرنا خود حضور نے معیّن اور مقرر نہیں فرمایا بلکہ آپ حسبِ موقع مختلف سزائیں دیتے رہے پھر اسکی بابت یہ کوئی کیونکر کہہ سکتا ہے کہ جلاوطن کرنے کے حکم کو عمر نے بدل دیا تھا. رافضی یہ بھی منہ آتے ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ عمر احکام سے بہت کم واقف تھے کہ انہوں نے حاملہ عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دے دیا تھا اس پر علی نے اُن سے کہا اس عورت کے مار ڈالنے کا تمہارے پاس اگر کوئی جواب ہو بھی تو اس بچہ کے مارنے کا جو اس کے پیٹ میں ہے تمہارے پاس کوئی جواب نہیں ہو سکتا اس پر عمر اُس عورت کو سنگسار کرنے سے رُک گئے اور کہنے لگے کہ اگر علی نہ ہوتا تو عمر ہلاک ہو جاتا. اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ کہانی سچی بھی ہو تو اس سے فقط سمجھ میں آتا ہے کہ فاروق اعظم کو اُس عورت کے حاملہ ہونے کا حال معلوم نہ تھا کیونکہ حاملہ کا لفظ سنتے ہی جب وہ رُک گئے اور یہ کہا کہ میں ہلاکت میں پڑنے سے بچ گیا تو عقل اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ آپ اُس حمل سے واقف نہ تھے لہٰذا احکام سے عدم واقفیت کا الزام آپ سے بالکل جاتا رہتا ہے. حضرت علی کا یہ بتانا مثل اُس شہادت کے ہے جو جج کے آگے پیش ہوتی ہے. جج چونکہ معاملات اصلی سے بالکل ناواقف ہوتا ہے لہٰذا وہ شہادتوں سے اصل معاملہ کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور اُسی کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اِسی طرح بحیثیت ایک مجسٹریٹ کے حضرت عمر اُس عورت کے حمل سے ناواقف تھے حضرت علی نے اس امر کی شہادت دی کہ وہ عورت حمل سے ہے چنانچہ آپ نے فوراً اُس عورت کو سزا سے بری کر دیا اور ہاتھ تک نہیں لگایا. دوسری بات یہ ہے کہ یہ قیاس کیا جائے کہ یہ مسئلہ اُس وقت حضرت عمر کے ذہن سے نکل گیا تھا جب علی نے اُنہیں یاد دلایا تو یاد آ گیا اور اسی وجہ سے

وہ رُک بھی گئے یہ بھی ممکن ہے مگر اس سے حضرت عمر پر احکام کی ناواقفیت کا کوئی الزام نہیں قائم ہوتا تیسری بات یہ ہے کہ اگر تھوڑی دیر کے لئے ہم یہ فرض کرلیں کہ فاروق کو یہ مسئلہ معلوم ہی نہیں تھا اورعلی نے بتایا تو اس سے بھی کوئی نقص حضرت عمر کا ثابت نہیں ہوسکتا کیونکہ فاروق اعظم تمام مسلمانوں اور ذمیوں کا بندوبست رکھتے تھے. تمام حقوق ادا کرتے اور تمام حدود کو قائم رکھتے تھے. لوگوں میں فیصلے کرتے تھے اور اُن کے فیصلہ پر سب اپنی گردنیں جھکا دیتے تھے اُن کے زمانہ میں اسلام اس قدر پھیل گیا کہ اس سے پہلے ایسا نہیں تھا. اُن کے احکام اور فیصلے تمام اسلامی سلطنت میں جاری تھے اگر اُنہیں زیادہ علم نہ ہوتا تو ایسا کبھی نہیں کرسکتے تھے پس اگر ایک لاکھ حکموں میں سے ایک حکم اُنہیں معلوم نہیں ہوا، اور پھر کسی نے معلوم کرادیا آپ بھول گئے اور کسی نے یاددلایا تو اس میں بُرائی کی کونسی بات ہے.
ان کے مقابلہ میں اگر ہم حضرت علی پر خیال کرتے ہیں تو یہ بات ہمیں علی الاعلان کہنی پڑتی ہے اور تواتر سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے ہزار ہا مسائل حضرت علی کو اپنی زندگی میں معلوم نہیں ہوئے اور اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا. حضرت عمر کے علم اور انصاف کا تو کیا کہنا آج تیرہ سو برس کے بعد نہ صرف ایشیاء کی پُرانی دنیا میں بلکہ ترقی یافتہ یورپ اور نئی دنیا یعنی امریکہ فاروق اعظم کے علم وانصاف کی اِس قدر شہرت ہے کہ کیا اور کسی کی بھی نہیں آپ کا علم اور انصاف یہاں تک تھا اور آپ بچوں پر اس قدر مہربان تھے پہلے آپ نے چھوٹے بچہ کے لئے حصہ نہیں مقرر فرمایا تھا جب تک وہ دودھ نہ چھوڑ دے اور فرماتے تھے اُسے اُس کا دودھ ہی کافی ہے. پھر آپ نے سنا کہ ایک عورت آپ نے بچہ کا زبردستی دودھ چھڑاتی ہے تاکہ اُسے حصہ مل جائے اس پر آپ نے لوگوں میں منادی کرادی کہ امیر المومنین نے سب بچوں کا حصہ مقرر کردیا ہے. خواہ وہ دودھ پیتے ہوں یا نہ پیتے ہوں.
اب خیال کیجئے کہ اس بچہ کو ستانا اور پریشان کرنا اسکی ماں کا ایک لالچی اور وحشیانہ فعل تھا نہ کہ آپ کے فعل کی وجہ سے بچہ پر کوئی ظلم ہوا اس پر بھی آپ کی یہ رائے ہوئی کہ دودھ پیتے بچوں کیلئے حصہ مقرر کردیا جائے کہ اُن کی مائیں اُن کے ستانے سے باز آجائیں. پس آپ کا یہ احسان تمام مسلمانوں کی اولاد پر ہے. اس میں شک نہیں کہ جب سزا سے مجرم کا بچنا ممکن نہ ہو تو مجرم کو سزا کا دینا واجب ہے اور جب مجرم کو سزا نہ دینے میں اس فساد سے بڑھ کر لازم آتا ہے جو غیر مجرم کو عقوبت

دینے میں آتا ہو تو ایسے موقع پر بڑے فساد کو رفع کرنا ضروری ہے. چنانچہ بعض اہل طائف کو جب اُن کی سرکشی اور مظالم حد سے تجاوز کر چکے اور کسی طرح بھی وہ رستہ پر نہ آئے تو حضور انور ﷺ نے اپنے آدمیوں کو گوپے چلانے کا حکم دیا. وہ گوپیہ جس طرح مردوں کو لگتا تھا اُسی طرح عورتوں اور بچوں کو بھی لگتا تھا ایسی حالت میں یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ گوپیہ ہجوم میں اس طرح مارا جائے کہ وہ مردوں کے تو لگے اور عورتیں اور بچے اُس سے بچ جائیں. صحیحین میں یہ روایت ہے کہ صعب بن جثامہ نے حضور انور سے اُن مشرکوں کی بابت پوچھا جن پر شب خون مارنے کی تجویز ہو چکی تھی. عرض کیا گیا کہ اگر شب خون مارنے میں نادانستگی کی حالت میں بچوں اور عورتوں پر بھی زد آجائے تو اسکے متعلق کیا حکم ہے حضور نے فرمایا کہ ایسی حالت میں بچاؤ ممکن نہیں. اب یہ سمجھنے کی بات ہے کہ اگر کوئی حاملہ عورت معصوم جانوں اور محفوظ مالوں پر حملہ کر بیٹھے اور اسکے حملہ کا دفعیہ سوائے اُس کے مار ڈالنے کے اور کچھ نہ ہو تو عقل انسانی اور کسی ملک کا کوئی قانون اُس کے مار ڈالنے کو نہیں روک سکتا. اگر چہ اُسکے پیٹ کے اندر کا بچہ کیوں نہ مر جائے. پس جب یہ مان لیا گیا کہ فاروق اعظم نے یہ خیال کیا تھا کہ حدود کا قائم کرنا اسی قسم کا ہے کہ اُس میں تاخیر نہ کرنی چاہئے اور پھر آپ کو معلوم ہوا کہ اس قسم کا نہیں ہے تو یہ اُس فساد سے بڑی ہوئی بات نہیں ہوئی جو حضرت علی کی وجہ سے مسلمانوں میں پیدا ہوا. یقیناً یہ حضرت علی کی اجتہادی غلطی تھی اگر اُنہیں پہلے سے معلوم ہو جاتا کہ فساد یہاں تک بڑھے گا تو کبھی نہ کرتے۔

ایک اور الزام: رافضی عام طور پر فاروق اعظم پر ایک یہ الزام لگاتے ہیں کہ آپ نے ایک دفعہ ایک دیوانی عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیا. حضرت علی نے اس پر اعتراض کیا اور کہا کہ جب تک اسکے ہوش وحواس درست نہ ہو جائیں، وہ مرفوع القلم ہے. اُس سے مواخذہ نہیں ہوسکتا. اس پر عمر رُک گئے اور یہ کہا کہ اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا.

جواب: رافضیوں نے حدیث میں کچھ زیادہ کتر بیونت کر کے یہ الزام فاروق اعظم پر لگایا ہے. یہ بات سمجھنے اور غور کرنے کی ہے کہ کیا تو فاروق اعظم کی اس عورت کا دیوانہ پن معلوم نہ ہوگا اور اس

لاعلمی سے جو اُنہیں احکام شریعت کی تھی کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا یہ بھی ممکن ہے کہ آپ اسے بھول گئے ہوں گے پھر آپ کو یاد آ گیا ہوگا یا آپکو یہ ظاہر کرنا ہوگا کہ سب سزائیں دینی ضروری رفع کرنے کے ہوتی ہیں اور دیوانہ کو بھی اس لئے بھی سزا دیجاتی ہے تاکہ وہ اوروں پر زیادتی نہ کرے. زیادتی میں ضرور سزا دیجاتی ہے خواہ کوئی دیوانہ ہو یا نہ ہو زنا بھی زیادتی میں داخل ہے کیونکہ زنا اللہ کے اُن حدود میں سے ہے جو مکلف ہی پر قائم کی جاتی ہیں. اور شریعت میں نماز نہ پڑھنے پر بچوں کو سزا دینے کا حکم ہے چنانچہ حضور انور نے فرمایا ہے "**مروھم بالصلوۃ لسبع واضر بوھم علیھا لعشر فرقو بینھم فی المضاجع**" یعنی سات برس کی عمر میں اُنہیں نماز کے لئے کہو اور جب اُن کی دس برس کی عمر ہو جائے اور وہ نماز نہ پڑھیں تو) اُنہیں مارو اور علیحدہ علیحدہ سلانے لگو. اب سنو اگر دیوانہ کسی پر حملہ کرے اور وہ حملہ قاتلانہ ہو بغیر دیوانہ کے قتل کے اُسکا حملہ دفع نہ ہوسکے تو یقیناً وہ قتل کر دیا جائے گا. انسان تو انسان اگر کوئی چوپایہ بھی حملہ کرے اور بغیر اُسکے قتل کیے حملہ سے نجات نہ مل سکے تو اُسکے مارنے کی فوراً عقل شہادت دے دے گی. اگرچہ وہ جانور کسی کی ملکیت ہی کیوں نہ ہو. جمہور علماء کے نزدیک اس پر توان لازم نہیں آتا صرف امام اعظم رحمۃ اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ تاوان ضرور دینا پڑے گا. کیونکہ قاتل نے محض اپنے فائدہ کے لئے اُسے مارا ہے. اصل یہ ہے کہ غیر مکلف کو مار ڈالنا خواہ اُس میں دیوانہ ہو یا بچہ ہو یا چوپایہ ہو ایسی حالت میں کہ اسکا قاتلانہ حملہ ہو نص اور اجماع ہر طرح سے جائز ہے. اب رہی تین آدمیوں کے مرفوع القلم ہونے کی حدیث وہ تو صرف اس پر دلالت کرتی ہے کہ اُن کے ذمہ سے گناہ معاف کر دیا جاتا ہے. یہ بات نہیں ہے کہ ان پر حد بھی معاف ہو جائے ہاں ایک اور مقدمہ ملانے سے یہ معنی ہو جائیں گے اور وہ مقدمہ یہ ہے کہ کہا جائے جس پر قلم نہیں ہے اس پر حد بھی نہیں ہے تو اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ جو مرفوع القلم ہے اُس پر حد نہیں ہے لیکن یہ مقدمہ ملانا مشکل ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس شخص پر قلم نہیں ہے کبھی حد اُسکے لگائی جاتی ہے اور کبھی نہیں لگائی جاتی اور ان دونوں میں فیصل حکم لگانا ایک علم خفی کا محتاج ہے اسکے علاوہ اگر کوئی دیوانہ ایک عورت سے زبردستی زنا کرنے لگے اور بغیر قتل ہوئے وہ عورت کو نہ چھوڑے تو اُس

عورت پر فرض ہے کہ وہ اُس کو قتل کر ڈالے تمام دنیا اس سے مخالفت نہیں کر سکتی. اب سنئے! حضرت علی نے ایک دفعہ امیر معاویہ کے چند سپاہیوں کو قتل کر دیا. ان بیچاروں کو مطلق یہ نہیں معلوم تھا کہ ہمارا کیا قصور ہے تو اب سوال یہ ہے کہ کس قانون نے حضرت علی کے اس فعل کو جائز قرار دے دیا. اگر یہ کہا جائے کہ وہ خطا وار ہی تھے تو زیادہ سے زیادہ اُنکی خطا یہ ثابت ہو سکتی ہے کہ انہوں نے واجب اطاعت کو چھوڑ دیا تھا لیکن اُن میں اکثر ایسے آدمی تھے کہ اُنہیں بالکل یہ معلوم نہ تھا کہ حضرت علی کی اطاعت کرنی اُن پر واجب ہے یا نہیں بلکہ اسکے مقابلہ میں اُن کے پاس بہت سی تاویلیں اور شبہے ایسے تھے جو اس وجوہ کا اُنہیں علم ہونے سے صاف مانع تھے پس ایسے آدمیوں کا قتل کر دینا حضرت علی کے لئے کیونکر جائز ہوگا رافضی جبکہ حضرت علی کو معصوم مانتے ہیں. پھر بھی اُنکی ایسی باتوں سے کوئی نقص ان کی امامت میں تسلیم نہیں کرتے پھر فاروق کی امامت میں ایسی باتوں سے کیونکر نقص آ سکتا ہے. خصوصاً ایسے موقع پر کہ واجب کے ترک کرنے جنگ کرنا جیسا کہ حضرت علی نے کیا صرف اس صورت میں مشروع ہے کہ اُس واجب کے ترک کرنے کے فساد سے جنگ کرنے کا فساد بہت ہی کم ہو اور جنگ کرنے میں اس سے بہت ہی بڑی مصلحت ہو جو جنگ نہ کرنے میں ہے حالانکہ یہاں بالکل ہی اُلٹا قصہ ہے کیونکہ حضرت علی نے جو بعض اسلامی قبائل سے جنگ کی اُن جنگ سے وہ اطاعت بالکل حاصل نہیں ہوئی جو اس جنگ سے مطلوب تھی بلکہ ایسی لڑائیوں سے حضرت علی کے بہت سے مسلمان مخالف ہو گئے خود اُن کی فوج حضرت علی کی ایسی باتوں سے سخت نالاں تھی. اسی ناراضگی کی وجہ سے مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ اُن کی فوج سے علیحدہ ہو گیا جسکا نام بعد ازاں خارجی رکھا گیا. حالانکہ ان فسادوں سے پہلے یہی لوگ جنہیں خارجی کہہ کر پکارا جاتا ہے حضرت علی کے جان نثار اور فرمانبردار تھے. اور اگر رافضی یہ کہیں کہ حضرت علی اس بارے میں مجتہد تھے اور اُن کا یہ عقیدہ تھا کہ ہزاروں مسلمانوں کا خون بہانے کے بعد اُن کا مطلب حاصل ہو جائے گا. پھر اس خوفناک فعل کے بعد یہ مطلب بھی حاصل نہ ہوا تو بتاؤ ایسا اجتہاد ناقابل معافی جرم کی حد تک پہنچتا ہے یا نہیں حضرت فاروق اعظم پر صرف ایک شخص کے قتل کرنے کے لئے تو اتنا واویلا مچایا جاتا ہے حالانکہ اُس کے قتل

کرنے کی بڑی مصلحت یہ تھی کہ بدافعالیوں سے لوگوں کو سرزنش ہوگی لطف یہ ہے فاروق اعظم نے اس شخص کو بھی قتل نہیں کیا بلکہ اس کے قتل کا رادہ کر کے اُسے سلامت چھوڑ دیا.ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر یہ اعتراض کرنا اور اُنہیں طول دینا محض لغو اور بیہودہ بات ہے یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ حاکم کو حدود جزویہ کے احکام کے معلوم کرنے کی بہ نسبت سیاست کے اُن احکام کی زیادہ ضرورت ہے جو کلیہ ہوں فاروق اعظم پر یہ بات ہرگز پوشیدہ نہ تھی کہ مجنون مکلّف نہیں ہوتا. ہاں بحث یہ تھی کہ جو شخص مکلّف نہ ہو اُسے دفع فساد کے لئے سزا دے سکتے ہیں یا نہیں. سنئے! شریعت میں دفع فساد کے لئے بہت سی جگہ غیر مکلفوں کو سزا دی گئی ہے اور امن عامہ قائم رکھنے کے لئے عقل بھی یہی چاہتی ہے کہ سزا دی جائے. وہ لڑکا جسے خضر نے مار ڈالا تھا بالغ نہیں تھا. اور اُسے خضر نے صرف اس لئے مارا تھا کہ وہ اپنے والدین پر حملہ نہ کرے اور حضور کا یہ فرمانا رَفَعَ الْقَلَمَ عن الصبی حتی یحتلم و المجنون حتی یفیق و النائم حتی یسقیظ یہی چاہتا ہے کہ اُن کے ذمہ سے گناہ تو مرفوع ہو جاتا ہے. ہاں تاوان کسی صورت سے نہیں ٹل سکتا. اس پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے. اب اگر یہ تینوں کسی آدمی کو مار ڈالیں یا کسی کا مال تلف کر دیں تو یہ قطعی اس کے ذمہ دار ہوں گے اور ان سے تاوان دلانا واجب رہے گا. اب دوسری صورت لیجئے کہ جب کوئی ان میں سے چوری یا زنا یا رہزنی کرے تو انہیں سزا دیجائے گی. یہ ایک اور دلیل سے معلوم ہوا ہے جو اس حدیث سے بالکل الگ ہے اسی واسطے تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مجنون اور اُس لڑکے پر جسے کچھ تمیز نہ ہو عبادت بدنیہ نہیں جیسے نماز، روزہ، حج، مگر ساتھ ہی اُس کے اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اُن کے ذمہ مالی حقوق واجب ہیں جیسے نفقات اور جو چیزیں یہ خرید لیں اُن کی قیمتیں اُنہیں ادا کرنی لازمی ہیں. ہاں زکوۃ میں فقہا کا اختلاف ہے. مثلاً امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے کہ زکوۃ بھی مکلّف ہی پر واجب ہوتی ہے۔ جیسے نماز مگر جمہور علما مثلاً امام مالک، امام شافعی اور امام احمدؒ کا قول ہے کہ زکوۃ حقوق مالیہ میں سے ہے جیسے عشر اور عید الفطر کا صدقہ اس لئے بچوں پر زکوۃ دینی واجب ہے یہی قول جمہور صحابہ کا بھی ہے. اصل یہ ہے کہ جب غیر مکلّف کے حق میں واجبات بھی مشتبہ ہوں اسی طرح بعض سزائیں بھی مشتبہ ہیں کہ وہ انہیں دیجائیں یا نہ

دیجائیں کیونکہ بعض واجبات تو ایسے ہیں جو اُن کے ذمہ بالاتفاق واجب ہیں اور بعض ایسے ہیں جو اُن کے ذمہ بالاتفاق واجب نہیں. اور بعض مشتبہ میں بس اسی طرح سزاؤں کا بھی حال ہے کہ بعض موقعوں پر اُنہیں بالاتفاق سزا نہیں دی جاتی جیسا اسلام پر قتل کرنا کیونکہ مجنون اسلام کے لئے قتل نہیں کیا جاتا. اور بعض موقع میں اُنہیں سزا دی جاتی ہے. جیسے اُن کے حملہ اور ظلم سے بچنے کے لئے اُنہیں مارنا. یہ اچھی طرح سمجھ لو اور اس میں کوئی بھی اختلاف نہیں کرسکتا کہ غیر مکلف مثل اُس لڑکے کے ہے جسے فحش فعل پر دھمکانے کی غرض سے سزا دی جائے اسی طرح مجنون بھی اگر کوئی کام ایسا قابل سزا کرے تو اُسے بھی دھمکانے کے طور پر سزا دینی چاہیے. یہ سب باتیں شریعت ہی سے معلوم ہوتی ہیں اور یہ امر ظاہر امور میں سے نہیں ہے. یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی مسئلہ کسی کو نہ معلوم ہوتو اس پر اعتراض ہونا اس لاعلم کی کسر شان نہیں ہوسکتی بہت سے مجنون ایسے بھی دیکھے گئے ہیں کہ اُنہیں کسی وقت افاقہ بھی ہوجاتا ہے اور بالکل صحیح الدماغوں کی سی باتیں کرنے لگتے ہیں. اُن کے کسی قول وفعل سے اُنہیں کوئی شخص دیوانہ نہیں سمجھ سکتا یہ ممکن اور قرین قیاس ہے کہ فاروق اعظم نے یہ خیال کیا ہو کہ اس عورت سے حالت صحت میں زنا کیا۔ مجنون کا لفظ عام ہے. جنون مطبق اور جنون خانق دونوں پر بولا جاتا ہے. جنون مطبق وہ ہے جسے کسی وقت بھی فاقہ نہ ہوتا ہو اور جنون خانق وہ ہے کہ کبھی افاقہ بھی ہوجاتا ہو اس لئے فقہا مجنون کی یہ دونوں قسمیں بیان کرتے ہیں. عملی تجربہ اور مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ جنون مطبق بہت کم ہوتا ہے اور جنون خانق ہی زیادہ دیکھا گیا ہے. بات یہ ہے کہ رافضیوں نے جس قدر الزام فاروق اعظم پر لگائے ہیں اُن سے دو باتیں پائی جاتی ہیں. کہیں تو آپ کا علمی نقص ثابت کرنے کی غرض ہے اور کہیں دینی نقص. مثلاً حضرت بی بی فاطمہ کو فدک وغیرہ نہ دینے اور حدود وغیرہ کو چھوڑ دینے کی بابت جو بیان کیا ہے اُس سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ فاروق اعظم منصف نہ تھے بلکہ ظالم تھے. حالانکہ آج تیرہ سو برس ہوئے دنیا کے مختلف قوموں کے لکھے پڑھے آدمی فاروق اعظم کے انصاف کے ایسے قائل ہیں کہ وہ اپنے کسی پیشوا کے انصاف کی بھی اتنی تعریف نہیں کرتے. آپ کے انصاف کا ڈنکہ تمام دنیا میں اب تک بج رہا ہے اور خود اُس زمانہ میں بھی بچہ بچہ

آپ کے انصاف پر آپ کا ثناخواں. یہاں تک کہ آپ کا انصاف ضرب المثل کے طور پر بیان کیا جاتا تھا. کتاب سیرۃ العمرین میں یہ ساری باتیں مشرح طور پر مندرج ہیں. خیال تو کیجئے کہ خوارج جنہیں تعصب میں سب سے بڑھا ہوا مانا جاتا ہے. وہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے دل و جان سے قربان تھے اور حضرت علی کے قرن اولی کے شیعہ صرف اتنا تو کرتے تھے کہ شیخین پر حضرت علی کو فضیلت دیتے ہیں ابوبکر بن عبدالرحمن عبداللہ عقبہ سلیمان بن بسار، خارجہ بن زید، سالم بن عبداللہ بن عمر وغیرہ اور ان کے بعد ابن شہاد زہری یحییٰ بن سعیدہ، ابوالزناد، ربیعہ، مالک بن انس ابن ابی ذنب عبدالعزیز ماشبون وغیرہ. پھر طاؤس یمانی، مجاہد، عطار، سعید بن جبیر، عبید بن عمیر، عکرمہ بن عباس پھر عمر بن دینار، ابن جریح، ابن عینیہ. پھر حسن بصری محمد بن سیرین، جابر بن زید، ابی الشعثاء مطرف بن عبداللہ بن شخیر پھر ایوب سجتانی، عبداللہ بن عون، سلیمان تیمی، قتادہ، سعید بن ابی عروبہ، حماد بن سلمہ، حماد بن زید اور ان کے امثال جیسے علقمہ، اسود، قاضی سریح اور ان کے امثال. پھر ابراہیم نخعی، عامعر شبعی، حکیم بن عتیبہ، منصور بن معتمر، سفیان ثوری، ابوحنیفہ، ابن ابی لیلی شریک، وکیع بن جراح، ابویوسف، محمد بن حسن اور ان کے امثال پھر احمد بن حنبل، اسحق بن راہویہ، ابوعبیدہ قاسم بن سلام، حمیدی عبداللہ بن زبیر، ابوثور، محمد بن نصر مروزی، محمد بن جریر طبری، ابوبکر بن مُنذر ان کے علاوہ علمائے مسلمین اتنی بڑی تعداد ہے کہ انکے شمار کرنے کے لئے ضخیم کتابوں کی کئی جلدیں چاہیں یہ کل علماء متفق الفظ حضرت فاروق اعظم کے انصاف اور علم کے دل و جان سے مقر اور ثنا خواں ہیں. ان میں سے بہت سے علما نے فاروق اعظم کے مناقب علیحدہ بھی بیان کئے ہیں کیونکہ آپ کے بعد ایسا انصاف اور علم پھر کبھی اسلامی دنیا میں نہیں دیکھا گیا. عائشہ صدیقہ فرمایا کرتی تھیں کہ تم اپنی مجالس عمر کے ذکر سے رونق دیا کرو اسی طرح ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ سب سے زیادہ اہل فراست تین آدمی ہیں ایک صاحب مدین کی صاحبزادی جس وقت اُنہوں نے یہ کہا یا ابت استاجرہ ان خیر من استاجر القوی الامین اور ایک خدیجہ الکبری اور ایک ابوبکر جنہوں نے حضرت عمر کو خلیفہ کیا. یہ علما جن کے نام اوپر ذکر ہوئے ہیں اس بات کو خوب جانتے تھے کہ فاروق اعظم کا انصاف اُن اشخاص

کے انصاف سے بے شک زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ جو آپ کے بعد خلیفہ بنائے گئے اسی طرح آپ کا علم بھی اُن لوگوں سے زیادہ تھا واقعی فاروق اعظم اور اُن کے بعد والے حاکموں کی سیرت میں تفاوت ہونا ایک ایسا امر ہے جسے عام وخاص سب جانتے ہیں کیونکہ یہ اعمال ظاہرہ اور سیرت بینہ ہے۔اس میں فاروق اعظم کی نیک نیتی، قصدِ انصاف، عدم غرض اور حرص وہوا کا قلع وقمع ایسا صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کسی کے لئے ایسا ظاہر نہیں ہوتا۔اسی واسطے حضور انور رسول اللہ ﷺ نے فاروق اعظم سے فرمایا تھا **ماراک الشیطان سالگا فجا الاسک فی غیر فجک لاشیطان انما یستطیل علی الانسان بھواہ و عمر قمع ھواہ** اور حضور نے فرمایا **لولم اُبعث فیکم لبعث فیکم عمر**. یعنی اگر تمہارے پاس میں پیغمبر ہو کے نہ آتا تو تمہارے لئے عمر کو پیغمبر بنا کے بھیجا جاتا۔اور آپ نے ارشاد فرمایا ہے **ان اللہ ضرب الحق علی لسانہ عمر و قلبہ دوافق ربہ فی غیر واحدۃ فنزل فیھا القران بمث ماقال**. یعنی اللہ نے عمر کی زبان اور دل پر حق کو جمادیا ہے اور بہت سی باتوں میں اُس نے اپنے پروردگار کی موافقت کی ہے۔جس طرح اُنہوں نے کہا اُسی طرح قرآن کی آیت نازل ہوئی۔ابن عمر فرماتے ہیں ہم یہ کہا کرتے تھے عمر کی زبان پر سکینہ بولتی ہے ہمارا یہ کہنا آپ کے علم اور انصاف کے کمال ہی کی وجہ سے تھا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا اس کا سبب یہ ہے کہ تمام پیغمبر علم اور انصاف ہی کے ساتھ بھیجے گئے ہیں پس جو شخص علم وانصاف میں پورا ہو وہی پیغمبروں کے زیادہ قریب ہوگا۔ یہ صفتیں فاروق اعظم میں سب سے زیادہ ظاہر و باہر ہیں۔اب رہا فاروق اعظم کا علم تو یہ اُن کی رائے دینے اور مسلمانوں کی تمام مصلحتوں سے واقف ہونے اور ان کے دینی ودنیاوی نفع ونقصان کو جاننے سے خود معلوم ہوجاتا ہے اور بالمقابل قولوں کا موازنہ کرنے سے بھی صاف ظاہر ہوجاتا ہے کیونکہ اختلاف مسائل میں فاروق اعظم کے قول کا نصوص کے موافق ہونا عثمان اور علی سب سے زیادہ ہے اسی لئے اہل مدینہ فاروق اعظم کے قول کی طرف زیادہ مائل ہیں اُن کا مذہب تمام شہروں کے مذاہب سے راجح ہے کیونکہ قرون ثلثہ میں حضور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے جاننے والے اہل مدینہ سے زیادہ اسلامی شہروں میں اور کسی

شہر کے آدمی نہ تھے اور ان سب لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ علی کے قول سے عمر کا قول بے شک مقدم ہے. یہ تو یہ رہے، کوفیوں میں بھی پہلے طبقہ کے لوگ فاروق اعظم کے قول کو حضرت علی کے قول پر مقدم سمجھتے تھے. منجملاان کے عبداللہ بن مسعود کے شاگرد ہیں اور یہی لوگ کوفیوں میں افضل شمار ہوتے ہیں مثلاً قاضی شریح اور عبیدہ سلمانی وغیرہ عمر کے قول کو اکیلے علی کے قول سے ہمیشہ مقدم رکھتے تھے عبداللہ بن مسعود کہا کرتے تھے کہ جب کبھی میں عمر کو دیکھتا ہوں تو مجھے یہی خیال ہوتا ہے کہ عمر کے سامنے کوئی فرشتہ رہتا ہے جو ہر وقت اُنہیں ہر بات میں راستی پر رکھتا ہے۔ شبعی نے علی سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں ہم اس بات کو کچھ بعید نہیں سمجھتے کہ عمر کی زبان پر سکینہ بولتی ہے. خدیفہ بن یمان کا قول ہے کہ عمر کے زمانہ میں اسلام مثل آنے والے آدمی کے تھا کہ اُسکا قرب ہی بڑھتا جاتا تھا. اور جب وہ شہید ہو گئے تو اسلام اُس آدمی طرح ہو گیا جو واپس جاتا ہے اور اب اسکا بعد ہی بڑھتا جاتا ہے. ابن مسعود کا قول ہے کہ جب سے عمر مسلمان ہوئے تھے روز بروز ہماری عزت بڑھتی چلی گئی یاد رکھو کہ جب نیکوں کا ذکر ہو تو عمر کا ذکر ضرور کیا کرو کیونکہ ان کا مسلمان ہونا مسلمانوں کی مدد تھی اور انکا امام ہونا اسلام کی فتح. پھر فرمایا کہ عمر کتاب اللہ کے ہم سب سے بڑے عالم تھے اللہ کے دین کو ہم سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے اور سب سے زیادہ اللہ کو پہچاننے والے تھے. پھر فرمایا بے شک میں خیال کرتا ہوں کہ جس وقت عمر شہید ہوئے وہ علم کے نو حصے اپنے ساتھ لے گئے. جب لوگوں میں اختلاف تھا تو مجاہد کہا کرتے تھے کہ جھگڑہ نہیں بلکہ پہلے یہ دیکھو کہ عمر نے اس معاملہ میں کیا فیصلہ کیا ہے. پس تم اسی فیصلہ پر کاربند ہو جاؤ. ابو عثمان نہدی کہا کرتے تھے کہ عمر بیشک ایک میزان ہیں جو ایک تلی ہوئی بات فرمادیا کرتے ہیں اور وہ حق پر مبنی ہوتی ہے. فاروق اعظم کے اور ہزاروں فضائل ہیں. جنکا یہاں ذکر کرنا اس وقت غیر ضروری ہے بیسوں کتابیں خاص اس بارے میں موجود ہیں. یاد رکھو کہ وہ جھوٹے قصے کہانیاں نہیں ہیں. یہ آثار ان کتابوں میں اعلیٰ درجہ کی سندوں کے ساتھ ثابت اور موجود ہیں.

فاروق اعظم پر ایک اور الزام: رافضی یہ طعن کرتے ہیں کہ ایک دن عمر نے اپنے خطبہ

میں کہا کہ اگر کوئی مرد کسی عورت کا مہر زیادہ بڑھائے گا تو میں اس مہر کو لیکر بیت المال میں داخل کر دوں گا. یہ سنتے ہی مجمع میں ایک عورت بول اُٹھی عمر تم ایسی چیز سے ہمیں کیوں مرحوم کرتے ہو. جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ہمیں عطا کی ہے. مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ وَاٰتَیْتُمْ اِحْدٰاھُنَّ قِنْطَارًا. اس پر عمر بولے کے عمر سے تو ہر ایک شخص زیادہ فقیہ ہے یہاں تک کہ پردہ نشین عورتیں بھی.

جواب: یہ فاروق اعظم کے کمال فضل اعلے درجہ کی دینداری اور انتہا درجہ کے تقوے کی صاف دلیل ہے اور اس بے نفسی اور انصاف کی بھی کھلی ہوئی شہادت موجود ہے کہ جب آپ کو حق معلوم ہو جاتا تھا بغیر کسی ردوکد کے علی الاعلان اُس کا اعتراف کر لیتے تھے. اور فوراً اپنے قول سے رجوع کر لیتے تھے اور آپ کو بالکل اسکی پرواہ نہ تھی کہ آپ ایک بچہ کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہیں یا ایک بڑھیا کے سامنے خواہ وہ غلطی کسی ادنے ہی مسئلہ میں کیوں نہ ہو. اب یہ بات دیکھنے کی ہے کہ اگر کسی ادنے اور معمولی شخص کو کسی بات کا علم ہوا اور وہ ایک بڑے آدمی کو بتادے تو اس کا مرتبہ کبھی اُس سے افضل نہیں ہوسکتا. دیکھو ہدہد نے سلیمان علیہ السلام سے یہ کہا تھا بِمَا لَمْ تُحِطْ بِہٖ وَجِئْتُکَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ یَقِیْنٍ یعنی میں نے وہ چیز معلوم کر لی جو تمہیں نہیں اور میں تمہارے پاس سبا سے ایک یقینی خبر لایا ہوں. اسی طرح حضرت موسیٰ اور خضر کا قصہ ہے جو قرآن مجید میں درج ہے خضر کو ایک عرصہ تک حضرت موسیٰ کا معلم بنایا گیا۔ مگر اس پر بھی کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ خضر موسیٰ سے افضل تھے. حضرت موسیٰ کی فضیلت خضر پر اس سے مسلم ہے کہ آپ کے ماتحت بہت سے انبیاء تھے جیسے ہارون یوسع، داؤد، سلیمان وغیرہ یہ انبیاء بجائے خود حضر سے بدرجہا افضل ہیں.

اب سُنئے! فاروق اعظم کے خیال میں مہر کے متعلق جو حکم آیا وہ اس قسم کا ہے کہ ہر فاضل سے فاضل مجتہد کو بعض اوقات پیش آجاتا ہے کیونکہ مہر میں اللہ تعالے کا حق ہے مہر قیمت اور اُجرت کی قسم میں سے نہیں ہے اس وجہ سے کہ مال اور نفع مباح کرنے سے مباح ہو جاتا ہے اور بغیر کسی بدلہ کے اس سے فائدہ اٹھانا ناجائز ہوتا ہے لیکن بضع (یعنے عورت کی شرمگاہ) فقط مباح کرنے سے مباح نہیں ہوتی. اور اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ نکاح بغیر مہر کے جائز نہیں ہوتا. ہاں صرف حضور انور اللہ ﷺ اس سے مستثنے ہیں. ہاں ایک صورت یہ ہے کہ نکاح کے وقت نہ تو مہر مقرر کیا جائے اور نہ مہر

کا نام لیا جائے تو نکاح تو درست ہو جاتا ہے مگر پھر مہر مثل واجب ہوتا ہے پس اگر مہر مقرر کیے جانے سے پہلے شوہر مر جائے تو اس میں صحابہ اور فقہا کے دو قول ہیں ایک یہ کچھ واجب نہیں اور یہ حضرت علیؓ اور اُن کے متبعین کا مذہب ہے جیسے امام مالکؒ اور ایک قول کے مطابق امام شافعیؒ. دوسرا قول یہ ہے کہ مہر مثل واجب ہوتا ہے اور یہ مذہب عبداللہ بن مسعود کا ہے اور یہی امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا بھی ہے. اور دوسرے قول کے مطابق امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے. بروع بنت واشق کے بارہ میں حضور انور حضور رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی حکم دیا تھا پس یہ حضور انور رسول اللہ کا فیصلہ ہے. مگر فاروق اعظم نے اپنا قول نص کے خلاف نہیں رکھا کیونکہ آپ کا حال اُن لوگوں کے حال سے بدرجہا کامل ہے جو اپنے قول کو نص کے خلاف رہنے دیتے ہیں اور جب مہر میں اللہ کا حق ہو تو اب شرع سے ٹھہرایا جانا اس کا ممکن ہے جیسے کہ زکوۃ اور فدیہ وغیرہ. اسی واسطے امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کا یہ مذہب ہے کہ مہر کم سے کم چوری کے نصاب کے ساتھ محدود ہے یعنی اس سے کم نہ ہونا چاہیے اور چوری کا نصاب دس درہم ہے کہ اس سے کم چرانے پر ہاتھ نہیں کاٹا جاتا اور جب اس مذہب کی پابندی نہ کی گئی. اور مہر دس درہم سے بھی کم باندھ دیا تو اسکے یہ معنی ہوئے کہ مہر اس سے زیادہ بھی مقرر کر دینا جائز ہے مگر ساتھ ہی اسکے سنت رسول کا خیال ضرور رکھا جائے گا یعنی جو کچھ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیبیوں اور صاحبزادیوں میں کیا ہوگا اُس سے بڑھنا جائز نہ ہوگا اور جب مان لیا گیا کہ یہ جائز نہیں ہے تو اگر اب مہر میں زیادتی ہوئی تو یہ ایسے آدمی کے لئے خرچ کی گئی ہے جو اس کا مستحق نہیں ہے لہٰذا نہ دینے والا اپنے حصول مقصد کے لئے اسکو دے سکتا ہے.
اور نہ لینے والا مستحق نہ ہونے کی وجہ سے اُسکو لے سکتا ہے اس لئے یہ رقم بیت المال میں داخل کر دی جائے گی جیسا کہ فقہا میں سے ایک گروہ کا قول ہے کہ دوسرے کے مال سے تجارت کرنے والا نفع کو خیرات کرتا رہے اور یہی مذہب امام اعظم اور ایک روایت میں امام احمد کا ہے. خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر فاروق اعظمؓ اپنے اجتہاد کو جاری بھی کر دیتے یہ اوروں کے اس اجتہاد سے کچھ زیادہ ضعیف نہ تھا جو اُنہوں نے جاری کر دیا تھا. اسکے بعد جب آپ نے جاری بھی نہیں کیا تو کس شخص کی مجال ہے کہ آپ پر اعتراض کی زبان کھولے. اور اللہ کے اس قول کو وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا کے معنی بہت

سے لوگوں نے مختلف کئے ہیں اُن کا خیال ہے کہ یہ مبالغہ کے طور پر کہہ دیا گیا ہے جیسا کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے اس قول کے بارہ میں علماء نے کہا ہے التمس ولو خاتما من حدید یعنی ایک نکاح کرنے والے سے حضور نے فرمایا تھا کہ مہر میں دینے کے لئے کچھ تلاش کر کے لے آ اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو. یہ بھی حضور نے مبالغہ کے طور سے فرمادیا تھا. لہٰذا جب مہر کے ادنے درجہ کے مقرر کرنے والے ایسی حدیثوں کی تاویل کرتے ہیں تو مہر کے اعلے کے مقرر کرنے والوں کے لئے بھی ویسی ہی تاویل کرنی جائز ہے. اور اگر اس میں مستحق عورت کو اسکے حق سے محروم کرنا ہے تو اسی طرح مفوضہ کو بھی اُس کے حق سے محروم کرنا ہے جو حضور انور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے موافق مستحق ہو چکی ہے جسے حضرت علی نے محروم کیا اور پھر ہمیشہ اسی پر کار بند رہے اور اسی کا فتویٰ دیتے رہے اور فاروق اعظم باوجود اسکے بھی اس پر مصر نہیں رہے اور فوراً حق کی طرف رجوع کرلیا اس سے صاف طور پر معلوم ہو گیا. کہ اللہ کی تائید اور ہدایت جو فاروق اعظم کے لئے تھی وہ اس سے کہیں زیادہ تھی جو اوروں کے لئے تھی اور فاروق اعظم کے وہ ضعیف اقوال جن سے آپ نے رجوع کرلیا اور ان پر مصر نہیں رہے۔ اوروں کے ان ضعیف اقوال سے بہت بہتر ہیں جن سے انہوں نے رجوع بھی نہیں کیا ہاں یہ بات بھی مسلّم ہے کہ اللہ تعالے اس امت کی خطا بخش دیتا ہے اگرچہ اس امت کے لوگ اس سے رجوع بھی نہ کریں پھر ایسے شخص کی خطا کیوں نہ بخشی جائے گی جس سے اُس نے رجوع بھی کرلیا. بہت سے موقعوں میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ صحابہ اور تابعین میں سے سلف کے اجتہاد متاخرین کے اجتہادوں سے بدرجہ کامل ہوتے ہیں اور ان کا صواب متاخرین کے صواب سے بہت بڑھا ہوا ہوتا ہے. اس کی طرح ان کی خطا متاخرین کی خطا سے بہت ہی خفیف شمار ہوتی ہے. صحابہ اور تابعیں میں سے جو لوگ نکاح متعہ کے درست ہونے کے قائل ہوئے ہیں اُنکی خطا کم شمار ہونے کی اُن لوگوں کی خطا کی نسبت جو متاثرین میں سے محلل لہ کا نکاح درست ہونے کے قائل ہوئے ہیں بیس وجھوں سے بھی زیادہ ہیں. اسی طرح مفقود شوہر کے متعلق ہے مثلاً جب کسی عورت کا مفقود و شوہر آجائے تو اُسے اختیار دے دیا جائے گا کہ یا تو اپنی بیوی کو لے لے یا اسکا مہر دے دے. اس میں صحابہ کا اختلاف ہے بعض اس سے انکار کرتے ہیں اور بعض اس کے مقر

ہیں۔ مگر صحابہ ہی کا قول اصول شرع کے موافق ہے اسی طرح اہل قبلہ سے قتال کرنے کی بابتہ جو حضرت علی نے رائے دی تھی تو اُس میں بے شک حضرت علی ہی صواب پر تھے نہ کہ وہ خوارج وغیرہ جنہوں نے اسکا انکار کیا تھا۔ قسمون، نذرون، طلاق اور خُلع کے مسائل میں صحابہ میں سے ابن عباس وغیرہ نے جو فتوے دیے تھے تو ان مسائل میں انہیں لوگوں کا فتویٰ ٹھیک تھا نہ متاخرین میں سے اُن لوگوں کا جنہوں نے ان کی مخالفت کی تھی. خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ ساری امت سے زیادہ عالم ساری امت سے زیادہ فقیہ اور ساری امت سے زیادہ دیندار تھے کوئی کسی چیز میں اُن کے برابر نہیں ہوسکتا امام شافعیؒ نے کیا اچھا فرمایا ہے۔ **هم خوقنانی کل علم وفقه ودين وهدى وفی کل سبب نيال به و علم وهدى ورائم لناخيرمن أنا الانفساء.** یعنی صحابہ علم فقہ مسائل اور ہر قسم کی ہدایت میں ہم سے کہیں زیادہ ہیں اور ہر ایسے سبب میں بھی جس سے علم اور ہدایت حاصل ہو اور ان کی رائے ہمارے حق میں اپنے لئے رائے دینے سے بہتر ہے۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ اصول سنت ہمارے لیے یہی کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ طریقہ پر تھے ہم اُسی پر عملدرآمد رکھیں۔ عبداللہ بن مسعود کا قول ہے اے لوگو اگر کوئی تم سے کسی کا طریقہ لینا اور اختیار کرنا چاہے تو ان لوگوں کا طریقہ اختیار کرے جو مر چکے ہیں کیونکہ زندوں پر تو اُن کے فتنہ فساد میں پڑ جانے سے کچھ اطمینان نہیں رہا یہ لوگ جو مر چکے ہیں حضور انور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ تھے. ساری امت میں افضل اُن کے دل تمام بُری باتوں سے پاک اور صاف تھے وہ علم میں سب سے زیادہ تھے اور تکلف کرنے میں سے کم. وہ ایسے لوگ تھے کہ اللہ نے اپنے نبی کے ساتھ رکھنے اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لیے پسند کیا تھا لہٰذا تم اُن کے افضل ہونے پر یقین رکھو اور اُن کے آثار اور طریقوں کی پیروی کیا کرو اور تم سے جہاں تک ہو سکے اُن کے اخلاق اور اُن کے دین پر رہو کیونکہ وہ بیشک مستقیم ہدایتوں پر تھے. حذیفہ کا قول ہے کہ اے قاریوں کی جماعت تم مستقیم رہو اور اُن لوگوں کا طریقہ کار اختیار کرو جو تم سے پہلے تھے قسم ہے اللہ کی اگر تم مستقیم رہے تو سبقت کر جاؤ گے اور اگر اِدھر اُدھر بھٹک گئے تو بالکل گمراہ ہو جاؤ گے۔

فاروق اعظم پر ایک اور الزام: رافضی کہتے ہیں کہ عمر نے شراب کے مقدمہ میں قدامہ

پر حد نہیں لگائی تھی کیونکہ قدامہ نے اُن کے سامنے یہ آیت پڑھ دی تھی لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحَٰتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوٓا إِذَا مَا اتَّقَوا وَّآمَنُوا (المائدہ:۹۳) یعنی جولوگ ایمان لائے اور نیک کام کیئے اُن پر اس چیز میں کچھ گناہ نہیں کہ وہ اس کو کھائیں جبکہ اُنہوں نے پرہیزگاری کی اور ایمان لائے. اس پر حضرت علیؓ نے کہا اے امیر المومنین یہ قدامہ ان لوگوں میں سے نہیں ہے جنکا اس آیت میں ذکر ہے تو اس پر عمر نے حد لگانے کا ارادہ کرلیا لیکن عمر کو یہ معلوم نہ تھا کہ اس پر کتنی حد لگائیں تب امیر المومنین یعنی حضرت علی نے یہ بھی بتا دیا کہ اسی (۸۰) کوڑے لگاؤ کیونکہ جب شرابی نے شراب پی لی تو اس کا نشہ ہوگا اور جب نشہ ہوگا تو وہ ضرور بڑ مارے گا. اور جب بڑ مارے گا تو اس میں افتراء بھی باندھے گا اس لئے اس پر اسی (۸۰) کوڑے واجب ہیں.

جواب: یہ الزام جو فاروق اعظم کے ذمہ لگایا ہے محض غلط مہمل اور بے معنی ہے اور ایسا صریح جھوٹ ہے کہ اسکے لیے دلیل دینے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ خود فاروق اعظم اور ان سے پہلے صدیق اکبر شراب کے معاملہ میں بہت سی دفعہ حد لگا چکے تھے کبھی چالیس کوڑے کبھی اسی: کبھی فاروق اعظم نے سر منڈوا کے شرابیوں کو شہر میں پھرایا اور کبھی جلاوطن بھی کر دیا کبھی لکڑیوں سے پٹوایا کبھی جوتیوں سے اور کبھی ہاتھوں سے اب رہا چالیس کوڑوں کا معاملہ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا چالیس ہی کوڑے ہوں یا اسی. اختلاف یہ ہے کہ آیا یہ حد ہے جسکا قائم کرنا واجب ہو یا یہ تعزیر ہے کہ اس کا دارومدار حاکم کی رائے پر ہے اور احوال کے مختلف ہونے پر اس میں کمی زیادتی ہوسکتی ہے اس بارے میں دو قول مشہور ہیں. ایک قول تو یہ ہے کہ حد میں داخل ہے اور اسی تک پوری حد ہوتی ہے اور رہی تہمت کی حد ہے. اس قول کے قائل یہ دعوے کرتے ہیں کہ اس پر صحابہ کا اجماع ہوگیا تھا. اور جہاں چالیس کوڑوں کا مارنا نقل کیا گیا ہے اُسکے ساتھ یہ بات ضرور بیان کی گئی ہے کہ چالیس کوڑے اس کوڑے سے مراد تھی جسکے دو تسمے ہوتے تھے. اس لئے وہ چالیس اسی کے قائم مقام شمار ہونگے یہی مذہب امام ابوحنیفہ اور امام مالک وغیرہ کا ہے اور اسی کو خرقی اور قاضی ابویعلی وغیرہ نے اختیار کیا ہے. دوسرا قول یہ ہے کہ چالیس سے زیادہ مارنے جائز ہیں اور وہ ضروری حد نہیں یعنی وہ

حد میں داخل نہیں ہیں۔ یہی قول امام شافعیؒ کا ہے اور ابو بکر اور ابو محمد وغیرہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اور یہ قول زیادہ قوی ہے کیونکہ صحیح میں حضرت علیؓ سے ثابت ہے کہ آپ نے ولید کو چالیس کوڑے لگوائے تھے اور یہ فرمایا تھا کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے بھی چالیس ہی لگوائے تھے ابو بکر وعمر نے اسی لگوائے ہیں یہ سب فعل سنت ہیں اور مجھے زیادہ پسند ہیں۔ صحیحین میں انس سے مروی ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے دربار میں ایک ایسا شخص پکڑا ہوا آیا جس نے شراب پی لی تھی۔ حضور نے اُسے چالیس جوتے لگوا کے چھوڑ دیا پھر وہی شخص صدیق اکبر کے پاس گرفتار ہو کر آیا انہوں نے بھی یہی عمل کیا پھر فاروق اعظمؓ کے دربار میں شراب خوری کی حالت میں لایا گیا تو آپ نے حدود کے بارہ میں لوگوں سے مشورہ لیا۔ اس پر ابن عوف نے کہا کہ حدود میں کم سے کم اسی کوڑے ہیں اس پر فاروق اعظم نے اُسے اسی کوڑے پٹوا کے چھوڑ دیا۔ دوسری وجہ ہے کہ اس میں کوڑوں کے علاوہ اور چیزوں سے بھی مارنا جائز ہے جیسے لکڑیاں جوتے، ہاتھ، اور کپڑوں کے کوڑے جب مارنے کی کیفیت معین نہ ہوئی بلکہ اس میں مجتہد کے اجتہاد پر دارومدار رہا تو اسطرح مارنے کی کیفیت معیّن نہ ہوئی بلکہ اس میں مجتہد کے اجتہاد پر دارومدار رہا تو اس طرح مارنے کی مقدار بھی معیّن نہیں ہونی چاہیے۔ اسی لیے کہ شرابیوں کے احوال مختلف ہوتے ہیں۔ کیونکہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے چوتھی دفعہ شراب پینے پر ایک شخص کے قتل کا حکم دے دیا تھا بعض کہتے ہیں کہ حکم منسوخ ہو چکا بعض کہتے ہیں منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے بعض کہتے ہیں یہ تعزیر ہے اگر ایسی ضرورت پڑے تو اس وقت اسکے جائز ہونے میں چوں چرا کی گنجائش نہیں ہوگی اب سنئے! قدامہ کا قصہ ابو اسحٰق جوز جانی وغیرہ نے ابن عباس کی حدیث نقل کی ہے کہ قدامہ بن مظعون نے شراب پی تھی فاروق اعظم نے اُس سے پوچھا کہ تو نے کیوں شراب پی ہے اس نے جواب دیا دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (المائدہ:۹۳) یہ آیت پڑھ کے پھر وہ کہنے لگا میں اہل بدر کے مہاجرین اوّلین میں سے ایک ہی ہوں۔ اس پر فاروق اعظمؓ نے حاضرین سے خطاب کر کے کہا کہ اس کا کچھ جواب ہے

لیکن کسی نے کچھ جواب نہیں دیا۔ پھر فاروق اعظم نے ابن عباس کو حکم دیا کہ تم اِسے جواب دو ابن عباس نے کہا کہ یہ آیت تو اللہ تعالی نے ان لوگوں کے عذر میں نازل فرمائیں ہے۔ جنہوں نے شراب حرام ہونے سے پہلے پی تھی شراب حرام ہونے کے بعد جو حکم نازل فرمایا ہے وہ یہ ہے اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ (المائدہ:۹۰) یہ سب پر حجت ہے اب کوئی اسکے خلاف نہیں کرسکتا. اس کے بعد فاروق اعظم نے حد کو پوچھا تو علیؓ بن ابوطالب نے کہا کہ جب کسی نے شراب پی لی تو وہ ضرور بکواس پر کریگا اور جب بکواس کرے گا تو اتہام بھی باندھے گا. یہ سُن کے فاروق اعظم نے اُسکے اسی کوڑے لگوائے. اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت علیؓ کے مشورہ سے یہ اسی کوڑے لگوائے گئے. مگر اس کے خلاف صحیح میں یہ بات ثابت ہے جب حضرت علیؓ نے حضرت عثمان کے سامنے ولید بن عقبہ کے کوڑے لگوائے تو ان کی تعداد چالیس سے زیادہ نہیں تھی اور اسی کوڑوں کے لگوانے کی نسبت حضرت عمر کی طرف دے دی. صحیح میں ایک جگہ یہ بھی آیا ہے کہ حضرت علیؓ نے نہیں بلکہ عبدالرحمٰن بن عوف نے اسی کوڑوں کا مشورہ دیا تھا جس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کے مشورہ سے نہیں بلکہ عبدالرحمٰن بن عوف کے مشورہ سے حضرت عمر نے اسی کوڑے لگوائے. پھر حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ اُنہوں نے کبھی اپنی خلافت میں اسی کوڑے لگوائے کبھی چالیس کوڑے، حضرت علیؓ کا یہ قول ہے کہ اگر کوئی آدمی حد لگنے کی وجہ سے مرجائے تو مجھے شرابی کے سوا اور کسی کا خیال نہیں ہوتا شرابی کے مرنے پر میں ضرور خون بہالوں گا کیونکہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے شرابی کے لیے کوئی خاص سزا مقرر نہیں فرمائی. اب رہی یہ بحث کہ اگر وہ شرابی چالیس کوڑوں کے اندر مرجائے تو اس وقت بھی اس کا خون بہا لازم آئے گا یا نہیں؟ اس میں صحابہ وفقہا کا اختلاف ہے. جمہور کا قول تو یہ ہے کہ اگر چالیس سے زیادہ کوڑے مارے جائیں اور اس میں شرابی کا دم نکل جائے تو مارنے والے پر تاوان لازم نہیں آنے کا یہی مذہب امام ابوحنیفہ امام مالک امام احمد وغیرہ کا ہے مگر امام شافعی کا قول ہے کہ نہیں تاوان دینا پڑے گا پھر اس بارہ میں اُن کے دو قول ہیں ایک یہ کہ نصف خون بہا دینی پڑے گی کیونکہ آدمی دو قسم کے فعل سے تلف ہوا

ہے جن میں ایک قابل تاوان نہیں ہے. یعنی چالیس سے زیادہ کوڑے لگانا. امام شافعی کا یہی قول ہے کہ خون بہا کوڑوں کی کل تعداد پر بانٹ دیا جائے. پس چالیس سے زیادہ ہونے کی مقدار میں اسکے مطابق خون بہا لازم ہوگا. امام شافعی نے اُس مسئلہ کا دارومدار اُس پر رکھا ہے کہ یہ زیادتی غیر مقدر تعزیر ہے اور امام صاحب کا قاعدہ ہے کہ جو شخص غیر مقدار سزا میں مرجائے تو اسکا ضمان دیا جاتا ہے کیونکہ اس کے تلف ہونے سے تعزیر دینے والے کی زیادتی ظاہر ہوگئی. جمہور میں بعض امام صاحب کے دونوں اُصول سے مخالف ہیں بعض ایک سے چنانچہ امام اعظم امام ابوحنیفہ اور امام مالک فرماتے ہیں کہ اسی کوڑے حد واجب ہے اس سے کم ہو ہی نہیں سکتے اور ایک روایت میں امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔

ایک اور الزام: رافضی کہتے ہیں کہ فاروق اعظم نے ایک حاملہ عورت کو بلانے کے لیے اپنا آدمی بھیجا جوں ہی اس آدمی نے جا کر کہا کہ امیر المومنین عمر تجھے بلاتے ہیں تو وہ سہم گئی اور اس قدر ہول اس پر غالب ہوا کہ اسکا حمل ساقط ہوگیا. جب یہ خبر فاروق اعظم کو پہنچی آپ نے فوراً صحابہ سے مشورہ لیا کہ کیا کرنا چاہیے اور آیا میرے ذمہ کچھ ہے یا نہیں صحابہ نے کہا آپ کے ذمہ کچھ نہیں. کیونکہ آپ نے محض سادہ طور پر اُسے بلالیا تھا کسی قسم کی دھمکی نہیں دی خود اس کے دل پر خوف طاری ہوگیا جس سے اس کا حمل ساقط ہوگیا اِس میں آپ ذمہ دار نہیں بن سکتے مگر حضرت علی بن ابو طالب نے جب اُن سے دریافت کیا تو یہ رائے دی کہ آپ کی خاص ذات اُسے خود بہا دینا واجب ہے. یعنی آپ خود اپنے پاس سے خون بہا دیں.

جواب: یہ مسئلہ اجتہادی ہے اِس میں علماء کا اختلاف ہے. ہاں یہ بالکل صحیح ہے کہ فاروق اعظم اکثر معاملات میں صحابہ سے مشورہ لیا کرتے تھے. عثمان، علی، عبدالرحمٰن بن عوف. ابن مسعود زید بن ثابت اُن کے خاص مشیروں میں سے تھے. یہاں تک کہ کبھی کبھی وہ ابن عباس سے بھی مشورہ لے لیا کرتے تھے. اور یہ آپ کے کمالِ فضل، کمالِ عقل، اور کمالِ دین داری کی بات تھی۔ اسی وجہ سے آپ کا ہر کام سب سے اعلیٰ درجہ کا رہتا تھا. کثرت رائے پر اکثر آپ فیصلہ کردیا کرتے تھے ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک عورت آپ کے پاس پکڑی ہوئی آئی اور اُس نے بہت صفائی کیساتھ زنا کا اقرار کرلیا سب صحابہ

اس کے سنگسار کرنے پر متفق ہو گئے مگر حضرت عثمان سے فاروق اعظم نے دریافت کیا کہ تم کیوں نہیں بولتے. حضرت عثمان نے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ یہ عورت زنا کے بُرا ہونے کو نہیں جانتی یہ بات فاروق اعظم کی سمجھ میں آ گئی. ایسی حالتوں میں وہ کبھی کبھی کثرت رائے کے خلاف بھی فیصلہ کر دیا کرتے تھے. چنانچہ آپ نے فوراً اس عورت کو چھوڑ دیا یہ بات بالکل صحیح ہے کہ جب وہ زنا کو برا نہیں جانتی ہے تھی تو یقیناً اُس کے حرام ہونے سے واقف نہ تھی. حد اُسی آدمی پر واجب ہوتی ہے جسے اُس فعل کا حرام ہونا معلوم ہو اور پھر وہ اُسے کرے. اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا" (الاسراء:۱۵) یعنی جب ہم کوئی پیغمبر نہیں بھیج دیتے کسی کو عذاب نہیں کرتے. پھر فرمایا. "لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ" (النساء:۱۶۵) یعنی تا کہ پیغمبروں کے پہنچے کے بعد اللہ پر لوگوں کی کوئی حجت نہ رہے. اسی واسطے اُن کفار سے قتال جائز نہیں جنہیں اسلام کی خبر نہ ہوئی ہو اِسی لئے پہلے اُنہیں اسلام کی دعوت دی جاتی ہے. جس شخص نے اسلام کے اصول موضوع ہونے سے پہلے محرمات میں سے کسی کو کر لیا جسکی حرمت کی اُسے خبر نہ تھی تو اسکی حد اس پر نہیں قائم کی گئی یہی وجہ تھی کہ حضور انور نے صحابہ میں سے اُن لوگوں کو کچھ سزا نہ دی جنہوں نے صبح صادق کے بعد بھی روزہ کی حالت میں کھا لیا کیونکہ اُنہیں حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (البقرہ:۱۸۷) کے معنی سمجھنے میں غلطی ہو گئی تھی. علی ھذا القیاس آپ نے اُسامہ بن زید کو سزا نہیں دی جبکہ اُنہوں نے ایسے آدمی کو مار ڈالا تھا جس نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہہ دیا تھا اُسامہ نے اپنے دل میں یہ سمجھ لیا تھا کہ اُس نے بچنے کی غرض سے کلمہ پڑھا اور اُسی وجہ سے وہ اُس کے قتل کے باعث ہوئے تھے بعینہ یہی قصہ خالد بن ولید کا ہوا۔ انہوں نے بنی جذیمہ کو قتل کر دیا تھا کیونکہ انہوں نے صبانا صبانا کہا تھا خالد نے اپنے دل میں اسکی تاویل کر لی تھی. صدیق اکبر نے مالک بن نویرہ کے بدلہ خالد کو قتل نہیں کیا کیونکہ وہ اہل تاویل تھے اِسی طرح جب وہ صحابیوں میں کچھ جھگڑا ہوا تو ایک نے دوسرے کو منافق کہا حضور نے انہیں کچھ سزا نہیں دی کیونکہ انہوں نے ایک تاویل ہی کی وجہ سے ایک دوسرے کو کہا تھا. فقہا کا قول ہے کہ جس شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے وہ دو قسم کا ہے اول شبہ اعتقاد دوم شبہ ملک. مثلاً اگر کسی نے ایک عورت

سے حلال سمجھ کر نکاح کیا اور اُس عورت سے اُسے نکاح کرنا حقیقۃً جائز نہیں تھا اور نکاح کے بعد صحبت صحیحہ بھی ہوگئی تو اُسکی وجہ سے اُس پر حد نہیں لگائی جائے گی لیکن اگر کسی کو اِس فعل کا حرام ہونا معلوم ہوا اور یہ نہ معلوم ہو کہ اُسکی سزا کیا ہے تو اُس پر برابر حد لگائی جاتی ہے جیسا کہ حضور انور نے ماعز بن مالک پر حد لگا دی کیونکہ وہ زنا کے حرام ہونے کو جانتے تھے لیکن یہ نہ جانتے تھے کہ زانی کو سنگ سار کر دیا جاتا ہے. پھر حضور نے اُنہیں سنگسار کر دیا کیونکہ وہ فعل کے حرام ہونے سے واقف تھے اگرچہ اسکی سزا میں سنگسار ہونے کو نہیں جانتے تھے. فاروق اعظم صحابہ سے بیشک مشورہ لیتے تھے اور اُن میں سے جو کوئی حق مسئلہ بیان کرتا تھا آپ اُسی کو قبول کر لیتے تھے اُسکی دو وجہ ہوتی تھیں ایک تو یہ کہ اس خالص معاملہ میں اس کا منشا معلوم ہو جاتا تھا جسے وہ لوگ جانتے ہوں. جیسا کہ عثمان غنی کا یہ کہنا اس عورت کو زنا کے حرام ہونے کی خبر نہیں ہے اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ عثمان نے عام حکم نہیں بتایا بلکہ یہ کہا کہ یہ خاص مسئلہ اس قسم کا ہے. اِسی طرح حضرت علی کا یہ کہنا یہ عورت دیوانی ہے یا اِسے حمل ہے اُسی پر قیاس کر لینا چاہیے. دوسری وجہ یہ ہے کہ کوئی نص یا کسی نص کے ایسے معنی معلوم ہو جائیں جو عام حکم پر دلالت کریں جیسا کہ اس مذکورہ عورت کا اس آیت پر متنبہ کرنا وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا (النساء:۲۰) اور جیسے عبدالرحمٰن عوف کا شرابی کی حد کو تہمت لگانے والے کی حد میں ملا دینا وغیرہ وغیرہ.

ایک اور الزام: رافضی کہتے ہیں کہ ایک لڑکے کی بابت دو عورتوں میں جھگڑا ہوا ایک کہتی تھی. یہ لڑکا میرا ہے عمر کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ کِس طرح فیصلہ کروں اخیر انہوں نے یہ مقدمہ حضرت علی بن ابوطالب کے ہاں بھیج دیا. حضرت علی نے ان عورتوں کو بُلا کر خوب سمجھایا لیکن اپنے دعویٰ سے کوئی عورت باز نہ آئی۔ حضرت علی نے کہا کہ آرہ لاؤ اس پر دونوں عورتیں بولیں کہ آرہ کیا کرو گے آپ نے فرمایا کہ اُسے بیچ میں سے چیرے دیتا ہوں تم دونوں ایک ایک ٹکڑہ لے لینا. ایک عورت تو اُس پر رضا مند ہوگئی مگر دوسری عورت نے بلبلا کے کہا اللہ اللہ اے ابوالحسن اگر یہی کرتے ہو تو میں نے یہ لڑکا اسی کو دے دیا آپ اس کے ٹکڑے نہ کیجیے. حضرت علی نے کہا اللہ اکبر یہ تیرا ہی بچہ ہے اسکا نہیں ہے اگر اس کا ہوتا تو یہ بھی تیری طرح سے بیتاب ہو جاتی ہے. پھر دوسری نے بھی اقرار کر

لیا کہ ہاں یہ بچہ اسی کا ہے. اُس وقت عمر بہت خوش ہوئے اور حضرت علی کو دعا دی.

جواب: یہ عجیب وغریب قصہ ہے ایک عرصہ دراز سے رافضی دنیا کے کرۂ باد میں گونج رہا ہے مگر نہ اسکی اصل ہے نہ کچھ بنیاد ہے. کسی رافضی نے آج تک اسکی کوئی سند بیان نہیں کی نہ کہیں سے اسکی صحت معلوم ہوتی ہے نہ اہل علم میں سے کسی نے اسکو ذکر کیا. کچھ بھی اگر اسکی حقیقت ہوتی تو اہل علم ضرور اس کا ذکر کرتے. یہ قصہ تو سلیمان بن داؤد علیہ السلام کا مشہور ہے اور صحیحین میں حضور انور نے فرمایا ہے. "**بینما امرا تان معهما ابنا هما جاء الذنب فذهب بابن احدهما فقالت لصاجتها انما ذهب بابنک وقالت الاخری انما ذهب بابنک فتحا کما الی داؤد فقضے به الکبری فخرجتا علے سلیمان بن داؤد فاخبرتاه فقال ائتونی بالسکین امثقه بینکما فقالت الصغری لا تفعل برحمک الله هوا بنها فقضے به الصغری**" یعنی دو عورتیں اپنے لڑکوں کے لیے ہوئے تھیں (اتفاق سے) بھیڑیا آیا اور ایک لڑکے کو لے گیا. ایک عورت نے دوسری عورت سے کہا بھیڑیا تیرے بچہ کو لے گیا ہے وہ بولی نہیں تیرے بچہ کو لے گیا ہے. یہ دونوں فیصلہ کرانے کے لیے حضرت داؤد علیہ السلام کے دربار میں گئیں تو آپ نے وہ بچہ (بھیڑئے کے پنجہ سے چھٹوا کے جبکہ وہ صحیح وسالم تھا). بڑی (عورت) کو دلوا دیا. یہ دونوں وہاں سے نکل کے سلیمان بن داؤد کے ہاں پہنچیں دونوں نے اپنا اپنا دعوے بیان کیا. حضرت سلیمان نے فرمایا کہ سکین (چھری) لاؤ اس بچے کے دو ٹکڑے کیے دیتا ہوں یہ سُنتے ہی چھوٹی عورت بولی بولی خدا آپ پر رحم فرمائے. ایسا نہ کیجئے یہ بیٹا اسی کو دلوا دیجئے. تب سلیمان نے وہ لڑکا چھوٹی (عورت کو دلوا دیا) ابو ہریرہ کہتے ہیں اللہ کی قسم سکین کا لفظ تو میں نے اسی روز سنا ہے ورنہ پہلے تو ہم چھری کو ندیہ کہا کرتے تھے. اب سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اگر بعض صحابہ نے خواہ اُن میں علی بھی ہوں یا اور کسی نے یہ قصہ حضور انور سے سُنا ہو جیسا کہ ابو ہریرہ نے سنا تھا. یا اُنہوں نے ابو ہریرہ سے سنا ہو تو یہ کچھ بعید نہیں ہے. اور اسی قصہ میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت سلیمان کو وہ حکم سمجھا دیا جسے داؤد علیہ السلام نہیں سمجھے تھے. اسی طرح سلیمان کو ایک حکم بھی سمجھا دیا تھا جسکی بابت ارشاد ہوا ہے. "اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي

الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ۔" (الانبیاء۷۸) سلیمان علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے یہ دعا کی تھی الٰہی مجھے وہ بات سمجھا دے جو تیرے حکم کے موافق ہے۔اس پر بھی ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ سلیمان،داؤد سے افضل تھے۔

ایک اور الزام: رافضی کہتے ہیں عمر نے ایک عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیا تھا جسکے چھ مہینہ میں بچہ پیدا ہو گیا پھر علی نے عمر سے کہا کہ اگر میں اس بارہ میں کتاب اللہ سے تم سے جھگڑوں تو غالب آسکتا ہوں کیونکہ اللہ فرماتا ہے۔"وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا" (الاحقاف:۱۵)اور فرماتا ہے "وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ" (البقرہ:۲۳۳)

جواب: ہم پہلے اِس بات کو ثابت کر آئے ہیں کہ فاروق اعظم اکثر صحابہ سے مشورہ لیا کرتے تھے اور یہ مشورہ حکم خداوندی کے مطابق تھا جیسا کہ خداوند تعالےٰ فرماتا ہے۔"وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ" (شوریٰ:۳۸) اُس عورت کے معاملہ میں جس کا نہ شوہر ہو نہ آقا ہو علماء کا اختلاف ہے اختلاف یہ ہے کہ ایسی عورت کو سنگسار کیا جائے یا نہیں اہل مدینہ اور سلف میں سے امام مالک وغیرہ کا یہ مذہب ہے کہ اُسے سنگسار کر دیا جائے یہی قول ایک روایت میں امام احمد کا ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا یہ مذہب ہے کہ اُسے سنگسار نہ کیا جائے۔اور ایک دوسری روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے یہ لوگ اسکی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ کبھی زبردستی بھی صحبت کر لی جاتی ہے یا کسی شبہہ کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہے مگر خلفائے راشدین سے پہلا ہی قول ثابت ہے۔فاروق اعظم نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا کہ جو مرد اور عورتیں زنا کریں کتاب اللہ کا اُن پر فتویٰ یہ ہے کہ انہیں سنگسار کر دیا جائے بشرطیکہ گواہوں سے اسکا ثبوت ہو یا عورت حاملہ ہو یا وہ خود اقرار کرے کہ میں نے زنا کیا ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو اس سے پایا جاتا ہے کہ فاروق اعظم نے زنا کے ثبوت میں حمل کو مثل گواہوں کے دلیل گردانا ہے بس اِسی قسم کا یہ قصہ ہے اسی طرح شرابی کے معاملہ میں اختلاف ہے کہ جب اُسے شراب کی قے ہو جائے یا اسکے منہ سے شراب کی بو آتی ہو تو اُسے حد لگائی جائے گی یا نہیں اِس میں ائمہ کے دو قول ہیں مگر حضور انور اور خلفائے راشدین سے یہ مشہور ہے کہ

بو آنے اور قے ہونے پر حد لگائی جاتی تھی مگر کسی گواہ کا یہ گواہی دنیا کہ اس نے شراب کی قے کی ہے یا یہ شہادت دینا کہ اس نے زنا کیا ہے مگر اسکا کوئی عینی ثبوت نہ ہو تو اس پر حد نہیں لگائی جاتی. زنا کی حدیں یا تو اقرار کرنے کی وجہ سے لگائی جاتی ہیں یا حمل ظاہر ہونے کی وجہ سے ہاں گواہی کی وجہ سے حد سے کہیں کم سزا دیجاتی ہے جیسا کہ جب دو آدمی ایک چادر میں ننگے دیکھے جائیں یا ایسی ہی کوئی اور صورت ہو خلاصہ یہ ہے کہ جب صحابہ کے نزدیک یہ بات معروف مشہور تھی کہ حمل کی وجہ سے حد لگائی جاتی ہے تو اگر کسی عورت کے چھ مہینہ سے کم میں بچہ پیدا ہو جائے گا تو اس پر حد قائم کر دی جائیگی اور چھ مہینہ میں بچہ پیدا ہو جانا تو بہت ہی نادر الوجود ہے. ایسے امور نادرہ کا کبھی خیال بھی نہیں ہوا کرتا. اِسی لیے فاروق اعظم نے اسکے مطابق حکم لگا دیا جو عورتوں میں عادۃً معروف ہے جیسا کہ حمل کی انتہائی مدت نو مہینہ کی قرار دی گئی ہے. ایسا بہت کم پایا جاتا ہے کہ کسی عورت کے ہاں سال ڈیرہ سال یا دو سال میں بچہ ہوتا ہو پس جب کسی عورت کے ہاں اپنے خاوند سے علیحدہ ہونے کے کئی سال کے بعد بچہ پیدا ہو تو آیا یہ اُسکے شوہر کا بچہ قرار دیا جائے گا یا نہیں اس میں اختلاف ہے اور یہ اجتہادی مسائل میں سے ہے بعض علما حمل کی انتہائی مدّت دو برس قرار دیتے ہیں چار برس اور بعض سات برس اور بعض کا یہ قول ہے کہ یہ ایک نادر الوجود امر ہے اسکی طرف التفات نہ کرنا چاہیے. جب شوہر نے اپنی بی بی کو نکال دیا اور عادت کے خلاف اُس کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو لامحالہ یہی کہنا پڑے گا کہ اسکے شوہر کا بچہ نہیں ہے.

ایک اور الزام: رافضی کہتے ہیں عمر تو احکام کے بارہ میں اکثر پریشان ہوا کرتے تھے کبھی کچھ حکم دیتے تھے اور کبھی کچھ چنانچہ دادا کے وارث ہونے میں اُنہوں نے یکے بعد دیگرے سو حکم لگائے.

جواب: اِسے اچھی طرح کان کھول کے سُن لیجئے کہ فاروق اعظم حق کے اعتبار سے اُن سب صحابہ میں زیادہ صائب الرائے تھے جو دادا کے وارث ہونے میں اختلاف کرتے تھے. کیونکہ بھائی کے ہوتے ہوئے دادا کو ورثہ ملنے میں صحابہ کے دو قول ہیں. ایک یہ کہ بھائی بے حق ہو جاتا ہے. اور یہ قول ابوبکر اور اکثر صحابہ کا ہے جیسے ابی بن کعب. ابو موسیٰ، ابن عباس، ابن زبیر ان کے علاوہ اور چودہ صحابیوں سے بھی ایسا ہی ذکر کیا گیا ہے. اور یہی مذہب امام ابوحنیفہ امام شافعی امام احمد کے

شاگردوں میں سے ایک گروہ کا ہے. مثلاً امام شافعی کے شاگردوں میں سے ابن سریج اور امام احمد کے شاگردوں میں سے ابوحفص برمکی اِسی قسم کی ایک روایت امام احمد سے بھی بیان کی جاتی ہے اور یہی قول صحیح بھی ہے. کیونکہ باپ کی اولاد میں سے بھتیجوں کو دادا کی طرف ایسی نسبت ہے جیسے دادا کی اولاد کو اپنے چچاؤں کے ساتھ نسبت ہے سب مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ دادا چچاؤں سے اولے ہوتا ہے. یعنی میت کے چچاؤں کے ہوتے مورث دادا قرار دیا جاتا ہے. اِس سے لازم آیا کہ دادا بھائیوں سے بھی اولے ہو اگر بھائی باپ کی اولاد ہونے کی وجہ سے وارث ہوتے ہیں. تو اُن کی اولاد یعنی بھتیجوں کی بابت یہی حکم ہونا چاہیے. اور جب اُن کی اولاد اُن کے مرتبہ کی نہیں ہوتی تو باپ کی اولاد ہونے کی وجہ سے اُنہیں بھی مقدم نہیں قرار دے سکتے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جب میت کا بیٹا دادا سے اولیٰ ہوتا ہے تو اسی طرح اس کا پوتا بھی دادا سے اولے ہوتا ہے علی ہذا القیاس. اب نانی کو ملاحظہ فرمایئے کہ مثل ماں کے ہوتی ہے یہاں سے یہ بات ضروری معلوم ہوتی ہے دادا مثل باپ کے ہے. ایک روایت میں یہ قول فاروق اعظم سے بھی مروی ہے. دوسرا قول یہ ہے کہ دادا بھائی کے حصے میں سے ورثہ لیتا ہے یہ قول، علی زید اور ابن مسعود کا ہے اور سب کے سب زید کے قول کے مقلد ہیں جیسے امام مالک، امام شافعی اور امام احمد لیکن ائمہ فقہا میں سے دادا کے وارث ہونے کے بارہ میں حضرت علی کے قول کی طرف کوئی نہیں گیا صرف ابن ابی لیلی سے مروی ہے کہ وہ حضرت علی کے قول کے مطابق حکم دیا کرتے تھے. حضرت علی بھی اپنے ایک قول پر قانع نہ تھے. اس معاملہ میں اُن کے بہت سے مختلف قول ہیں. اگر پہلا قول اُنکا ٹھیک ہے تو وہ بھی حضرت عمر کا ہے اور اگر دوسرا قول ٹھیک ہی تو وہ بھی حضرت عمر کا ہے. زید کے فتوے کا لوگوں میں اس لیے رواج ہو گیا کہ وہ فاروق اعظم کے قاضی تھے. دادا کے بارہ میں فاروق اعظم اُن کے حکم کو جاری رکھتے تھے کیونکہ صدیق اکبر کے قول کے مطابق یہ سمجھتے تھے کہ دادا مثل باپ کے ہے. پھر جب فاروق اعظم خود دادا ہو گئے یعنی اُن کے ہاں پوتے پیدا ہو گئے تو آپ نے اتقا کی وجہ سے یہ معاملہ زید کو سونپ دیا. اب رافضیوں کا یہ کہنا کہ عمر نے دادا کے بارہ میں سو حکم لگائے ہیں اگر صحیح بھی ہو تو اُس سے یہ مراد نہیں ہو سکتی کہ آپ نے ایک ہی مسئلہ میں سو حکم لگائے یہ بالکل ایک ناممکن بات ہے. یہ بات بھی سمجھنے کی

ہے کہ دادا کے وارث ہونے میں تو اتنا نزاع بھی نہیں ہے جتنا مسئلہ خرقا میں ہے. یعنی میت نے جب ایک ماں ایک بہن اور ایک دادا چھوڑا ہو تو ورثہ باہم کیونکر تقسیم کیا جائے اِس میں بھی چھ قول ہیں. تو اِس سے معلوم ہوا کہ اگر رافضیوں کا یہ کہنا صحیح ہو تو اُس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ فاروق اعظم نے دادا کے سو مسئلوں میں فتوی دیا اور حکم لگا دیا. اب رہا اقوال اور فتوؤں میں اختلاف. تو یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جتنا حضرت علی کے اقوال میں اختلاف ہے کسی صحابی کے قول میں اتنا اختلاف نہیں ہے. اور اسے اہل فرائض سب جانتے ہیں. ہم تو یہی کہتے ہیں کہ رافضیوں کا یہ کہنا کہ عمر نے دادا کے معاملہ میں سو حکم لگائے محض غلط اور بالکل لغو ہیں. کیونکہ فرائض کے مسائل میں دادا اور بھائیوں کا جمع ہونا بہت ہی کم دیکھا گیا ہے. فاروق اعظم تو کُل دس برس خلیفہ رہے ہیں اور اس زمانہ خلافت میں ایسا اتفاق ہو چکا ہے کہ آپ دادا کی میراث کے بارہ میں حکم دینے سے رُک گئے تھے. صحیح میں ثابت ہے کہ فاروق اعظم نے فرمایا کہ میں مسائل میں جنکی بابت میری تمنا تھی کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ ہم سے اُن کی تفصیل بیان کر دیتے تو بہتر تھا ایک دادا کی میراث کی دوسرے کلالہ کے مسئلہ کی تفصیل اور تیسرے ربوا کی چند صورتوں کی تفصیل. یاد رکھو جسے کسی بات میں توقف ہوتا ہے وہ اسمیں کچھ حکم نہیں کیا کرتا. پھر فاروق اعظم کا دادا کی میراث کے متعلق سو مسائل میں فتویٰ دینا ایک مضحکہ خیز استدلال ہے جو کسی صورت سے بھی قائم نہیں رہ سکتا.

ایک اور الزام: رافضی کہتے ہیں کہ عمر نے مال غنیمت اور عطا میں ایک کو دوسرے سے زیادہ دیا حالانکہ اللہ تعالے نے تسویت یعنی سب کو برابر دینا، واجب کیا.

جواب: یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ فاروق اعظم نے کبھی بطور خود مال غنیمت کو تقسیم نہیں کیا. ہاں صرف یہ ہوتا تھا کہ آپ خمس نکالنے کے بعد لشکریوں کو دے دیتے تھے. اور وہ آپس میں تقسیم کر لیتے تھے بلکہ مزید براں کل مال غنیمت لشکریوں کے سپرد کر دیا جاتا تھا. اور وہ خود ہی خمس نکال کر حضرت فاروق اعظم کے پاس بھیج دیتے تھے اور باقی کا مال آپس میں تقسیم کر لیتے تھے. فاروق اعظم پر کیا منحصر ہے کسی نے بھی آج تک یہ نہیں کہا کہ مال غنیمت میں سے کم زیادہ دینا واجب ہے لیکن

ہاں علما کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا امام کو اتنا اختیار ہے کہ بعض عالموں کو بعض سے زیادہ دیدے. جس وقت کہ زیادہ دینے میں اُسے کوئی نفع ظاہر ہو. علما کے اِس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ جائز ہے کہ امام کسی کا زیادہ حق دیکھ کر اُسے کچھ زیادہ دے اور یہ مذہب امام ابو حنیفہ کا ہے اور اسکی دلیل یہ ہے کہ حضور انور ﷺ نے خمس نکالنے کے بعد بدایہ میں چوتھائی اور رجعت میں تہائی زیادہ دیا تھا اور اسے ابوداؤد وغیرہ نے نقل کیا ہے اور یہ خمس نکالنے کے بعد چار حصوں میں سے بعض غانموں کو زیادہ دینا ہے۔ دوسری دلیل صحیح مسلم کی روایت ہے کہ غزوہ غابہ میں سلمہ بن اکوع کو حضور انور نے ایک سوار اور ایک پیادہ کے دو حصے دیئے تھے. حالانکہ سلمہ پیادہ تھے وجہ یہ تھی کہ سلمہ نے اِس قدر بہادرانہ کام کیا تھا کہ وہ اوروں سے ممتاز ہو گئے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ زیادہ دینا جائز نہیں ہے اور یہ مذہب امام مالک اور امام شافعی کا ہے امام مالک کا قول ہے کہ امام خمس میں سے زیادہ دے سکتا ہے اور کسی میں سے زیادہ نہیں دے سکتا اسی طرح امام شافعی کا قول ہے کہ ساری غنیمت کے پچیسیویں حصہ میں سے امام کو دینے کا حق حاصل ہے اور صحیح میں ابن عمر سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ نجد کی طرف ہم نے حضور انور ﷺ کی طرف ہو کر جہاد کیا تھا اور ہمارے حصہ میں بارہ اونٹ آئے تھے پھر حضور انور نے ہمیں ایک اونٹ اور زیادہ دے دیا اور یہ دینا مال غنیمت کا پچیسواں حصہ تھا.

خلاصہ یہ ہے کہ مسئلہ اجتہادی ہے جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی مصلحت کی وجہ سے زیادہ دینے کو جائز رکھتے تھے وہ اِس شان کے آدمی تھے کہ اللہ نے ان کے دل اور اُن کی زبان پر حق کا سکہ بٹھا دیا تھا اِس لیے اُن پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا. باقی رہا عطا میں زیادہ دینا بلا شک وشبہ یہ بات صحیح ہے کہ فاروق اعظم زیادہ دیتے تھے اور اِس زیادہ دینے میں لوگوں کے مراتب کا خیال آپ کرتے تھے ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو سب کو مساوات میں کر دوں گا مگر ابوبکر صدیق عطا میں برابر دیتے تھے و علی ہذا القیاس حضرت علی اور حضرت عثمان بھی زیادہ دیتے تھے.

مگر خوب سمجھ لینا چاہیے کہ یہ مسئلہ بھی اجتہادی ہے اِس میں بھی دو قول ہیں کہ آیا امام کسی مصلحت کی وجہ سے زیادہ دے سکتا ہے یا نہیں. امام احمد سے دونوں روایتیں موجود ہیں. عطا میں برابر دینے کو امام

ابو حنیفہ اور امام شافعی نے پسند کیا ہے اور زیادہ دینا امام مالک کا قول ہے. مگر رافضیوں کا یہ الزام یا اڈّعا کہ اللہ تعالے نے عطا میں برابر دینا واجب کیا ہے کہیں سے بھی ثابت نہیں ہوتا۔ رافضیوں نے بھی کوئی دلیل ایسی نہیں دی اگر رافضیوں کی طرف سے آج تک کوئی دلیل پیش ہوتی تو ہم اس پر ضرور بحث کرتے جیسا کہ ہم نے اجتہادی مسائل میں بحث کی ہے علماء میں سے جو لوگ برابر دینے کے قائل ہیں اُنہوں نے یہ دلیل بیان کی ہے کہ مواریث میں اللہ تعالیٰ نے ایک قسم کے لوگوں کا برابر ہی حصہ مقرر فرمایا ہے اور کسی کو کسی وجہ سے زیادہ دینے کا حکم نہیں دیا. مگر وہ لوگ جو زیادہ دینے کے قائل ہیں یہ جواب دیتے ہیں کہ ورثہ کے معاملہ میں تو لوگ ایک سبب سے مستحق ہوتے ہیں نہ کسی عمل کی وجہ سے اسے مواریث پر قیاس نہیں کر سکتے. دوسری دلیل اُنہوں نے یہ بیان کی ہے کہ مغانم میں بھی حضور انور نے ایک قسم کے لوگوں کو برابر ہی حصہ دیا تھا. جیسا کہ صحیحین میں ثابت ہے اور یہی قول جمہور یعنی امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد کا ہے. بعض کہتے ہیں آپ نے دو حصہ دیئے تھے اور یہ قول امام ابو حنیفہ کا ہے. اس بارہ میں بہت سی حدیثیں بھی مروی ہیں مگر وہ ضعیف ہیں لہٰذا ہم ان پر توجہ نہیں کرتے مگر صحیحین میں ثابت ہے کہ جنگ خیبر میں حضور نے ایک ایک سوار کو تین تین حصہ دیئے تھے ایک حصہ اُسکا اور دو حصے اُسکے گھوڑے کے. اس فوج کے کل سپاہی چودہ سو تھے جن میں دو سو سوار تھے حضور نے خیبر کی غنیمت کے اٹھارہ حصے کیے تھے چھ سو سواروں کو دیئے تھے اور بارہ سو حصے بارہ سو پیادوں کے علاوہ گھوڑوں کے ان میں شتر سوار بھی تھے مگر اونٹوں کا حصہ نہیں لگایا گیا تھا. اور جو زیادہ دینے کو جائز کہتے ہیں میں اُن کا قول یہ ہے کہ اصل تو برابری ہی دینا ہے لیکن کبھی امام زیادہ بھی دے سکتا ہے. ان تمام اجتہادی مسائل کا یہ نتیجہ نکلا کہ زیادہ دینے کا جواز ثابت ہو گیا اور یہی قول زیاد صحیح ہے کہ اصل تو برابر ہی دینا ہے ہاں اگر کوئی بڑی مصلحت ہو تو زیادہ دینا بھی جائز ہے. فاروق اعظم نے کبھی خواہش یا کسی سے اپنے کو محبت ہونے کی وجہ سے یا کسی کو رشتہ داری کی وجہ سے کبھی ایک پائی بھی زیادہ نہیں دی. کسی روایت یا تاریخ سے یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ آپ نے وجوہات مندرجہ بالا کی وجہ سے کسی کو زیادہ دیا ہو بلکہ آپ تو غنیمت کے مال کو فضائل دینیہ

کے موافق تقسیم کرتے تھے اور اسی وجہ سے مہاجرین اور انصار میں سے سابقین اولین کو مقدم رکھتے تھے. پھر صحابہ میں سے اُن کے بعد ہوں اور پھر جو ان کے بعد ہوں. اور آپ کو اور اپنے رشتہ داروں کو ہمیشہ آپ نے کم دیا. چنانچہ آپ نے اپنے صاحبزادے اور صاحبزادی کا حصہ اُن سے کم کر دیا تھا جو اُن سے افضل تھے. اعتراض تو اُس شخص پر ہوسکتا ہے جس نے محض ذاتی خواہش کی وجہ سے کسی کو زیادہ دیا ہو. باقی جس کا مقصود صرف اللہ کی خوشنودی اور اُس کے رسول کی اطاعت ہی ہو اور وہ اُسکی تعظیم کرے اور اللہ کے رسول نے تعظیم کی ہو اور اُسی کو مقدم سمجھے جس کو اللہ اور اللہ کے رسول نے مقدم سمجھا ہو ایسی حالت میں اُسکی تعریف کرنی چاہیے یا اُسکی برائی. یہ بات مسلم ہے اور اِس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ آپ حضرت علی اور حسنین کو اس قدر دیتے تھے کہ اُن کے اور برابر والوں کو اتنا کبھی نہ دیا تھا اسی طرح حضور انور کے اور سب رشتہ داروں کا لحاظ کرتے تھے اور اگر آپ برابر دیتے تو سوائے ایک خفیف سے حصہ کے اُنہیں کچھ بھی نہ پہنچتا.

ایک اور الزام: رافضی حضرت عمر پر یہ طعن کرتے ہیں کہ آپ اپنی رائے سے بہت کام لیتے تھے اور جو دل میں آتا کر گزرتے تھے۔

جواب: رائے سے کام لینا اگر یہ ہم تسلیم کرلیں کہ حضرت عمر کا فعل تھا تو اس کے مقابلہ میں حضرت علی سب سے زیادہ اپنی رائے سے کام لینے والے تھے. یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اہل قبلہ کی گردنیں اڑانے میں حضرت علی نے محض اپنی رائے سے کس قدر اصرار کیا تھا جیسا کہ سنن ابوداود وغیرہ میں حسن سے مروی ہے اور وہ قیس بن عباد سے روایت کرتے ہیں اُن کا قول ہے کہ میں نے خود علی سے کہا تھا کہ آپ ہمیں یہ تو بتا دیجئے کہ یہ طریقہ جو آپ نے اختیار کرلیا ہے کیا حضور انور نے کبھی آپ کو اسکی اجازت دی تھی یا آپ اپنی ہی رائے سے جو چاہتے ہیں کرتے ہیں. حضرت علی نے جواب دیا کہ اِس بارے میں حضور انور نے تو مجھ سے کچھ نہیں فرمایا بلکہ جو کرتا ہوں اپنی ہی رائے سے کرتا ہوں. میری سمجھ میں یہی آیا ہے ایسی خود رائی کی باتیں حضرت علی سے بہت

ہیں اور جنہیں تمام رافضی دنیا بھی مل کے نہیں جھٹلا سکتی۔ یہ حدیث جو روایت کی
کثرت سے ثابت ہیں اور جنہیں تمام رافضی دنیا بھی مل کے نہیں جھٹلا سکتی۔ یہ حدیث جو روایت کی
جاتی ہے کہ حضور انور نے ناکثین قاسطین مارقین کو قتل کر دینے کا حکم دیا تھا یہ روایت محض موضوع ہے
اسکی کہیں سے سند نہیں پائی جاتی بالکل غلط اور سراپا غلط ہے حضور انور پر افترا باندھا گیا ہے. یہ اچھی
طرح سمجھ لیا جائے کہ اگر رائے سے کہنا کچھ بُرا نہیں ہے تو اُن لوگوں پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا
جنہوں نے اپنی رائے سے کام کیا ہے اور اگر رائے سے کہنا برا ہے تو اُس شخص کی رائے سے زیادہ
بُری رائے کسی کی نہیں ہوسکتی جس نے محض اپنی ذاتی خواہش اور ذاتی رائے کی بنا پر ہزار ہا مسلمانوں
کے سر اُڑوا دیئے حالانکہ اُن کے سر اُڑا دینے سے مسلمانوں کی کوئی بھلائی نہیں ہوئی نہ دین میں اور
نہ دنیا میں بلکہ جو امن وامان پہلے سے موجود تھا اُس میں خرابی پڑ گئی اور اسلام کی عمارت کی بنیادیں
چرچرا گئیں اور ایک زمانہ تک اسلام سخت مخدوش حالت میں رہا. اگر بنو امیہ میں سے ایسے اولوالعزم
خلیفہ نہ ہوتے کہ جو علائے کلمۃ الحق کے لیے اپنی فوجوں کو نصرانی دنیا کی طرف نہ بڑھاتے تو
حقیقت میں مسلمان جزیرہ نمائے عرب میں گھٹ کے مرجاتے اور پھر چند روز کے بعد اُنکا نام و
نشان صفحۂ ہستی سے مٹ جاتا. جب حضرت علی کی رائے پر جس سے درحقیقت اسلام کی بنیادیں ہل
گئیں کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا تو فرائض اور طلاق کے مسائل میں فاروق اعظم وغیرہ پر اعتراض
کرنا بدرجہ اولے نہ چاہیے حالانکہ ایسے مسائل میں خود حضرت علی بھی ان کے شریک تھے۔ ان کی
رائے بھی بہت سے مسائل میں انہیں کے موافق تھی ہاں مسلمانوں کا خون بہانے میں حضرت علی کی
رائے بالکل اکیلی رائے تھی اور اُن کے ساتھ کبھی کوئی شریک نہیں ہوا. خود حضرت علی کے
صاحبزادے حسن اور اکثر سابقین اولین حضرت علی کے سخت مخالف تھے. اب اجتہادی مسائل پر توجہ
کیجئے یہ سب جانتے ہیں کہ دادا کی میراث وغیرہ کے مسائل میں حضرت علی کا قول رائے ہی سے ہوتا
تھا. ایک مرتبہ حضرت علی نے خود کہا تھا کہ امہات الاولاد کو بیچنے سے منع کر دینے پر میری اور عمر کی
رائے متفق ہوگئی تھی مگر اب میری یہ رائے ہے کہ انہیں بیچ دیا جائے تو اُسکے جواب میں اُن ہی کے
قاضی عبیدۃ السلمانی نے کہا کہ آپ کی وہ رائے جو عمر کی رائے کے ساتھ تھی ہمیں آپ کی اِس اکیلی

رائے سے زیادہ مرغوب اور پسندیدہ ہے. صحیح بخاری میں ایوب سے مروی ہے وہ ابن سیرین سے اور وہ عبیدہ سے اور وہ علی سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا تھا کہ تم وہی حکم دیتے رہو جو پہلے سے دے رہے ہو کیونکہ میں اختلاف کو بُرا جانتا ہوں تا کہ سب لوگ اس بات پر متفق ہو جائیں. اور جب تک میں مثل اپنے ساتھیوں کے مر جاؤں اُن کو ایک امر پر متفق دیکھوں. راوی کہتا ہے ابن سیرین یہ سمجھتے تھے کہ جو روایتیں حضرت علی سے مروی ہیں وہ اکثر جھوٹی ہیں. امام شافعی اور محمد بن نصر مروزی نے وہ مسائل جمع کئے ہیں جو علی اور ابن مسعود کے قول سے متروک کر دیئے گئے ہیں اور ان میں سے اکثر ایسے ہیں جن کے خلاف حدیث آ چکی ہے. جیسے کہ وہ حاملہ عورت جس کا شوہر مر چکا ہو اِس بارہ میں علیؓ کا یہ مذہب ہے کہ وہ عورت دونوں عدتوں میں بڑی عدت کو گزارے اور حضورانور کی حیات میں ابوالسنابل بن بعکک نے اِسی کے موافق فتویٰ دیا تھا مگر جب سبیعہ اسلمیہ حضورانور کی خدمت حاضر ہوئی اور اُس نے یہ سارا ماجرا جب آپ سے ذکر کیا تو آپ نے صاف لفظوں میں فرمایا کہ ابوالسنابل جھوٹا ہے تیری عدت تو بچہ پیدا ہوتے ہی پوری ہوگئی. جہاں تیرا جی چاہے تو نکاح کر لے. اس روایت کا ذکر ہم پہلے بھی کر آئے ہیں. یہاں صرف حضرت علی کی رائے کا وزن دکھانا تھا کہ حضورانور نے کس شدومد سے اُس رائے کی تردید کی اِس لیے ہم نے دوبارہ اِس روایت کو یہاں نقل کر دیا. یہ خوب سمجھ لو اور اچھی طرح سے جانچ لو کہ اگر رائے سے کہنا گناہ ہے تو عمر کے سوا علی وغیرہ کا گناہ عمر کے گناہ سے بدرجہ بڑھ کر ہے کیونکہ جس نے اپنی رائے سے مسلمانوں کے خون بہانے کو حلال سمجھ لیا اُس کا گناہ ایسے شخص کے گناہ سے بدرجہ بڑھا ہوا ہوگا جس نے ایک معمولی مقدمہ میں اپنی رائے سے حکم دیا حالانکہ اس میں بھی سارا حکم غلط نہ ہو بلکہ کچھ صواب بھی ہو اور کچھ غلطی بھی ہو. یہ بات مسلم ہے کہ صواب میں فاروق اعظم سب سے زیادہ نصیب ور ہیں کیونکہ جس قدر صواب اُن کی رائے میں ہوتا ہے اُتنا اور کسی کی رائے میں نہیں ہوتا. اگر رائے، رائے سب بہتر اور صواب ہی ہو تو بھی وہ صواب جس میں کوئی بڑی مصلحت ہو اُس صواب سے بہتر اور افضل ہے جس میں اُس سے کم مصلحت ہو. ہم بلا خوف تردید یہ بات کہہ سکتے ہیں. اور یہ بات مانی

ہوئی ہے کہ فاروق اعظم کی کل رایوں میں مسلمانوں کی بڑی بڑی مصلحتیں ہوتی تھیں. غرض یہ ہے کہ صحابہ میں سے جو لوگ رائے سے کہنے والے ہیں تعریف کے موقعوں میں فاروق اعظم اُن سب سے ہر صورت میں بڑے ہوئے ہیں اور بُرائی کے موقعوں میں اُن سب سے کم ہیں. حضور انور رسول اللہ ﷺ سے صحیحین میں یہ بات ثابت ہے آپ نے فرمایا ہے "ان قد کان فی الامم قبلکم محدثون فان یکن فی امتی احد فعمر" یعنی تم سے پہلی امتوں میں محدث لوگ ہوت تھے پس میری امت میں اگر کوئی محدث ہے تو وہ عمر ہے. مسند وغیرہ میں مروی ہے "ان اللہ تعالیٰ ضرب الحق علی لسان عمر و قلبہ" یعنی بے شک اللہ تعالی نے عمر کی زبان اور دل پر حق کا سکہ جما دیا. عبداللہ بن عمر کہا کرتے تھے کہ جس چیز کی بابت میں فاروق اعظم کو یہ کہتے ہوئے سنتا ہوں کہ میرے خیال میں فلاں بات اِس طرح ہوگی تو وہ ضرور اسی طرح ہو جاتی ہے. پس نصوص اجماع اور اعتبار سب اسی پر دال ہیں کہ فاروق اعظم کی رائے صائب ہونے میں عثمان، علی، طلحہ، زبیر سب صحابہ کی رائے سے اولےٰ ہے اور اِسی واسطے آپ کی رائے کے آثار نہایت ہی محمود ہوتے ہیں اُنمیں دین و دنیا کی صلاحیت درجہ کمال پر ہوتی ہے. یہی وجہ تھی کہ سلطنت مشرقی اور کیانی سلطنت کے بہت سے شہر فتح ہوگئے اور ان فتوحات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت دی اور کفر و نفاق کو ذلیل کیا. فاروق اعظم ہی نے دیوان کی بنیاد ڈالی. عطا کا محکمہ قائم کیا. اہل ذمہ پر صغار وغیار لازم کیا فجار کا قلع وقمع کر دیا. عاملوں کو درست کیا. اُن کے زمانہ میں اسلام کو وہ عروج ہوا جسکی نظیر دنیا کی کسی تاریخ میں نہیں ملتی. فاروق اعظم کے کمال، سیرت، علم اور انصاف میں ایسے شخص کو جسے کچھ بھی عقل اور انصاف کا حصہ ملا ہے کبھی شک نہیں ہوسکتا. یاد رکھو کہ شیخین یعنی صدیق اکبر اور فاروق اعظم پر سوائے دو آدمیوں کے کوئی طعنہ زن نہیں ہوسکتا ایک وہ جو منافق، زندیق، ملحد اور اسلام کا دشمن ہے اور جو اِس طعنہ زنی کو رسول اور دین اسلام میں طعنہ زنی کا وسیلہ بناتا ہے اور یہ جال رافضیوں کے ائمہ باطنیہ اور اُس معلم اوّل کا ہے جس نے سب سے پہلے رفض کی بنیاد ڈالی تھی. دوسرا وہ شخص جو انتہا درجہ کا جاہل اور غرض وہوس میں ہمہ تن مبتلا ہو. اگر کوئی رافضی یہ کہے کہ علی معصوم

تھے کوئی بات اپنی رائے سے نہیں کہتے تھے بلکہ وہ جو کچھ کہتے تھے مثل رسول کی نص کے ہوتا تھا۔اور وہ معصوم امام تھے اُن کی امامت رسول کی طرف سے منصوص ہو چکی ہے تو اسکا جواب ہم یہ دینگے کہ بدعت میں تمہاری طرح خوارج ہیں کہ وہ سب کے سب حضرت علی کو کافر کہتے ہیں حالانکہ رافضیوں کی بہ نسبت وہ بڑے بڑے عالم بڑے سچے اور بڑے دیندار ہیں جو لوگ خوارج اور روافض سے اچھی طرح واقف ہیں وہ ہمارے اِس استدلال میں کبھی شک نہیں کر سکتے۔صحیحین میں حضور انور ﷺ سے ثابت ہے آپ نے فرمایا کہ خارجیوں میں ایسے بھی ہوں گے جو اپنی نمازوں کے سامنے تمہاری نمازوں کو اور اپنے روزں کے سامنے تمہارے روزوں کو اور اپنے قرآن شریف پڑھنے کے سامنے تمہارے قرآن شریف پڑھنے کو حقیر سمجھیں گے۔الحمدللہ اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ یہ خارجی بے شک گمراہ اور بدعتی ہیں۔نصوص صحیحہ کی رو سے ان سے قتال کرنا واجب ہے۔حضرت علی کے اعمال میں افضل خارجیوں سے قتال کرنا ہی تھا۔اور ان سے قتال کرنے پر سب صحابہ کا بھی اتفاق ہے۔علماء سنت نے کبھی اس میں اختلاف نہیں کیا۔

حضرت عثمان غنیؓ کے مطاعن:

پہلا طعنہ: رافضی کہتے ہیں عثمان نے مسلمانوں کے کاموں میں ایسے ایسے لوگوں کو والی یعنی حاکم بنا دیا تھا جو ولایت یعنی حکومت کرنے کے ہرگز قابل نہ تھے۔ یہاں تک کہ ان میں بعض سے فسق و فجور ظاہر ہوا اور بعض کی خیانتیں مشہور ہو گئیں۔اس کے علاوہ عثمان نے اپنے قرابت داروں میں مختلف بلاد اسلامیہ کو تقسیم کر دیا۔ چونکہ وہ ایسی حکومتوں کے اہل نہ تھے کئی بار عثمان کی طرف سے اُن پر عتاب نازل ہوا لیکن اُنہوں نے اپنی بدکرداری سے رجوع نہ کیا اور اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے ولید بن عقبہ کو عامل کر دیا۔ یہ شخص بڑا شرابی تھا اُس نے نشہ ہی کی حالت میں لوگوں کو نماز پڑھا دی۔پھر سعید بن عاص کو کوفہ کا عامل کر دیا اُس سے ایسے افعال سرزد ہوئے کہ کوفہ والوں نے اُسے اپنے ہاں سے نکال دیا۔اِسی طرح عبداللہ بن ابی سرح کو مصر کا حاکم کر دیا اس نے ایسا ظلم کرنا شروع کیا کہ اہل مصر اسکے ظلم سے تنگ آئے اور اسکے ساتھ یہ چال کی کہ ظاہر تو اس سے یہ کہا کہ تو اپنے

عہدہ پر رہ ہم مطمئن ہیں مگر درپردہ اسکے خلاف لکھا محمد بن ابی بکر کو قتل کرنے کا حکم دے دیا معاویہ کو شام کا حاکم مقرر کر دیا اسنے اس قدر فتنہ وفساد برپا کئے جو سب کو معلوم ہیں عامر بن عبداللہ کو بصرہ کا حاکم مقرر کر دیا وہ بھی بہت سے ناجائز افعال مرتکب ہوا مروان کو اپنا کار مختار بنا دیا، اور اپنے کرنے کے سب کام اُس کے ذمہ کر کے مہر سلطنت بھی اُسکے حوالہ کر دی پھر اسکا یہ نتیجہ ہوا کہ خود عثمان بھی قتل کر دیئے گئے اور تمام رعیت میں طرح طرح کے فساد اور قسم قسم کے فتنے پھیل گئے. آپ اپنے گھر والوں کو بیت المال سے بے انتہا مال دیتے تھے. مثلاً قریشی خاندان کے چار آدمیوں کو جن سے اپنی لڑکیوں کی شادی کی تھی چار لاکھ اشرفیاں دے دیں. اور ایک کڑور اشرفیاں مروان کو بخش دیں. ابن مسعود عثمان پر اعتراض کرتے تھے اور انہیں کافر کہتے تھے عثمان نے انہیں ایسا پٹوایا کہ وہ مر گئے. اسی طرح عمار کو اس قدر مارا کہ اُنہیں فتق کی بیماری ہوگئی. حالانکہ عمار کے حق میں حضور انور ﷺ فرما چکے تھے کہ عمار کو ایک ایسی باغی جماعت کے لوگ ماریں گے جنہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ میری شفاعت کا حصہ نہیں دیگا. عمار کا فقط قصور یہ تھا کہ وہ عثمان کے بیجا کاموں پر اعتراض کیا کرتے تھے عثمان کے چچا حکم بن عاص کو حضور انور ﷺ نے مدینہ منورہ سے نکال دیا تھا اور اسکے ساتھ اس کا بیٹا مروان بھی جلاوطن کیا گیا تھا ابوبکر اور عمر کے زمانہ میں بھی یہ خارج البلد رہے مگر عثمان نے خلیفہ ہوتے ہی ان دونوں باپ بیٹوں کو بلالیا. اور اس قدر مہربانی کی کہ مروان کو اپنا وزیر کرلیا. حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے لَا تَجِدُ قَوْماً یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّاللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَوْ کَانُوْآاٰبَآءَ ھُمْ اَوْ اَبْنَآءَ ھُمْ (مجادلہ:۲۲) یعنی جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں تم اُنہیں ایسا کبھی نہ پاؤ گے. جو اُس شخص سے محبت کریں جو اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کرے گو وہ اُن کے باپ اور اُن کے بیٹے ہی کیوں نہ ہوں." ابوذر کو ربذہ کی طرف نکال دیا. اور انہیں بہت سخت مارا حالانکہ اُن کے حق میں حضور انور ﷺ نے فرمایا تھا کہ آسمان اور زمین کے بیچ میں ابوذر سے زیادہ سچا کوئی نہیں. پھر حضور نے یہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی بھیجی ہے کہ وہ میرے صحابہ میں چار آدمیوں سے محبت رکھتا ہے اور اُن ہی سے مجھے بھی محبت رکھنے کا حکم دیا عرض کیا گیا یا رسول اللہ وہ کون ہیں. فرمایا اُن کے سردار تو علی ہیں اور ان کے سوا سلیمان،

مقداد، اور ابوذر ہیں. عثمان نے حدود اللہ کو ضائع کر دیا تھا. کیونکہ جس وقت امیر المومنین کے مولا ہرمزان کے مسلمان ہونے کے بعد عبید اللہ بن عمر نے اُسے قتل کر دیا تھا عثمان نے عبید اللہ کو قصاص میں قتل نہ کیا جب حضرت علی نے عبید اللہ پر قصاص قائم کرنے کے لیے اُسے مانگا تو وہ معاویہ کے ساتھ جاملا. ولید بن عقبہ کی شراب خوری کی حد کو بھی عثمان نے معاف کر دیا تھا لیکن حضرت علی نے اُس کے حد لگادی اور فرمایا کہ میرے ہوتے ہوئے اللہ کی حد کو کوئی نہیں چھوڑ سکتا. عثمان نے جمعہ کے دن ایک اور اذان بڑھادی اور یہ بدعت ہے جو آج تک سنت چلی آتی ہے. سب مسلمان اُن کے مخالف ہو گئے تھے یہاں تک کہ اُنہیں قتل ہی کر دیا. اور اُن کے افعال پر بہت کچھ نکتہ چینیاں ہوئیں. لوگوں نے اُن سے یہ بھی کہا کہ جنگ بدر میں تم حضور انور ﷺ کے ساتھ نہ تھے. جنگ احد میں بھاگ گئے تھے. بیعت الرضوان میں تم حاضر نہ تھے. غرض اِسی قسم کی اور بہت سی باتیں ہیں جو شمار میں نہیں آسکتیں. فقط

جواب : اِن مطاعن کا لبِ لباب یہ ہے کہ حضرت عثمان کے عامِل خائن اور نافرمان تھے. اگر تھوڑی دیر کے لیے اِسے تسلیم کر لیا جائے تو یہ بات ماننی پڑے گی کہ وہ عامِل جو حضرت علی نے اپنے زمانہء خلافت میں مقرر کیے تھے حضرت عثمان کے مقرر کردہ عاملوں سے زیادہ خائن، زیادہ نافرمان، زیادہ عیاش، زیاد شرابی اور زیاد ظالم تھے. حضرت علیؓ کے عاملوں کے بارے میں لوگوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں جنہوں نے نہ صرف رعایا کا بلکہ گورنمنٹ کا مال دبالیا. خیانت کی اور پھر حضرت علی کو چھوڑ کر امیر معاویہ کے ساتھ ہو گئے حضرت علی نے خود زیاد بن ابی سفیان اور ابو عبید اللہ بن زیاد کو جس پر حضرت امام حسین کے قتل کا الزام لگایا جاتا ہے. عامِل مقرر کیا تھا اور آپ ہی نے اشتر نخعی اور محمد بن ابی بکر وغیرہ کو حاکم بنایا تھا. اس میں کسی عاقل کو شک نہیں ہوسکتا کہ معاویہ بن ابی سفیان اِن سب لوگوں سے یقیناً بہتر تھے. تعجب یہ ہے کہ رافضی عثمان کی اُنہیں باتوں پر اعتراض کرتے ہیں جن باتوں کا پتہ حضرت علی کی خلافت میں پورا پورا ملتا ہے. چنانچہ اُن کا اعتراض ہے کہ عثمان نے بنی اُمیہ میں سے اپنے قرابت داروں کو حاکم کر دیا تھا مگر اُنہوں نے حضرت علی کے اسی قسم کے فعل سے اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لی ہے. کیا کوئی انکار کر سکتا ہے کہ حضرت علی نے اپنے

باپ اور ماں دونوں طرف کے قرابت داروں کو حاکم نہ کر دیا تھا. جیسے کہ عباس کے دونوں بیٹے عبداللہ اور عبیداللہ کو حاکم بنا دیا تھا.عبیداللہ بن عباس یمن کے حاکم بنائے گئے تھے.مکہ اور طائف پر قثم بن عباس حکمرانی کرتے تھے. اور مدینہ پر بعض کے قول کے مطابق سہل بن حنیف اور بعض کی تحقیق کے مطابق ثمامہ بن عباس حاکم بنا دیئے گئے تھے بصرہ عبداللہ بن عباس اور مصر پر حضرت علی نے ربیب محمد بن ابی بکر کو جس نے اُن کے ہاں پرورش پائی تھی گورنر بنا دیا تھا. اِس کے علاوہ امامیہ یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ خلافت کے بارے میں حضرت علی نے اپنی اولاد کو خاص کر دیا تھا.اور اُنکی اولاد نے اپنی اولاد کو اسی طرح سلسلہ وار یہ معاملہ طے پاتا چلا گیا حالانکہ یہ سب جانتے ہیں کہ اگر قرابت داروں کو عامل کرنا اور والی بنانا خلاف ہے.تو خلافت عظمٰے کا کسی کو والی کر دینا بعض کو بعض صوبوں کا گورنر بنا دینے کے مقابلہ میں اور بھی زیاد خلاف ہوگا.خاص کر چچا کی اولاد کے مقابلہ میں اپنی اولاد کو والی بنا دینا سب سے زیادہ قابل اعتراض ہے. یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ جو وکیل اپنے لیے کچھ نہیں خرید سکتا تو اپنے بیٹے کے لیے بھی کچھ نہیں خرید سکتا اور اگر کوئی اُسے روپیہ سونپ دے کہ وہ جسے چاہے عطا کر دے تو وہ نہ اپنے لیے لے سکتا ہے نہ اپنی اولاد کو دے سکتا ہے. ہاں غیروں پر بے شک بخشش کر سکتا ہے. اسی طرح خلافت کے بارے میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ آیا خلافت کی بابت اپنی اولاد کے لیے خلیفہ وصیت کر سکتا ہے یا نہیں اِس میں دو قول ہیں.اکثر علماء کے نزدیک باپ کی گواہی بیٹے کے حق میں کبھی نہیں سنی جائے گی ہاں چچا کی اولاد کے حق میں بے شک سُنی جا سکتی ہے.اسکی یہ وجہ ہے کہ حضور انور نے فرمایا ہے "انت و مالت لا بیک "یعنی تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا ہے.یعنی وہ تم دونوں کا مالک ہے پھر فرمایا۔ "لیس لواھب ان یوجع فی ھبۃا الا الوالدفیما وھبا ولولدہ "یعنی ہبہ کرنے والے کو اپنے ہبہ میں سے کچھ واپس کر لینا جائز نہیں ہے ہاں اس ہبہ میں سے جو باپ نے اپنے بیٹے کے لیے کیا ہو (جائز ہے). اگر رافضی اس کا یہ جواب دینگے کہ حضرت علی نے یہ کام نص ہونے کی وجہ سے کیا تھا تو اس کا پہلا جواب الجواب تو یہ ہے کہ بے شک ہم بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت علی خلفائے راشدین میں سے ہیں

اسی طرح حضرت عثمان بھی خلفائے راشدین میں سے ہیں لیکن پہلے اسکے ہم ان دونوں کے افعال کی حجت معلوم کریں۔ اس میں ہمیں بالکل شک نہیں ہے کہ حضرت علی کی کارگزاریاں، بدگمانیاں اور تہمتیں اِس سے بہت زیادہ ہیں جو حضرت عثمان کے اعمال پر بدگمانیاں کی جاتی ہیں اس پر اگر کوئی کہے کہ حضرت علی کے پاس تو اُن کے افعال کی حجت اور دلیل ہے تو اُسے یہ جواب دیا جائے گا کہ عثمان کے پاس بھی اِس کے اعمال کی اس سے بڑھ کر حجت اور دلیل ہے اور اگر حضرت علی کو صاحب عصمت بیان کیا جائے جس سے پھر مطاعن کے آگے گاڑی ہی نہ چلے تو اِس کے مقابلہ میں حضرت عثمان کے اجتہاد کا دعویٰ کرنا طعن کرنے والوں کی زبانوں کو بند کر دے گا۔ رافضیوں نے جو مبالغہ حضرت علی کی شخصیت کی نسبت کیا ہے وہ ایسا تعجب انگیز ہے کہ اسکے پڑھنے سے ہنسی آتی ہے۔ ان میں سے بعض تو حضرت علی کی نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں اور صاف الفاظ میں کہتے ہیں کہ حضرت علی نبی تھے۔ پھر انہیں میں سے دوسرا گروہ ہے جو اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ حضرت علی کی امامت نص سے ثابت ہے۔ اور یہ بھی دعویٰ کیا جاتا ہے کہ حضرت علی اور اُن کی اکثر اولاد معصوم ہے۔ لوگوں نے اُن پر ظلم کر کے اُن کی امامت کو چھین لیا۔ یہ خوب سمجھ لیا جائے کہ حضرت علی اور اماموں کی عصمت کا دعویٰ یعنی اُنہیں معصوم کہنا نبوت میں شریک کرنے کے قریب قریب ہے۔ کیونکہ معصوم کے ہر قول کی پیروی کرنی واجب ہوتی ہے کسی امر میں اسکے خلاف کرنا جائز نہیں ہوتا۔ حالانکہ یہ خاصہ انبیا کا ہے اور اسی لیے ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جو کچھ انبیا پر نازل کیا گیا ہے اُس پر ایمان لائیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "قُولُوٓا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ" (بقرہ:۱۳۶) اے مسلمانو! کہو کہ تم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر اُتارا گیا اور جو ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد یعقوب پر اُتارا گیا اور اس (کتاب پر) جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دی گئی اور جو (اور) نبیوں کو دی گئی اُن کے رب کی طرف سے ہم ان میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے اور ہم اُسکے فرمانبردار ہیں پھر فرمایا اٰمَنَ

الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ" (بقرہ:۲۸۵) یعنی (ہمارے) پیغمبر اس پر ایمان لائے جو (کتاب) اُن کے رب کی طرف سے ان پر نازل کی گئی ہے اور سب مسلمان بھی اللہ اور اسکے فرشتوں اور اُسکی کتابوں اور اُسکے پیغمبروں پر ایمان لائے (اور کہتے ہیں کہ) ہم اُس کے پیغمبر میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے اور کہا کہ اے پروردگار ہم نے (تیرا ارشاد) سنا اور (اُسے) تسلیم کیا (اور ہمیں) تیری مغفرت (درکار ہے) اور مرنے کے بعد ہمیں تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے. پھر فرمایا "وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ " (بقرہ:۱۷۷) لیکن نیک وہی ہے کہ خدا پر اور روز قیامت پر اور فرشتوں پر اور کتاب (الہی) پر اور نبیوں پر ایمان لایا. قرآن مجید کی ان آیتوں سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوگئی کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم انبیا کی لائی ہوئی کتابوں پر ایمان لائیں. اور اس پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ ہر نبی پر ایمان لانا واجب ہے اگر کسی نے ایک نبی کا بھی انکار کیا تو وہ کافر ہے یہاں تک مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی کسی نبی کو برا کہے تو اسے قتل کردو سوا سے نبیوں کے اور کسی کے بارے میں یہ حکم نہیں ہے خواہ وہ ائمہ میں سے ہو خواہ حکما اور علما میں سے ہو. اب سمجھنا چاہیے کہ جس شخص نے رسول اللہ کے بعد کسی کو معصوم سمجھا اُسے اُس معصوم کے تمام اقوال پر ایمان لانا واجب ہوگا. ایسی حالت میں گویا اُس شخص نے اُسے نبوت کا مرتبہ دے دیا. یعنی معناً نبی مان لیا اگر چہ وہ زبان سے اُسے نبی نہ کہے اُس سے کچھ نہیں ہوتا. ایسے شخص سے یہ سوال ہوسکتا ہے کہ اُسکے امام میں اور انبیائے بنی اسرائیل میں کیا فرق ہے اسکا وہ کچھ جواب نہیں دے سکتا. رافضیوں کے مقابلہ میں مشائخ کے مریدوں کی کثیر جماعتیں موجود ہیں جو اپنے اپنے شیخ کی بابت اس قسم کا اعتقاد رکھتی ہیں اپنے اپنے شیخ کو محفوظ سمجھتی ہیں اور وہ شیخ کے ہر قول و فعل کا اتباع کرنا اپنی نجات کا بعث جانتی ہیں. کسی بات میں اسکی مخالفت نہیں کرتیں. ابن تومرت کے مرید جنھوں نے دعوے کیا تھا کہ اُن کا پیر مہدی ہے اور وہ اُسے معصوم سمجھتے تھے جمعہ

کے خطبہ میں بھی وہ اُسے امام معصوم اور مہدی کے الفاظ سے یاد کرتے تھے اور اس میں اُن کا غلو اس قدر بڑھ گیا تھا کہ وہ ایسے لوگوں کو قتل کر دیا کرتے تھے جو ابن تومرت کے معصوم ہونے کا انکار کرتے تھے. یہ صاف ظاہر ہے کہ اِس قسم کے عقائد اور خیالات اسلام کی تعلیم کے بالکل مخالف ہیں اور اجماع سلف الامت اور اُن کے ائمہ ایسی باتوں کے سخت دشمن تھے. اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر فرما دیا ہے" اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (النسآء:۵۹)یعنی اللہ کی اطاعت کرو اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو اور ذی اختیار لوگوں کی جو تم میں سے ہوں پھر اگر کسی معاملہ میں تم باہم مختلف ہو جاؤ تو اُس معاملہ کو اللہ اور رسول کے پاس لے جاؤ. باہمی اختلاف کے وقت ہمیں خدا اور رسول کے پاس جانیکا حکم ہوا ہے اب جس نے رسول کے سوا کسی اور کو معصوم مان لیا تو اُس پر واجب ہو جائے گا کہ وہ اختلاف کے وقت اُسی کے پاس جائے. کیونکہ اُس کے نزدیک وہ رسول ہی کی طرح ہوگا اور یہ کلامِ الٰہی کے بالکل خلاف ہے. اس کے علاوہ معصوم کا اطاعت کرنی مطلقاً واجب ہے اِس میں کسی قسم کی قید نہیں ہے اِس کا مخالف وعیت کا مستحق ہوتا ہے. حالانکہ یہ حکم قرآن مجید نے رسول ہی کے حق میں ثابت کیا ہے. اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. "وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَصِدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا" یعنی اور جو کوئی اللہ کی اور رسول کی اطاعت کرتے تو وہ (قیامت میں) ایسے لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت اتاری ہے یعنی انبیا اور صدیقین اور شہداء صالحین کے ساتھ اور یہ لوگ بہت اچھے رفیق ہیں اور فرمایا "وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا" یعنی جو کوئی اللہ کی اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو بے شک اُس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا. اس کے علاوہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس نے رسول کی اطاعت کر لی وہ اہل سعادت میں داخل ہو گیا. اس میں کسی اور معصوم کی اطاعت کرنیکی کوئی شرط نہیں ہے اور جس نے رسول کی نافرمانی کی وہ اہل وعید میں سے ہے اگر چہ یہ مان لیا جائے کہ

اس نے ایسے شخص کی اطاعت کا حلقہ اپنے گلے میں ڈال لیا ہے جسے وہ بطور خود معصوم سمجھتا ہے مگر اِس اطعات پر اہل وعید میں سے خارج نہیں ہوسکتا. یہ شان تو حضورانور ہی کی ہے کہ اُن ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اہل جنت اہل دوزخ ابرار، فجار، حق، باطل، غنی، رشاو ہدایت اور گمراہی میں فرق کر دیا ہے. یاد رکھو جس نے رسول کا اتباع کیا وہ سعید ہے اور جس نے خلاف کیا وہ شقی ہے. یہ مرتبہ رسول کے سوا اور کسی کو نصیب نہیں. تمام علماء اہل کتاب اور اہل سنت اس پر متفق ہیں کہ سوائے رسول کے ہر شخص کے بعض قول کو لیا جاتا ہے. بعض کو ترک کیا جاتا ہے. ہاں حضورانور جو کچھ حکم دیں یا جو قول اپنا ہو اسکی تصدیق کرنی واجب ہے اور اُن کے حکم کی اطاعت کرنی ضروری ہے کیونکہ ایسے معصوم وہی ہیں جو اپنی نفسانی خواہش سے زبان تک بھی نہیں بلاتے اور وہی کہتے ہیں جو اُنکی طرف وحی کی جاتی ہے. قیامت میں لوگوں سے اُن ہی کے بارے میں پوچھا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ" یعنی بے شک اُن لوگوں سے ضرور پوچھیں گے جنکی طرف پیغمبر بھیجے گئے تھے اور بے شک ہم ضرور پوچھیں گے پیغمبروں سے. غرض یہ ہے کہ سوائے پیغمبروں کے اور کسی کا ذکر نہیں ہے جو کچھ دریافت کیا جائے گا پیغمبروں کی نسبت اور جو کچھ پیغمبروں سے پوچھا جائے گا صرف اُن کی امتوں کی نسبت باقی ایک نہیں اگر دس لاکھ ائمہ ہو جائیں اُن کے ماننے نہ ماننے پر نہ مذہب کا مدار ہے اور نہ نجات وغیرہ نجات کا. یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ حضرت علی کی خلاف باتوں میں اگر حضرت علی کی طرف سے عذر کیا جائے گا تو ایسے ہی عذر حضرت عثمان کی طرف سے بہ نسبت حضرت علی کے زیادہ قومی ہوں گے یہ کون نہیں جانتا کہ حضرت علی نے اپنا مقصد اعظم مسلمانوں کی خونریزی قرار دے لیا تھا. اور اِس سے کسے انکار ہوسکتا ہے کہ صرف اُن کی وجہ سے ہزاروں صحابی باہم لڑ کر خاک وخوں میں لت پت ہو گئے اور اس خونریزی سے سوائے فساد بڑھنے کے اور کوئی نتیجہ نہ نکلا. کس غیر ملک پر حضرت علی نے اپنی فوجیں روانہ کیں اور اشرار کا کونسا ملک فتح کیا. مسلمانوں کی بہبودی اور فلاح میں کیا ترقی واقعات پر نظر کر کے انصاف سے رائے قائم کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ حضرت علی کی خلافت نے مسلمانوں

میں اِس مقتل فساد کی بنیاد ڈالدی ممکن ہے کہ یہ اُن کی اجتہادی غلطی ہو اور نیت بخیر ہو اسکے متعلق ہم کچھ نہیں کہتے مگر حضرت عثمان کے مقابلہ میں ہم کبھی اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتے کہ حضرت علی سے خطرناک غلطیاں سرزد نہیں ہوئیں اور حضرت عثمان شدہا خطاؤں کے مرتکب ہو گئے. تاریخ نے اِس بار کا فیصلہ کر دیا ہے کہ حضرت علی نے اپنے قرابت داروں میں سے جتنوں کو چاہا حاکم کر دیا اور حضرت علی کے جتنے قرابت دار حاکم ہوئے قریب قریب سب کے سب ظالم، زانیشرابی، چور، دغا باز، آچکے، غاصب ہوئے. جنکی ہیبت ناک کہانیوں سے شیعوں کی مستند کتاب نہج البلاغت بھری پڑی ہے حضرت علی جب اپنے عاملوں سے دق ہو گئے تو آپ اُس پر جہاد کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے تھے اور اُنہیں صاف لکھ کے بھیج دیا تھا کہ مجھے اخیر تم پر جہاد کرنا پڑے گا تم اپنی شرارت سے باز نہیں آتے. اب قرابت داروں کو حکومت دینے میں تو عثمان اور علی دونوں برابر ہیں مگر جب ہم دونوں کے مقرر کردہ عاملوں کو مقابلہ میں رکھیں گے تو ہمیں صاف طور پر معلوم ہو جائے گا کہ حضرت عثمان کے حاکم حضرت علی کے عاملوں سے کہیں زیادہ فرماں بردار اور برائی سے بچنے والے تھے اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا. اب رہا روپیہ کے متعلق کہ عثمان نے تاویل کر کے اپنے قرابت داروں کو دے دیا تھا. اگر ہم تسلیم بھی کر لیں اور اُن کی ذاتی دولتمندی کا بھی خیال نہ کریں تو اس پر بھی جو الزام اُن پر آتا ہے. اُس سے کئی ہزار درجہ زیادہ حضرت علی پر آئے گا کہ عثمان نے تو تاویل کر کے صرف روھیہ ہی اپنے قرابت داروں کو دیا تھا مگر حضرت علی نے تاویل کر کے رسول مقبول کے ہزارہا صحابہ کا خون کر دیا. کون نہیں جانتا کہ خون کرنا مال لینے سے بدرجہا زیادہ خطرناک اور قابل معافی جرم ہے عثمان کے پاس ایک معقول محبت ہے اور اس حجت کو کوئی توڑ نہیں سکتا آپ اکثر کہا کرتے تھے کہ بنی امیہ ایسا خاندان ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں ان میں سے عامل بنایا ہے اور آپ کے بعد اُن اشخاص نے بھی ان ہی کو عامل برقرار رکھا جن پر قرابت داری ہونے کی کوئی تہمت نہیں لگا سکتا ہے یعنی شیخین صدیق اکبر اور فاروق اکبر اعظم نے قریش کے خاندانوں میں ایسا کوئی خاندان معلوم نہیں ہوتا جس میں حضور انور رسول اللہ ﷺ کے عامل خاندان

نبی عبد شمس سے زیادہ ہوں. ہمیشہ اسی خاندان کے آدمی زیادہ عامل بنائے جاتے تھے. اور زیادہ تر ان میں اشرافت اور دلو العزی تھی اِسی لیے حضور انور رسول خداﷺ نے اسلام کے عین زمانہ عروج میں تمام روئے زمین کی افضل جگہ یعنی مکہ معظمہ پر عتاب بن اسید بن ابی العاص بن امیہ کو عامل کیا تھا اور نجران پر ابوسفیان بن حرب بن امیہ کو اور خالد بن سعید بن عاص کو صدقات نبی مدرج اور صنعاء یمن پر عامل کیا تھا. حضور انور کے وصال باری تعالی تک یہ صحابہ بدستور عامل رہے. ان کے علاوہ حضور انور نے عثمان بن سعید بن عاص کو تیما، خیبر اور عرینہ دیہات پر عامل مقرر کر دیا تھا اور آبان بن سعید بن عاص کو چند فوجی دستو کا کمان افسر بنا کے اِس کے بعد بحرین کا عامِل بنا دیا تھا. اور ولید بن عقبہ بن ابی معیط بھی حضور انور ہی کا مقرر کیا ہوا عامل تھا. یہاں تک کہ اُس کے حق میں اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی "اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ" یعنی اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کسی خبر کو لائے تو اسکی تحقیق کر لیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ نادانی میں کیس قوم پر جا پڑو. اِسی لیے حضرت عثمان فرمایا کرتے تھے کہ میں اُنہیں لوگوں کو عامل کرونگا جن کو حضور انور نے اور اُن کے بعد ابوبکر، عمر نے عامل کیا ہے اور ان ہی کے خاندان اور قبیلہ کے لوگوں کو عامل بناؤنگا کیونکہ ابوبکر نے ملک شام کی فتوحات کے بعد یزید بن ابی سفیان بن حرب کو عامل کیا تھا فاروق اعظم نے اُنہیں بدستور قائم رکھا پھر آپ نے اُن کے بعد اُن کے بھائی معاویہ کو عامل بنا دیا اِن لوگوں کو عامل بنانے کے بارے میں یہ روایت حضور انور رسول اللہﷺ سے یقیناً ثابت اور مشہور بلکہ اہل علم کے نزدیک متواتر ہے اور بعض روایتیں ان میں ایسی ہیں جو محدثین کے نزدیک بھی متواتر ہیں اور علماء میں سے کسی نے بھی اُنکا اِنکار نہیں کیا ہے. لہٰذا نبی امیہ میں سے عامل کرنے کے جائز ہونے پر ایسی نص سے دلیل بیان کرنی جو حضور انور سے ثابت ہو ہر عقل کے آگے اِس سے زیادہ ظاہر ہے کہ نبی ہاشم میں سے ایک خاص آدمی کے خلیفہ ہونے پر نص سے دعوی کیا جائے کیونکہ یہ باتفاق تمام علماء نقل کے کذب محض ہے اور وہ باتفاق علماء نقل کے سچ ہے. اب رہی نبی ہاشم ان میں سے حضور انور نے کسی کو کہیں کا عامل نہیں مقرر کیا سوائے حضرت علی کے اُن کو

یمن کا عامل بنادیا تھا.اور یہ وہ یمن ہے جہاں معاذ بن جبل اور ابوموسیٰ اشعری بھی گورنر تھے. غزوہ موتہ میں جعفر بن ابی طالب کو حاکم کیا تھا اور جعفر سے پہلے زید بن حارثہ کو اور بعض قول کے مطابق عبداللہ بن روحہ کو آپ نے حاکم بنادیا تھا. یہ روایت موجود ہے کہ عباس نے حضور انور کی بارگاہ عالی میں درخواست گزارئی کہ مجھے کسی صوبہ کا عامل بنادیا جائے.مگر حضور انور نے صاف انکار کردیا.بنی ہاشم میں علی کے بعد حمزہ، جعفر اور عبدیہ بن حارث بن عبدالمطلب سے کوئی افضل نہیں ہے.جو جنگ بدر میں شہید ہوگئے تھے حمزہ کو حضور نے کسی جگہ عامل نہیں بنایا کیونکہ وہ جنگ احد میں شہید ہوگئے تھے.مگر رافضیوں نے امیر حمزہ کے حالات میں ایسی ایسی کہاں بنالی ہیں جن سے معلوم ہوتاہ کہ اُنہوں نے بڑے بڑے قلعہ فتح کیے بڑی بری لڑائیاں سرکیں بڑے بڑے ملک لیے حالانکہ یہ سب لغو اور بیہودہ باتیں ہیں. اِسی طرح رافضیوں نے حضرت علی کے قصے بنالیے اور اُن پر جھوٹی لڑائیوں کی تہمت رکھ دی ان بے بنیاد کہانیوں کا ذکر ابوالحسن بکری مصنف ''تنقلات الانوار'' بہت کچھ کرتا ہے. بنی ہاشم میں حضرت علی کے بعد اُن کی زندگی ہی میں جعف سب سے افضل تھے اِس پر بھی حضور انور نے جعفر سے پہلے زید بن حارصہ کو امیر بنادیا اور اُنہیں مقدم رکھا اِس سے صاف پایا جاتا ہے کہ مقدم کرنا یا تو ایمان اور تقوے کی فضیلت کے بعث ہوتا تھا یا مصلحت کی وجہ سے کسی اور امر کے باعث نسبت کی وجہ سے کبھی تقدیم نہیں ہوئی اِسی وجہ سے حضور انور اپنے تمام قرابت داروں سے صدیق اکبر اور فاروق اعظم کو مقدم رکھتے تھے کیونکہ آپ اللہ کے رسول تھے آپ ہر کام اللہ ہی کے حکم سے کرتے تھے آپ اُن بادشاہوں میں سے نہ تھے جو محض اپنی ذاتی خواہش پورا کرنے کے لیے اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو مقدم رکھتے ہیں. بیعنہ یہی حالت صدیق اکبر اور فاروق اعظم کی رہی یہاں تک کہ فاروق نے تو صاف طور پر یہ فرمادیا تھا کہ اگر کسی شخص نے اپنی قرابت داری یا دوستی کی وجہ سے کسی کو امیر یا حاکم حالانکہ مسلمانوں کی خیانت کی. رافضیوں کا یہ کہنا کہ معاویہ کو عثمان نے شام پر حاکم مقرر کردیا تھا حکومت حاصل کرنے کے بعد معاویہ نے جو کچھ فتنہ اور فساد پھیلائے وہ کسی سے چھپے ہوئے نہیں ہیں. اس کا جواب یہ ہے کہ امیر معاوہ کو تو فاروق اعظم نے یزید بن ابی

سفیان اُن کے بھائی کے انتقال پر شام کا حاکم مقرر کر دیا تھا۔ گویا انہیں اپنے بھائی کی جگہ ملی تھی۔ عثمان نے بھی معاویہ کو اُن کے عہدہ پر قائم رکھا ہاں یہ ضرور ہوا کہ اُن کے کچھ اختیارات وسیع کر دیئے گئے۔ معاویہ جیسا روشن ضمیر حاکم ہمارے خیال میں ابتداء سنین ہجری میں تو اور کوئی نہیں ہوا معاویہ پر ان کی کل رعایا اور ساری سپاہ اپنی جان نثار کرنی تھی۔ اور اپنا محبوب جانتی تھی اسی طرح معاویہ بھی اپنی رعایہ پر جان نثار کرتے تھے۔ اور اُنہیں اپنا محبوب سمجھتے تھے۔ ملک شام کو جو کچھ ترقی اور سرسبزی معاویہ کے زمانہ میں حاصل ہوئی تمام بڑے بڑے یورپی محقق بھی اِسکا اعتراف کرتے ہیں۔ معاویہ کی انتظامی قابلیت کے مقابلہ میں حضرت علی کی قابلیت انتظامی صرف کا درجہ رکھتی ہے۔ تمام مورخ اس پر متفق ہیں کہ کوئی عامل اپنی رعایا اور لشکر کا ایسا محبوب نہیں بنا جیسے معاویہ بن گئے تھے۔ اِس حدیث کو جو ذیل میں درج کی جاتی ہے ذرا غور سے پڑھو اور دیکھو کہ حضور انور کیا فرماتے ہیں صحیحین میں حضور انور سے ثابت ہے آپ نے فرمایا "خیر ائمتکم الذین تحبونھم ویحبونکم وتصلون علیھم ویصلون علیکم وشرار ئمتکم الذین تبغضونھم ویبغضونکم وتلعنونھم. یلعنونکم" یعنی تمہارے بہتر حاکم وہ ہیں تم اُن سے محبت رکھو اور وہ تم سے محبت رکھیں اور تم اُن کے لیے دعا کرو اور وہ تمہارے لیے دعا کریں اور تمہارے بدتر حاکم وہ ہیں کہ تم اُن سے بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں اور اُن پر لعنت بھیجو اور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔ فقط حضرت علی ان کی رعایا اور اُن کے لشکر کے تعلقات کو بغور مطالعہ کر کے پھر اِس حدیث کو پڑھو اور دیکھو کہ حضور انور کا یہ ارشاد حضرت علی کی نسبت کیا فیصلہ کرتا ہے۔ معاویہ کی طرف سے پھر بھی کوئی بات نہ ہوئی۔ معاویہ کی دلی کوشش تھی کہ کسی طرح امن قائم رہے اور مسلمان باہمی خونریزی سے بچ جائیں۔ اِس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ معاویہ اشتر نخعی، محمد بن ابی بکر، عبداللہ بن عمر بن الخطاب، ابی الاعور اسلمی، ہاشم بن ہاشم المرقال، اشعث ابن قیس کندی اور یسر بن ارطاۃ وغیرہ سب لوگوں سے بہتر تھے جو ان کے اور علی کے ساتھ تھے۔ ایک اور الزام رافضی حضرت عثمان پر یہ رکھتے ہیں کہ انہوں نے عبداللہ بن عامر کو بصرہ کا حاکم مقرر کر دیا۔ اور اُس نے جس قدر وہاں ہاتھا چھانٹی کی وہ کسی سے

چھپی ہوئی نہیں ہے جو چاہا کیا۔ بہت سے خلاف امور کرنے میں اُسے باک نہیں ہوا.

جواب: عبداللہ بن عامر کی محبت اور اُن کی خوبیاں لوگوں کے دلوں میں اتنی ہیں کہ بیان نہیں کی جاسکتیں انسان سے غلطی کا سرز ہونا یہ کوئی عجیب وغریب بات نہیں ہے اُن کی نیک نیتی اور ایمانداری سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ اگر اُنہوں نے اپنے اجتہاد میں غلطی کی اور کوئی خلاف حکم کبھی دیا تو وہ فوراً اس پر مجتہد کردیئے جاتے تھے۔ پھر کم عقل سے کم عقل شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اُن کے خلاف افعال کرنے سے حضرت عثمان خوش ہوتے تھے. رافضی کہتے ہیں کہ مروان کو عثمان نے انا پیشکار بنالیا تھا اور سب کام اُسی کے سپرد کردیئے گئے تھے یہاں تک کہ اپنی مہر بھی اُن کو دیدی تھی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ عثمان قتل کرڈالے گئے اور پھر ساری امت میں خوب فساد اور فتنے پھیلے۔

جواب: حضرت عثمان کے شہید ہونے اور فتنوں کے پھیلنے کے الزام تاریخی واقعات صرف مروان ہی کے سر پر نہیں رکھتے بلکہ اور بہت سے امور تھے جن سے ایسے خطرناک حادثات کا ظہور ہوا. ہاں یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مروان سے بھی غلطیاں ہوئیں مگر ہم طویلہ کی بلا خالی بندر کے سر پر نہیں ڈال سکتے. بلا شک وشبہ یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت عثمان بہت ضعیف تھے اور اتنی بڑی عظیم الشان سلطنت کا انتظام اس ضعیفی میں بخوبی ہونا مشکل تھا. یہ لوگ جو آپ کے آگے کام کرنے والے تھے مثلاً معتمد منشی، پیشکار، سررشتہ دار وہ بعض اوقات خود ایسی باتیں کر بیٹھتے تھے جنکی عثمان کو خبر بھی ہوتی تھی بہت سے آدمی جو خلاف کام کرتے تھے اور عثمان کو معلوم ہوتا تھا آپ فوراً اُنکی برخاستگی کا حکم دے دیتے تھے. کبھی وہ حکم پورا ہوجاتا تھا اور کبھی نہیں. جب مصری مفسد مدینہ میں آئے جن کے ہاتھ سے حضرت عثمان شہید ہوئے اُنہوں نے بہت سی شکاتیں آپ کے گوشگوار کیں آپ نے اُن شکایتوں کو غور سے سُنا اور فوراً اُن کے حسب منشاء کام کردیا یہاں تک آپ نے اُن سے کہد یا کہ جس حاکم کو تم برخاست کرنا چاہتے ہو فوراً برخاست کردو مجھے ہرگز عذر نہیں ہے. یہ بیت المال کی کنجیاں موجود ہیں جسے تم چاہو اُسے دے دو. پھر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر تمہیں اس بات کی شکایت ہے کہ میں صرف اپنے اہلکاروں کے کہنے سے بے ضرورت لوگوں کو روپیہ دے دیتا ہوں تو

میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک کل صحابہ سے مشورہ نہ لے لوں گا ایک پائی بھی کسی کو نہیں دینے کا اِس سے زیادہ اور تم مجھ سے کیا چاہتے ہو. مگر اُن مفسدوں نے نہ سُنا اور ناحق بے گناہ بوڑھے خلیفہ کو نہایت سفاکی اور بے دردری سے قتل کر ڈالا. حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اُن کے قتل پر لوگوں سے فرمایا اوّل تو تم نے عثمان کو کپڑے کی طرح نچوڑ لیا اور پھر چڑھائی کر کے اُنہیں شہید کر دیا. معاملہ کچھ بھی نہ تھا محض چند آدمیوں کی سازش تھی جس سے اسلام کا بیگانہ خلیفہ اس بیدردی سے ذبح کیا گیا. چند آدمیوں کی شرارت سے خود ہی ایک رقعہ حضرت عثمان کی طرف سے جعلی بنایا گیا اور پھر ایک شخص کے ہاتھ اُس رقعہ کو بھیج کے اُسے رستہ میں پکڑ لیا اور وہ رقعہ لا کے حضرت عثمان کے آگے پیش کیا کہ تم ہی نے یہ رقعہ لکھا ہے اُنہوں نے رقعہ دیکھ کے صاف انکار کیا کہ اسکی مجھے خبر بھی نہیں بے شک وہ اپنے قول میں سچے تھے پھر ان لوگوں نے شرارت سے مروان کے سر اُس جعلی رقعہ کو تھوپ دیا. اُس نے بھی صاف طور پر کہا یہ رقعہ میرا نہیں ہے نہ میں نے خود لکھا نہ کسی سے لکھوایا. بس اس ناپاک سازش کی ساری بنیاد جعلی رقعہ کو سمجھنا چاہیے. اگر اُس رقعہ کو ہم تھوڑی دیر کے لیے صحیح بھی تسلیم کر لیں تو حضرت عثمان کے اور مروان کے قتل کرنے کا جواز کیونکر نکلتا ہے. اور یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ اگر ایک شخص کسی کے قتل کرنے کا ارادہ کرے اور وہ اُسے قتل نہ کر سکے تو اسکے محض ارادہ کے بدلہ میں اس کا قتل کرنا کسی طرح بھی واجب نہیں ہے.

ایک اور الزام یا طعن: رافضی حضرت عثمان پر یہ بھی الزام لگاتے ہیں کہ وہ اپنے قرابتداروں کو بیت المال سے بے انتہاء روپیہ دیتے تھے یہاں تک کہ قریش کے چار آدمیوں کو اُنہوں نے چار لاکھ اشرفیاں دے دیں اور پھر اپنی لڑکیاں اُن سے بیاہ دیں مروان کو ایک کروڑ اشرفیاں دیں فقط

جواب: کسی ہم عصر شہادت اور کسی معتبر تاریخی روایت سے اِس کہانی کا صدق ظاہر نہیں ہوتا ایک کروڑ اشرفیاں ایک بڑا زر خطیر ہے جو اس وقت اسلامی بیت المال میں مشکل سے ہوگا اگر یہ فرض بھی کر لیں کہ اتنا روپیہ بیت المال میں تھا تو سمجھ میں نہیں آتا آزاد فطرت صحابہ کہاں گم ہو گئے تھے جنہوں

نے عثمان کی اِس ناجائز اور دہش پر کسی قسم کی نکتہ چینی نہیں کی اور اپنے منہ پر مہر لگالی. کیا کرتے تھے اور کنبہ پروری کی صفت اُن میں زیادہ تھی مگر ساتھ ہی چونکہ وہ ایک فیاض دل اور دولتمند آدمی تھے اِس لیے غیروں کو بھی اُن کی بخشش کا حصہ برابر پہنچتا رہتا تھا. یہ بالکل سچ ہے کہ وہ مسلمانوں کے محسن تھے اور کوئی تاریخی روایت اِس احسان کی تردید نہیں کرتی جو اُنہوں نے ابتدائے اسلام سے اپنے زمانہ خلافت تک مسلمانوں پر کیا. خلفائے راشدین میں سے کسی نے بھی اتنی بڑی رقم کبھی کسی شخص کو نہیں دی. یہ بھی مسلمہ ہے کہ معاویہ سے جن لوگوں کو تعلق تھا اُنہیں معاویہ بہ نسبت عثمان کے تعلقین کے زیادہ دیتے تھے. اس پر بھی حسن بن علی کو آپ نے تین لاکھ درہم سے زیادہ کبھی نہیں دیئے اور اس پر کل علماء کا اتفاق ہے کہ معاویہ نے یہ زر خطیر جو امام حسن کو دیا اپنے پرشوکت زمانہ خلافت میں اور کسی کو نہیں دیا. حضرت عثمان کا اپنے قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرنا اور اس پر معترضین کا اُن پر اعتراض کرنا قابل قبول نہیں کیونکہ اس کی تاویل پہلے بیان ہو چکی ہے. اِس دینے کی یا اس سلوک کرنے کی دو وجہ ہیں جن میں سے ایک وجہ فقہا میں سے ایک گروہ کا مذہب ہو گیا ہے خود یہ وجوہات حضرت عثمان ہی اپنے دینے کی بیان کرتے تھے. پہلی وجہ تو یہ بھی تھی آپ فرماتے تھے کہ خداوند تعالے نے اپنے نبی کے لیے جو روزی قرار دی تھی وہی روزی آپ کے جانشین کے لیے بھی لازم تھی. اور یہ فقہا سے ایک گروہ کا مذہب ہے اور اِس بارہ میں فقہا نے ایک حدیث معروف مرفوع نقل کی ہے. اور کہا ہے کہ حضور انور کی زندگی میں ذوی القربیٰ سے مراد ہی لوگ تھے جو آپ کے قرابت دار تھے. اور حضور انور کے وصال کے بعد ذوی القربیٰ سے اُسی شخص کے قرابت دار مراد ہیں جو آپ کا جانشین ہو. یہ بھی تاریخ سے ثابت ہے کہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے اتنے قرابت دار نہیں تھے جتنے حضرت عثمان کے تھے کیونکہ نبی عبد شمس قریش کے سارے خاندانوں میں بڑا خاندان ہے اور سوائے نبی مخزوم کے کوئی اس خاندان کا ہم پلہ نہیں ہے. ہر انسان کو اپنے مال سے صلہ رحمی کرنے کا اللہ کی طرف سے حکم ہے جب اُن کا یہ عقیدہ ہو گیا کہ بیت المال کے اس حصہ سے جو اللہ نے ذوی القربے کے لیے ٹھرادیا ہے خلیفہ اُسی سے اُن لوگوں کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتا ہے جو اُس کے مستحق ہوں تو اب اُس صلہ رحمی کرنی ضروری ہے اور اس معاوضہ یا صلہ میں سب سے بڑی مدد جو خلیفہ کو دی جاتی ہے. وہ اس کے

قرابت داررؤں کی طرف سے ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ قرابت داروں سے زیادہ دوسرا شخص نازک اور سنگین حادثات میں خلیفہ کو مدد نہیں دے سکتا۔ اصل یہ ہے کہ ہر حاکم کے لیے ایسے معتمدوں کا ہونا ضرور ہے جن پر اُسے پورا اطمینان ہو اور وہ ایسے لوگوں کو دفع کر سکے جو اُسے ضرور دینا چاہتے ہوں۔ فرض کرو کہ ایسے لوگ امام کے ساتھ نہ ہوں تو وہ کس طرح اپنی امامت لوگوں پر قائم رکھ سکتا ہے اور کس طرح مسلمانوں کی بہودی کے وسائل اور ذرائع بہم پہنچا سکتا ہے۔ لہذا ضرور ہوا کہ ہر امام ایسے معتمد بہم پہنچانے چاہیں اور اُن سے جہاں تک ممکن ہو سلوک کیا جائے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت عثمان بیت المال کا کام کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بیت المال کے مستحقین کی تفصیل میں فرمایا ہے **والعاملین علیھا**۔ زکوۃ کے وصول کرنے پر اگر کوئی غنی عامل ہو وہ اگر اپنے عمل کی مزدوری لے لے تو اُسے ناجائز نہیں قرار دیا گیا ہے۔ اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ بے شک اُسے اپنے عمل کی مزدوری لے لینی چاہیے۔ ہاں یتیم کے مال میں جو عامل ہو اسکی بابت اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے۔ "**ومن کان غنیا فلیمتعطف ومن کان فقیرا فلیا کل بالمعروف**" یعنی جو غنی ہو اُسے بچنا چاہیے اور جو فقیر ہو اُسے دستور کے موافق کھالینا چاہیے۔ یعنی جو کام وہ کرے اُس کا معاوضہ نہایت مناسب یتیم کے مال میں سے لے لے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس آیت میں غنی کو بچنے کا جو کام آیا ہے ایجابی ہے یا استحبابی اس میں دو قول ہیں۔ بیت المال کا کارمختار اور وقف کا متولی آیا مثل عامل زکوۃ کے ہے جو باوجود غنی ہونے کے بھی لینے کا مستحق ہے یا مثل ولی یتیم کے ہے اِس میں بھی دو قول ہیں۔ اِن میں دو قول کے مطابق حضرت عثمان کو بیت المال میں سے دینا جائز تھا اور یہی فقہا کا مذہب ہے کہ لینا اُن سلاطین کے یعنی کے مطابق نہیں ہے جو اپنی ذاتی اغراض حاصل کرنے کیلئے اور ذاتی تعیش کے لیے بیت المال میں سے روپیہ لیتے ہیں۔ اہل علم میں سے ایک شخص بھی سلاطین کے لینے کو جائز نہیں ٹھہراتا یہ صاف ظاہر ہے کہ اگر یہ تاویلیں حق کے مطابق ٹھیک ہیں پھر تو کچھ بحث ہی نہیں اور ان تاویلوں کو مرجوح اور ضعیف مانا جائے تو بھی یہ تاویلیں اُن تاویلوں سے جو حضرت علی کی خطرناک خونریزوں کے لیے کی جاتی ہیں۔ بدرجہ محکم اور مضبوط ہیں ان کے قول سے حجت کرنا اس شخص کے قول سے حجت کرنے کی بہ نسبت بہت ہی زیادہ قوی ہے جو قتال کو جائز سمجھتا ہے۔

ایک اور طعن : رافضی کہتے ہیں کہ ابن مسعود، عثمان پر اعتراض کرتا تھا اور اُنہیں کافر کہتا تھا.

جواب: محض غلط اور بالکل افترا ہے. ابن مسعود پر بہت بڑا بہتان باندھا گیا ہے اور یا یک ایسا صریح جھوٹ ہے جس سے زیادہ صریح جھوٹ ہو نہیں سکتا علماء حدیث اس بات کو جانتے ہیں اور اُنکا اتفاق ابن مسعود نے عثمان کو کبھی کافر نہیں کہا. یہ معتبر تاریخی شہادت ہے اور اس سے کوئی باخبر شخص انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت عثمان جب خلیفہ ہوئے ہیں تو ابن مسعود اُن کے خلیفہ ہونے کے بعد جب کسی کام کو کوفہ گئے تو لوگوں نے عثمان کے متعلق اُن سے دریافت کیا آپ نے صاف طور پر کہا کہ ہمارا خلیفہ ہم سب سے اعلےٰ مرتبہ شخص ہے. یہ بات صحیح ہے کہ عثمان کی خلافت کے پہلے سال میں کسی نے بھی اُن کی کسی بات پر نکتہ چینی نہیں کی ہاں دوسرے سال میں ضرور اس پر نکتہ چینیاں کی گئیں ان میں بعض نکہ چینیاں تو ایسی تھیں کہ نکتہ چیں معذور تھے بعض ایسی تھی جن میں خود عثمان معذور تھے. منجملہ ان نکتہ چینیوں یا بعض رنجشوں کے ابن مسعود کو بھی شکایت تھی اور وہ تھی کہ عثمان نے قرآن مجید کی کتابت زید کے سپرد کیوں کی اور اِس کتابت میں اُنہیں کیوں نہیں شریک کیا جمہور صحابہ اس بارہ میں عثمان کے ساتھ تھے کیونکہ قرآن شریف کو ایک جگہ جمع کرنے کے لیے اس سے پہلے صدیق اکبر اور فاروق اعظم زید ہی سے یہ کام لے چکے تھے اِس لیے عثمان نے بھی زید ہی سے یہ کام لینا مناسب سمجھا زید بن ثابت ایک بہت خوشنویس شخص تھا اور ساتھ ہی قرآن مجید کا آخری حصہ اُسے حفظ تھا. اس لیے اُسی کے سپرد قرآن مجید کی کتابت کرنی صحابہ کو زیادہ پسند تھی. اس کے بعد جب ولید بن عقبہ نے شراب پی لی تو اس کے بارے میں بھی ابن مسعود نے اختلاف کیا تھا. ایسے اختلافات کچھ وزن نہیں رکھتے. اور یہ ہر مہذب سے مہذب شائستہ سے شائستہ اور متمدن سے متمدن اقوام میں پائے جاتے ہیں. اِس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ دو مخالفوں میں سے ایک کا دوسرے کے حق میں فقط کچھ کہہ دینا اُن میں سے کسی میں بھی کچھ قدح پیدا نہیں کرسکتا. اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ ابن مسعود، عثمان پر اعتراض کیا کرتے تھے تو اس سے یہ کیونکر پایا جاتا ہے کہ اُنکا ہر اعتراض اور نکتہ چینی صحیح ہو اور معاذ اللہ وہ بمنزلہ حکم خدا کے سمجھی جائے. اُن کے اعتراض کرنے سے عثمان کے دامن فضیلت پر کوئی بدنما دھبہ نہیں لگ سکتا. بلکہ خود ان کی سُبکی اس سے پائی جاتی ہے.

اس کے علاوہ وہ جب عثمان اور ابن مسعود دونوں اپنے ہر قول میں مجتہد کا درجہ رکھتے تھے تو پھر کسی پر الزام نہیں آ سکتا. اگر اُن سے خطائیں ہوئی ہیں تو انہوں نے عمداً کوئی خطا نہیں کی جو کچھ کیا نیک نیتی سے کیا اُن کی نیکیوں کا اُنہیں ثواب ملیگا. اور اللہ تعالیٰ ایسی خطاؤں کو بخش دے گا. ہم دونوں کو پاکباز متقی پرہیزگار اور فدائے قوم واسلام سمجھتے ہیں. اللہ تعالیٰ اُنہیں آخرت میں اعلیٰ مراتب عطا فرمائے گا. اور وہ سچ مچ ہمارے خیال اور عقیدہ کے مطابق اسی کے مستحق تھے. عثمان ان سب سے افضل ہیں جنھوں نے اُن پر نکتہ چینیاں کیں ابن مسعود، عمار اور ابوذر وغیرہ سے بھی بدرجہا افضل ہیں. اور اُسکی سینکڑوں دلیلیں ہیں پس مفضول کے کلام کو فاضل کے حق میں قادح سمجھنا اس کے برعکس سے اولےٰ نہیں ہے. یعنی اِس کلام کو خود مفضول ہی کے حق میں قادح سمجھنا چاہیے. اگر ان دونوں میں علم اور انصاف کے ساتھ کچھ بیان کیا جاسکے تو اس سے بہتر کوئی نہیں ہے اگر شرارت اور لاعلمی سے ان کی باہمی نکتہ چینیوں اور اختلافات کا ذکر کیا جائے تو اِس سے نہ ذکر کرنا ہی بہتر ہے.

عمر بن عبدالعزیز خاندان نبی امیہ کے روشن ضمیر خلیفہ نے فرمایا ہے کہ یہ اختلافات اِس قسم کے خون ہیں کہ اُن سے میرے ہاتھ کو اللہ نے پاک رکھا ہے پس اب میں یہ نہیں چاہتا کہ ان میں اپنی زبان کو تر کروں یعنی ایک کی تعریف کروں اور دوسرے کی بُرائی کروں اللہ تعالیٰ نے صاف طور حکم دے دیا ہے. "تِلْکَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ" یعنی یہ لوگ تھے جو گزر گئے اُن کا کیا اُنہیں کے لیے ہے اور تمہارا کیا تمہارے لیے ہے اُن کے اعمال کی تم سے باز پرس نہ ہوگی۔ جب کوئی شریر بدعتی پیدا ہو جائے جو جھوٹی باتیں گھڑ گھڑ کے اُن پر نکتہ چینیاں کرے تو ایسے لوگوں کو دندان شکن جواب دینا ہر باخبر مسلمان کے لیے ضروری ہے.

اب ایک بحث یہ ہے کہ دو مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ایک اپنے دوسرے بھائی مسلمان کو کافر بناتا ہے تو اُس کا یہ کافر بتانا اُس دوسرے پاکباز مسلمان کے لیے کیا اثر رکھتا ہے. اگر درحقیقت اُس شخص نے نیک نیتی سے کسی خارجی وجہ کو دیکھ کے ایک راستباز مسلمان کو کافر کہا ہے تو یہ اُسکی خطاء اجتہادی تصور کی جائے گی نہ کہ درحقیقت اس راستباز مسلمان پر کسی قسم کا کوئی اثر

پڑے گا اور اگر اس نے بدنیتی سے اُسے کافر کہا ہے تو کفر کا وبال اُسی کے اُوپر آ پڑے گا اور پاکباز مسلمان پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوسکتا کسی کے کافر کہنے سے کسی کے ایمان اور ولایت میں کیونکر نقص پیدا ہوسکتا ہے اسکی بالکل ایسی مثال ہے جیسا کہ صحیح میں آیا ہی کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے سامنے اسید بن حضیر نے سعد بن عبادہ کو کہہ دیا تھا کہ یہ یقیناً منافق ہے کہ منافقوں کا طرفدار بنتا ہے اور جیسا فاروق اعظم نے حاطب بن ابی بلتعہ کی بابت کہا تھا کہ حضور انور مجھے حکم دیں تو میں اس کی گردن اُڑا دوں اُس پر حضور انور نے فرمایا اے عمر تو جنگ بدر میں شریک ہو چکا ہے تمہیں کیا خبر ہے خداوند تعالے نے اُس پر کیا فضل کیا ہے مطلب یہ ہے کہ کسی بڑے سے بڑے شخص کا کوئی قول کسی چھوٹے شخص کی نسبت بھی اُسکے ایمان اور یقین میں کوئی فرق نہیں ڈال سکتا.

ایک اور طعن: رافضی یہ بھی کہتے ہیں کہ عثمان نے ابن مسعود کو اس قدر پٹوایا کہ وہ اُسی کے صدمہ سے مر گئے۔

جواب: تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ عثمان نے ابن مسعود کو اُسی عہدہ پر بدستور رکھا تھا جس پر وہ کوفہ میں پہلے سے مامور تھے ابن مسعود، عثمان کے مارنے سے ہرگز نہیں مرے اور اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ فرض کرلیں کہ عثمان نے ابن مسعود اور عمار کو پٹوایا تو تینوں یعنی عثمان ابن مسعود اور عمار کے ایمان میں کیا نقص پیدا ہوسکتا ہے. ہم اس بات کے گواہ ہیں کہ یہ تینوں اکابر اولیا اللہ اور متقین کاملین میں سے ہیں ہاں یہ ہم مانتے ہیں کہ ولی اللہ سے کبھی ایسا فعل بھی سرزد ہو جاتا ہے جس پر وہ عقوبت شرعیہ کا مستحق ہوتا ہے پھر بھلا تعزیر کا مستحق کیوں نہ ہوگا عمر بن خطاب کا واقعہ یاد نہیں کہ ایک دن آپ نے رستہ میں دیکھا کہ ابی ابن کعب آگے آگے جا رہے ہیں اور لوگ اُن کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں تو فاروق اعظم کو یہ سخت ناگوار گزرا آپ نے ابی بن کعب کو ایک کوڑا مارا وہ کھوڑا کھا کر چونکے اور پلٹ کر دیکھا تو فاروق اعظم ہیں عرض کیا اے امیر المومنین مجھ سے کیا خطا سرزد ہوئی فاروق اعظم نے فرمایا اس طرح چلنا کہ تم آگے آگے ہوا اور آگے چلنے والے کے لیے فتنہ کا باعث ہے. اس ابی بن کعب نے گردن کھکالی اور عرض کیا آپ نے جو کوڑا مارا وہ حق پر تھا بیشک مجھ سے یہ خطا سرزد ہوئی۔ یہ مساوات جو اسلام نے قائم کی تھی اور فاروق اعظم نے اس کو عملی صورت میں

کر کے دکھادیا درحقیقت اس کا پتہ کسی شائستہ سے شائستہ قوم میں نہ اُس وقت اور نہ اس وقت مل سکتا ہے. اس طرح عثمان نے اگرادب دینے کی غرض سے ابن مسعود یا عمار کو پٹوایا ہو تو اُن پر کسی قسم کا کوئی الزام نہیں آ سکتا. اگر اُن کا یہ پٹوانا تھا تو پھر کسی اعتراض کی گنجائش نہیں رہتے. اور اگر حق نہیں تھا اور وہ مظلوم تھے تو عثمان کے بارہ میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ اُن کی اجتہادی غلطی تھی. عثمان اُن سب سے افضل اور مغفرت ورحمت کے ان سب سے زیادہ حقدار تھے. مجتہد جب حاکم ہوا اور وہ اپنے اجتہاد سے کسی کام کو کرے اور اُسکی رائے میں یہ بات آجائے کہ بلا سزا دیئے مسلمانوں کی مصلحت پوری نہ ہوگی تو پھر ایسی حالت میں سزا دینا ہی واجب ہوگا اگرچہ وہ شخص جس کو سزا دیجانی تجویز ہوئی ہے حاکم کے پاس حاصر ہو کر توبہ بھی کر لے مثلاً زانی، چور اور شرابی تینوں جس وقت حاکم کو اطلاع ہونے کے بعد توبہ کرلیں اور ان پر حد لگنے کا ثبوت ہو جائے تو اُن کے توبہ کرنے کی وجہ سے وہ حد اُن سے ساقط نہیں ہوسکتی حالانکہ وہ توبہ کرنے کی وجہ سے جنت کے تو ضرور مستحق ہوگئے مگر اُنکو سزا ضرور دیجائیگی. صحیح میں ثابت ہو کہ جب علی نے عمار بن یاسر اور حسن کو کوفہ بھیجا تا کہ دونوں وہاں کے لوگوں کو اس امر کی ترغیب دیں کہ وہ عائشہ صدیقہ کے مقابلہ میں علی کی مدد کریں یہ دونوں کوفہ پہنچے عمار بن یاسر کوفہ والوں نے کہا کہ یہ تو ہم مانتے ہیں کہ عائشہ صدیقہ دنیا اور آخرت دونوں جہاں میں تمہارے نبی کی بی بی ہیں لیکن اب اللہ نے عائشہ کو ذریعہ سے تمہارا امتحان لیا ہے تا کہ وہ دیکھ لے کہ تم اُسکی اطاعت کرتے ہو یا اللہ کی اطاعت کرتے ہو. عمار کے اس کہنے سے یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ وہ عائشہ صدیقہ کو اہل جنت میں تسلیم کرتے تھے مگر اُن کے خلاف مسلمانوں کو بھڑکانے میں اُنہوں نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اور وہ اس بات کیلئے تیار تھے کہ عائشہ صدیقہ کا اگر کوئی طرف دار نکل آئے تو اسی قتل کردیں. اسی طرح عثمان نے اگر کسی خطا پر ابن مسعود یا عمار کو پٹوایا تو یہ کیونکر ثابت ہوسکتا ہے کہ عثمان اُنہیں اہل جنت میں سے ہیں سمجھتے تھے. ان سب باتوں کو جانے دو تھوڑی دیر کے لیے یہ سمجھ لو کہ جو کچھ ہوا اسی میں سب گناہ گار تھے تو کیا کوئی دعوی کر سکتا ہے. کہ آدم سے لیکر اس وقت تک سوائے انبیاء معصومین کے کوئی شخص ایسا ہوا ہے جو گناہوں اور خطاؤں سے اپنی زندگی میں خالی رہا ہو. جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ ان لوگوں کے لیے جنت کا فیصلہ

ہو چکا ہے اور حضور انور اہل جنت میں سے فرما چکے ہیں پھر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔
ایک اور طعن: رافضی کہتے ہیں کہ عمار کے حق میں حضور انور نے فرمایا تھا۔ "عمار جلدة بین عینی تقتد الفحمة البلاغیت لا انا لھم اللہ شفاعتی یوم القیامة" یعنی بہادر عمار میری آنکھوں کے نیچے پھر رہا ہے کہ اسے باغیوں کی ایک جماعت قتل کرے گی اور اس جماعت کو قیامت کے دن میری شفاعت خداوند تعالی نہ کریگا۔
جواب: کیسے غضبناک لوگ ہیں کہ حدیث کو توڑ مروڑ کے اور کم زیادہ کر کے کس طرح اپنے مطلب کا بنالیا ہے صحیح میں تو اس طرح آیا کہ "تقتل العمار ا الفئه الباغیة" بہت سے علماء نے اس حدیث کو سرے سے ضعیف ہی کہا ہے، منجملہ ان کے حسین کرابیسی وغیرہ ہیں۔امام احمد سے بھی یہی منقول ہے کہ وہ اس حدیث کو ضعیف مانتے ہیں باقی یہ الفاظ کہ "لا الا انا لھم اللہ شفاعتی" بالکل جھوٹ اور حدیث میں زیادتی ہے اہل علم میں سے کسی نے بھی کسی معروف سند سے اس کو نقل نہیں کیا۔اسی طرح یہ الفاظ عمار جلدة بین عینی کی بھی کوئی معروف سند نہیں ہے۔ایسی ناپاک تراش خراش رافضیوں کے علماء اکثر کردیا کرتے ہیں ممکن ہے اس تراش خراش سے جہلاء ہو کہ کھا جائیں مگر اہل علم کبھی وہو کہ نہیں کھاسکتے اب دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہم تھوڑی دیر کیلئے اسے تسلیم کرلیں کہ آپ نے ایسا فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ صحیحین میں ثابت ہے کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا ہے کہ فاطمہ میری پارہ جگر ہے، جو اُسے تکلیف دیتا ہے وہ مجھے تکلیف دیتا ہے۔اور یہ بھی مروی ہے آپ نے فرمایا ہے کہ اگر میری بیٹی فاطمہ چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا صحیح میں یہ بھی ثابت ہے۔کہ آپ اُسامہ سے محبت رکھتے تھے۔اور یہ دعا کیا کرتے تھے اللّٰھُمَّ انی احبه فاحبه و احب من احبه "یعنی الٰہی مجھے اسامہ سے محبت ہے اس سے تو بھی محبت رکھ اور اس سے بھی محبت رکھ جو اسامہ سے محبت رکھے باوجود اسکے جب اُسامہ نے ایک آدمی کو قتل کر دیا تو حضور نے اسے بہت سختی کے ساتھ دھمکایا اور تین دفعہ یہ فرمایا کہ اسامہ اسکے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی تو نے اسے قتل کر دیا اسامہ کا خود بیان ہے کہ جب تین بار حضور نے نہایت غصہ کے لہجہ میں یہ فرمایا تو مجھ پر ایک ہیبت سی طاری ہوگئی اور میں اپنے دل ہی میں یہ تمنا کرنے لگا کاش اس سے

پہلے میں مسلمان ہی نہ ہوتا تو اچھا تھا. بلکہ آج کے دن مسلمان ہوتا کہ حضور کو مجھ پر ناراض ہونے کا موقع ہی نہ ملتا. صحیح میں یہ بھی ثابت ہے کہ حضور نے فرمایا اے فاطمہ بنت محمد، اللہ سے میں تمہیں کسی بات میں نہ بچا سکونگا. اے عباس رسول اللہ کے چچا اللہ کے مقابلہ میں مجھے تمہارا کوئی کام نہ ہو سکے گا. عبد اللہ حمار کے بارے میں مروی ہے کہ شراب پینے پر اُنہیں بار بار سزا دیجاتی تھی. حالانکہ خود حضور نے اُن کی نسبت بیان کیا تھا کہ عبد اللہ، اللہ سے اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتا ہے. اسی طرح خالد کے حق میں آپ نے فرمایا تھا کہ یہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے، مگر جب وہ بنی خزیمہ میں کوئی خلاف بات کہہ بیٹھے تو حضور نے یہ دعا کی کہ الٰہی جو کچھ خالد نے کیا ہے میں اس سے بالکل علیحدہ بے زار ہوں۔ اسی طرح مروی ہے کہ آپ نے علی سے فرمایا تھا کہ "انت منی وانا منک" یعنی تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں مگر جب علی ابوجہل کی بیٹی سے شادی کرنے پر تیار ہوئے تو حضور نے یہ فرمایا کہ بنی مغیرہ مجھ سے اجازت چاہتے ہیں کہ وہ اپنی بیٹیوں کو علی سے بیاہ دیں میں اُنہیں کبھی. اجازت نہ دوں گا. تین بار سختی سے آپ نے یہ فرمایا. ہاں پھر آپ نے یہ کہا یہ بات اس وقت ہو سکتی ہے کہ ابن ابی طالب میری بیٹی فاطمہ کو طلاق دے دے پھر بنی مغیرہ کی لڑکیوں میں سے کسی سے شادی کرے قسم ہے اللہ کی اللہ کے رسول کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک ہی آدمی کے پاس ہرگز نہیں رہ سکتی. ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور انور نے صدیق اکبر کو دیکھا کہ وہ احرام کی حالت میں اپنے غلام کو مار رہے ہیں آپ نے فرمایا دیکھو یہ محرم کیا کرتا ہے. اِس قسم کی اور بہت سی مثالیں ہیں. خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی اللہ کا اور اللہ کے رسول کا محبوب ہو تو یہ محبوب ہونا کسی کو اس بات سے نہیں روک سکتا کہ اسے ادب دیا جائے اور اس پر تنبیہ کی جائے. ساتھ ہی اس کے ایک بات یہ بھی ہے خود حضور انور نے فرمایا ہے کہ جس مسلمان کو کوئی دُکھ درد رنج غم یا تکلیف پہنچے یہاں تک کہ اُس کے کوئی کانٹا بھی چبھ جائے تو اللہ ان مصائب کے بدلہ اُس کی خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے صحیحین میں یہ حدیث موجود ہے، جب یہ آیت نازل ہوئی. من یعمل سوء یجزبہ "یعنی جو شخص کوئی بُرا عمل کرے گا تو اُسے اُسکی سزا دیجائے گی. اس پر صدیق اکبر نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ حکم تو ایسا ہے کہ اس سے ہماری کمر ٹوٹ گئی. حضور نے فرمایا کیا تمہیں

رنج پیش نہیں آتا اور کیا تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوتی. یا طرح طرح کے صدمے نہیں ہوتے بس تمہیں یہی سزا مل جاتی ہے. پھر اُسکی پرسش کی ضرورت نہیں رہتی. یہ حدیث امام احمد وغیرہ نے نقل کی ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ''جن لوگوں کو حدود لگائی جاتی ہیں وہ اُن کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے''. صحیحین میں عبادہ بن صامت سے روایت ہے وہ کہتے ہیں ایک دن حضور انور ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ''تم مجھ سے اس شرط پر بیعت کرو کہ نہ تو تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا نہ زنا کرنا نہ چوری کرنا نہ کسی پر کوئی بہتان باندھنا نہ کسی نیک کام میں میری نافرمانی کرنا پس تم میں سے جو کوئی اس بیعت کو پوری کریگا اُس کا اجر اللہ پر ہے اگر کسی نے اِن باتوں میں سے کسی ایک کو کیا اور اُسے دنیا میں سزا مل گئی تو یہ سزا اُسکی خطاؤں کا کفارہ ہو جائے گی اور اگر اُس کے کرنے پر اللہ نے اُسکی پردہ پوشی کر دی تو وہ اللہ کے اختیار میں ہے چاہے اُس پر اسے عذاب دے چاہے معاف کر دے۔

ان تمام روایتوں سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوگئی کہ جب آسمانی مصیبتیں بغیر آدمی کے فعل کے جاری ہوتی ہیں اِس قسم کی ہیں کہ اُن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ خطاؤں کو معاف کر دیتا ہے تو پھر وہ تکلیفیں جو مخلوق کی ایذا رسانی اور مظالم سے جاری ہوتی ہیں. بدرجہ اولیٰ کفارہ ہو جائیں گی. جیسا کہ مجاہدین کو کفار سے ایذا پہنچتی ہے انبیا کو اپنے تکذیب کرنے والوں سے اور مظلوم کو ظالم سے تکلیف پہنچتی ہے. فاروق اعظم اور حضور انور رسول اللہ ﷺ کا یہ محمود و مسعود زمانہ تھا کہ جب کوئی شخص شراب پی لیتا تھا تو خود آ کے حضور کی خدمت میں عرض کر دیا کرتا تھا کہ مجھ سے یہ خطا سرزد ہو گئی مجھے اِس خطا سے پاک کر دیجئے، حضرت ماعز بن مالک اور غامدیہ دونوں حضور انور ﷺ کی خدمت میں آئے تھے کہ ہمیں ہماری خطا سے پاک کر دیجئے۔ ولی ہو یا غیر ولی اگر اُس سے کوئی خطا سرزد ہو اور تادیب پانے کے بعد اُس خطا سے پاک ہو جائے تو اُس کے مرتبہ میں کوئی فرق نہیں آ سکتا. اور اگر کوئی یہ کہے کہ عمار وغیرہ ان امور میں معذور اور مجتہد تھے. جنکی بابت عثمان نے اُن پر تعزیر وغیرہ کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عثمان کے بارے میں یہ بات بوجہ اولیٰ کہی جا سکتی ہے کہ جو کچھ انہوں نے ان پر تعزیر وغیرہ قائم کی وہ بھی اس میں مجتہد و معذور تھے. کیونکہ وہ خلیفہ وقت اور رعیت کی

اصلاح کرنے پر مامور تھے.

ایک اور طعنہ: رافضی کہتے ہیں کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے عثمان کے چچا حکم ابن ابی العاص کو مدینہ مورہ سے نکلوایا تھا اور اس کے ساتھ اس کا بیٹا مروان بھی نکالا گیا تھا، حضور کے زمانہ میں اور آپ کے بعد ابو بکر و عمر کے زمانہ میں یہ دونوں باپ بیٹے جلاوطن رہے مگر جب عثمان خلیفہ ہوئے تو دونوں باپ بیٹوں کو مدینہ بلا لیا اور اسی پر قناعت نہ کی کہ مدینہ میں نہیں خالی سکونت کا حکم دیتے بلکہ مروان کو انہوں نے اپنا سررشتہ دار یا وزیر اعظم بنا لیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے. لَا تَجِدُ قَوْماً يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّاللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَ هُمْ اَوْ اَبْنَآءَ هُمْ (مجادلہ:۲۲)

جواب: حکم بن ابی العاص ان لوگوں میں سے ہے جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے تھے. اور یہ سب دو ہزار آدمی تھے اس وقت مروان کی عمر بہت چھوٹی تھی ابن زبیر اور مسعود بن مخرمہ کے ہم عمروں میں سے شمار کرنا چاہئے. مکہ فتح ہونے کے وقت مروان کی عمر سات سال کی تھی اسلئے حضور کے زمانہ میں ایسی صغرسنی میں مروان کسی ایسی خطا کا مرتکب نہیں ہوسکتا تھا جس سے اسے جلاوطن کر دیا جائے. جلاوطن، وطن سے ہوا کرتے ہیں. نہ غیر شہر سے یہ مکہ کا رہنے والا تھا اگر مکہ سے علیحدہ کسی دوسرے شہر میں بھیج دیا جاتا تو اس وقت اسے جلاوطن کہتے. سوال فقط یہ ہے کہ درحقیقت وہ اور اسکا باپ نکالے بھی گئے تھے. یا یہ رافضیوں کی گھڑت ہے اسکے بارے میں علماء نے بہت کچھ چھان بین کی ہے اور یہ بات پائیہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ دونوں باپ بیٹے خود ہی چلے گئے تھے ان کے نکالے جانے کا قصہ صحاح میں کہیں بھی نہیں اور نہ اسکی کوئی سند ہے. اس کے علاوہ شریعت میں زانی اور مخنث لوگوں کی بابت جلاوطن ہونا بے شک آیا ہے بالخصوص انہیں لوگوں کو جلاوطنی کی سزا دیجاتی تھی اور اگر حضور انور ﷺ نے ان کے علاوہ بھی کسی کو جلاوطنی کی سزا دی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ہمیشہ کے لئے جلاوطن کر دیا گیا شریعت میں کسی ایسے گناہ یا جرم کا پتہ نہیں لگتا جس کی سزا میں کوئی شخص ہمیشہ کے لئے جلاوطن کر دیا جائے. جلاوطن کی مدت زیادہ سے زیادہ ایک سال ہے مخنث اور زانی کی جلاوطنی بھی اتنی ہی مدت کی ہوتی ہے تاکہ وہ اس عرصہ میں اپنے فعل شنیع سے توبہ کر

لے اور اپنے وطن میں آ جائے. اب دیکھو اگر حاکم کا سزا دینا کسی ایسے گناہ کی وجہ ہو کہ وہ اس سے توبہ کر لے تو جس وقت وہ اس سے توبہ کرے گا تو سزا اس سے ساقط ہو جائے گی. اور اگر سزا کسی بری خطا پر ہے. تو وہ اجتہادی امر ہے. اس میں نہ مقدار معین ہے نہ وقت اور جب یہ اس طرح ہے تو حکم بن ابی العاص کی جلاوطنی بشرطیکہ رافضیوں کے کہنے کے مطابق اسے جلاوطنی قرار دیا جائے ہجرت اخیر میں ہوئی تھی اس لئے ابوبکر وعمر کے زمانہ میں اسکی زیادہ مدّت نہیں بڑھی تھی جب عثمان خلیفہ ہوئے اس وقت ان کی جلاوطنی کو ایک عرصہ دراز گزر چکا تھا انہیں بحیثیت ایک خلیفہ اسلام اور مجتہد ہونے کے یہ حق حاصل تھا کہ انہیں بلا لیتے. جو وقعت اور عزت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی حضور انور کی نظروں میں تھی وہ کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے. حضور نے ان کی سفارشوں پر شدید سے شدید خطا وار کی خطا بخش دی مثلاً عبداللہ بن ابی سرح جو کاتب وحی تھا اور پھر اسلام سے مرتد ہو گیا تھا حضور نے اس کا خون معاف کر دیا تھا. گویا انتہائی سزا تھی جو حضور نے اس کیلئے تجویز کی تھی. جس سے زیادہ کوئی اور سخت سزا نہیں ہو سکتی اور حضور کی نظروں میں اسکا جرم ایسا سنگین تھا کہ آپ نے اسکے قتل کا فتویٰ دے دیا تھا. مگر جب عثمان حضور کی خدمت میں اُسے لیکے حاضر ہوئے اور اُسکی سفارش کی تو حضور نے عثمان کی سفارش کو رد نہیں کیا اور عبداللہ سے اسلام پر دوبارہ بیعت لے لی اس کے مقابلہ میں حکم کا معاملہ تو کچھ زیادہ سنگین نہیں ہے حضور موجود ہوتے اور عثمان حکم کی سفارش کرتے تو حضور ایک لمحہ میں اُسے قبول کر لیتے. اس کے علاوہ بہت سی روایتیں ایسی موجود ہیں کہ حضور کی زندگی میں عثمان نے دونوں باپ بیٹوں کے بلانے کی اجازت مانگی تھی. اور حضور نے بہت خوشی سے اجازت دی تھی مگر یہ ایسے کچھ اپنے تجارتی کاموں میں پھنسے ہوئے تھے کہ ان کا یکا یک آنا محال تھا. اس لیے انہیں زیادہ دیر لگ گئی. عبداللہ بن ابی سرح کا قصہ معتبر سندوں سے معروف ومشہور ہے لیکن حکم کے قصہ کو جس راوی نے ذکر کیا ہے مرسل ہی نقل کیا ہاں مورخوں کا بھی بیان اس کے متعلق مگر ان کے بیان پر ہرگز وثوق نہیں ہو سکتا. عثمان کے فضائل پر اگر خیال کیا جائے تو یہ سبک اور ذلیل جملے اُن فضیلتوں تک نہیں پہنچ سکتے. عثمان کی شان ان مطاعن سے بدرجہا اولیٰ ہے حضور انور ﷺ کی محبت جیسی کچھ عثمان سے تھی اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا. حضور اکثر آپ کی تعریف کیا کرتے تھے اور

آپ نے اپنی دو صاحبزادیوں کی شادی یکے بعد دیگرے اُن سے کی تھی اُن کے جنتی ہونے کی حضور نے کھلے الفاظ میں شہادت دی اُنہیں اپنا آدمی سمجھ کر مکہ بھیجا اور مکہ بھیجنے کے بعد اُن کی طرف سے اُن کے لیے آپ نے خود ہی بیعت کر لی اس کے علاوہ سب صحابہ نے اپنے اپنے اختیار سے اُنہیں مقدم رکھا تھا. فاروق اعظم نے تو اُن کے بارہ میں یہ شہادت تھی کہ جس وقت حضور کی وفات ہوئی ہے تو آپ اُن سے راضی اور خوش تھے. اسی قسم کی بہت سی باتیں ہیں جو اس امر کے قطعی یقین ہونے کو ثابت کرتی ہیں کہ بیشک عثمان بڑے اولیاء اللہ اور اُن پرہیزگار لوگوں میں سے تھے کہ اللہ اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے. اس یقین میں ایسی نقل سے جسکی کچھ سند بھی ٹھیک نہ ہو اور نہ یہ معلوم ہو کہ یہ واقعہ درحقیقت کس طرح ہے۔ عثمان کی شان مقدس واطہر میں کوئی فرق نہیں آسکتا. کون بیوقوف سے بیوقوف شخص بھی عثمان کو ایسے امر سے خطاوار ٹھیرا سکتا ہے. جسکی سچی حقیقت پر پردہ پڑا ہوا ہو. جو لوگ متشابہ سے محکم کا مقابلہ کرتے ہیں. وہ تاریک ضمیری اور کجروی میں گرفتار ہوتے ہیں اُنہیں سے فتنہ وفساد پیدا ہوتے ہیں. ہمیں اس بات کا پورا یقین ہے کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے کسی کے ہمیشہ کیلئے جلا وطن رہنے کا ہرگز حکم نہیں دیا. حضرت عثمان کی دلی کیفیت اور فطرت یہ تھی کہ وہ اللہ سے بہت ڈرتے تھے آپ ہرگز کوئی فعل عمداً ایسا نہیں کرسکتے تھے جو خلاف خدا اور رسول ہو. اب یہ ایک لنگڑا اعتراض یا عذر کہ ابوبکر وعمر نے اپنے زمانہ خلافت میں اُن دونوں باپ بیٹوں کو کیوں نہیں بلایا. اس وقت منہ کے بل گر پڑتا ہے کہ جب معترض کوئی ایسی روایت پیش نہیں کرسکتا نہ کوئی ایسی روایت کسی کتاب میں موجود ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ دونوں باپ بیٹوں نے ابوبکر اور عمر کے حضور میں مدینہ یا مکہ واپس آنے کی درخواست بھیجی تھی اور وہ درخواست رد کردی گئی یا یہ کہ ابوبکر عمر کو اس کا توبہ کرنا معلوم نہ ہوا اور عثمان کو معلوم ہو گیا ہو یا عثمان کی خدمت میں اُس نے واپس آنے کے لیے درخواست دی ہو. اور اگر اِن سب باتوں کو بھی نہ مانیں اور رافضیوں ہی کے بے سند بیان کو تسلیم کرلیں تو زیادہ سے زیادہ عثمان کی اجتہادی غلطی ہوسکتی ہے اور یہ اجتہادی غلطی ہرگز آپ کے مراتب اعلیٰ میں کوئی نقص نہیں پیدا کرسکتی. اب رہی یہ بات کہ عثمان نے مروان کو اپنا سررشتہ دار یا وزیر کیوں کرلیا اس میں کسی کا دینا نہیں آتا یہ بات بالکل خلیفہ وقت کے ہاتھ میں ہے وہ

جسکو مصلحت دیکھے اپنا کارکن بنالے.

کونسا ایسا جرم مروان نے کیا تھا کہ اسکی سزا میں اُسے کوئی عہدہ خلافت کا نہ دیا جاتا.
تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ جس وقت حضور کی وفات ہوئی ہے تو مروان بالغ بھی نہیں ہوا تھا.
اُس وقت اُسکی عمر زیادہ سے زیادہ دس سال کی تھی یہ ظاہر و باطن میں ہر طرح مسلمان تھا قرآن پڑھتا اور احکام دین سیکھتا تھا کوئی بات اس میں ایسی نہیں تھی جسکی وجہ سے اُسے بُرا کہا جاتا لہٰذا اُسے سرشتہ دار کرلینے میں عثمان کی کوئی خطا نہیں. اب رہا اسکا باپ وہ طلقا لوگوں میں سے تھا. طلقا میں اکثر اچھے مسلمان تھے کسی سے ایسے گناہ کا ہونا جس پر اُسے سزا دی گئی ہو اُس سے در پردہ منافق ہونے کو ثابت نہیں کرتا. اس کے علاوہ جو واقعی منافق ہیں اُن پر بھی ظاہر میں اسلام ہی کے احکام جاری ہوتے ہیں. مکہ فتح ہونے کے بعد طلقا میں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جس نے اللہ کی اور اللہ کے رسول کی ظاہر اور کُھلم کھلا مخالفت کی ہو بلکہ وہ وارث بھی ہوتا تھا اور مورث بھی اس کا جنازہ کی نماز پڑھی جاتی تھی. مسلمانوں کے قبرستان میں اُسے دفن کیا جاتا تھا. اسلام کے تمام احکام اُس پر اُسی طرح جاری ہوتے تھے جس طرح اوروں پر. اوس و خزرج کے خاندانوں میں سے چند لوگوں کا منافق ہونا مشہور تھا جیسے عبداللہ ابن ابی بن سلول اور اُس کے ہم خیال یار دوست. بایں ہمہ بعض اوقات مسلمان ہی ان منافقوں کی حضور انور کے آگے حمایت کرنے پر تیار ہو جاتے تھے جیسا کہ حضور انور کے آگے سعد بن عبادہ نے ابن ابی کی بہت بڑی حمایت کی تھی. یعنی سعد بن معاذ سے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ قسم ہے اللہ کی نہ تم اسے قتل کرو گے نہ قتل کر سکتے ہو. یہ بلاشک سعد سے خطا ہوئی کہ اس نے ایک کھلے منافق کی حمایت لی مگر اس خطا سے سعد ایمان کے دائرہ سے خارج نہیں ہو گیا بلکہ سعد اہل جنت اور انصار سابقین اولین میں سے ہے اس کے مقابلہ میں اگر عثمان نے ایسے دو باپ بیٹوں کو پناہ دی یا مدینہ بلا لیا ہو جن کا منافق ہونا کسی طرح سے معلوم نہ ہو تو وہ کیونکر خطاوار ٹھہر سکتے ہیں اور منافق بھی ہوتے تو بھی عثمان کا اُن پر احسان کرنا عثمان کے حق میں کچھ باعث طعن نہیں ہو سکتا تھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (ممتحنہ:۸) یعنی اللہ تمہیں

ان لوگوں سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں کبھی نہ لڑے ہوں نہ تمہیں انہوں نے تمہارے گھروں سے نکالا ہو کہ تم اُن کے ساتھ احسان کرو اور ان کے ساتھ بانصاف پیش آ ؤ بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے. صحیح میں ثابت ہے کہ صدیق اکبر کی صاحبزادی اسماء نے حضور سے عرض کیا تھا یا رسول اللہ میری ماں کا ایسی حالت میں انتقال ہوا ہے کہ وہ مسلمان نہیں تھی کیا میں اس کے ساتھ کچھ صلہ رحمی کر سکتی ہوں حضور نے فرمایا ہاں تم اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو. پھر صفیہ بنت حیی بن اخطب نے اپنے یہودی قرابت داروں کے لئے کچھ وصیت کی تھی اس سے ظاہر ہے کہ جب مسلمان اپنے کفار قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتا ہے اور یہ اسے ایمان سے خارج نہیں کرتا تو پھر یہ صلہ رحمی کرنا ایسے آدمی کو ایمان سے کیونکر خارج کر دے گا جو اپنے مسلمان قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرے زیادہ سے زیادہ ان لوگوں کی بابت یہ شک ہو سکتا ہے کہ وہ نفاق کے ساتھ متہم تھے لیکن ام المومنین صفیہ بنت حیی ابن اخطب کا باپ تو ان لوگوں کا سرغنہ تھا جو اللہ کی اور اللہ کے رسول کی مخالفت پر تلے ہوئے تھے. صفیہ ایک نیک دل اور باخیر بی بی امہات المومنین میں سے تھیں جن کے حق میں جنتی ہونے کی شہادت ہو چکی تھی. جب یہ انتقال کرنے لگیں تو اپنے بعض یہودی قرابت داروں کے لئے وصیت کر دی ان کے اس فعل پر ان کی بہت تعریف کی گئی فقہانے اس واقعہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ مسلمانوں کو اہل ذمہ پر صدقہ کرنا اُن کے ساتھ صلہ رحمی کرنا اور اُن کے حق میں وصیت کرنا جائز ہے. ان سب باتوں کے دیکھنے کے بعد یہ بآسانی سمجھ میں نہیں آ سکتا ہے کہ عثمان کے ذمہ اِس سے کونسی برائی لازم آ گئی کہ اُنہوں نے اپنے ایسے چچا پر احسان کیا جو کم کھلا مسلمان تھا. ایک نئی بات اور سننے کے قابل ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہ جنگ بدر اور جنگ حدیبیہ میں شریک ہونے کی وجہ سے حضور انور کی نظروں میں ممتاز ہو گیا تھا اور حضور انور اس کے جنتی ہونیکی شہادت دے چکے تھے. مگر فتح مکہ کے بعد اِس شخص نے حضور انور کی بہت سی پوشیدہ خبریں مشرکین کو لکھ کے بھیجدی تھیں اس پر مسلمانوں کو غصہ آیا اور اُنہوں نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ منافق ہے حضور نے ارشاد کیا کہ تمہیں کیا خبر ہے تم اُسے منافق نہ کہو شاید اللہ تعالیٰ نے بدر والوں کی خطاؤں کو مدت العمر کو معاف کر دیا ہو. اب سمجھنے کی بات ہے کہ حاطب نے

جیسا سنگین جرم کیا کہ حضور انور کی مخبری مشرکوں سے کردی. یہ بظاہر قابل معافی نہیں معلوم ہوتا مگر اس پر بھی حضور اس بات کے لیے تیار نہ تھے. کہ حاطب کی نسبت بُرے الفاظ سنیں اس کے مقابلہ میں حضرت عثمان کا معاملہ پیش کیا جائے تو عثمان اور حاطب کی نسبت اُس سے بھی کم ہوگی جو ذرہ کو آفتاب سے ہے لہذا حضور نے جب اسکے جنتی ہونے کی شہادت دے دی تو پھر اُنکی نسبت ناپاک الفاظ اور مطاعن استعمال کرنے گویا حضور انور کے طرز عمل کی تکذیب کرنی ہے.

ایک اور طعنہ: رافضی کہتے ہیں عثمان نے ابوذر کو ربذہ میں جلاوطن کر دیا تھا اور اِس قدر پٹوایا تھا کہ اُن کی کھال اُڑادی تھی. حالانکہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے اُن کے حق میں یہ فرمایا کہ آسمان وزمین کے بیچ میں اگر کوئی زیادہ سچا ہے تو ابوذر ہے اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اللہ نے میری طرف وحی بھیجی ہے جس سے مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ میرے چار صحابہ سے محبت رکھتا اور اُن سے محبت رکھنے کا مجھے بھی حکم دیا ہے. کسی نے دریافت کیا حضور وہ چار صحابہ کون ہیں حضور انور نے ارشاد کیا علی تو ان کے سردار ہیں باقی سلمان، مقداد اور ابوذر ہیں فقط

جواب: یہ حدیث رافضیوں کی من گھڑت ہے لہذا اس کے متعلق زیادہ تحقیق وتنقید کی ضرورت نہیں صرف ایک بات کا جواب دیا جاتا ہے جو ابوذر اور اُن کی حالت کے متعلق ہو. اصل بات یہ ہے کہ ابوذر کو ربذہ میں نکلوانہیں دیا تھا بلکہ واقعات ایسے پیش آئے جس سے خود ابوذر اپنی خوشی سے وہیں رہنے لگے بات ساری یہ تھی کہ جو مسئلہ مال کی نسبت اُنہوں نے اپنے دماغ سے تراشا تھا اسکی وجہ سے تمام لوگ اُن سے ناراض تھے اور رات دن جھگڑے ٹنٹے ہوتے رہتے تھے. بلاشبہ ابوذر ذاتی طور پر نہایت نیک اور تارک الدنیا آدمی تھے اور تارک الدنیا ہونے میں انہیں یہاں تک غلو ہوگیا تھا کہ وہ اسے واجب قرار دیتے تھے یعنی ترک ودنیا کو واجب کہتے تھے اور اُس روپیہ کو انھوں نے کفر قرار دے دیا تھا جسے کوئی شخص اپنی ضرورت سے زیادہ سمجھ کر جمع کرے غلو یہاں تک آپ کے کلام میں ہوگیا تھا آپ کہا کرتے تھے کہ جو شخص روپیہ جمع کرے گا دوزخ میں اُسی روپیہ سے اُسکے داغ دیئے جائیں گے. اِس مسئلہ پر زبردستی کھینچ تان کے قرآن اور حدیث سے دلیلیں دیا کرتے تھے مگر یہ دلائل اُن کی ساختہ اور پرداختہ ہوتی تھیں نفس قرآن وحدیث سے اُنہیں

کچھ تعلق نہ تھا انہوں نے اپنی دعویٰ کے ثبوت میں قرآن مجید کی یہ آیت پیش کی تھی وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ یعنی اور جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ اِس آیت سے کسی طرح بھی ابوذر کا مطلب حل نہیں ہوتا ابوذر اسی غلطی پر گئے تھے کہ روپیہ کا نفس جمع کرنا ہی دوزخ میں جانے کا باعث ہے خواہ اِس روپیہ میں سے اللہ کے نام کیوں نہ دیا جائے یا آئندہ انسان نے اپنی آئندہ ضرورتوں کا لحاظ کر کے اُسے کیوں نہ جمع کیا ہو۔ جو آیات وہ اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں اُن سے کچھ بھی اُن کے دعوے کو تقویت نہیں ہوتی اِسی طرح اُنہوں نے ایک حدیث بھی اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کی ہے اور اُن کا بیان ہے کہ میں نے حضور انور رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی وہ حدیث یہ ہے

یا اباذر ما احبان یکون لی مثل احد ذهبا یمضی علیه ثلاثه وعندی منه دینارا الا دینار ا ارصده لدین" یعنی حضور انور فرماتے ہیں اے ابوذر مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میرے پاس احد کے برابر سونا ہے اس پر تین دن گزر جائیں اور اس میں سے میرے پاس ایک دینار بھی باقی رہے بلکہ میری دلی خواہش یہ ہے کہ میں کل خرچ کر دوں مگر یہ کہ کوئی دینار میں قرض ادا کرنے کے لیے رکھ لوں۔ اس حدیث سے بھی ابوذر کے دعوے کو تقویت نہیں ہوتی کیونکہ حضور نے آئندہ ضرورتوں کا لحاظ کرنے کے لیے اس میں ارشاد فرمایا اگرچہ یہاں صرف قرض کا لفظ آیا ہے مگر اس سے وہ ضرورتیں کہ جو انسان پر ہمیشہ ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ بیماری دکھی شادی غمی اُن پر لحاظ کرنے کی طرف صاف اشارہ پایا جاتا ہے۔ کیونکہ بعض انسانی ضرورتیں ایسی ہیں کہ وہ قرض ادا کرنے سے بھی زیادہ اہم تر اور نازک ہیں۔ ابوذر سے صرف ان کے مبالغہ اور سختی کی وجہ سے لوگ ناراض رہتے تھے مثلاً جب عبدالرحمٰن ابن عوف کا انتقال ہوا تو اُنہوں نے کچھ مال چھوڑا ابوذر نے اِس مال کو کنز میں سے ٹھہرادیا یعنی ایسا مال جسکی وجہ سے آدمی پر قیامت میں عذاب ہوگا۔

حضرت عثمان نے ابوذر سے کہا یہ آپ کیا غضب کرتے ہیں کہ خدا اور رسول کے خلاف فیصلہ دیتے ہیں اور آپ نفس مال جمع کرنے پر اتنا تشدد کیوں کرتے ہیں اس پر ابوذر بحث کرنے لگے اتنے میں کعب وہاں آگئے اُنہوں نے صاف اور کھلے الفاظ میں حضرت عثمان کی تائید کی ابوذر کو

غصہ آ گیا اور اُنہوں نے بلا وجہ کعب کو مارا حضرت عثمان نے بمشکل بیچ بچاؤ کیا اور کعب کو وہاں سے ٹال دیا۔ ابوذر کا تشدد اس مسئلہ میں اِس قدر بڑھا ہوا تھا کہ وہ اپنا عقیدہ بنانے کے لیے مار پیٹ سے بھی نہیں چوکتے تھے شام میں حضرت معاویہ اور ابوذر کا اسی بات پر جھگڑا ہو گیا اور اُس کا یہاں تک طول کھچا کہ اگر حضرت معاویہ ضبط نہ کرتے تو خونریزی ہو جاتی۔ یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ نساک لوگوں کی ایک جماعت نے ابوذر کی بھی موافقت کی ہے جیسا کہ عبدالواحد بن زید وغیرہ سے نقل کیا گیا ہے۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ شبلی بھی ابوذر کی رائے کے ساتھ تھے لیکن خلفائے راشدین تمام صحابہ اور تابعین اِس مسئلہ پر ابوذر کے بالکل خلاف ہیں۔ کیونکہ صحیح میں حضور ﷺ سے ثابت ہو چکا ہے آپ نے فرمایا **لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة و لیس فیما دون خمس ذولصدقة ولیس فیما دون خمس اذا ق صدقة** یعنی پانچ وسق (غلہ) سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے اور نہ پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ ہے اور نہ پانچ اوقیوں (یعنی دوسو درہم) سے کم میں زکوٰۃ ہے۔ فقط۔ اِس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دوسو درہم سے کم زکوٰۃ واجب ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ اور اس میں یہی شرط نہیں ہے کہ درہموں کے رکھنے والے کو ان کی ضرورت ہو یا نہ ہو۔ جمہور صحابہ کنز اُس مال کو کہتے ہیں جس کے حقوق ادا نہ کئے جائیں یعنی اُس میں سے زکوٰۃ وغیرہ نہ دی جائے اس کے علاوہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے میراث کی تقسیم فرمادی ہے۔ حالانکہ میراث وہی ہوتی ہے جو کوئی مورث مال چھوڑ مرے خود حضور رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اکثر صحابہ مالدار تھے جن میں انصار و مہاجرین دونوں شامل ہیں۔ انبیا میں بھی کئی نبی مالدار تھے۔ ابوذر تو لوگوں پر وہ حکم واجب کرتے تھے جو اللہ نے اُن پر واجب نہ کیا اور ابوذر ان کے ایسے فعل کی بُرائی کرتے تھے جس فعل پر اللہ نے اُن کی بُرائی نہ کی ہو۔ ابوذر نے جو حضور انور کا ارشاد نقل کیا ہے اُس میں بھی واجب ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ صرف اِس سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ تیسری رات گزر جائے اور میرے پاس اُس میں سے کچھ رہے۔ پس حضور انور کا یہ فرمانا تیسری رات سے پہلے پہلے اس مال کے نکال دینے پر مستحب ہونے پر دلالت کرتا

ہے نہ کہ واجب ہونے پر اور اِسی طرح حضور انور کا یہ فرمانا۔ المکثرون هم الا قللون اس امر کی دلیل ہے کہ جو لوگ زیادہ مالدار ہیں قیامت میں ان کی نیکیاں کم ہوں گی۔ اُس وقت کہ جب اُنہوں نے اس مال میں سے اللہ کی راہ میں کچھ نہ نکالا ہو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جسکی نیکیاں کم ہوں وہ اہل دوزخ میں سے ہو جبکہ اُس نے نہ کوئی کبیرہ گناہ کیا ہو اور نہ اللہ کے فرضوں میں سے کسی فرض کو ترک کیا ہو۔ فاروق اعظم جیسے اپنی رعیت کے خبر گیراں تھے اُسے سب جانتے ہیں اُن کے زمانہ میں نہ مالدار حد سے بڑھے اور نہ فقیر زیادہ ہوئے لیکن عثمان غنی کی خلافت میں مالدار بہت بڑھ گئے یہاں تک کہ اکثروں کے پاس مقدار مباح سے مال زیادہ ہو گیا۔ وجہ یہ تھی کہ اسلامی فتوحات کو وسعت ہوتی جاتی تھی مفتوحہ ممالک میں امن قائم ہو گیا تھا تجارت کی گرم بازاری ہو گئی تھی قافلوں کی آمد و رفت زیادہ بڑھ گئی تھی ایسے پر امن زمانہ میں ہمیشہ دولت مند زیادہ ہو جایا کرتے ہیں۔ فاروق اعظم کی خلافت میں فتوحات کی ایک رو آتی تھی اور وہ روز بروز بڑھتی چلی جاتی تھی حضرت عثمان کی خلافت میں اُس رو کو ایک سکون ہوا اور اسکی رفتار ایک حد تک دھیمی پڑ گئی اس لیے تمدن اور تجارت کو بے انتہا ترقی ہوئی جس کا نتیجہ لوگوں کی دولتمندی ہے۔ ابوذر کچھ قدرتی طور پر دولت کو پسند نہیں کرتے تھے اور دولت بڑھ رہی تھی اور ابوذر کی مخالفت ترقی کر رہی تھی یہاں تک کہ اُنہوں نے مباحات سے بھی منع کرنا شروع کر دیا اور اِس سے فتنہ و فساد پیدا ہونے لگے اور لوگوں میں ایک خلفشار سی ہو گئی یہی وجہ تھی کہ ابوذر نے مدینہ کو چھوڑ کے ربذہ میں جا کے قیام کیا۔ معمولی عقل والا بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ عثمان غنی کو ابوذر سے کوئی ذاتی کدو کاوش نہ تھی عثمان ان سے کوئی ذاتی غرض رکھتے تھے۔ ابوذر کا سب آدمیوں سے زیادہ سچا ہونا اس بات کو ثابت نہیں کرتا کہ وہ سب سے افضل بھی تھے بلکہ اس کے مقابلہ میں ابوذر ایک ضعیف مومن تھے۔ جیسا کہ صحیح میں حضور انور سے ثابت ہے آپ نے فرمایا تھا یا اباذر انی اراک ضعیفا وانی احب لک ما احب لنفسی لا تامرن علی اثنین ولا تولین مال یتیم یعنی اے ابوذر مجھے تم ضعیف آدمی معلوم ہوتے ہو میں تم میں وہی بات پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں (اللہ کے لیے) تم دو

آدمیوں پر بھی حاکم نہ بننا اور نہ کسی پر یتیم کے مال کے منتظم بننا۔ فقط۔ پھر صحیح میں حضور انور سے یہ بھی ثابت ہو چکا ہے آپ نے فرمایا المومن القوی خیر واحب الی اللہ من الومن الضعیف یعنی مومن قوی بہتر ہے اور وہ ضعیف مومن سے اللہ کو بہت زیادہ محبوب ہے۔ پس اہل شوریٰ سب قوی مومن تھے اور ابوذر اور ان جیسے اور لوگ ضعیف مومن تھے پس وہ مومن جو خلافت نبوت کے قابل تھے ابوذر سے بدرجہ افضل ہوئے۔ اِس سے زیادہ اُن کی افضیلت اور ابوذر کے ضعف قلبی، ضعف دماغی، یا ضعف فطرت کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔

ایک اور الزام: رافضی کہتے ہیں کہ عثمان نے حدود اللہ کو ضائع کر دیا تھا اور اس کے ثبوت میں یہ بیان کرتے ہیں کہ عبید اللہ بن عمر کو قتل نہیں کیا۔ جس وقت اُس نے علی کے آزاد کردہ ہرمزان کو مسلمان ہونے کے بعد قتل کر دیا تھا علی نے عبید اللہ کی بہت تلاش کرائی تا کہ ہرمزان کے قتل کا اس سے انتقام لیا جائے لیکن وہ حضرت معاویہ کے ساتھ شام میں جاملا۔ حضرت عثمان نے یہ بھی چاہا تھا کہ ولید بن عقبہ کی شراب خواری کی حد کو معطل کر دیں۔ لیکن علی نے اس پر حد لگا دی اور یہ فرمایا کہ میرے ہوتے ہوئے اللہ کی حدود ہرگز معطل نہیں ہو سکتیں۔ فقط

جواب: رافضیوں کا یہ کہنا کہ ہرمزان حضرت علی کا آزاد کردہ تھا بالکل غلط اور محض غلط ہی کیونکہ ہرمزان تو اُن سواروں میں سے تھا جن کو کسریٰ نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے بھیجا تھا۔ مسلمانوں نے میدان جنگ میں اُسے زندہ پکڑ لیا اور فاروق اعظم کے حضور میں پیش کر دیا ہرمزان نے مسلمان ہونے کا اقرار کیا فاروق اعظم نے اُسے آزاد کر دیا۔ یہ فاروق اعظم کا اس پر بہت بڑا احسان ہے۔ اب اگر اُس پر حق ولا تھا۔ جو آزاد کرنے میں ہوتا ہے تو وہ سب مسلمانوں کا تھا نہ اکیلے علی کا اور اگر ولا اِسی شخص کا ہے جس نے اُسے آزاد کیا ہو تو وہ حق فاروق اعظم کا تھا اور اگر اس پر وِلا نہ تھا بلکہ وہ مثل اُسی قیدی کے تھا کہ جب اس پر احسان کیا جائے تو اس پر ولا نہیں ہوتا تو ایسے قیدی کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب وہ مسلمان ہو جائے تو مسلمان ہونے کے بعد غلام ہو جاتا ہے یا آزاد رہتا ہے جیسا کہ مسلمان ہونے سے پہلے تھا باوجودیکہ اس پر سب کا اتفاق ہے

کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے اُسکی جان محفوظ ہوجاتی ہے. اس مسئلہ میں دوقول ہیں وہ دونوں قول امام احمد وغیرہ کے مذہب میں ہیں. یہ بات تو ثابت ہوچکی ہے کہ علی کا اس میں کوئی حق نہ تھا نہ اُنہوں نے اس کے غلام بنانے میں یا اسکے آزاد کرنے میں کوئی کوشش کی تھی۔ جب فاروق اعظم شہید کردیئے گئے اور مغیرہ بن شعبہ کا آزاد کردہ ابولولو گرفتار ہوا جو کافر مجوسی تھا اور جس نے آپ کو شہید کیا تھا تو تحقیق کے بعد یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ ہرمزان اور ابولولو دونوں ایک ہی جگہ اُٹھتے بیٹھتے تھے اور ان میں باہم خوب گٹھوت تھی. عبیداللہ بن عمر کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگئی تھی کہ فاروق اعظم کے قتل میں ابولولو کے ساتھ ہرمزان کی سازش ہے. تمام مدینہ میں لوگ اس بات کا یقین کرتے تھے کہ ہرمزان نے ابولولو کو اس خطرناک فعل میں مدد دی. عبداللہ بن عباس کہتے ہیں جب فاروق اعظم ایک کاری زخم کھا کر گرے تو آپ نے مجھ سے فرمایا کیوں تمہیں یاد ہے تم اور تمہارے والد اس بات کو بہت پسند کرتے تھے کہ ایرانی مدینہ منورہ میں بکثرت آباد ہوں. عبداللہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا بے شک یہ ہماری غلطی تھی ہمیں خبر نہ تھی کہ یہ ایسے بدکردار خونی نکلیں گے) اب اگر آپ حکم دیں تو جتنے ایرانی اس وقت مدینہ میں موجود ہیں سب کی گردنیں ماری جائیں. فاروق اعظم نے فرمایا نہیں ایسا ہرگز نہ کرنا. یہ اب کس طرح ہوسکتا ہے کیونکہ وہ تمہاری طرح کلمہ گو ہیں تمہارے قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں. غرض یہ ہے کہ عبداللہ بن عباس جو عبیداللہ بن عمر سے بہت بڑے فقیہ بڑے دیندار اور اکثر لوگوں سے افضل تھے. انہوں نے بھی کل اُن ایرانیوں کی جو مدینہ میں آباد تھے گردن اڑانے کے لیے حضرت عمر سے اجازت مانگی تھی. اس پر اگر عبیداللہ بن عمر نے صرف ہرمزان کو قتل کردیا تو کونسی غضبناک کارروائی کی. نہ صرف عبداللہ بن عباس بلکہ مدینہ کے کل مہاجر وانصار ایرانیوں کے خلاف بھڑک اُٹھے اور یہ ایک لازمہ قانون قدرت تھا کہ ایسی حالت میں اُنہیں جوش آجاتا پھر بھلا عبیداللہ بن عمر ہرمزان کے قتل کے جواز پر کونسا امر مانع تھا جب ہرمزان قتل کردیا گیا تو اس کے قتل کے بعد عثمان غنی نے لوگوں سے مشورہ لیا کہ آیا عبیداللہ کو اس کے قصاص میں قتل کیا جائے یا نہیں تو اس میں صحابہ کی کثرت رائے اس طرف ہوئی کہ آپ عبیداللہ کو ہرگز قتل نہ کریں کیونکہ کل تو اس کا باپ قتل کیا گیا اور آج وہ قتل کیا جائے گا اس سے اسلام

میں سخت فتنہ وفساد پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے. اس سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوگئی کہ ہرمزان کے خون کی عصمت میں ان لوگوں کو شبہ پڑ گیا تھا اور اس میں بھی شک تھا کہ آیا ہرمزان حملہ کرنے والوں میں سے ہے جو بچنے کے مستحق ہوتے ہیں یا فاروق اعظم کے قاتلوں میں شریک ہے جو قتل کئے جانے کے مستحق ہیں. جب ایک آدمی کے قتل کرنے میں کئی آدمی شریک ہیں اور اُن میں سے بعض قتل کریں اور بعض نہ کریں تو اس میں فقہا کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ قصاص خاص اسی پر ہے جس نے اپنے ہاتھ سے قتل کیا ہو. یہی قول امام ابوحنیفہ کا ہے بعض کا یہ قول ہے کہ جب ایک شخص کے قتل کرنے میں قاتل کو اور لوگ بھی مدد دیں تو قاتل اور اس کے مددگار دونوں پر قصاص واجب ہو گا۔ گویا سب نے ملکر اس ایک شخص کو قتل کیا. یہی قانون ہم آج کل انگریزی عدالتوں میں دیکھتے ہیں. مثلاً زنا اور قصاص کے گواہ جب اپنی اپنی گواہی سے پھر جائیں. اور کہیں کہ ہم نے تو جان کے جھوٹ بولا تھا تو اِس صورت میں اُنہیں سزا دینی ضروری ہے اور یہی جمہور کا مذہب ہے جیسے مالک امام شافعی. اور امام احمد وغیرہ ہم کا اور اگر یہ صورت درپیش آئی کہ ایک شخص تو قتل کرنے سے رُک گیا اور دوسرے نے آگے بڑھ کے قتل کر دیا تو امام مالک اس رکنے والے اور قتل کرنے والے دونوں پر قصاص واجب رکھتے ہیں. اور امام احمد اسے اس بارے میں دو روایتیں ہیں ایک روایت تو اِسی کے موافق ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ رکنے والے کو عمر قید کر دیا جائے. جیسا کہ ابن عباس سے مروی ہے. بعض کا یہ قول ہے کہ قصاص فقط قاتل ہی پر ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا قول ہے. اِس میں بھی اختلاف ہے یعنی جب کوئی شخص کسی کے قتل کرنے کے جرائم کو یقیناً جانتا ہو اور پھر اُس کے قتل کرنے پر کسی کو حکم دے دے تو آیا اِس شخص یعنی حکم دینے والے پر بھی قصاص ہے یا نہیں اس میں بھی فقہا کے دو قول ہیں. جب ہرمزان اُن لوگوں میں سے تھا جنہوں نے فاروق اعظم کے قتل کرنے میں مدد دی تھی. تو ایک قول کے مطابق بطور قصاص کے اس کو قتل کر دینا یقیناً جائز ہو گیا. فاروق اعظم نے صنعاء کے مقتول کی بابت خود یہ فرمایا تھا کہ اگر سارے صنعاء والے اس کے قتل کرنے پر مائل ہوں گے تو میں اِس اکیلے کے عوض اُن سب سے قصاص لے لوں گا. اس کے علاوہ ائمہ اور خلفا کے قتل کر دینے میں علما کا اختلاف ہے کہ آیا ان کے قاتل کو بطور حد

کے قتل کیا جائے یا بطور قصاص کے اسکی بابت امام احمد وغیرہ کے مذہب میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اُسے بطور حد یعنی بطور سزا کے قتل کیا جائے جیسے رہزنوں کو قتل کیا جاتا ہے. کیونکہ ائمہ اور خلفا کے قتل کر دینے میں رہزنوں کے فساد سے بھی زیادہ خرابی ہوتی ہے کیونکہ ان کلوگوں کو قتل کرنے والا اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑنے والا اور زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرنے والا ہے اور جب ہرمزان اُن لوگوں میں سے ہوا جنہوں نے فاروق اعظم کے قتل کرنے میں مدد کی تھی تو وہ زمین میں فساد پھیلانے والا. اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑنے والا ہوا. اس وجہ سے اسے قتل کر دینا واجب تھا. اور اگر بفرض محال یہ بھی مان لیں کہ یہ مقتول معصوم الدم تھا یعنی اُسے قتل کرنا حرام تھا. لیکن قاتل متاؤل تھا وہ کسی ظاہر شبہ کی وجہ سے اُسے قتل کرنے کو حلال سمجھتا تھا تو یہ شبہ قاتل کی طرف سے جائز ہو جائے گا. جس سے اُس پر قصاص واجب کبھی نہیں ہو سکے گا. جیسا کہ اُسامہ بن زید نے جب ایک شخص کو لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کر دیا اور اپنے دل میں یہ سمجھے کہ اس وقت یہ کلمہ پڑھنا اُسے معصوم الدم نہیں بنا سکتا. حضور انور نے اِس قتل پر اُسامہ کو فقط جھڑکی دے دی مگر قتل نہیں کیا کیونکہ اُسامہ کے پاس بچاؤ کی جو صورت تھی وہ یہ ہی تھی کہ اُنہیں اس بات کا شک ہو گیا تھا کہ آیا یہ کلمہ پڑھنا اسے معصوم الدم بنا سکتا ہے یا نہیں اور جب اسی طرح عبید اللہ بن عمر بھی متاؤل تھے اور انہیں اس بات کا یقین کامل تھا کہ اس ہرمزان نے میرے پریشان باپ کے قتل کرنے میں قاتل کو مدد دی ہے اور مجھے اِس کا قتل کر دینا جائز ہے ایسی حالت میں کوئی مجتہد یا قاضی ان پر قتل کا فتویٰ نہیں دے سکتا. ہر ایک بات میں نیت دیکھی جاتی ہے وہ اس کو خوب سمجھتے تھے کہ میں اسے قتل کی سزا دے رہا ہوں پھر اُن پر قصاص کیونکر واجب ہو سکتا ہے. اس کے علاوہ ہرمزان کے مدینہ میں ورثاء نہ تھے اور جس کا کوئی وارث نہیں ہوتا اُس کا ولی یا وارث حاکم وقت ہوا کرتا ہے اور جب ایسے شخص کو جس کا کوئی ولی یا وارث نہ ہو قتل کر دیتا ہے تو امام وقت یا حاکم وقت کو اختیار ہوتا ہے کہ چاہے وہ اُس کے قاتل کو قتل کر دے اور چاہے اُسے معاف کر کے خون بہا لے لے چاہے اُسے یوں ہی چھوڑ دے چونکہ وہ مقتول کا ولی ہوتا ہے اُسے سب طرح کے اختیارات ہیں جو چاہے سو کرے. جب یہ مان لیا جائے کہ عثمان غنی نے اِس کا خون معاف کر دیا تھا اور آپ نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ آل عمر کی طرف

سے خون بہا کا روپیہ میں بھر دوں گا پھر عثمان غنی پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے بلکہ میرے خیال میں تو بجائے اعتراض کے اُنکی تعریف کرنی چاہیے۔ یہ مسئلہ یقیناً اجتہادی تھا کیونکہ صحابہ میں کثرت رائے اس طرف تھی کہ عبیداللہ کو قتل نہ کیا جائے اور بعض کی یہ رائے تھی کہ قتل کر دیا جائے تو اس پر حضرت عثمان کو حق حاصل تھا کہ اپنے اجتہاد سے کام لیتے اور انہوں نے جو کچھ اپنے اجتہاد سے کیا اُس پر کسی شخص کی مجال نہیں ہے کہ اعتراض کی انگلی اٹھائے۔ اور یوں مجانین کی طرح سے بکواس کرنا قابل توجہ نہیں ہے۔ اسی طرح بجائے عثمان غنی کے علی بن ابی طالب ہوتے اور اپنے اجتہاد سے ایک امر کا فیصلہ کرتے تو کبھی اُن پر بھی اعتراض نہیں ہوسکتا تھا۔ رافضیوں کا یہ کہنا کہ حضرت علی عبیداللہ بن عمر کو قتل کرنا چاہتے تھے اصل حضرت علی پر سخت حملہ ہے اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ رافضیوں کے کہنے کے مطابق حضرت علیؓ کی یہ خواہش تھی تو حضرت علی پر ایک ایسا سخت الزام عائد ہوتا ہے جس سے وہ کبھی بریت حاصل نہیں کر سکتے اس لیے کہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے۔ جب ایک خون کے معصوم ہونے کا خود حاکم حکم دے چکا ہو تو پھر حضرت علی کو اُس کے حکم کے خلاف کرنا اور اُس کے حکم کو توڑنا کیوں کر جائز ہوسکتا ہے اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ حضرت علی تو اس مقتول کے ولی بھی نہ تھے۔ جو مدعی بن کے کھڑے ہو جاتے نہ اِس مقتول کا کوئی ولی قصاص کا طالب ہوا۔ جب اُس کا حق بیت المال کے لیے تھا تو اس صورت میں امام کو یہ اختیار تھا کہ وہ اسکی طرف سے معاف کر دے یا اس پر خون بہا ڈالے۔ غرض ہر ایک قسم کا حق حاکم کو حاصل تھا یہ بات مسلم ہے کہ ہرمزان کا سوائے سلطان کے اور کوئی عصبہ نہ تھا اور جب کوئی ایسا آدمی قتل کر دیا جاتا ہے جسکا ولی اور عصبہ سوائے سلطان کے اور کوئی نہ ہو تو اُس کا اختیار سلطان ہی کو ہوا کرتا ہے کہ چاہے اُسکے قاتل کو قصاص میں قتل کر دے اور چاہے قتل نہ کرے بلکہ صرف خون بہا لے اور وہ خون بہا سب مسلمانوں کا حق ہے اِسکو سلطان اپنے اختیار سے بیت المال کے مصارف میں صرف کیا کرتا ہے۔ بہر حال حضرت عثمان کے معاف کر دینے اور اس کے خون کا عوض نہ ہونے کا حکم کر دینے کے بعد عبیداللہ بن عمر کو قتل کرنا کسی صورت سے مباح نہ تھا۔ کہیں سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خاص اس بارے میں مسلمانوں میں اختلاف تھا۔ پھر ایسی بات حضرت علی کی طرف منسوب کرنی

کیونکر جائز ہو سکتی ہے. جب حضرت عثمان کا انتقال ہو گیا تو سب لوگ منتشر ہو گئے اور عبید اللہ بن عمر جو بڑے نیک آدمی تھے مکہ چلے گئے اور کسی سے بعیت نہیں کی وہ بڑے نیک اور دیندار آدمی تھے. ہمیشہ فتنہ وفساد سے علیحدہ رہتے تھے. باوجود یہ کہ حضرت علی سے اُنہیں بہت محبت تھی وہ اُن کی تعظیم کرتے اُن کی مولاۃ کے قائل تھے اور جو شخص اُن پر اعتراض کرتا تھا اُسے برا کہتے تھے لیکن مسلمانوں میں قتال ہونے کو وہ ہرگز جائز نہ سمجھتے تھے. عبید اللہ بن عمر حضرت عثمان کے شہید ہونے کے بعد ہی حضرت معاویہ کے پاس چلے گئے تھے اس پر بھی عبید اللہ کسی فتنہ وفساد کے موقعہ پر کسی کے سرغنہ نہیں بنے. جیسا کہ محمد بن ابی بکر اور اشترنخعی وغیرہ کا حال ہے. اب ہرمزان کی حالت کو دیکھنا چاہیے وہ یقیناً منافق تھا اللہ اور اللہ کے رسول سے محاربت کرنے والوں میں اور زمین میں فساد پھیلانے والوں میں بدنام ہو چکا تھا. غضب اللہ کا اس کے خون پر تو یہ واویلا مچایا جائے اور حضرت عثمان کے خون کو ایسا بے حرمت ٹھہرایا جائے. حالانکہ عثمان تو ایسے امام المسلمین تھے کے جنتی ہونے کی خود حضور انور ﷺ شہادت دے چکے تھے. وہ اور اُن جیسے اور خلفاء انبیاء کے بعد ساری مخلوق سے افضل تھے. تواتر سے یہ بات ثابت ہے اور کسی کی مجال نہیں ہے کہ اِس سے انکار کرے کہ بڑی سے بڑی تکلیفوں اور ذلتوں پر صبر کرنے والا حضرت عثمان سے زیادہ اور کوئی نہ تھا کیونکہ جب لوگوں نے انہیں قید کر لیا اور اُن کے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو عام طور پر لوگ حضرت عثمان کی مدد کرنے کے لیے جوق در جوق آ گئے اور حضرت عثمان سے اجازت مانگی کہ آپ ہمیں ان باغیوں سے جنگ کرنے کا حکم دیں آپ نے بڑی سختی سے منع کیا اور کہا کہ میرا قتل ہو جانا اس کے آگے کوئی حقیقت نہیں رکھتا کہ مسلمانوں میں باہم خونریزی ہو یہاں تک کہ آپ نے اپنے غلاموں کو حکم دے دیا تھا کہ تم میں سے جس شخص نے اپنی تلوار میان سے نہیں نکالی اُسی کو میں نے آزاد کیا. بعض لوگوں نے آپ کو یہ مشورہ دیا کہ آپ مکہ چلے جایئے آپ نے فرمایا کہ میں حرم میں فساد پھیلانے والوں میں سے نہیں ہونا چاہتا پھر یہ مشورہ دیا کہ آپ شام کی طرف چلے جایئے جواب دیا کہ میں اپنے ہجرت کے گھر کو نہیں چھوڑ سکتا ہے. پھر آپ نے کہا کہ آپ جنگ کیجئے فرمایا کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کی اُمت میں سب سے پہلا مسلمانوں کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے والا نہیں بننا چاہتا یہاں تک کہ آپ

شہید ہو گئے آپ کا ایسی حالت میں صبر کرنا نہ صرف مسلمانوں کے نزدیک بلکہ تمام عقلائے عالم کے نزدیک آپ کے اعلی درجہ کے فضائل میں داخل ہے. جو واقعات زمانہ کی پیشانی پر خونی حرفوں میں لکھے ہوئے ہیں وہ سب حضرت علی کے دور وزہ زمانہ خلافت کے واقعات ہیں پس جب حضرت علی کا ایسے افعال کرنا اُن کی ذات میں قدح کرنے کو واجب نہیں قرار دیتا تو پھر حضرت عثمان پر تنہا ایک منافق ہرمزان کے قتل کرنے پر کیونکر قدح ہوسکتی ہے. پھر رافضیوں کا یہ کہنا کہ ولید بن عقبہ کے مقدمہ میں عثمان نے شرابخواری کی حد کو معطل کرنا چاہا تھا لیکن حضرت علی نے اس کے حد لگادی محض غلط اور بالکل ہے یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ ولید پر حد لگی اور وہ حضرت عثمان کے حکم سے لگائی گئی تھی. صحیح میں ثابت ہے کہ عثمان ہی نے علی کو حکم دیا تھا کہ تم اس کے حد لگادو علی نے حد لگائی مگر صرف چالیس کوڑے مارے گویا حد میں ایک طرح کی تخفیف کردی.

پھر رافضیوں کا یہ کہنا کہ حضرت علی کہتے تھے. میرے ہوتے اللہ کی حدود کو کوئی معطل نہیں کرسکتا سرتاپا غلط اور محض غلط ہے. اور اگر اِسے صحیح تسلیم کرلیں تو اِس میں حضرت عثمان ہی کی تعریف نکلے گی کیونکہ اُنہوں نے حضرت علی کی گزارش کو تسلیم کرلیا اُنہیں اختیار حاصل تھا کہ وہ حضرت علی کی بات کو نہ مانتے کیونکہ وہ حاکم وقت تھے علی تنہا اُنہیں ان کے رادہ سے نہیں روک سکتے تھے. اور اگر حضرت علی میں اُنہیں روکنے کی قوت نہ تھی تو عثمان کے جن امور پر لوگوں نے اعتراض کئے ہیں تو حضرت علی نے باوجود اپنے اس قدرت کے اِن امور سے کیوں نہیں روکا یہ تو حضرت علی پر ہی پر اُلٹا الزام آتا ہے. اِس کے علاوہ حد لگانے کے متعلق جب علی نے سفارش کی اور حضرت عثمان نے اِنکے کہنے کو مان لیا تو اس میں حضرت ثمان کی اعلی درجہ کی دینداری اور حددرجہ کے انصاف کی دلیل ہوئی. ولید بن عقبہ کو جس کا یہ جھگڑا ہے حضرت عثمان نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا تھا اہل کوفہ اس سے خوش نہیں تھے بلکہ اس کا وہاں حاکم ہونا جائز نہیں سمجھتے تھے تعجب ہے کہ حضرت علی نے اُسے کیوں نہ علیحدہ کردیا. اس سے کیا تو یہ بات نکلتی ہے کہ حضرت علی کے خیال میں اس کا حاکم ہونا جائز تھا وہ ایسے عاجز تھے کہ ہوں ہاں کچھ نہیں کرسکتے تھے.

اب اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب حضرت علی اُسے حکومت سے علیحدہ کردینے میں

عاجز تھے تو اُس کے حد لگانے سے کیونکر عاجز نہ ہوئے. اس سے صاف معلوم ہو گیا اگر عثمان ولید کے حد لگانے کو نہ چاہتے تو علی اُس سے یقیناً عاجز تھے اور جب حضرت عثمان نے خود ہی چاہا کہ ولید پر حد لگے تو یہ چاہنا اُن کی دینداری کی دلیل ہوئی. عام طور پر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت علی کی موجودگی میں حدود ہمیشہ باطل ہوتی رہیں یہاں تک کہ اُن کی خلافت میں بھی یہی کیفیت رہی. رافضیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت علی محض خوف تقیہ کی وجہ سے حدود کو چھوڑ دیتے تھے یعنی کبھی کوئی کام اُنہوں نے اخلاقی جرات اور ایمانداری سے نہیں کیا رافضی اُنہیں چاہے جیسا ہی تقیہ باز کہیں مگر ہم انہیں ایسا نہیں سمجھتے. اب رافضی اذان کے بڑھانے کے متعلق حضرت عثمان پر ایک اعتراض کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن دوسری اذان صرف عثمان کی وجہ سے بڑھی اور یہ بدعت ہے لیکن لوگوں نے بعدازاں اسے سنت قرار دے لیا. اِس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عثمان کی زندگی میں اور اُن کے شہید ہونے کے بعد نہ صرف اور صحابہ بلکہ خود حضرت علی اِس اذان کے موافق تھے کیونکہ جب وہ خود خلیفہ بنے ہیں تو اُنہوں نے اس اذان کو موقوف کرنے کا حکم نہیں دیا حالانکہ حضرت عثمان کے رکھے ہوئے عاملوں کو جنہیں اپنی مرضی کے خلاف سمجھا موقوفی کا حکم دے دیا یہاں تک کہ حضرت معاویہ کو بھی معزول کرنے کا پروانہ بھیج دیا. یہ ظاہر ہے کہ اُن لوگوں کو معزول کرنے اور اُنہیں اعلان جنگ دینے سے یہ بات حضرت علی کے لیے بہت ہی آسان تھی کہ وہ اس بدعت کو توڑ ڈالتے. تاکہ سب لوگوں کو معلوم ہو جاتا اور عام طور پر اس کی رواتیں نقل ہوتی چلی جاتی ہیں. اب اگر کوئی یہ کہے کہ اِس بدعت کو توڑنے میں لوگ اُن کی موافقت نہ کرتے تھے تو یہ امر یقینی اس بات کی دلیل ہے کہ عام صحابہ اسے مستحب اور مستحسن سمجھتے تھے یہاں تک سابقین اولین میں سے وہ لوگ بھی جنہوں نے حضرت علی کا مقابلہ کیا جیسے عمار اور سہل بن حنیف وغیرہ اسے مستحسن اور جائز سمجھتے تھے یہ ہی لوگ اکابر صحابہ تھے اگر یہ لوگ اس اذان کو روک دیتے تو کوئی منع کرنے والا نہ تھا. اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ صحابہ میں بعض ایسے تھے جو اس اذان کے موافق تھے اور بعض مخالف تھے تو پھر یہ مسئلہ اجتہادی مسائل میں سے ہو جائے گا. پھر اجتہادی مسئلہ سے حضرت عثمان پر اعتراض نہیں ہو سکتا. اب اگر اس اذان کو بدعت قرار دیا جائے تو سوال یہ ہے کہ اگر اس کے بدعت کہنے سے یہ مراد ہے کہ اس

سے پہلے کسی نے اسکو نہیں کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل قبلہ سے جنگ کرنا بھی بدعت ہے کیونکہ یہ کہیں سے نہیں معلوم ہوتا کہ علی سے پہلے بھی کسی امام نے اہل قبلہ سے جنگ کی تھی. پھر اہل قبلہ سے جنگ کرنے کو اذان سے کچھ بھی مناسبت نہیں کیونکہ اذان تو اس کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی. اِس کے علاوہ اگر کوئی یہ کہے کہ بدعت سے یہ مراد نہیں بلکہ بدعت وہ فعل ہے جسے کسی نے بغیر شرعی دلیل کے کیا ہو اِس کا جواب یہ ہے کہ کس دلیل سے معترض کو یہ معلوم ہو گیا کہ عثمان نے اذان کو بغیر شرعی دلیل کے جاری کیا تھا اور علی نے اہل قبلہ سے کسی شرعی دلیل کے ساتھ جنگ کی تھی اس کے علاوہ حضرت علی نے اپنی خلافت میں جامع مسجد میں عید کی نماز پڑھا دی حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اور اسی طرح ابوبکر، عمر، عثمان کے زمانہ میں کبھی عید کی نماز جامع مسجد یا کسی اور مسجد میں نہیں ہوئی. نبی ﷺ اور آپ کے زمانہ میں معروف سنت یہ تھی کہ شہر میں ایک ہی جگہ جمعہ پڑھا جائے اور بقر عید کی نمازیں ایک ہی جگہ ہوں جمعہ کی نماز لوگ مسجد میں پڑھتے تھے اور عیدین کی نماز جنگل میں مگر یہ بدعت حضرت علی نے نکالی کہ عید کی نماز بھی جامع مسجد میں پڑھنے کا حکم دے دیا. عذر یہ تھا کہ کسی نے حضرت علی سے کہا کہ شہر میں بہت سے لوگ ضعیف و ناتواں ہیں جو عید گاہ تک نہیں جا سکتے اس پر حضرت علی نے ایک آدمی کو خلیفہ کر دیا کہ وہ مسجد ہی میں نماز پڑھا دے ایک قول تو یہ ہے کہ اُس نے تکبیر کے ساتھ دو رکعتیں پڑھائیں اور بعض کہتے ہیں کہ بلا تکبیر چار رکعتیں پڑھائیں. بہر حال اُس نے غلطی کچھ نہ کچھ ضرور کی. پھر ابن عباس کو لو جنہوں نے حضرت علی کی موجودگی میں اُن کے زمانہ خلافت میں بصرہ میں تعریف کی (یعنی اہل عرفات کی نقل اُتاری) یہ کہیں سے بھی ثابت نہیں کہ علی نے اُن کو اس فعل سے روکا. اذان پر تو بعد ازاں چاروں مذہبوں کا اتفاق ہو گیا جس طرح تراویح پر سب کا اتفاق ہو گیا تھا اور یہ تراویح یعنی رمضان بھر شب کی مسجدوں میں قرآن پڑھنے کا حضرت عمر نے حکم دیا تھا مگر حضرت علی کے دو عیدیں کرنے میں اکثر علما کا اختلاف ہے اِس میں اور جمعہ فقہا کے تین قول ہیں. بعض کہتے ہیں کہ شہر میں فقط ایک ہی عید اور ایک ہی جمعہ ہونا چاہیے جیسا کہ امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے بعض اصحاب کا قول ہے اور مسنون طریقہ بھی یہی ہے. بعض کہتے ہیں کہ ایک شہر میں عید کی نماز تو کئی جگہ ہونی جائز ہے لیکن جمعہ ایک ہی جگہ ہونا چاہیے. جیسا کہ امام

شافعی کا قول ہے اور امام احمد سے بھی اسی کی تائید میں ایک راویت نقل ہوئی ہے اِسکی دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ عید نماز کے لیے آدمی کا مقیم ہونا چند آدمیوں کا ہونا شرط نہیں ہے جیسا کہ جمعہ کے لیے شرط ہے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ عید کی نماز حضر اور سفر دونوں حالتوں میں پڑھی جاتی ہے اور یہ حضور انور کی متواتر سنت اور خلفاوے راشدین کے طریقہ کے خلاف ہے.

بعض کا یہ قول ہے کہ ضرورت کے وقت ایک شہر میں دو جگہ جمعہ پڑھنا بھی جائز ہے جیسا کہ حضرت علی نے ضرورت کی وجہ سے عیدین کی نماز دو جگہ کر دی تھی یہی مذہب مشہور روایت میں امام احمد بن حنبل امام ابوحنیفہ کے اکثر اصحاب اور امام شافعی کے اصحاب میں سے اکثر متاخرین کا ہے اور یہ سب لوگ حضرت علی کے فعل کو حجت اور اپنی دلیل ٹھہراتے ہیں. کیونکہ اُنہیں بھی خلفائے راشدین میں سے سمجھا گیا ہے. اسی طرح امام احمد بن حنبل نے شہروں میں تعریف کو (یعنی اہل عرفات کی نقل اُتارنے کو جائز کہا اور یہ دلیل بیان کی ہے کہ بصرہ میں ابن عباس نے تعریف کی تھی اور یہ حضرت علی کی خلافت میں ہوا تھا. ابن عباس بصرہ میں حضرت علی کے نائب تھے. پس امام احمد بن حنبل اور اکثر علماء حضرت علی کے طریقہ کی پیروی کرتے ہیں. جیسا کہ وہ فاروق اعظم اور حضرت عثمان کے طریقوں میں اُن کی پیروی کرتے ہیں. مگر دوسرے علماے جیسے امام مالک وغیرہ وہ حضرت علی کے طریقوں میں اُن کی پیروی نہیں کرتے بلکہ فاروق اعظم اور حضرت عثمان کے طریقوں کی پیروی کرنے پر متفق ہیں. پس اگر عمر اور عثمان کی شان میں اُن کے طریقوں کی وجہ سے قدح کرنا جائز ہے اور اُن کے طریقہ کا حال ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ اُس پر سب متفق ہیں تو علی کے طریقہ کی وجہ سے علی پر قدح کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہے. اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت علی نے جو کچھ کیا وہ جائز ہے اس میں قدح نہیں ہوسکتی کہ وہ ایسا طریقہ ہے کہ لوگ اس میں اُن کی پیروی کرتے ہیں تو پھر جو کچھ علی اور عثمان نے کیا وہ بھی اسی طرح یعنی اسی حکم میں بطریق اولیٰ ہونا چاہیے اور حضرت عمر کا وہ فعل بھی اسی قسم کا ہے آپ کی بابت بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے بنی تغلب کے نصاریٰ پر دُگنی زکوٰۃ کر دی تھی کیونکہ وہ زکوٰۃ درحقیقت جزیہ تھی اسی قسم کے بہت سے امور صحیح روایتوں میں پائے جاتے ہیں

تعجب تو اِس بات کا ہے کہ رافضی جمعہ کی اذان کی بابت حضرت عثمان پر کیوں اعتراض کرتے ہیں
جبکہ اُنہوں نے انصار اور مہاجرین کی آنکھوں کے سامنے اِس فعل کو جاری کیا تھا اور اُن میں سے
کسی شخص نے بھی باوجود آزاد ہونے کے اور آزاد فطرت رکھنے کے نہ اس سے کشیدہ خاطری کی اور
نہ اِس سے منع کیا. رافضی خود اپنی اذان کو دیکھیں کہ اُنہوں نے اپنی اذان میں ایسے الفاظ بڑھائے
دیئے ہیں جن کا حضور انور کے زمانہ میں ہونا کہیں سے بھی ثابت نہیں ہوتا اور نہ کسی نے نقل کیا ہے
حی الی خیر العمل یہ الفاظ کہاں سے آئے حضور انور کے زمانہ میں اذان میں داخل تھے خود
حضرت علی کے زمانہ خلافت میں بھی یہ الفاظ اذان میں ثابت نہیں ہوتے. زیادہ سے زیادہ اِس
بارے میں منقول ہونا (بشرطیکہ وہ نقل صحیح بھی ہو) فقط یہ ہے کہ بعض صحابہ جیسے ابن عمر وغیرہ تاکید
کے طور پر احیاناً ایسا کہہ دیا کرتے تھے اور اس کا نام نداءالا مراء تھا بعض اسے تثویب کہتے تھے بعض
علماء نے اسکی اجازت دی ہے بعض علماء نے اسے مکروہ سمجھا ہے اور حضرت عمر اور ان کے
صاحبزادے وغیرہ سے بھی انہوں نے اس کا مکروہ ہی ہونا نقل کیا ہے۔ یہ بات ہم یقیناً جانتے ہیں
کہ وہ اذان جو مدینہ کے اندر حضور انور کی مسجد بلال اور ابن اُم مکتوم دیتے تھے اور مکہ معظمہ میں جوابو
محذورہ دیتے تھے اور قبا میں جو سعد القرظ دیتے تھے اُن کل اذانوں میں رافضیوں کے یہ الفاظ حی الی
خیر العمل مطلق نہیں تھے. اگر یہ الفاظ ہوتے تو مسلمان انہیں ضرور نقل کرتے اور بغیر نقل کئے کسی
طرح بھی نہ چھوڑتے کیونکہ کوئی وجہ ان کو ان الفاظ کے چھوڑ دینے کی نہ تھی تو اس سے یہ بات ثابت
ہوگئی کہ اذان میں ان الفاظ کی زیادتی بیشک بدعت باطل اور غلط ہے. یہ چاروں موذن جن کا نام
اوپر آیا ہے حضور انور کے حکم سے اذان دیتے تھے اور حضور ہی سے یہ اذان سیکھی تھی اور ان کی اذان
عام اور خاص سب لوگوں کے نزدیک مشہور و متواتر ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اذان کے الفاظ کو نقل
کرنا مسلمان کے لیے کسی آیت کے اعراب نقل کرنے سے بدرجہا بڑھ کر ضروری ہے اور شعائر
اسلام میں اذان سے زیادہ مشہور اور کوئی چیز نہیں ہے لہٰذا اِس کا نقل کرنا اور تمام شعائر کے نقل کرنے
سے زیادہ ضروری تھا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اذان کی کیفیت میں تو اختلاف ہے اِس کا جواب یہ ہے کہ

بس جو حدیث سے ثابت ہو جائے وہ ہی صحیح اور سنت ہے اِس میں شک نہیں کہ حضور انور نے ابو محذورہ کو اذان سکھائی تھی اس اذان میں ترجیع بھی ہے اور تکبیر کے لیے دو دو کلمہ بھی ہیں اور اس میں بھی شک نہیں کہ بلال کو یہ حکم تھا کہ اذان کے کلموں کو دو دو دفعہ کہا کرے اور تکبیر کے کلموں کو ایک ایک دفعہ مگر ان کی اذان میں ترجیع نہ تھی پس تکبیر کے کلموں کو ایک ایک دفعہ نقل کرنا بھی بلاشک صحیح ہے اور ان کے دو دو دفعہ کہنے کو نقل کرنا بھی بلاشک صحیح ہے محدثین اِسے بھی صحیح کہتے ہیں اور اُسے بھی صحیح کہتے ہیں یہ مثل تشہد کے ہے جو کئی طرح پر منقول ہے لیکن حجاز میں آخر تکبیر کا ایک ہی کلمہ کہنا مشہور ہو گیا تھا جو حضور انور نے بلال کو تعلیم کی تھی ترجیع آہستہ آہستہ کہی جاتی تھی اس پر بعض کا یہ قول ہے کہ ترجیع ابو محذورہ کو حضور انور نے اس لئے سکھائی تھی کہ ان کے دل میں ایمان اچھی طرح اپنا گھر کرے نہ کہ یہ اذان میں داخل تھی اس پر سب کا اتفاق ہے کہ ترجیع کی حضور نے ابو محذورہ کو تلقین کی تھی پس مشہور اذان کے نقل کرنے میں علما میں کوئی اختلاف نہ رہا۔ اب رافضیوں کا ایک یہ اعتراض کہ سب مسلمان عثمان کے خلاف ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ اُنہیں قتل کر دیا۔ اُن کے تمام افعال پر عیب لگائے اور اُن سے کہا کہ بدر کی لڑائی میں تم غائب ہو گئے تھے جنگ احد میں تم بھاگ گئے تھے۔ بیعت الرضوان میں تم حاضر نہ تھے وغیرہ وغیرہ۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ جو الزام حضرت عثمان پر لگایا گیا ہے وہ بالکل غلط ہے۔ سب مسلمان ہرگز ان کے مخالف نہیں ہوئے۔ حضرت عثمان کے قاتل چند شوریدہ سر اور فسادی مصری مسلمان تھے اور وہ باغی اور ظالم تھے۔ ابن زبیر کہتے ہیں کہ عثمان کے قاتلوں پر میں لعنت بھیجتا ہوں کہ وہ چوروں کی طرح اُن پر آ پڑے۔ مگر ان باغیوں کا بہت سا حصہ وہیں تہ تیغ ہو گیا کچھ بچے کھچے تھے وہ راتوں رات بھاگ گئے تھے۔ اِسلامی فوجیں اس وقت مدینہ میں حاضر نہیں تھیں اور جو ملکی مسلمان حضرت عثمان کی مدد کو آئے تھے اُنہیں حضرت عثمان نے لڑنے کی اجازت نہیں دی جیسا کہ اوپر بیان ہوا پھر یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ کُل مسلمان اُن کے مخالف تھے۔ اور اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ سارے مسلمان اُن کے ہر فعل میں خلاف ہو گئے تھے یا اُن کے جن کاموں پر اعتراض کیا گیا ہے اُن میں سب لوگ اُن کے مخالف بن گئے تھے تو یہ بھی صریح جھوٹ

ہے کیونکہ عثمان کے جس امر پر بھی اعتراض کیا گیا.اُسی میں اکثر مسلمان اُن کے موافق تھے بلکہ وہ علما بھی جن پر کسی قسم کی تہمت نہ لگی تھی اور جو لوگ عثمان کے خلاف امور پر اُن کے موافق ہوئے اور اُن کا ساتھ دیا.مسلمانوں کے نزدیک وہ اُن لوگوں سے بہت زیادہ افضل ہیں ابت جنھوں نے علی کے خلاف امور پر علی کی موافقت کی اور اُنکا ساتھ دیا یا تو کل ہی امور میں یا اکثر میں،مگر بعض مسلمانوں نے اُن کے بعض امور کا انکار کیا تھا لیکن ان بعض میں اکثر امور ایسے تھے جن میں حق عثمان ہی کی طرف تھا اور بعض میں وہ مجتہد تھے۔مجتہد مصیب یا مخطی ہوا ہی کرتا ہے لیکن ان کے قتل کرنے کی کوشش کرنے والے سب کے سب خطا کار ظالم باغی اور سرکش تھے اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ان قاتلوں میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جنہیں اللہ نے جیتے جی ہی بخش دیا تھا تو ایسی حالت بھی عثمان کی مظلومیت کو نہیں الگ کر سکتی اور جن لوگوں نے عثمان سے یہ کہا تھا کہ جنگ بدر میں بھی تم غائب ہو گئے تھے اور جنگ احد میں بھی اور بیعت الرضوان کے وقت بھی موجود نہ تھے ایسے کہنے والوں کا شمار صرف انگلیوں پر ہے اُن کی تعداد دو یا تین سے زیادہ نہیں ہے.حضرت عثمان اور ابن عمر نے اِن دریدہ دہن معترضوں کو ان کے اس اعتراض کا جواب دیا تھا کہ بدر کے دن میں میدان جنگ سے صرف حضور انور کے حکم کی وجہ سے چلا گیا تھا تا کہ حضور انور کے قائم مقام ہو کر آپ کی صاحبزدی کی تیمارداری کروں چونکہ میں نے حضور انور کی تعمیل حکم کی تھی لہٰذا حضور نے مجھے بمنزلہ موجودین میدان جنگ کے سمجھ کے مال غنیمت میں میرا حصہ لگایا اور مجھے کچھ عطا بھی کیا. اب رہا بیعت الرضوان کا معاملہ یعنی جنگ حدیبیہ میں حضور نے میری طرف سے اپنے ہاتھ سے بیعت لے لی تھی حضور انور کا دست مبارک میرے ہاتھ سے بدر جہا بہتر تھا. فقط.

اصل یہ ہے کہ حضور انور نے اپنا سفیر بنانے کے اُنہیں مکہ والوں کے پاس بھیجا تھا اور جب آپ نے یہ سنا کہ عثمان قتل کر ڈالے گئے اُس پر آپ نے اپنے صحابہ سے اس طرح کی بیعت لی کہ بلا جان دیے وہ لڑائی سے منہ نہ پھیریں کیونکہ حضور انور نے خود ہی حضرت عثمان کو بھیجا تھا اس لیے کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ وہ اس بیعت میں نہ شریک کیے جائیں.ان کا شریک ہونا یقیناً اور

انقطاعی ہے. اِس کے علاوہ قریش نے حضرت عثمان سے یہ درخواست کی تھی کہ تم تو بیت اللہ کا طواف کرلومگر رسول اللہ اور اُن کے صحابہ طواف نہ کریں. حضرت عثمان نے اسے منظور نہیں کیا اور یہ فرمایا کہ حضور انور تو ہم سب سے پہلے طواف کریں گے۔ اب رہا جنگ احد سے پیچھے رہ جانے کی بابت اعتراض کرنا یہ بھی حد درجہ کی ایک کمینہ حرکت ہے اگر یہ تسلیم کرلیا جائے حضرت عثمان بن عفان جنگ احد میں شریک نہیں ہوئے تھے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے جہاں اور نہ شریک ہونے والوں کی خطائیں بخش دیں۔ چنانچہ یہ آیتیں ملاحظہ ہوں۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ٥ (آلِ عمران: ۱۵۵)

ایک اور طعنہ: رافضی کہتے ہیں کہ عثمان نے رسول اللہ کی سنت کو بدل دیا اور حج کے زمانہ میں مقام منیٰ میں نماز عصر نہیں پڑھی بلکہ چار رکعت ادا کی حالانکہ رسول اللہ سفر کی حالت میں ہمیشہ کسر کیا کرتے تھے اور خاصکر اِس مقام میں چار رکعت والی نماز کو دو رکعت کسر کر کے ادا کیا کرتے تھے. عثمان کے اِس فعل سے تمام صحابہ ناراض ہوئے اور اُسکی بابت عثمان پر اعتراض کیا.

جواب: رافضیوں کا یہ طعنہ کی جہالت اور حق پوشی کی وجہ سے ورنہ اِس کا جواب خود حضرت عثمان ہی اُس وقت دے چکے ہیں. جب لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ نے نماز کسر کیوں نہ کی ان کے جواب میں حضرت عثمان نے فرمایا کہ میں نے مکہ میں نکاح کرلیا ہے میرا سب گھر بار یہاں ہی ہے. میری حالت مسافروں کی سی نہیں ہے اور نماز کسر کرنے کا حکم مسافر کے لیے ہی مقیم کے واسطے نہیں ہے بلکہ مقیم کے لیے تو کسر کرنا جائز نہیں ہے اور اسی پر سب کا اجماع اور اتفاق ہے. اِسی وجہ سے میں نے نماز کسر نہیں کی. یہ جواب سُن کر تمام صحابہ خاموش ہو گئے اور اُنہوں نے تسلیم کرلیا کہ حضرت عثمان کا یہ فعل ناجائز نہیں ہے. امام احمد وطحاوی وابوبکر بن ابی شیبہ اور ابن عبد البر نے حضرت عثمان کا یہ جواب اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے. اِس سے پوری طرح ثابت ہو گیا کہ حضرت

عثمان کا منیٰ کے مقام میں پوری نماز ادا کرنا کسی طرح ان کو مطعون نہیں بنا سکتا اور تمام علما کے اجماع سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمان پر اتمام صلوۃ ہی واجب تھا. نہ کہ کسر کرنا. اس واقعہ کی بابت امام احمد طحاوی وغیرہ نے جو روایت نقل کی ہے اس کے لفظ یہ ہیں. "ان عثمان صلے بالناس فنی اربعاً فانکر الناس علیه فقال ایها الناس انی اهلت بمکة منذقدمت وانی سمعت رسول الله ﷺ یقول من تاهل ببلدة فلیصل صلوة فیها. اخرجه احمد عن عبد الله بن عبد الرحمن بن ذباب عن ابیه وغیره عن غیر" یعنی عثمان نے منیٰ میں لوگوں کے ساتھ چار رکعت نماز پڑھی. اس پر لوگوں نے انکار کیا تو عثمان نے کہا کہ جب سے میں مکہ میں آیا ہوں میں نے یہاں اپنا گھر بار کر لیا ہے. اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ جو شخص کسی شہر میں اپنا گھر بار بنا لے اُسے چاہیے کہ وہ وہاں مقیم کی سی نماز ادا کرے روایت کیا ہے اس حدیث کو احمد نے عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ذباب سے اور اس نے اپنے باپ سے۔

ایک اور طعنہ: رافضی حضرت عثمان پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اُنہوں نے بقیع کو جو حوالی مدینہ میں ایک مشہور چراگاہ ہے قرق کر لیا تھا. اور یہ بات رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے خلاف ہے. آپ نے فرمایا ہے المسلمون شرکاء فی ثلث الماء والکلاء والنار یعنی مسلمان تین چیزوں میں شریک ہیں. پانی میں گھاس میں اور آگ میں. مطلب یہ ہے کہ پانی گھاس اور آگ یہ ایسی چیزیں ہیں کہ یہ کسی خاص شخص کی ملکیت نہیں ہوسکتیں بلکہ تمام مسلمان ان چیزوں میں برابر کا حق رکھتے ہیں. پھر جو عثمان نے بقیع کے چراگاہ کو قرق کر لیا یہ کاروائی رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے خلاف ہے۔

جواب: اس طعنہ کا جواب یہ ہے کہ حضرت عثمان پر چراگاہ کے مخصوص کرنے کی بابت کسی طرح بھی کوئی الزام عائد نہیں ہوسکتا کیونکہ حضرت عثمان نے اس چراگاہ کو خاص اپنے جانوروں کیلئے مخصوص نہیں کیا تھا بلکہ صدقہ کے اونٹوں اور جہاد کے گھوڑوں کے واسطے مخصوص کیا تھا. خود حضرت عثمان سے بھی اسکی بابت صحابہ نے دریافت کیا تھا جس کا جواب حضرت عثمان نے یہی دیا تھا کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ لا حمی الا الله و رسوله یعنی حمی جنگل کی گھاس کا

مخصوص کرنا، خاص اللہ اور رسول ہی کے واسطے ہے۔ اور میں نے بھی اِس کو صدقہ کے اونٹوں اور بیت المال اور جہاد کے گھوڑوں کے لیے مخصوص کیا ہے اور چراگاہ کو رمنہ بنا دیا ہے کیونکہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے بھی جہاد کی گھوڑوں اور صدقہ کے اونٹوں اور بیت المال کے واسطے حمی بنایا تھا۔ اور جب صحابہ نے یہ کہا کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ نے تو ایک تھوڑی سی زمین کو حمی بنایا تھا تم نے اُسے بہت زیادہ بڑھا لیا ہے اِسکا جواب حضرت عثمان نے یہ دیا کہ اُس وقت اور اِس وقت کے بیت المال میں دیکھو کس قدر فرق ہے۔ حضور انور کے زمانہ مبارک میں بیت المال نہایت قلیل پیمانہ پر تھا اور اب بہت زیادہ ہو گیا ہے اِسی نسبت سے حمی میں بھی زیادتی کی گئی ہے۔ حضرت عثمان کا یہ مسکت جواب سُن کر تمام صحابہ نے مان لیا اور سر تسلیم خم کر لیا۔ اگر حضرت عثمان کا یہ جواب صحیح نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ صحابہ خاموش رہتے۔

اور طعنہ: اسی طرح رافضی حضرت عثمان پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ عثمان نے بازار پر بھی اپنا قبضہ کر لیا تھا اور حکم دے دیا تھا کہ جب تک عثمان گے گماشتے بازار میں اپنی خرید و فروخت کے کام سے فارغ نہ ہو لیں اور کوئی شخص خرید و فروخت نہ کر سکے۔ بازار کے علاوہ جہازوں کو بھی عثمان نے اپنے قبضہ میں کر لیا تھا۔ اور منادی کرادی تھی کہ جہازوں پر سوائے عثمان کے اور کسی کا تجارتی مال بار نہ ہو سکے۔

جواب: اِس طعنہ کا جواب یہ ہے کہ بازار پر قبضہ کرنے اور عام لوگوں کو خرید و فروخت سے روکنے کا الزام جو رافضی حضرت عثمان پر لگاتے ہیں یہ سراسر غلط اور سرتاپا لغو ہے۔ کبھی حضرت عثمان نے کوئی حکم ایسا جاری نہیں کیا کہ کوئی شخص بازار میں خرید و فروخت کرنے نہ پائے۔ بلکہ اِس واقعہ کی اصلیت یہ ہے کہ حارث بن الحکم دو تین دن کے لئے بطور خود بازار کا داروغہ بن گیا تھا اور اس نے اپنی طرف سے ہی یہ کاروائی شروع کر دی تھی حضرت عثمان کو اِس کاروائی کا علم بھی نہ تھا بلکہ جس وقت حضرت عثمان کو معلوم ہوا کہ حارث بن الحکم نے یہ کارروائی شروع کر دی ہے تو آپ نے فوراً اُسے معزول کر دیا ایسی حالت میں حضرت عثمان پر کوئی الزام نہیں لگایا جا سکتا۔ اب رہا دوسرا اعتراض جہازوں کی بابت اسکی اصلیت یوں ہے کہ حضرت عثمان کے کئی تجارتی جہاز چلتے تھے جن پر ان کا اسباب تجارت بار ہوتا تھا آپ نے اور لوگوں کو بھی اجازت دے رکھی تھی کہ وہ بھی چاہیں تو اپنا مال ان جہازوں میں

بار کر سکتے ہیں اور اپنے اپنے گماشتے ساتھ کر سکتے ہیں چنانچہ اکثر لوگ حضرت عثمان کے جہازوں میں جو مصر و مغرب کی طرف مال تجارت لیجاتے تھے اپنا مال واسباب تجارت اور اپنے گماشتوں کو بھیج دیا کرتے تھے حضرت عثمان کا یہ ایک احسان تھا کہ عام طور پر اُنہوں نے اپنے جہازوں کو وقف کر دیا تھا لیکن جب حضرت عثمان کا کاروبار تجارز یادہ بڑھ گیا اور دوسرے لوگوں نے بھی تجارتی جہاز تیار کر لیے تو حضرت عثمان نے منع کر دیا کہ اب میرے جہازوں میں دوسرے شخص اپنا اسباب بار نہ کریں اپنے جہازوں کے سوا حضرت عثمان نے کسی اور کے جہاز سے کبھی کسی وقت میں بھی کوئی تعرض نہیں کیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر پہلا الزام: رافضی کہتے ہیں کہ سنیوں نے حضور کی تمام ازواج سے عائشہ کا مرتبہ بڑھا دیا حالانکہ حضور انور خدیجہ بنت خویلد کو بہت یاد کیا کرتے تھے چنانچہ ایک دن عائشہ نے حضور سے عرض کیا کہ آپ اب بھی خدیجہ کو یاد کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے اچھا بدلہ آپ کو دیا ہے اس پر حضور نے جواب دیا خدا کی قسم خدیجہ کے عوض مجھے اچھا بدلا نہیں ملا اسنے میری اسوقت تصدیق کی جبکہ سب نے میری تکذیب کر دی تھی اور ایسے وقت میرا ساتھ دیا جب کہ سب مجھ سے علیحدہ ہو گئے تھے اس نے اپنے مال سے بھی میری مدد کی اللہ نے اس سے مجھے لڑکا عطا کیا وغیرہ وغیرہ۔

جواب: رافضیوں کا یہ الزام جو اُنہوں نے سنیوں پر لگایا ہے کہ وہ عائشہ صدیقہ کو حضور کی کل ازواج سے افضل سمجھتے ہیں بے سروپا اور لغو ہے کیونکہ مسلمان علما کا اس پر اجماع اور اتفاق نہیں ہے کہ حضور کی سب ازواج مطہرات سے عائشہ صدیقہ افضل ہیں. ہاں علماء کا ایک حصہ اِسطرف گیا ضرور ہے اور یہ علما اپنے ثبوت میں صحیحین کی وہ حدیث پیش کرتے ہیں. جو ابوموسیٰ اور انس سے مروی ہے. حضور نے فرمایا تھا" **فضل عائشة على النساء كفضل الثريد على سائر الطعام** " یعنی عائشہ (صدیقہ) کو تمام عورتوں پر ایسی فضیلت ہے جیسے ثرید (کھانے کی ایک قسم) کو اور تمام کھانوں پر ہے. ثرید سب کھانوں سے افضل ہے. ثرید گوشت روٹی کو کہتے ہیں جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے.

اذا مع الخبز تادمه بلحمه فذاک امانة الله الثرید

یعنی جس وقت روٹی گوشت کے ساتھ ہو تو یہ اللہ کی امانت ثرید ہے۔

فضل اِسے اس لئے کہا گیا ہے کہ غلّوں میں گیہوں افضل ہے اور کھانے کی چیزوں میں گوشت۔ گوشت اور گیہوں کے مجموعہ کو ثرید کہتے ہیں۔ ابن قتیبہ نے حضور انور سے یہ روایت کی ہے۔ "سید ادامہ اھل الدنیا و الا خرۃ اللحمہ" یعنی اہل دنیا اور اہل آخرت کے سالنوں میں سب افضل گوشت ہے اِس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ثرید کھانوں میں سب سے افضل ہوا۔ حضور انور سے متعدد طریقوں سے یہ ثابت ہے جیسا کہ فرمایا ہے "فضل عائشہ علی النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام" صحیح میں عمر بن العاص سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں میں نے حضور انور سے پوچھا یا رسول اللہ عورتوں میں سب سے زیادہ آپ کو کس سے محبت ہے حضور نے فرمایا عائشہ سے پھر میں نے دریافت کیا کہ مردوں میں آپ کو کس سے زیادہ محبت ہے فرمایا اُن کے باپ سے میں نے کہا اس کے بعد پھر کس سے محبت ہے فرمایا عمر سے اور اُن کے بعد اور کئی آدمیوں کا نام لیا۔ پھر یہ کہتے ہیں کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی نسبت حضور انور کا یہ ارشاد "ما ابدلنی خیراً منھا" اگر صحیح مان لیا جائے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ میری ذات خاص کو اس سے بہتر بدلہ مجھے نہیں ملا۔ کیونکہ خدیجۃ الکبریٰ نے شروع اسلام میں حضور کو ایسا نفع پہنچایا تھا کہ اِس میں ان کے برابر کوئی نہیں ہو سکا۔ پس اِس اعتبار سے وہ حضور کے لیے سب سے بہتر تھیں اور عائشہ صدیقہ آخرت نبوت اور دین کامل ہو جانے کے وقت آپ کی صحبت میں رہی ہیں۔ اس لیے انہیں علم و ایمان ایسا حاصل ہوا جسکی نظیر اور کسی میں نہیں ملتی۔ اصل میں اُمت کو سب سے زیادہ اُنہیں سے فائدہ پہنچا۔ لہٰذا اُن کی افضلیت کی یہ کافی دلیل ہو سکتی ہے۔ بلا خوف تردید ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدیجۃ الکبریٰ نے جو نفع پہنچایا وہ حضور انور کی ذات تک محدود تھا اور عائشہ صدیقہ سے جو نفع پہنچا وہ حضور کی ذات ہی تک محدود نہیں رہا بلکہ امت بھی اس میں شامل ہوگئی۔ دوسرا یہ کہ خدیجۃ الکبریٰ کی زندگی میں دین کامل نہیں ہوا تھا وہ اس کے کمالات سے کیونکر واقف ہوتیں۔ لہٰذا دین کے کامل ہونے کے بعد جو ایمان لائے اور انہوں نے دین کا علم حاصل کیا ان کی فضیلت ظاہر

ہے. خدمات اور نمایاں کا مومن پر انسان کی فضیلت کا مدار ہوا کرتا ہے کوئی ذاتی خصوصیت کبھی انسان کو افضل قرار نہیں دے سکتی. اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ جو صحابہ ایمان میں اور اپنے جان و مال سے جہاد کرنے میں بڑھے ہوئے تھے یقیناً اُن صحابہ سے افضل تھے. جنہوں نے اپنی ساری عمر حضور کی خدمت کی اور آپ کو ذاتی طور پر نفع پہنچایا. ہم مناسب نہیں سمجھتے کہ عائشہ صدیقہ اور خدیجہ الکبریٰ کی فضیلتوں میں بحث کریں بلکہ یہاں تو فقط یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ عائشہ صدیقہ کی تعظیم اور محبت کرنے پر سب مسلمانوں کا اجماع ہے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ عائشہ صدیقہ ان امہات المومنین میں جو حضور کی وفات کے وقت زندہ تھیں افضل ہیں. حضور کو ان ہی کی سب سے زیادہ محبت تھی اور سب مسلمانوں کے دل میں کل ازواج سے زیادہ ان ہی کی عزت اور محبت ہے. صحیحین مین یہ روایت موجود ہے. کہ مسلمان تحفہ تحائف زیادہ تر حضرت بی بی عائشہ کے لئے حضور انور کو دیا کرتے تھے اور ازواج نے آپ کی صاحبزادی حضرت بی بی فاطمۃ سے کہا تم جا کے حضور سے عرض کرو کہ تحفہ تحائف میں ابو قحافہ کی پوتی کے ساتھ اور ازاوج کو شریک کرنا چاہیے. چنانچہ فاطمہؓ اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ازاوج کا پیغام پہنچایا حضور نے جواب دیا کہ اے میری بچی کیا تم اس سے محبت نہیں کرتیں جس سے میں محبت کرتا ہوں عرض کیا کیوں نہیں. حضور نے فرمایا کہ بس عائشہ سے محبت رکھو. صحیحین میں یہ بھی روایت آئی ہے کہ ایک دن حضور انور نے عائشہ صدیقہ سے فرمایا کہ یہ جبرئیل تمہیں سلام کہتے ہیں عائشہ صدیقہ نے وعلیه السلام ورحمة الله جواب دیا. اس کے علاوہ جب حضور بیمار ہوئے میں تو آپ کی دلی خواہش یہ تھی کہ میں اپنی زندگی کے آخری دن عائشہ صدیقہ کے حجرے میں پورے کروں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اُن ہی کے حجرے میں آپ کا وصال ہوا. عائشہ صدیقہ ساری اُمت کے لیے باعث برکت تھیں یہاں تک کہ جب اللہ تعالی نے اُنہیں کے سبب تیمّم کی آیت نازل فرمائی تو اسید بن حضیر صحابی نے کہا اے آل ابوبکر دیکھو تم میں عائشہ صدیقہ اول درجہ کی باعث برکت ہیں کیونکہ ان پر جو حادثہ پیش آتا ہے جس سے انہیں تکلیف ہوتی ہے. اُسی میں اللہ تعالی سارے مسلمانوں کے لیے برکت ٹھہرا دیتا ہے اس سے پہلے ناپاک غلیظ اور بے بنیاد الزام سے بذریعہ وحی ظاہر کر دیا کہ وہ بالکل اِس الزام

سے بری ہیں اور دنیا کی پاک دامن خواتین میں اُنکا سب سے اول نمبر ہے۔

دوسرا الزام: رافضی کہتے ہیں کہ عائشہ نے حضور انور کا راز افشا کر دیا تھا. اس پر حضور انور نے فرمایا تھا بے شک تو علی سے لڑے گی اور تو ظالم ہوگی. اس کے علاوہ عائشہ نے اللہ کے اُس حکم کی صریح مخالفت کی جو آیت وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ میں ہے اِس طرح پر کہ علی سے ناحق لڑنے کے لیے مردوں میں نکل کھڑی ہوئیں کیونکہ عثمان کے قتل کر دینے پر تو سب مسلمانوں کا اتفاق ہو چکا تھا اور خود عائشہ ہی اُنکے قتل کروانے پر لوگوں کو آمادہ کرتی تھی اور صاف کہتی تھی کہ نعثل کو قتل کر دو، نعثل کو خدا غارت کرے اور جب اُس نے ان کے قتل ہونے کی خبر سُنی تو بہت خوش ہوئی. پھر دریافت کیا کہ خلیفہ کون ہوا ہے لوگوں نے کہا کہ علی پس یہ سنتے ہی عثمان کے خون کا ایک حیلہ رکھ کے علی سے لڑنے کے لئے نکل کھڑی ہوئی. بھلا اس میں علی کا قصور ہی کیا تھا. اس پر طلحہ و زبیر نے عائشہ کی فرمانبرداری کرنے کو کیسے ناجائز سمجھ لیا. اور اب یہ کس منہ سے رسول اللہ سے ملیں گے. پھر رافضی کہتے ہیں باوجودیکہ ہم میں اگر کوئی کسی عورت سے بات کرے یا اُسے اُس کے گھر سے نکال دے یا سفر میں لیجائے تو اس عورت کا شوہر اس کا انتہاء درجہ دشمن ہو جاتا ہے تعجب ہے کہ دس ہزار مسلمانوں نے عائشہ کی اطاعت کیونکر کر لی اور امیر المومنین علی کے مقابلہ میں اُسے کس طرح مدد دی حالانکہ حضور انور کی صاحبزادی کی اُن میں سے ایک نے بھی مدد نہ کی اس وقت کہ جب انہوں نے اپنا حق ابوبکر سے مانگا تھا. مدد کرنا تو کجا کسی نے اُن کی تائید میں زبان تک نہ ہلائی فقط.

جواب: اِس الزام کے متعلق کہ حضرت بی بی عائشہ نے حضور رسول کریم ﷺ کا راز افشا کر دیا تھا. مجمع البیان طبرسی جو رافضیوں کی بڑی معتبر قرآنی تفسیر ہے یہ لکھا ہے۔

لو قبل ان رسول الله ﷺ الایام بین النساء فلما کان یوم حفصة قالت یا رسول الله ان لی الی ابی حاجة فاذن لی ان ازوره فاذن نها فلما خرجت ارسل رسول الله ﷺ الی جاریته ماریة القطیة ام ابراهیم وقد کان اهد ها المقرقس فادخلها بیت حفصة فوقع علیها فاتت حفصة فوجدت الباب مغلقا فجلست

عند الباب فخرج رسول الله ﷺ وجه بقطر عرقا فقالت حفصة انما الت لی من اجل هذا ادخلت امت بیتی ثم وقعت علیها فی یومی وعلی فراشی مارأیت لی حرمة وحقا فقال رسول الله ﷺ الیس هی جاریتی قد احل الله ذات لی اسکتی وهی حرام علی التمس بذلک رضاک ولا تخرجی بذلک امراة منهن وهو عندک امانة فلما خرج رسول الله ﷺ فیرعث حفصة الجدار الذی بینها وبین عائشة فقالت الا ابشرک ان رسول الله ﷺ قد حرم علیه استه ماریة وقد ارضا الله منها واخبرت عائغة بما رأت وکانتا متصادفتین منظاهرتین علی سائر ازواجه فنزلت یا یها النبی لم تحرم اما احل الله لک فاعنزل نساء تسعة وعشرین یومًا وقعد فی مشربة ام ابراهیم ماریة حتی نزلت اٰیة التخییر وقیل ان النبی ﷺ خلا یوم عائشة مع ماریة القبطیة فوقفت حفصة علی ذلک فقال لها رسول الله ﷺ لا تعلمی عائشة بذلک وحرم ماریة علی نفسه فا علمت حفصة عائشة واستکتتها ایاه فاطلع الله نبیه علی ذلک وهو قوله تعالی واذا اسر النبق الی بعض ازواجه حدیثا یعنی حفصة ولما حرم ماریة القبطیة اخر حفصة منه یملک من بعد ابوبکر و عمر فعر فها بعض ما افشت من الخبر واعرض عن بعض انا ابابکر وعمر یملکان بعدی وقریب من ذلک ما رواه العیاشی بالاسناد عن عبد الله ابن عطاء المکی عن ابی جعفر علیه السلام الا انه زاد فی ذلک ان کلو احد منها حدثت ایاها بذلک فعاتبهما فی اصر اماریة وما افشتنا علیه من ذلک واعرض ان یعاتبهما فی الامر الاٰخر انتهی" یعنی کہتے ہیں کہ رسول کریم نے اپنی راتیں اپنی بیبیوں میں تقسیم کر رکھی تھیں جس دن حضرت بی بی حفصہ کی باری تھی انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے اپنے والد سے کچھ کام ہے اگر حضور انور حکم فرمائیں تو میں ہو آؤں آپ نے اجازت دے دی جب بی بی حفصہ باہر چلی گئیں تو رسول کریم نے اپنی کنیز ماریہ قبطیہ کو جو ابراہیم کی ماں تھی اور جسے مقوقس نے ہدیۃً بھیجا تھا بلوایا وہ آئی اور آپ نے اس سے مقاربت کی پھر حفصہ

آ گئیں. تو انہوں نے دروازہ کو بند دیکھا وہ دروازہ سے لگ کے ہو بیٹھیں پھر حضور انور باہر تشریف لائے آپ کے مبارک چہرہ سے پسینہ ٹپک رہا تھا حفصہ نے دیکھتے ہی کہا کہ میرے حجرہ میں تو نے لونڈی سے ایسا فعل کیا اور میرے ہی بستر پر اور تو نے نہ میری حرمت کی اور نہ میرے حق کی طرف خیال رکھا. حضور انور نے ارشاد کیا حفصہ تو جانتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ میرے لئے حلال کی ہے. مگر تو خاموش رہ کہ میں آئندہ سے اپنے اوپر حرام کر لیتا ہوں. میں صرف تیری رضامندی چاہتا ہوں تو اور بھی بیبیوں سے اسکی خبر نہ کرنا، یہ بات تیرے پاس امانت ہے. جب حضور انور رسول کریم باہر تشریف لائے تو بی بی حفصہ نے حضرت بی بی عائشہ کی دیوار میں ایک سوراخ (یہ دیوار بی بی عائشہ اور بی بی حفصہ کے حجروں کے بیچ میں تھی) کر کے کہا کہ میں تجھے ایک خوشخبری سناتی ہوں وہ یہ ہے کہ رسول اللہ نے اپنی کنیز ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر آئندہ سے حرام کر لیا ہے. خدا نے ہمیں اس کے فکر سے نجات دی. اس کے علاوہ جو کچھ دیکھا تھا اس کی اطلاع بھی بی بی عائشہ کو دے دی یہ دونوں رسول کریم کی کل ازاوج کے مقابل میں باہم بڑی دوست تھیں اور ان میں اتفاق بھی زیادہ تھا. پھر یہ آیت نازل ہوئی. اے نبی جو چیز خدا نے تجھ پر حلال کر دی ہے وہ تو نے اپنے اوپر حرام کیوں کر لی. اس آیت کے نازل ہونے پر آنحضرت نے ۲۹ دن اپنی بیبیوں سے صحبت ترک کر دی اور ماریہ قبطیہ (ابراہیم کی ماں) کے بالا خانہ پر رہے. دوسری روایت میں یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ حضرت بی بی عائشہ کے حجرے میں ماریہ قبطیہ سے مقاربت فرمارہے تھے کہ بی بی حفصہ نے دیکھ لیا آنحضرت نے منع فرمایا کہ عائشہ سے اس کا تذکرہ نہ کرنا میں نے ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے لیکن بی بی حفصہ نے کہہ دیا اور بی بی عائشہ سے تاکید کر دی دیکھو یہ بات کھلنے نہ پائے مگر اللہ تعالیٰ نے رسول کریم کو اس پر مطلع کر دیا پھر یہ آیت نازل ہوئی "وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا" حضرت نے جب ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کیا تو حفصہ کو اطلاع دی کہ میرے بعد ابوبکر و عمر خلیفہ ہوں گے بعض نے اس سے اعراض کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے جو عیاشی نے باسناد عبداللہ بن عطاء المکی ابی جعفر سے روایت کیا ہے کہ دونوں بیبیوں نے اپنے اپنے باپ کو خلافت کی خبر دی اور جوں ہی رسول کریم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے دونوں پر عتاب فرمایا (ماریہ قبطیہ کے معاملہ میں) چونکہ انہوں

نے رسول کریم کا راز افشا کر دیا تھا اس سے آپ نے اعراض کیا وغیرہ وغیرہ یہ روایت ہے جو بیان کی گئی ہے اور یہ واقعہ ہے جو رسول کریم کے سر چپکایا گیا ہے اب ہم اس روایت کی اصلیت پر نظر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس روایت میں صداقت کہاں تک ہے سرسری توجہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ روایت میں جو واقعے نقل ہوئے ہیں وہ کسی صورت سے قرین قیاس نہیں معلوم ہوتے. مثلاً پہلی روایت میں تو یہ بیان ہوا ہے کہ رسول کریم بی بی حفصہ کے حجرہ میں آئے کیونکہ اس دن اُنکی باری تھی پھر بی بی حفصہ نے کہا مجھے کچھ کام ہے میں اپنے باپ کے پاس جاتی ہوں. خیال نہیں ہوسکتا کہ خاص اسی دن اُنہیں کوئی کام نکلا ہو کیونکہ نویں یا دسویں دن اُنکی باری آتی تھی اس صورت میں ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ وہ اپنی باری کے روز چلی جائیں جبکہ اور دن انہیں ملنے ملانے کے کافی طور پر مل سکتے تھے. نہ اس روایت میں یہ بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو آدمی بھیج کر بلایا ہوتا کہ سمجھا جائے کہ کوئی ضرورت نکل آئی ہوگی اس لئے خاص باری کے دن جانا ضرور ہوا. اچھا اسے بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آپ تشریف لے گئیں تو پھر یہ خیال نہیں ہوسکتا کہ رسول کریم نے ماریہ قبطیہ کو وہاں کیوں بلایا جبکہ ماریہ قبطیہ کا مکان علیحدہ رہنے کا تھا آپ وہاں جاسکتے تھے اور وہ بہت ہی قریب تھا. کچھ فاصلہ پر بھی نہ تھا کہ وہاں جانا دشوار ہوتا اور اگر یہ بھی فرض کرلیں کہ آپ نے اُسے بلایا اور آپ نے اس کے ساتھ مقاربت بھی کی اور بی بی حفصہ نے دیکھ بھی لیا اور آپ خفا بھی ہوئیں تو رسول اللہ نے اِس قدر خوف کیوں کھایا اور اچھا یہ فرض کرو کہ آپ کا خوف کھانا لازمی تھا تو پھر اِس ارشاد کی کیا ضرورت تھی کہ میں نے آج سے اسے اپنے اوپر حرام کرلیا ہے تو عائشہ سے اس کا ذکر نہ کیجئے حضرت بی بی عائشہ سے اس امر کو چھپانے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی. جبکہ نہ اُن کے حجرے میں ایسا فعل ہوا اور نہ اُن کے باری کے روز ایسا ہوا پھر اُن سے اندیشہ کرنا کیا معنی رکھتا تھا. یہ اِس قدر بے معنی استدلال ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا. اور خیال ہوسکتا ہے کہ ایسی روایت کا موضوع کرنے والا کس قدر عقلمند اور فہمیدہ شخص ہوگا اور اگر ہم یہ بھی تسلیم کرلیں کہ آپ کو حضرت بی بی عائشہ سے کچھ اندیشہ تھا اس لیے آپ نے منع فرما دیا تھا جب بھی اِس میں کوئی اندیشہ کی بات نہیں معلوم ہوتی یہ تو کل ازواج اور بالخصوص حضرت بی بی عائشہ کے لیے نہایت خوشی کا موقع تھا کہ ماریہ قبطیہ کو

جس پر ابراہیم کے پیدا ہونے کی وجہ سے رسول اللہ کی زیادہ توجہ بیان کی جاتی ہے. آج نبی نے اپنے اوپر حرام کرلیا ہے یا دوسرے الفاظ میں اُسے چھوڑ دیا سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی روایت کے چھپانے سے کیا فائدہ تھا اور کیوں اندیشہ کیا گیا. اور پھر آگے قرآن مجید کی آیت لکھی گئی ہے جسکا یہ مضمون ہے کہ جس چیز کو ہم نے تجھ پر حلال کردیا ہے تو اُسے اپنے اوپر کیوں حرام کرتا ہے اور اس آیت کے نازل ہونے یا راز والی آیت کے اُترنے سے آپ ناراض ہوگئے اور ۲۹ روز آپ نے کل ازواج یا ان دو بیبیوں کی صورت نہیں دیکھی اور ماریہ قبطیہ کے برآمدہ یا بالاخانہ میں سکونت پذیر رہے یہ بھی عجیب متضاد مضمون ہے جسکا سر نہ پیر پہلے تو آپ کو اس قدر خوف زدہ بنایا کہ جسکی انتہاء نہیں یعنی آپ کو یہ خوف ہوا کہ اپنی حرم اپنے اوپر حرام بھی کرلی اور زیادہ خوف طاری ہوا تو یہ وعدہ کرلیا کہ میرے بعد ابوبکر وعمر خلیفہ ہوں گے اور دلیری ہوئی تو اس قدر کہ ۲۹ دن ماریہ قبطیہ کے بالاخانہ میں رہے اور کسی دوسرے سے بات بھی نہ کی اور پھر کسی بی بی کا زہرہ نہ ہوا کہ ایک بات بھی منہ سے نکالتی اور ذرہ بھی زبان ہلاتی خیال ہوسکتا ہے کہ جب رسول کریم کی جرات کی یہ کیفیت تھی کہ آپ کسی بی بی کی پرواہ، نہ کرتے تھے اور ایک ہی کے پاس مہینہ مہینہ بھر گزارتے تھے پھر آپ کو ضرورت کیا تھی کہ آپ بی بی حفصہ سے خوف کھاتے اور ڈر کے مارے اپنی چہیتی ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کرلیتے اور اُنہیں تسکین دینے اور اپنے سے خوش رکھنے کے لئے حضرت ابوبکر اور عمر کو قبل از وقت خلافت سونپ دیتے ایک صورت تو اِس روایت کی یہ ہوئی. دوسری صورت یہ بیان ہوئی ہے کہ نہیں بی بی عائشہ کے حجرہ میں ایسا کیا تھا اور بی بی حفصہ نے دیکھ لیا اور آپ نے منع کیا تھا کہ عائشہ سے نہ کہنا اور بی بی حفصہ حجرے میں تھی اور بی بی حفصہ نے رسول کریم کو ماریہ قبطیہ کے ساتھ مشغول پایا تو یہ فعل اگر اسے جرم قرار دیا جائے بی بی عائشہ کا کیا تو پھر کیا وجہ تھی کہ رسول کریم بی بی حفصہ سے ڈرے اور کیوں اُنکے خوف سے ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کرلیا اور کیوں خلافت کی بشارت دی جبکہ ان کا کوئی جرم ہی نہیں کیا تھا پھر خوف کھانے کے کیا معنی تھے دوسرے حضرت بی بی عائشہ کی باری کے دن بی بی حفصہ کا اُن کے حجرہ میں چلا جانا یہ مطلق سمجھ میں نہیں آتا اور نہ یہ خیال آتا ہے کہ بی بی عائشہ حجرہ میں سے نکل کے کہاں گئی تھیں جبکہ اسلام میں پردہ ہوگیا تھا اور قرآن مجید

میں صاف آ گیا تھا کہ جب نبی کی ازواج سے باتیں کرو تو دروازے کے باہر ہو کے اور اگر یہ کہیں کہ وہ بھی اپنے باپ کے گھر گئیں تھیں تو حضرت ابوبکر کا مکان تو مسجد نبوی سے کوئی تین میل کے فاصلہ پر تھا ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت بی بی عائشہ اپنی خاص باری کے دن اپنے باپ کے ہاں چلی گئی ہوں جبکہ وہ ایک ہفتہ میں چاہے جس دن جاسکتی تھیں اور اگر یہ کہیں کہ وہ روز اُن کی باری کا نہ تھا اور رسول اللہ یوں ہی چلے آئے تھے تو بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت بی بی عائشہ کا مکان سنگ مرمر کا محل تھا اور ماریہ قبطیہ کا بالا خانہ بُرا اور رہنے کے قابل نہ تھا اِس لیے آپ وہاں تو نہیں رہے اور یہاں ماریہ قبطیہ کو لیکے چلے آئے۔ تیسرا پہلو اِس روایت کا یہ ہے کہ اگر ہم تسلیم کرلیں کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہ سے اس موقع پر گناہ ہو گیا تھا تو اس سے بھی کوئی بڑا جرم یا الزام لازم نہیں آتا۔ کیونکہ وہ اپنی خطا سے تو توبہ کرچکی ہیں اور اُن کا توبہ کرنا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے "اِنۡ تَتُوۡبَآ اِلَی اللّٰہِ فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوۡبُکُمَا" (التحریم:۴) کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو توبہ کی ترغیب دی ہے ان پر یہ کسی طرح بھی گمان نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے توبہ نہیں کی۔ ان کا عالی مرتب ہونا ثابت ہو چکا ہے اور اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا جسکی ایک نظیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اختیار دے دیا تھا کہ کیا وہ دنیا کی زندگی اور اسکی زیب و زینت کو اختیار کرلیں اور یا اللہ کو اسکے رسول کو اور آخرت کو اختیار کرلیں۔ انہوں نے دنیا کی زیب و زینت کے مقابلہ میں اللہ کو اللہ کے رسول اور آخرت کو اختیار کیا۔ یہ قرآن کی نص سے امہات المومنین ہیں پھر انکی عظمت ان کی وجاہت آسمانی سے کون انکار کرسکتا ہے۔ اس معاملہ کی چوتھی صورت یہ کہ جس طرح حضور انور کی ازواج پاک کے بارے میں مذکور ہے ایسی ہی آپ کے اہلبیت اور اُن صحابہ کے بارے میں بھی مذکور ہے جن کے لئے جنتی ہونیکی خوشخبری مل چکی ہے۔ مثلاً حدیبیہ کے دن جب حضور مشرکین سے صلح کر چکے تو آپ نے موجود الوقت صحابہ سے ارشاد کیا کہ تم یہیں قربانی کرلو اور سر منڈوا کے احرام سے حلال ہو جاؤ مگر حضور کے اس حکم کی تعمیل فی الفور نہیں کی گئی۔ خدا معلوم صحابہ کو ایسا کیا خیال پیدا ہوا حضور کو اس تامل سے غصہ آ گیا اور آپ اسی غصہ میں ام سلمہ کے ہاں چلے گئے وہ آپ کی حالت کو دیکھ کے چونکیں اور عرض کیا کہ حضور کو کس نے غصہ کروایا خدا اس پر غصہ ہو غصہ کی جو وجہ تھی وہ آپ

نے بیان فرمائی. ام سلمہ نے یہ رائے دی کہ آپ اس کا کچھ خیال نہ کیجئے بلکہ آپ اپنی ہدی منگا کر اس کی قربانی کر دیجئے. اور نائی کو بلوا کر خط بنوا لیجئے پھر آپ کو دیکھ کر یہ سب ایسا ہی کرنے لگیں گے. اس صلح نامہ کے لکھے جانے کی وقت آپ نے علی ابن ابی طالب کو حکم دیا کہ رسول اللہ کے الفاظ اس میں سے مٹا دو حضرت علی نے عرض کیا میں ایسا نہیں کرنے کا اور پھر زور دے کے کہا خدا کی قسم میں کبھی نہیں مٹاوں گا. حضور کو اس نافرمانی پر غصہ آیا اور آپ نے اسی غصہ میں انکے ہاتھ میں سے وہ صلح نامہ لے لیا. اور ان الفاظ کو خود ہی مٹا دیا. اب یہ بات تو صاف ظاہر ہے کہ حضرت علی وغیرہ صحابہ نے حضور انور کے ارشاد کی تعمیل میں اس قدر دیر کی کہ آپ غصہ میں بھر گئے. اگر اسطرح پیغمبر کا ناراض کرنا ایک بہت بڑا گناہ کبیرہ یا جرم عظیم قرار دیا جائے تو بس پھر عائشہ صدیقہ کے اوپر جو اعتراض ہوا ہے اس میں بھی ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ انہوں نے پیغمبر کو ناراض کر کے گناہ کیا جس طرح حضرت علی نے کیا تھا. اور اگر یہ کہیں کہ صحابہ نے ایک تاویل کی وجہ سے یہ تاخیر کی تھی یعنی انہیں یہ امید تھی کہ ہمارے اصرار کرنے سے شاید صلح نامہ نہ ہو اور مکہ معظمہ میں داخل ہو جائیں. تو ایسی ہی تاویل حضرت صدیقہ کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے. مگر ہم صحابہ کی یہ تاویل نہیں مانتے ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر ان کی یہ تاویل مقبول ہوتی تو حضور انور کو ان پر غصہ نہ آتا بلکہ یہ اس میں پورے طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ صحابہ نے اپنی اس تاخیر سے توبہ کر لی تھی اور حضور انور سے معافی چاہ لی تھی اور ان صحابہ میں حضرت علی بھی تھے. فقط.

اب رہی وہ حدیث جو رافضیوں نے روایت کی ہے یعنی عائشہ سے حضور نے یہ فرمایا کہ تو علی سے لڑے گی تو ظالم ہوگی یہ حدیث علم کی معتمد کتابوں میں سے کسی کتاب میں نہیں ہے نہ اس کی کوئی معروف سند ہے ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ یہ قطعی جھوٹ اور لغو ہے. اس کا اصلی واقعہ سنئے! کہ عائشہ صدیقہ نہ خود لڑیں اور نہ لڑنے کے قصد سے گھر سے نکلیں وہاں مسلمانوں میں صلح کرانے کے ارادہ سے بے شک نکلی تھیں اور آپ نے یہ سمجھ لیا تھا کہ میرے باہر نکلنے سے مسلمانوں میں باہم صلح ہو جائے گی. لیکن بعد میں آپ کو یہ معلوم ہوا کہ میرا تو نہ آنا ہی بہتر تھا. اس قصہ کے بعد جب کبھی آپ کو یہ واقعہ یاد آ جاتا تھا تو آپ اس قدر روتی تھیں کہ آپ کا دوپٹہ تر ہو جاتا تھا. جنگ جمل

ایک غلط افسانہ اور بے بنیاد گپ ہے حضرت عائشہ صدیقہ ایک لمحہ کیلئے بھی میدان جنگ میں حضرت علی کے مقابلہ میں نہیں آئیں نہ حضرت علی ان سے لڑے جتنی روایتیں اس جنگ کے متعلق ہیں سب بے سند اور جھوٹ ہیں. فاضل ابن تیمیہ نے اس فرضی جنگ جمل کے اصلی واقعات پر روشنی ڈالی ہے وہ کہتے ہیں کہ اصلیت یہ ہے کہ علی، طلحہ اور زبیر میں خط وکتابت ہونے کے بعد سب کا یہ ارادہ ہوگیا کہ جو بات مصلحت کی ہو اس پر سب کا اتفاق ہو جائے اتفاق کے بعد موقع دیکھ کے مفسدوں سے حضرت عثمان کے قاتلوں کو لے لیں خود حضرت علی حضرت عثمان کے قتل ہونے سے خوش نہیں ہوئے تھے نہ اس بارے میں انہوں نے مدد دی آپ نے کئی بار حلف اُٹھایا وعلی الاعلان یہ بیان کیا کہ خدا کی قسم میں نے عثمان کو قتل نہیں کیا اور نہ میں نے اُن کے قاتلوں کو مدد دی اس میں شک نہیں کہ آپ اپنی قسم میں سچے اور یقیناً اس سے بری تھے. جب یہ بات طے ہوگئی تو قاتلوں کو یہ ڈر ہوا کہ اب ہمارے گرفتار کرنے پر علی اور یہ سب متفق ہوئے ہیں اسکی کوئی تدبیر کرنی چاہیے چنانچہ انہوں نے یہ چال چلی کہ وہ طلحہ اور زبیر کے لشکر پر آپڑے طلحہ اور زبیر سمجھے کہ علی کے آدمیوں نے ہم پر حملہ کیا چنانچہ اُنہوں نے محض اپنی جان بچانے کیلئے حضرت علی کے ایک دستہ فوج پر حملہ کیا. حضرت علی بھی اُسی مغالطہ میں پڑ گئے اُنہوں نے بھی طلحہ اور زبیر کی فوج کے ایک حصہ پر حملہ کر دیا. اِس مغالطہ میں چند آدمی قتل ہوئے اور چند زخمی ہوئے. مگر خوش قسمتی سے فوراً راز کھل گیا اور رفع شر ہوگیا. حضرت عائشہ صدیقہ تو سوار ہی رہیں نہ وہ خود لڑیں نہ کسی کو لڑنے کا حکم دیا. بس تر کی تمام شد. اس جنگ جمل کو بعض شیعی مصنفوں نے اور غیر محتاط مورخوں نے بکثرت غلط اور بے بنیاد روایتیں جمع کر کے جس رنگ آمیزی سے بیان کیا ہے اُن کا بیان بوستان خیال عرف بحار الانوار کے بیان سے بھی بڑھ گیا ہے. اسی قسم کے مغالطے اور فاسد بعض اوقات بڑی بڑی جماعتوں میں ہو جاتے ہیں. چند آدمیوں کا مجروح ومقتول ہونا نہ کسی بڑی جنگ پر دلالت کرتا ہے نہ باہمی مخالفت پر مصری باغوں نے چال تو بہت بڑی چلی تھی کہ ایک لگا تار جنگ کا سلسلہ شروع ہو جائے مگر اُن کی مراد بر نہ آئی اور چند جانوں ہی پر خیر گزری۔ ہم تمام شیعی علماء کو چیلنج دیتے ہیں کہ وہ جنگ جمل کا بے بنیاد افسانہ اگر صحیح اور مستند وقابل اعتبار روایتوں سے ثابت کر دیں تو ہم اُن کے اور موضوعات پر بھی توجہ کرنے کا وعدہ

کرتے ہیں. بدنصیبی سے جنگ جمل وغیرہ پر جس طرح کہ شیعی اعتقاد رکھتے ہیں. اسی طرح عام سُنی بھی اس میں مبتلا پائے جاتے ہیں مگر افسوس ہے کہ ایک صحیح روایت بھی تمام اسلامی کتابوں میں ایسی نہیں جس سے یہ بات ثابت ہو کہ حضرت علی اور حضرت عائشہ کی لڑائی ہوئی تھی. فاضل ابن تیمیہ ایک ایسا بڑا عالم ہے کہ جس پر اسلامی دنیا ہمیشہ فخر کرے گی یہاں تک کہ مخالفوں نے بھی اسکی بے انتہاء تحقیق اور لا اندازہ علم کے آگے سر جھکا دیا ہے. ایک بڑی تحقیق کے بعد اس کا یہ انقطاعی فیصلہ ہے کہ حضرت علی اور حضرت عائشہ کی لڑائی نہیں ہوئی. کسی کی مجال ہے جواب ہمارے آگے زبان کھول سکے اور اس واقعہ کی ایک صحیح سند بھی دے سکے. اِس وقت یہ کتاب یعنی ''کتاب شہادت'' کرزن گزٹ کے ذریعہ سے تمام ہندوستان میں شائع ہو رہی ہے تو اب تک بہت سے راز دارانہ معاملات پر اور شیعوں کی صریح جھوٹ اور غلط بیانی پر روشنی پڑ چکی ہے. تمام شیعی اخبارات مجتہد اور علماء بالکل ساکت ہیں اور کسی کی مجال نہیں ہے کہ ایک بات کا بھی جواب دے سکیں. یقیناً ہندوستان اور ایران میں ایک شخص بھی ایسا نہیں کہ جو کتاب شہادت کے دلائل قاطعہ کی کسی دلیل کو توڑ سکے جو کچھ لکھا جا رہا ہے اِس قدر تحقیق تنقید اور جانچ پڑتال سے لکھا جا رہا ہے کہ اسکے آگے کسی کو دم زدن کا یارا نہیں ہو سکتا. ہاں یہ صحیح ہے اور بالکل صحیح ہے. ''فاش می گویم واز گفتہ خود دلشادم''

اب سنئے! رافضیوں کا یہ اعتراض کہ عائشہ نے اللہ کے اس حکم کی مخالفت کی جو آیت وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى (الاحزاب:۳۳) میں پایا جاتا ہے محض لغو اور بیہودہ ہے اِس لئے کہ عائشہ صدیقہ یہ بات کہیں سے بھی ثابت نہیں ہوئی کہ جاہلیت کی رسم کے موجب اپنی زینت دکھانے کے لئے نکلی تھیں جس سے اس آیت میں منع کیا گیا ہے اور گھروں میں رہنے کا حکم کسی کام کی مصلحت سے باہر نکلنے کی منافی نہیں ہے جیسا کہ کوئی عورت حج یا عمرہ کرنے نکلے یا اپنے شوہر کے ساتھ سفر میں چلی جائے تو اس آیت کا امتناعی حکم اُس کے لیے صادر نہیں ہو سکتا. یہ آیت حضور انور کی زندگی اور صحت میں نازل ہوئی تھی اس کے نازل ہونے کے بعد آپ ازواج مطہرات کو حجۃ الوداع میں اپنے ساتھ لے گئے تھے. اِس کے علاوہ عائشہ صدیقہ وغیرہ کو بھی حضور انور نے اپنے سفر میں ساتھ رکھا. پھر صدیقہ کو اُن کے بھائی عبدالرحمٰن کے ساتھ بھیج

دیا وہ انہیں اونٹنی پر اپنے پیچھے بیٹھا کر لے گئے اور تنعیم سے عمرہ کر لیا حجۃ الوداع کا وقوع حضور انور کی وفات سے تین مہینے پہلے اس آیت کے نازل ہونے بعد ہوا. اسی وجہ سے اس حج میں ازواج مطہرات پردہ کرتی تھیں اور اس پردہ کا سلسلہ فاروق اعظم کی خلافت میں اس حج میں بھی جاری رہا جس میں ازواج مطہرات شریک ہوئی تھیں اور فاروق اعظم نے حضرت عثمان یا عبدالرحمان بن عوف کو ان کی حفاظت اور نگرانی کے لئے مقرر کر دیا تھا. جب کسی مصلحت کی وجہ سے عورتوں کو سفر کرنا جائز ہے تو عائشہ کا جب اس جنگ میں یہی عقیدہ اور قصد تھا کہ یہ سفر مسلمانوں کی مصلحت کے لئے میں کرتی ہوں تو انکا یہ فعل اس مذکورہ آیت کے خلاف نہیں ہوسکتا. جو اعتراض کہ گھر سے نکلنے اور وطن چھوڑنے کا عائشہ صدیقہ پر ہوتا ہے بعینہ وہی اعتراض حضرت علی پر ہوتا ہے. کیونکہ حضور انور یہ فرما چکے تھے. "لا یخرج احد من المدینۃ رغبتۃ عنھا الا ابدالھا اللہ خیر امۃ" یعنی جو شخص مدینہ منورہ سے گھبرا کے نکلے گا تو اللہ تعالے اس سے بہتر مدینہ میں آباد کر دے گا. یقیناً اس وعید میں حضرت علی شامل ہیں کیونکہ انہوں نے مدینہ چھوڑ دیا تھا پھر انہیں مدینہ میں آنا اور رہنا نصیب نہیں ہوا جس طرح ان سے پہلے خلفا رہے تھے. اب حضرت علی کی طرف سے جو جواب دیا جائے گا. وہی جواب حضرت عائشہ کی طرف سے سمجھا جائے گا۔ شریعت کے احکام میں جب ایک ہی نوعیت کے حکم ہوں مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہوتا. حضرت علی نے خواہ کسی حکمت عملی سے ہو پایہ تخت اسلام یعنی مدینۃ النبی چھوڑ دیا. مگر یہ بات ماننی پڑے گی کہ اُن کے زوال کی تاریخ اسی دن سے شروع ہوتی ہے جس دن کہ انہوں نے مدینہ سے منہ پھیرا جو مقصد حضرت عائشہ صدیقہ کا مدینہ سے باہر آنے کا تھا وہ مقصد حضرت علی کا مدینہ سے باہر نکلنے کا نہیں تھا. ہم درحقیقت اس سے حضرت علی کی بزرگ ذات پر کوئی الزام نہیں قائم کرنا چاہتے ہمارا مقصد اس لکھنے سے فقط یہ ہے کہ معترض اپنے گریباں میں منہ ڈالیں اور کل واقعات پر انصاف کی نظر کر کے اسباب کو دیکھیں کہ آیا وہ خصم پر نکتہ چینی کر رہے ہیں یا درحقیقت اپنے پیروں پر آپ کلہاڑی مار رہے ہیں.

پھر رافضیوں کا یہ کہنا عائشہ، علی سے ناحق لڑنے کے لئے ورنہ مردوں میں نکل کھڑی ہوئیں یہ صدیقہ پر اوّل درجہ کا الزام ہے کیونکہ نہ وہ لڑنے کے ارادہ سے نکلیں. نہ حضرت علی سے

لڑیں نہ طلحہ وزبیر کا قصد حضرت علی سے لڑنے کا تھا نہ وہ لڑنے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے. اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ ان دونوں کا یہ قصد تھا تو اسے ہم قتال نہیں کہہ سکتے. قتال اگر ہے تو یہ ویسا ہی ہے جیسا کہ اس کے آگے آنیوالی آیت میں ذکر ہے "وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا (الحجرات:۹) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مسلمانوں کو باوجود قتال کے اللہ تعالیٰ نے بھائی بند ٹھہرایا ہے اور جب یہ ایسے مسلمانوں سے بھی ثابت ہو گیا جو طلحہ وزبیر سے کم درجہ کے ہیں پھر ان کے حق میں یہ حکم بدرجہ اولے ثابت ہوگا. پھر رافضیوں کا یہ کہنا حضرت عثمان کے قتل کرنے پر سب مسلمانوں کا اجماع ہو گیا تھا محض غلط اور لغو ہے حضرت عثمان کے مطاعن میں ہم اسے ثابت کر چکے ہیں کہ مسلمان اس میں شریک نہیں تھے۔ اب ہم اس کے متعلق ایک اور مختصر سی بحث کرتے ہیں تا کہ یہ مسئلہ اور زیادہ روشنی میں آجائے. اس اعتراض کا جواب دو طرح سے سمجھنا چاہیے اول جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ عثمان کے قتل پر سب کا اتفاق ہو گیا تھا یہ محض غلط اور صریح جھوٹ ہے اس لئے کہ سب مسلمانوں نے نہ عثمان غنی کے قتل کرنے کو کہا نہ اس میں شریک ہوئے نہ وہ اس پر راضی ہوئے ہمارے پہلے قول کی دلیل تو یہ ہے کہ سارے مسلمان تو درکنار مسلمانوں کا ایک جز بھی اس میں شریک نہیں ہوا کیونکہ مسلمان مکہ، یمن، شام، کوفہ، بصرہ، مصر، خراسان وغیرہ میں پھیلے ہوئے تھے کونسی تاریخ یا روایت اسبات کی سند میں پیش ہوسکتی ہے کہ ان سب مسلمانوں کا عثمان کے قتل پر اتفاق ہو گیا تھا یہ بھی تو نہیں ثابت ہوسکتا کہ مدینہ کے جزوی مسلمانوں کا بھی آپ کے قتل پر اتفاق ہوا تھا۔ دوسرے قول کی دلیل یہ ہے کہ اور جسکی وجہ سے ہم نے اسے صریح جھوٹ کہا ہے کہ خیار مسلمین میں سے ایک آدمی بھی شریک نہیں ہوا بلکہ اوباش قبائل اور مفسدوں کی ایک جماعت نے اتفاق کر کے آپ کو شہید کر دیا تھا. حضرت علی ہمیشہ اس بات پر قسم کھایا کرتے تھے کہ واقعی میں نے عثمانؓ کو شہید نہیں کیا نہ میں نے کسی کو یہ رائے دی بلکہ آپ یہ دعا کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ عثمان کے قاتلوں پر جہاں کہیں ہوں لعنت کرے خواہ وہ کسی جنگل میں ہوں یا دریا میں یا پہاڑوں پر یا کسی نشیبی زمین بس اس سے زیادہ ثبوت اس بات کا اور نہیں ہوسکتا کہ خیار مسلمین سے ایک شخص بھی

آپ کے قتل میں شریک نہیں ہوا. دوسرا جواب یہ ہے کہ رافضیوں کے قول میں نہ صرف جھوٹ بلکہ تناقص بھی ہے کیونکہ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ جتنے آدمیوں کا عثمان کی بیعت پر اجماع ہوا تھا ان میں فیصدی دس کا بھی آپ کے قتل پر اجماع نہیں ہوا کیونکہ تمام روئے زمین کے مسلمان آپ سے بیعت ہو چکے تھے. اگر ظاہرا اجماع سے حجت کرنی جائم ہے تو اُن کی بیعت کے حق ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے. اور اگر اس اجماع پر حجت کرنی جائز نہیں ہے تو عثمان کے قتل کرنے پر بھی اجماع سے حجت دلانی باطل ہوگی. خاص کر اُس حالت میں کہ جب یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اجماع وغیرہ کچھ نہ تھا بلکہ چند اوباش مفسدوں نے مل کے آپ کو شہید کرڈالا تھا. ہاں یہ بات دیکھنے کی ہے کہ رافضی ان کی بیعت پر اجماع ہونے کا انکار کرتے اور کہتے ہیں کہ محض خوف کی باعث سے بیعت کرلی تھی مگر ایسے لوگوں کے ناموں کی فہرست جنہوں نے خوف کی وجہ سے بیعت کی تھی پیش نہیں کرتے اندازہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کی طرف یہ اشارہ ہے کہ اُنہوں نے خوف کی وجہ سے بیعت کی تھی اگر یہ تسلیم کرلیا جائے تو پھر حضرت عثمان کے قتل ہونے کے بعد اگر وہ وجہ خوف باقی رہی تو اس سے معلوم ہوا کہ کل مسلمان عثمان کے قتل پر سخت برفروختہ تھے. اور اگر وجہ خوف باقی نہیں رکھی جاتی تو اس سے یہ بات ثابت ہو جائیگی کہ پہلا ادعا غلط ہے یعنی جب حضرت عثمان نہیں رہے تو یہ خوف کس کا ہوا ہم اس بات کو صاف طور پر کہتے ہیں اور ہمیں اس بات کا پورا یقین ہے کہ عرب اور بالخصوص قریش خوف میں آ کر جھوٹ بولنے والے نہیں تھے پچاس دفعہ ان کو قتل کر و اور پھر زندہ کرو مگر وہ جھوٹ بولنا نہیں جانتے کسی قسم کا خوف اُن کو حق کہنے سے باز نہیں رکھ سکتا تھا اُنہوں نے بڑے بڑے شاہوں کے درباروں میں حق کہنے سے اپنی زبان نہیں روکی پھر کیونکر سمجھ میں آ سکتا ہے کہ حضرت علی جیسا غیور اور بہادر اپنی جان کے خوف سے ایک عرصہ تک حق کو چھپائے رکھے اور مدت العمر اُسے ظاہر نہ ہونے دے اور ایک صورت یہ ہے کہ حضرت علی کے قتل پر بھی اگر کوئی دعوے کر کے کہ عام مسلمانوں کا اجماع ہوگیا تھا تو اسکا جواب کیا ہوگا. جو جواب رافضی اس کا دینگے وہی جواب حضرت عثمان کی طرف سے سمجھا جائے یہ اچھی طرح سے سمجھ لو اور اس سے مغرب اور مشرق

میں کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ جن مسلمانوں نے علی کا ساتھ نہیں دیا تھا وہ اُن سے کہیں زیادہ تھے جن کا عثمان کے قتل پر اجماع ہوگیا تھا کیونکہ حضرت علی کے زمانہ میں مسلمان تین قسم کے تھے ایک وہ جنہوں نے اُن کا ساتھ دیا. دوسرے وہ جنہوں نے مقابلہ کیا تیسرے وہ جنہوں نے نہ ان کا ساتھ دیا اور نہ مقابلہ کیا اکثر سابقین اولین اسی تیسری قِسم میں تھے اور مسلمانوں کو جانے دو صرف اُن مسلمانوں کو لو جنہوں نے حضرت معاویہ کا ساتھ دیا تھا تو وہ مسلمان بھی عثمان کے قاتلوں سے کئی حصہ زیادہ تھے اور جو عثمان کے قتل کا انکار کرتے تھے وہ بھی علی کا ساتھ دینے والوں سے کئی حصہ زیادہ تھے. اب اگر یہ قول کہ علی سے قتال کرنے پر سب مسلمانوں کا اجماع ہوگیا تھا غلط کہا جائے تو رافضیوں کا یہ کہنا کہ عثمان کے قتل پر سب کا اجماع ہوگیا تھا بدرجہ اولٰی غلط اور جھوٹ کہا جائے گا. اور اگر یہ قول کہ عثمان کے قتل کرنے پر اجماع ہوگیا تھا اس وجہ سے جائز ہو کہ قتل کی خبر عام طور پر مشتہر ہونے پر بھی کوئی ان کی مدد کو کھڑا نہ ہوا تو اس کے مقابلہ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ علی سے قتال کرنے پر اور اُن سے بیعت نہ کرنے پر سب کا اتفاق ہوگیا تھا. کیونکہ یہ واقعہ بھی شہرآفاق ہوگیا تھا اس پر بھی علی کی مدد کو کوئی نہ آیا اور یہ کہا جائے کہ جو لوگ علی کے ساتھ تھے اُن میں اتنی قدرت نہیں تھی کہ وہ اوروں کو بیعت کراتے یا اس قتال کو روک دیتے غرض وہ اس میں مجبور تھے تو دوسرا بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ جو لوگ عثمان کے ساتھ تھے اور جب آپ کے مکان کا محاصرہ ہوگیا تو ان میں اتنی قدرت نہ تھی کہ وہ اس قتال کو آپ سے دفع کردیتے. اب رافضیوں کا یہ کہنا کہ عائشہ ہر وقت عثمان کو قتل کرانے کی لوگوں کو ترغیب دیا کرتی تھیں اور یہ وردزبان پر تھا کہ قاتل کو قتل کرو نعثل کو خدا غارت کرے اور جب ان کے قتل کی خبر پہنچی تو بہت خوش ہوئیں حضرت عائشہ پر صریح بہتان اور من گھڑت کہانی ہے. رافضی سر ٹیک کے بھی رہ جائیں جب بھی کوئی صحیح روایت ایسی پیش نہیں کرسکتے جس میں حضرت عائشہ کا یہ قول موجود ہو. عائشہ صدیقہ سے جو اس بارے میں روایت ہے وہ اسکی بالکل تکذیب کرتی اور صاف طور پر یہ ظاہر کرتی ہے کہ وہ اس قتل سے ہرگز خوش نہ تھیں اور عثمان کے قاتلوں کے اعلی الاعلان بُرا کہتی تھیں اور اپنے بھائی محمد وغیرہ پر اس وجہ سے اس کا دعوے کیا تھا کہ یہ بھی اس میں

شریک تھے. اور بغرض محال اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ صحابہ میں سے عائشہ صدیقہ نے یا اور کسی نے حضرت عثمان کی باتوں پر غصہ ہونے کی وجہ سے ان کے بارہ میں کوئی سخت کلمہ کہہ دیا تھا تو ایسا کلمہ حجت نہیں ہوسکتا نہ اس کے قائل اور مقول لہ کے ایمان میں اس سے کسی قسم کی خرابی آسکتی ہے بلکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ شخص جو یقیناً ولی اللہ ہیں اور انکا رجنتی ہونا تحقیقی ہے یہ ایک دوسرے کے قتل کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں بلکہ ایک دوسرے پر کفر تک کا گمان کر لیتے ہیں اگرچہ یہ گمان محض غلطی پر مبنی ہوتا ہے جیسے کہ صحیحین میں علی وغیرہ سے حاطب بن ابی بلتعہ کے قصہ میں ثابت ہوا ہے صحیح بخاری میں آیا ہے کہ حاطب کے غلام نے حضور انور سے عرض کیا تھا کہ حاطب تو ضرور دوزخ میں جائے گا حضور نے فرمایا تو جھوٹا ہے وہ دوزخ میں کیونکر جائیگا. وہ تو بدر اور حدیبیہ دونوں غزووں میں شریک ہو چکا ہے. سنئے! حضرت علی کی روایت میں ہے کہ حضور انور نے غزوہ فتح کا ارادہ کیا تو حاطب نے مشرکین مکہ کو ایک خط لکھا جس میں حضور انور کی بہت سی تدابیر اور پوشیدہ باتیں لکھ دیں مگر جب حضور انور کو اس قسم کی مخبری کی اطلاع ہوئی تو آپ نے حضرت علی اور حضرت زبیر کو حکم دیا کہ تم دونوں جاؤ اور جب روضہ خاخ کے قریب پہنچو تو وہاں تمہیں اونٹ پر سوار ایک عورت ملیگی تم اسے گرفتار کر لینا اور اسکی تلاشی لینا اس کے پاس سے ایک خط نکلے گا. وہ خط محفوظ کر لینا دونوں نے حضور انور کے ارشاد کی تعمیل کی عورت اُسی مقام پر گرفتار ہوئی تلاشی کے بعد وہی خط اس سے برآمد ہوا جو مطلوب تھا وہ خط لے کے دونوں حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خط پیش کر دیا. خط کے مضمون سے آگاہ ہو کر حضور نے حاطب کو بلا کر کہا کہ حاطب یہ کیا بات ہے؟ حاطب نے قسم کھا کے کہا یا رسول اللہ یہ کام اسلام سے پھیرنے کی وجہ سے یا کفر پر راضی ہونے کی غرض سے میں نے ہرگز نہیں کیا. بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ میں قریشی نہیں ہوں تھوڑے دنوں سے قریش میں جا رہا تھا حضور کے ساتھ جتنے مہاجرین ہیں ان سب کے مکہ میں بہت سے قرابت دار ہیں اور وہ انکے بال بچوں کی خبر گیری کرتے ہیں اسلئے میں نے یہ سوچا کہ میں سوائے اس کے کہ اہل مکہ کے اس احسان کا بدلہ جو میرے رہنے سے انہوں نے مجھ پر کیا تھا اور کسی صورت سے نہیں اُتار سکتا کہ میں اُن سے آپ کی

بعض باتوں کی مخبری کر کے کچھ سلوک کردوں تا کہ احسان کا بدلہ بھی اُتر جائے اور میرے بال بچے جو اس وقت مکہ میں ہیں اہل مکہ کی طرف سے ان کی خبر گیری بھی ہوتی رہے. یہ سُن کر فاروق اعظم کو غصہ آ گیا اُنہوں نے حضور انور کی خدمت میں عرض کیا حضور مجھے حکم دے دیں تو میں اِس منافق کی گردن اڑا دوں حضور نے کہا نہیں یہ تو بدر میں حاضر ہو چکا ہے. اور تمہیں خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی مغفرت کر دی ہے. اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورہ ممتحنہ کی شروع کی یہ آیتیں نازل فرمائیں. یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ. (الممتحنہ:۱) اس قصہ کے صحیح ہونے پر تمام علما کا اتفاق ہے اور اُن کے نزدیک متواتر ہی مثلاً علمائے تفسیر علمائے مغازی، سیر، تواریخ، علماء فقہہ وغیرہ سب کے ہاں مشہور و معروف ہے. حضرت علی اپنی خلافت کے بعد اس قصہ کو بیان کیا کرتے تھے اور اُن سے اُن کے محرر عبداللہ بن ابو رافع نے روایت کیا ہے تا کہ سامعین پر یہ ظاہر ہو جائے کہ سابقین اولین کی مغفرت ہو چکی ہے اگر چہ اُن سے بعض خطائیں ہو گئی تھیں. عثمان، طلحہ اور زبیر تو حاطب بن ابی بعتہ سے باتفاق سب مسلمانوں کے افضل و اکرم ہیں. حاطب کا اپنے غلاموں سے بُری طرح رہنا مشرکین سے خط کتاب کرنا حضور انور اور آپ کے اصحاب کے مقابلہ میں اُن کی مدد کرنا. انکی ایسی خطائیں ہیں جو اُن کے گناہوں سے بدر جہا بڑھی ہوئی ہیں اور باوجود اس کے حضور انور نے ان کے قتل کرنے سے منع کر دیا اور جس نے یہ کہا کہ حاطب دوزخی ہے اُسکی تکذبت کی محض اس وجہ سے کہ وہ بدر اور حدیبیہ کی جنگ میں شریک ہو چکے تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل بدر کی مغفرت کر دینے کی خبر سنائی. باوجود اس کے کہ فاروق اعظم نے یہ کہا کہ حضور مجھے حکم دیں تو میں اس منافق کی بھی گردن اڑا دوں فاروق اعظم نے حاطب کو منافق بھی کہا اُن کا خون کرنا بھی حلال سمجھا لیکن اس بات نے ان دونوں میں سے ایک کے ایمان پر بھی کچھ خرابی نہ ڈالی نہ اُن کے اہل جنت ہونے میں کوئی نقص پیدا کیا. اسی طرح صحیحین وغیرہ میں افک کے قصہ کے متعلق ہے کہ جب حضور انور ممبر پر خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے تو آپ نے عبداللہ بن اُبی منافقوں کے سردار کی شکایت کی اور فرمایا۔ کوئی ہے جو ایسے شخص کے مقابلہ میں میرا ساتھ

دے جس نے میری بی بی کے بارے میں مجھے بہت بڑا صدمہ پہنچایا ہے خدا کی قسم میں اپنی بی بی میں کوئی بُرائی نہیں دیکھتا نہ اس مرد میں کوئی بُرائی پاتا ہوں جس کا یہ نام لیتے ہیں یہ سنتے ہی سعد بن معاذ قبیلہ اوس کا سردار اُٹھ کھڑا ہوا.(یہ وہی سعد ہیں جن کے انتقال پر عرش رحمان بھی لرز گیا تھا اور یہ وہی سعد ہیں جنہوں نے اپنے ہم قسم بنی قریظہ کے بارے میں یہ حکم لگا دیا تھا کہ اُن کے جنگجوؤں کو قتل کر دیا جائے.اور اُن کے بال بچوں کو قید کر دیا جائے اور اُن کا سارا مال لٹوا دیا جائے)اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ کا ساتھ دینگے اگر وہ اس کے خاندان کا ہے تو بھی ہم اُسکی گردن اڑا دیتے ہیں اور اگر ہمارے بھائی خزرج کے قبیلہ کا ہوگا تو آپ حکم دیجئے ہم آپ کے حکم کی اِس میں ضرور تعمیل کرینگے.یہ سُن کے سعد بن عبادہ کھڑے ہوئے اور سعد بن معاذ کی طرف خطاب کر کے کہا کہ تم جھوٹے ہو خدا کی قسم نہ تم اُسے قتل کرو گے اور نہ کر سکتے ہو.پھر اسید بن حضیر کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے سعد بن عبادہ کے قول کی تردید کی اور کہا تو جھوٹا ہے ہم اُسے ضرور قتل کریں گے تو منافق کی طرفداری کرتا اور حمایت لیتا ہے.قریب تھا کہ اوس وخزرج میں ایک فساد عظیم برپا ہو جائے کہ حضور انور ممبر سے اُتر آئے اور اُن سب کو خاموش کرا دیا.یہ تینوں صحابی خیار سابقین اولین میں سے ہیں جن میں اسید بن حضیر نے سعد بن عبادہ کو کہا تو منافق ہے.منافقوں کی طرف سے لڑتا ہے.

حالانکہ یہ مسلمان ہیں ولی اللہ ہیں اور اہل جنت سے ہیں اور وہ بھی مسلمان ولی اللہ اور اہل جنت سے ہیں.اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ کبھی ایک مسلمان اپنے بھائی مسلمان کو کسی تاویل سے کافر یا منافق کہہ دیتا ہے.مگر اُن میں سے ایک بھی کافر اور منافق نہیں ہے.یہ بات پوری تحقیق اور ثابت ہوگئی کہ صحابہ میں سے ایک شخص خواہ وہ عائشہ صدیقہ ہوں یا عمار یاسر وغیرہ ہوں اگر کسی دوسرے صحابی عثمان یا کسی اور کو کسی تاویل کی وجہ سے کافر کہہ دیں یا اس کے قتل کرنے کو مباح کہہ دیں تو یہ بھی اسی مذکور تاویل کی قسم سے ہوگا اور اُن دونوں میں سے ایک کے ایمان میں بھی اس سے کچھ خرابی نہ آئے گی نہ اُن کے اہل جنت ہونے میں کچھ نقص پیدا ہوگا.اس کے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ عثمان وغیرہ حاطب بن ابی بلتعہ سے بدرجہ افضل ہیں اور فاروق اعظم، عائشہ اور عمار وغیرہ سے افضل

ہیں. جب فاروق اعظم اور اسید ابن حضیر جیسے صحابیوں کا تکفیر میں اجتہاد کرنا جائز ہو گیا تو پھر عائشہ اور عمار سے ایسا ہونا بدرجہ اولی جائز ہوگا. اب رافضیوں کا یہ قول کہ عثمان کے قتل کی خبر سُن کے عائشہ نے یہ پوچھا کہ اب خلیفہ کون ہوا ہے لوگوں نے کہا کہ علی خلیفہ بنے ہیں عائشہ یہ سنتے ہی عثمان کا خون لینے کے بہانہ سے علی سے لڑنے نکل کھڑی ہوئیں. بھلا اس میں علی نے کیا خطا کی. فقط.

اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ عائشہ طلحہ اور زبیر نے علی پر یہ اتہام لگایا تھا کہ اُنہوں نے عثمان کو قتل کر دیا اور اسی پر علی سے لڑے تھے. محض غلط ہے صریح جھوٹ اور اتہام ہے. بات اصل یہ ہے کہ حضرت علی سے عثمان کے اُن قاتلوں کو مانگا تھا جو علی کے مکان میں جا چھپے تھے. اس بات کو تو وہ خوب جانتے تھے کہ عثمان کے خون سے علی بھی ایسے ہی بری ہیں جیسے اس سے ہم بری ہیں. سوائے اس کے ان کا اور کوئی خیال نہ تھا. انہوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ عثمان کے قتل میں علی شریک ہیں. اگر چہ رافضی اِس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ علی ان لوگوں میں سے تھے جو عثمان کو قتل کرنے اور اُن سے جنگ کرنے کو حلال سمجھتے تھے اور اس میں شریک تھے. مگر ہمارا یہ خیال ہرگز نہیں ہے. ہم حضرت علی کو راست باز سمجھتے ہیں. وہ اگر قسم بھی نہ کھائیں جب بھی ہمیں ان کا اعتبار ہے حالانکہ انہوں نے قسم کھا کے اس بات سے انکار کیا لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ ہم ان کا حلف تسلیم نہ کریں. رافضیوں کا بھی عجب تناقض ہے ایک طرف تو وہ حضرت علی کو بے خطا ثابت کر رہے ہیں. دوسری طرف صاف طور پر شہادت دے رہے ہیں کہ حضرت علی عثمان کے قتل میں شریک تھے.

"ببین تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا"

باقی رافضیوں کا یہ کہنا کہ طلحہ اور زبیر وغیرہ نے علی کے خلاف عائشہ کی اطاعت کرنے کو کیسے جائز سمجھ لیا اور اب یہ رسول خدا سے کس منہ سے ملیں گے باوجودیکہ ہم میں سے اگر کوئی دوسرے کی بی بی سے بات کرے یا اُسے اُسکے گھر سے نکال دے یا سفر میں لے جائے تو وہ اس کا انتہا درجہ کا دشمن ہو جاتا ہے وغیرہ وغیرہ. اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی رافضیوں کے تناقض اور اُن کی جہالت پر مبنی ہے کیوں کہ یہ تو خود عائشہ صدیقہ کے ذمہ بڑی بڑی تہمتیں لگاتے ہیں اور ایسے اتہام

بھی رکھتے ہیں جس سے اللہ نے ان کو بری کر دیا اور بریت کے لیے آیتیں نازل فرمائیں کچھ عائشہ صدیقہ ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ رافضیوں نے اور انبیاء کی ازواج پر بھی ایسی ہی تہمتیں لگائیں ہیں مثلاً ان کا قول ہے کہ نوح علیہ السلام کی بی بی بدکار تھی ان کا وہ بیٹا جسے اُنہوں نے کشتی میں بلایا تھا ان کے خون سے نہ تھا اور کہتے ہیں کہ آیت اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ کے یہ معنی ہیں کہ یہ لڑکا زنا سے ہے پھر فَخَانَتَاهُمَا کے وہ یہ معنی لیتے ہیں کہ نوح کی بی بی نے ان ہی کے بستر پر زنا کرایا تھا اور وہ فاحشہ عورت تھی. انسان کے لیے سب سے بڑے صدمہ کی بات یہ ہے کہ کوئی اسکی بی بی پر ایسا خطرناک اور آزاردہ الزام لگائے یعنی اُسے فاحشہ قرار دے اس سے زیادہ اور بڑا گناہ کیا ہوسکتا ہے اسی وجہ سے اس میں اللہ تعالیٰ نے حد قذف مقرر کر دی ہے اسکی وجہ یہی ہے کہ متہم کو جیسا صدمہ اس تہمت سے ہوتا ہے ویسا صدمہ اور کسی تہمت سے نہیں ہوتا. کیونکہ اگر کوئی کسی پر کفر کی تہمت لگائے تو متہم اسلام کو ظاہر کر کے اس تہمت لگانے والے کی تکذیب کر سکتا ہے. برخلاف فاحشہ ہونے کی تہمت کے کہ اس مفتری کی تکذیب ہی نہیں ہوسکتی. خلاصہ یہ ہے کہ شواہد شرعیہ اور طریقہ دونوں اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ انسان کو اسکی بی بی کے فاحشہ ہونے کی تہمت لگانے سے جو صدمہ پہنچتا ہے وہ اس صدمہ پہنچنے سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے جو اس عورت کو اسکے گھر سے نکالنے پر اُسے صدمہ پہنچتا ہے خاص کر اس صورت میں کہ جب وہ نکالنے والا اس میں ایک عام مصلحت خیال کرتا ہو حالانکہ طلحہ اور زبیر نے تو عائشہ صدیقہ کو ان کے گھر سے نکالا بھی نہ تھا بلکہ جب حضرت عثمانؓ شہید کئے گئے ہیں تو عائشہ صدیقہ مکہ میں تھیں مدینہ منورہ میں نہ تھیں طلحہ اور زبیر جا کر تو اُن سے مکہ ہی میں ملے تھے.

رافضی انبیاء کی بیبیوں مثلاً عائشہ صدیقہ اور نوح علیہ السلا کی بی بی پر فاحشہ ہونے کی تہمت رکھتے ہیں اور اس سے ہمارے نبی ﷺ اور انبیاء کو ایسے سخت صدمے پہنچاتے ہیں کہ منافقین سے بھی جو اُن کی تکذیب کرتے تھے. انہیں ایسے صدمے نہیں پہنچتے تھے اس سے زیادہ رافضیوں کی جہالت اور تناقض کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے. اہل سنت والجماعت یعنی مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ انبیاء ہے کہ انبیاء میں سے کبھی کسی بی بی نے زنا نہیں کرایا اور کبھی کوئی فاحشہ نہیں ہوئی. نوح علیہ السلام کا وہ بیٹا جسے وہ صرف ان کی بی بی کا بیٹا قرار دیتے ہیں نوح ہی کا بیٹا تھا. چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَنَادٰی نُوحٌ

اِبْنَهٗ یعنی نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا اور خود نوح نے فرمایا تھا جیسا کہ کلام الٰہی میں موجود ہے یَا بنی ارکب معنا یعنی اے میرے بچے ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور فرمایا ان ابنی من اهل یعنی میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے غرض یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول دونوں کا قول یہ ہے کہ وہ لڑکا نوح کا بیٹا تھا مگر رافضی اُسے نوح کا بیٹا قرار نہیں دیتے اس سے زیادہ خطرناک اتہام ایک نبی کی بی بی پر اور کیا ہو سکتا ہے. اللہ تعالیٰ نے نوح سے کبھی یہ نہیں کہا کہ لیس ابنات یعنی یہ تیرا بیٹا نہیں بلکہ یہ کہا انہ لیس من اهلک یعنی یہ تیرے اہل میں سے نہیں اللہ تعالیٰ نے پہلے فرمایا تھا۔ قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ (هود:۴۰) ہم نے نوح سے کہہ دیا تھا کہ ہر چیز کے دو دو جوڑے کشتی میں سوار کر لو اور اپنے اہل کو بھی بٹھا لو) مگر جن پر پہلے سے (غرق ہونے کا) حکم ہو چکا ہے اور اُن لوگوں کو بھی جو ایمان لائے ہیں. اس میں اللہ نے آپ کی اہل کے سارے آدمیوں کو سوار کر لینے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ اُن میں اُنہیں مستثنےٰ کر لیا تھا جن پر غرق ہونے کا پہلے ہی سے حکم ہو چکا تھا. اور آپ کے بیٹے پر بھی پہلے سے یہ حکم لگ چکا تھا مگر آپ کو اسکی خبر نہ تھی اسی وجہ سے حضرت نوح نے یہ التجا کی کہ میرا بیٹا تو میرے اہل میں ہے یعنی یہ بھی منجملہ انہیں کے ہے جنکی نجات ہونے کا وعدہ ہو چکا ہے اسی لیے بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ لڑکا آپ کے اس اہل میں سے نہ تھا جسکی نجات کا آپ سے وعدہ ہو چکا تھا اگر چہ نسبت کی رو سے یہ آپکی اہل میں یقیناً تھا لیکن دین کے اعتبار سے اُن میں نہ تھا کیونکہ کفر مسلمانوں اور کافروں کے درمیانی تعلقات کو بالکل قطع کر دیتا ہے جیسا کہ ہم یہ کہیں کہ ابو جہل آلِ محمد ﷺ اور آپ کی اہل بیت میں سے نہ تھا۔ اگر چہ آپ کے قرابت داروں میں سے تھا اور اسی وجہ سے الھم صل علی محمد وعلیٰ آلِ محمد میں داخل نہیں ہے. نوح علیہ السلام کی بی بی اپنے شوہر کی خائن دینی امر میں تھی یعنی یہ کہ وہ عورت نوح کو دیوانہ کہتی تھی. اسی طرح لوط علیہ السلام کی بھی خیانت دینی تھی کہ اس نے اپنی قوم کو اُن کے مہمانوں کی خبر دی. رافضیوں کی اس سے بھی زیادہ صریح جہالت یہ ہے کہ یہ انبیاء علیہ السلام کے انساب یعنی ان کے باپ دادا اور اولاد کی تو تعظیم کرتے ہیں اور اُن کی بیبیوں پر تہمتیں لگاتے اور بُرا کہتے ہیں یہاں تک کہ فاطمہ زہرا اور حسنین کی تو تعظیم کرتے ہیں اور ام

المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو گالیاں دیتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ اس پر ہمارا ایمان ہے کہ ابراہیم کا باپ آزر مومن مسلمان تھا اور نبی ﷺ کے والدین بھی مومن تھے یہاں تک اس امر میں قائل ہوئے ہیں کہ نبی کا باپ کافر نہیں ہوسکتا کہتے ہیں کافر کا بیٹا کیونکر مومن بن سکتا ہے کیونکہ نسب میں کوئی فضیلت نہیں ہوتی. رافضی یہ بھی کہتے ہیں کہ ابوطالب مومن تھا اور اُن میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ ابوطالب کا نام عمران تھا قرآن شیرف میں اسی عمران کا ذکر ہے خداوندتعالی فرماتا ہے. **ان الله اصطفے آدم و نوحا و آل ابراهیم و آل عمران علی العلمین** اس قسم کے خیالات اور اقوال جن میں نہ صرف افترا اور بہتان کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے جن میں تناقض بھی موجود ہے رافضیوں کا مایہ ناز ہیں یہ کون نہیں جانتا کہ اگر ایک آدمی کا باپ یا بیٹا کافر ہو تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں اسکی ذات میں کیا نقص پیدا ہوسکتا ہے. اللہ تعالی قادر مطلق ہے وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اس کے نزدیک کسی کافر کے بیٹے کو نبی کر دینا کوئی مشکل بات نہیں اس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا صحابہ اپنے باپ دادا سے افضل تھے کیونکہ ان کے باپ دادا کافر تھے برخلاف اس کے وہ شخص زیادہ عیب دار ہے. جسکی بیوی بدکار فاحصہ ہو کیونکہ اسکی بیوی کے فاحصہ ہونے پر اور اس سے تعلق رکھنے پر خاص اس شخص کی ذات پر بُرائی کا اثر پڑتا ہے. اس کے مقابلہ میں باپ یا بیٹے کا کافر ہونا کوئی چیز نہیں ہے. اگر مومن کی اولاد مومن ہی ہوا کرتی تو ضرور تھا کہ ساری اولاد آدم مومن ہی ہوتی حالانکہ ایسا نہیں ہوا جسکی نسبت اللہ تعالی فرماتا ہے **داتل علیهم نبا ابنی آدم بالحق اذقر یا قر ناً فتقبل من احدهما ولم یتقبل من الا خز قال لا قتلنات قال انما یتقبل الله مز المتقین.** یعنی اے نبی اُن لوگوں کو آدم کے دونوں بیٹوں (یعنی قابیل اور ہابیل) کا حال سچائی کے ساتھ پڑھ کر سُنا دو جوان دونوں نے قربانی کی نذر کی اور ان دونوں میں سے ایک کی (نیاز) قبول کرلی گئی اور دوسرے کی نہ قبول کی گئی تو اُسنے کہا کہ میں یقیناً تجھے مار ڈالوں گا اُسنے جواب دیا کہ (اس میں میری کیا خطا ہے) اللہ تو پرہیزگاروں ہی سے قبول کرتا ہے. فقط۔

صحیحین میں حضور انور رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کوئی ظلماً مارا جاتا ہے

اسکے خون کا کچھ حصہ آدم کے پہلے بیٹے کے ذمہ ضرور ہوتا ہے کیونکہ دنیا آدمی کے خون کرنے کی بنیاد اُسی نے ڈالی۔ اس کے علاوہ رافضیوں کا بھی بابا آدم نرالا ہے وہ ایک طرف تو حضور انور کے چچا عباس کو بُرا کہتے ہیں جن کا مسلمان ہونا تواتر سے ثابت ہے اور دوسری طرف ابو طالب کی تعریف کرتے ہیں جسکے کفر پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ کفر کی حالت میں مرا صحیحین میں سمیب بن حزن سے مروی ہے وہ کہتے ہیں جب ابو طالب کا دم نکلنے لگا تو حضور انور اسکے پاس تشریف لائے دیکھا کہ ابو جہل اور عبداللہ بن امیہ ابن مغیرہ بیٹھے ہیں۔ حضور نے ارشاد کیا اے چچا اس وقت میرے روبرو اتنا کلمہ کہہ دو لا الـه الا الله میں اقرار کرتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ کے حضور تمہارے مسلمان ہونے کی میں شہادت دے دوں گا۔ ابو جہل اور عبداللہ بن امیہ بولے اے ابو طالب کیا اس وقت تم اپنے باپ دادا کے دین سے پھر جاؤ گے دیکھو کبھی ایسا نہ کرنا) اس پر بھی حضور انور ابو طالب پر کلمہ طیبہ کے لئے اصرار کرتے رہے مگر ابو طالب نے نہ مانا پر نہ مانا یہاں تک کہ اخیر ابو طالب کی زبان سے یہ لفظ نکلا انا علی ملتہ عبدالمطلب "یعنے میں عبدالمطلب کی ملت پر ہوں۔ اس کے بعد کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ پڑھنے سے صاف انکار کر دیا اس پر بھی حضور انور نے یہ فرمایا کہ جب تک مجھے منع نہ کیا جاوے گا۔ میں تمہارے لیے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ماکان للنبی والذین امنوا ان یستغفر والمشرکین ولو کانوا اولی قربی من بعد ما تبین لھم انھم اصحاب الجھیم۔ یعنی نبی کو اور مسلمانوں کو یہ روا نہیں ہے کہ مشرکوں کے لیے مغفرت چاہیں بعد اس کے کہ انہیں یہ ظاہر ہو چکا ہو کہ وہ دوزخی ہیں اگرچہ وہ ان کے قرابت دار ہوں اور پھر اللہ نے ابو طالب ہی کی بابت یہ بھی اپنے رسول سے ارشاد کیا انک لا تھدیے من احبت ولکن اللہ یھدی من یشاء۔ صحیحین میں عباس بن عبدالمطلب سے مروی ہے کہ میں نے حضور انور سے دریافت کیا یا رسول اللہ ابو طالب کو بھی آپ سے کچھ فائدہ پہنچا یا نہیں کیونکہ وہ آپ کا بڑا خیر خواہ تھا اُسنے آپ کا ساتھ دیا اور آپ کی مدد کی آپ کی وجہ سے اوروں سے بُرا بنا۔ حضور نے جواب دیا ہاں اُسے یہ فائدہ پہنچا کہ وہ دوزخ کے بلائی طبقہ میں رکھا جاوے گا اور اگر میرا قدم بیچ میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے اسفل السافلین طبقہ

میں رہتا۔ ابو سعید کی حدیث میں ہی ایک دن حضور انور کے آگے ابو طالب کا ذکر ہونے لگا تو آپ نے ی ہ فرمایا مجھے امید ہے کہ میری شفاعت سے ابو طالب کو اتنا فائدہ پہنچ جائے گا کہ وہ دوزخ کی اس طبقہ کی آگ میں رکھا جاوے گا جو اُس کے ٹخنوں تک ہوگی۔ مگر اتنی ہی آگ سے اس کا دماغ پکنے لگے گا (یہ حدیث بھی صحیحین میں ہے) یہ اچھی طرح سے سمجھ لیا جاوے اور غالباً ایک فہمیدہ شخص اس سے انکار نہیں کرتے کا کہ محض نسب پر اللہ تعالی نے کہیں کسی کی تعریف نہیں کہ بلکہ تقوی اور ایمان کی تعریف کی ہے چنانچہ فرمایا ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقکم۔ رافضیوں کا دوسرا تناقض یہ ہے کہ وہ طلحہ اور زبیر پر طعن کرتے وقت اس بات کو نہیں سوچتے کہ وہ اپنے عقیدہ کے خلاف اس ضمن میں حضرت عائشہ صدیقہ کی تعریف کر رہے ہیں جو طعن انہوں نے طلحہ اور زبیر پر کیا ہے اگر اس طعن کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو حضرت علیؓ پر یہ طعن بدرجہ اولی ہوگا کیونکہ طلحہ اور زبیر تو صدیقہ کی یقیناً تعظیم کرتے تھے اور اُن کے ارشاد کی برابر پیروی کرتے تھے اب رافضی جو یہ کہتے ہیں کہ طلحہ اور زبیر کس منہ سے حضور انور سے ملیں گے وغیرہ وغیرہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ رافضیوں نے صدیقہ کو بمنزلہ اس بلکہ مان لیا ہے جسکی ہر امر میں اطاعت کرنی ضروری ہو اسکے جواب میں ایک ناصبی یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ لوگ حضور انور شافع روز محشر کو کیا منہ دکھائیں گے جنہوں نے آپ کی چاہتی بیوی سے جنگ کی اپنے سپاہی اُن پر مسلط کر دے اُن سپاہیوں نے صدیقہ کے اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں جس سے وہ ہودہ سے گر پڑیں اور ان کے دشمن چاروں طرف سے اُن پر چھا گئے گویا کہ اُنہیں محاصرہ میں کر لیا۔ اس میں شک نہیں کہ کسی کی بیوی کی ھردہ دری کرنے اُسے قید کرنے، اجنبی آدمیوں کو اس پر مسلط کرنے میں اس شخص کی اس سے بدر جہا زیادہ اہانت اور بے عزتی ہے کہ کوئی اسے اسکے گھر سے نکالے خاصکر ایسی جگہ بلکہ کو جسکی بلا اجازت کوئی اسکے پاس جا بھی نہ سکتا ہو۔ طلحہ اور زبیر وغیرہ تو صدیقہ سے اجنبی یہی نہ تھے بلکہ اس لشکر میں تو صدیقہ کے بہت سے محارم بھی تھے مثلاً عبداللہ بن زبیر صدیقہ کے سگے بھانجہ تھے انہیں صدیقہ کے ساتھ تنہا رہنا دیکھنا اور ہات لگانا تنک کتاب، سنت اور اجماع تینوں سے جائز تھا۔ اسی طرح ایک عورت کو اپنے ذی رحم محرم کے ساتھ سفر میں جانا کتاب وسنت اور اجماع تینوں سے درست ہے۔ صدیقہ نے سوائے

اپنے ذی رحم محرم کے اور کسی کے ساتھ سفر نہیں کیا. ہاں "لشکری (جیسا کہ رافضیوں کا خیال ہو) صدیقہ سے لڑے ہیں اگر ان میں محمد بن ابی بکر نہ ہوتے جنہوں نے صدیقہ کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا تو یقیناً اُن کی کی طرف اجنبیوں ہی کا ہاتھ بڑھتا کیونکہ ان کے سوا اس لشکر میں اور کوئی صدیقہ کا ذی رحم محرم نہ تھا. اسی وجہ سے صدیقہ نے اس ہاتھ بڑھانے والے کو بددعا عادی تھی کہ جسکا یہ ہاتھ ہو اللہ تعالیٰ اُسے آگ میں جلادے اس پر محمد بن ابی بکر نے کہا اے بہن کیا آخرت سے پہلے دنیا ہی میں جلواتی ہو فرمایا ہاں چنانچہ صدیقہ کی دعا قبول ہوئی اور جب وہ مصر پہنچے تو آگ میں جلادئے گئے بات یہ ہے کہ طلحہ اور زبیر کی رافضی جس قدر برائی کرینگے اس سے زیادہ حضرت علی کی بُرائی ہوگی اگر رافضی یہ کہیں کہ علی نے جو کچھ کیا وہ اپنے کام میں مجتہد تھے اور وہ طلحہ اور زبیر سے بڑھے ہوئے تھے تو ہم اسکے مقابلہ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ طلحہ اور زبیر بھی مجتہد تھے ہاں یہ بات ہم مانتے ہیں کہ علی ان دونوں سے افضل تھے لیکن رافضیوں ہی کے قول کے مطابق ان دونوں نے عائشہ صدیقہ کے ساتھ ایسی بُرائی نہیں کی جیسی علیؓ نے کی اگر ان دونوں کا یہ فعل ان کی خطا شمار کی جائے تو حضرت علیؓ کے اس فعل سے بدرجہ اولیٰ حضرت علی کا خطا دار ہونا ثابت ہوا. اور اگر رافضی یہ کہیں کہ طلحہ اور زبیر نے صدیقہ کو علی سے لڑوایا تھا اس لئے علی نے جو کچھ کیا اس کے ذمہ دار طلحہ اور زبیر ہیں علی کے ذمہ کچھ نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اسی طرح امیر معاویہ کا غدر بھی قابل توجہ ہے کہ جب اُن سے کسی نے یہ کہا کہ تم نے عمار کو قتل کر دیا جسکی بابت حضور انور نے یہ فرمایا تھا کہ اسے باغیوں کی ایک جماعت محل کرے گی تو اس پر امیر معاویہ نے یہ جواب دیا کہ ہم نے عمار کو نہیں قتل کیا بلکہ قتل انہوں نے کیا ہے جو اسے لائے تھے اور ہماری تلواروں کے نیچے کر دیا تھا. اگر امیر معاویہ کی یہ حجت مردود ہے تو رافضیوں کی حجت بھی اس سے زیادہ مردود ہونی چاہیے اور اگر یہ مقبول کی تو امیر معاویہ کی حجت اس سے زیادہ مقبول ہونی چاہیے. باقی رافضیوں کا یہ رونا کہ دس ہزار مسلمانوں نے عائشہ کی اطاعت کیسے کرلی علیؑ کے مقابلہ میں انہیں کیسے مدد دی حالانکہ حضور کی صاحبزادی کی اُن میں سے ایک نے بھی مدد نہ کی اُس وقت کہ جب اُنہوں نے ابوبکر سے اپنا حق مانگا تھا. مدد کرنا تو کیسا ان کے مقدمہ میں کسی نے ان کے موافق ایک بات بھی نہیں کی. اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اس میں کسی کو

بھی شبہ نہیں کہ یہ لوگ، جنہیں رافضی مطعون کرتے ہیں حضور انور رسول خدا ﷺ سے انتہا درجہ محبت
رہتے تھے حضور کی آپ کے خاندان کی اور آپ کی صاحبزادی کی ابوبکر و عمر سے بھی بدرجہا زیادہ
تعظیم کرتے تھے اسکے علاوہ اس میں بھی کوئی عاقل شک نہیں کرسکتا کہ سارا عرب جسمیں خواہ قریش
ہوں یا اور قبیلہ والے یہ بنی عبد مناف کی تعظیم اوع عدی سے یقیناً زیادہ کرتے تھے۔ ان سب کے
دلوں میں نبی عبد مناف کی وقعت بہت زیادہ تھی یہی تھی کہ جب حضور انور کا وصال ہوا اور ابوبکر خلیفہ
ہوئے تو ابو قحافہ سے کسی نے کہا کہ رسول خدا کا وصال ہوگیا ابو قحافہ بولے اُف یہ بڑا بھاری حادثہ ہی
پھر انہوں نے پوچھا کہ رسول اللہ کا جانشین کون ہوا۔ جواب ملا ابوبکر، یہ سُن کر ابو قحافہ چونک پڑے
اور حیران ہوکر کہا کیا نبی عبد مناف اور نبی مخزوم بھی اس پر رضامند ہوگئے لوگوں نے کہا ہاں ابو قحافہ کی
زبان سے بے ساختہ یہ نکل گیا ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشآء اسی روسے ابوسفیان حضرت
علی کے پاس آئے اور یہ کہا کہ بنی تیم میں خلافت ہونے کو کیا تم نے بھی منظور کرلیا آپ نے فرمایا
اے ابوسفیان اسلامی خلافت جاہلیت کی خلافت نہیں۔ میں کیوں نہ منظور کرتا۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ
سارے مسلمانوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ حضرت بی بی فاطمہؓ پر ظلم ہوا اور نہ یہ کہا کہ ابوبکرؓ اور
عمرؓ کے ذمہ اُن کا کچھ حق ہے تو اس سے یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ لوگ اس بات کا یقین رکھتے تھے
کہ فاطمہ زہرا مظلومہ نہیں ہیں کہ ہمیں اُن کی مدد کرنی ضروری ہے کہ اگر وہ انہیں مظلوم سمجھتے تو اُن کی
مدد کرنے کے لیے کوئی چیز مانع نہ تھی۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے مظلومہ سمجھ کر فاطمہ زہرا کی مدد
نہ کی تو یہ تین صورتوں سے ممکن ہوسکتا ہے یا تو یہ کہ وہ زہرا کی مدد سے عاجز ہوں۔ یا اُنہیں اُن کے
حق کی پروا نہ ہو۔ یا اُنہیں ان سے بغض ہو۔ مگر یہاں ان تینوں وجہوں میں سے ایک بھی نہیں ہے
کیونکہ وہ لوگ اس بات سے عاجز نہ تھے کہ کوئی انہیں حق گوئی پر روک سکتا بلکہ وہ خلافت کے بدل
دینے پر اُسکی موجودہ حالت قائم رکھنے سے بھی زیادہ قادر تھے۔ اور نہ ابوبکر میں یہ بات تھی کہ وہ کسی
کی فریاد سُنتے کیونکہ یہ بات تواتر سے ثابت ہوچکی ہے کہ ہزاروں لاکھوں مسلمانوں میں سے ایک
شخص نے بھی ابوبکر کو سنگدل اور ظالم نہیں قرار دیا اور یہ بات سب سے زیادہ مضحکہ خیز ہے کہ ابوبکر
زہرا سے بغض رکھتے تھے اس لئے کہ کوئی وجہ بغض کی نہ قبل از اسلام تھی نہ بعد از اسلام اسی طرح کسی

مسلمان کو حضرت علیؓ سے کوئی عداوت نہ تھی نہ جاہلیت میں اور نہ اسلام میں نہ حضرت علی نے کسی کے رشتہ دار کو قتل کیا تھا کیونکہ جو لوگ حضرت علیؓ کی تلوار کے نذر ہوئے وہ نہ زیادہ وجہ تھے نہ بڑے خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے اسکے مقابلہ میں فاروق اعظم بے شک کفار پر سخت تھے کفار بھی علی کی بہ نسبت اُن سے زیادہ عداوت رکھتے تھے عمر کی اُن سے عدوات ہوئی اور بحث مباحثے ہونے مشہور و معروف ہیں باوجود اسکے عمران پر خلیفہ ہوئے اور جس وقت آپ کا انتقال ہوا وہ سب آپ کی تعریف کرتے تھے اور آپ کے لیے دعائے خیر کرتے تھے اور مسلمانوں کے اس صدمہ کا ان سب کو رنج تھا کوئی صحیح روایت رافضی ایسی پیش نہیں کر سکتے جس سے یہ معلوم ہو کہ زہرا پر ظلم ہوا عقل باور نہیں کرتی کہ مسلمانوں کرتی کہ مسلمانوں نے عثمانؓ کی مدد کرنے میں تو اپنی جانیں تک دینی اختیار کر لی تھیں مگر اُن کی مدد نہ کی جو عثمانؓ سے زیادہ محبوب تھے۔ اور وہ حضور انور اور آپ کے اہل بیت ہیں سوال یہ ہے کہ حضرت علیؓ کا ساتھ دینے میں اور قبائل تو ایک طرف رہی بنی ہاشم کیوں نہ اُٹھ کھڑے ہوئے بنی ہاشم میں سب سے بڑی عباس بن عبدالمطلب اور بنی امیہ میں سب سے بڑے ابوسفیان بن حزب تھے اور ان دونوں کا میالان حضرت علی کی طرف تھا یہ کیوں نہ اُٹھ کھڑے ہوئے ممکن تھا کہ اگر یہ کھڑے ہو جاتے اور کہتے کہ خلافت علی کی ہی یہی خلیفہ ہیں یہی وصی ہیں ان کے سوا ہم کسی سے بیعت نہیں کرتے نہ ہم حضور انور کی نافرمانی کرتے ہیں نہ ہم آپ کے وصی اور اہلبیت پر ظلم کرتے ہیں اور نہ بنی تیم کو بنی ہاشم پر مقدم کرتے ہیں تو کووی وجہ نہ تھی کہ ان کے اس کہنے کو کل مسلمان نہ مان لیتے حضرت علی کے وصی ہونے کا راگ جواب گایا جا رہا ہے کیا وجہ ہے کہ وقت پر ایک مسلمان کی زبان سے بھی یہ نہیں نکلا کہ یہ پیغمبر کے وصی ہیں انہیں خلیفہ بنانا چاہیے نہ حضرت علی نے خود کہا کہ میں وصی ہوں میرا حق خلافت ہے یہ لغو اور غلط الزام جو رافضی ابوبکر اور عمر پر قائم کرتے ہیں اس سے ایک غیر طرفدار شخص یہ نتیجہ نکال لے گا کہ جب ابوبکر و عمر اور سابقین اولین روئے زمین کے سب آدمیوں سے بُرے تھے اور جہالت میں سب سے بڑھے ہوئے تھے کیونکہ انھوں نے رافضیوں کے قول کے مطابق اپنے نبی کے وفات پاتے ہی آپ کا طور طریق سب بدل دیا آپ نے وصی پر الزام کیا اور آپ کے اور اہل بیت کیساتھ وہ برتاؤ کیا جو موسیٰ و عیسیٰ کے مرنے

کے بعد یہود اور نصاریٰ نے بھی نہ کیا تھا. تو رافضیوں کے عقیدہ اور قول پر امت مرحومہ سب امتوں سے بدتر ثابت ہوتی ہے کیونکہ اُن کے عقیدہ کے مطابق امت مرحومہ کے سابقین سب سے بدتر ہیں. اب کسی کو بھی شک وشبہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے. جس نے رافضیوں کا مذہب ایجاد کیا ہے. وہ بددین ہے. ملحد. اسلام اور اہل اسلام کا جانی دشمن تھا.

ایک اور طعن: رافضی کہتے ہیں کہ سُنیوں نے عائشہ کا نام تو ام المومنین رکھ لیا اور اُسکے سوا کسی کو ام المومنین نہ کہا نہ اُن کے بھائی محمد بن ابی بکر کو خال المومنین (یعنی مسلمانوں کا ماموں) کہا حالانکہ وہ .بڑے جلیل القدر اور مرتبہ میں اپنے باپ اور بہن کے قریب ہی قریب تھے. دوسرے انہوں نے معاویہ بن ابی سفیان کا نام خال المومنین رکھ دیا اس وجہ کی اُسکی بہن ام حبیبہ ابوسفیان کی بیٹی حضور انور کی بی بیوں میں سے ایک بیوی تھی اسکے مقابلہ میں محمد بن ابی بکر کی بہن اور اُن کے باپ امیر معاویہ کی بہن اور اور اُنکے باپ سے مرتبہ میں بڑھے ہوئے تھے .فقط.

جواب: رافضیوں کا یہ کہنا کہ سنیوں نے عائشہ کا نام تو ام المومنین رکھ لیا اور کسی بیوی کا نام ام المومنین نہیں رکھا ایسا صریح بہتان ہے کہ اس سے زیادہ صریح بہتان نہیں ہوسکتا. خدا معلوم جھوٹ اور ایسا سفید جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ ہے. ایسے ہی وہ قول ہے جیسا کہ رافضی کہتے ہیں کہ جب بعض نواصب سے حسین نے یہ کہا کیا تم مجھے نہیں جانتے کہ میں رسول اللہ کی صاحبزادی فاطمہؓ کا بیٹا ہوں تو انہوں نے قسم کھا کر یہ جواب دیا تھا کہ ہاں ہمیں اسکی خبر نہیں بھلا کون عقل کا دشمن یہ یقین کرسکتا ہے کہ کسی نے ایسا کہا ہو. کوئی شخص بھی خواہ وہ حضرت حسین کا دشمن ہی کیوں نہ ہو اس کے رشتہ کا انکار نہیں کرسکتا. نصیریہ فرقہ نے جو خود رافضیوں کی ایک شاخ ہے حسن اور حسین کو حضرت علی کی اولاد نہیں مانا بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ سلمان فارسی کے بیٹے تھے وہ یہ بھی رکھتے ہیں کہ ابوبکر وعمر حضور انور کے پاس مدفون نہیں ہیں اُن کا یہ بھی قول ہے کہ رقیہ اور ام کلثوم عثمان کی دونوں بیبیاں حضور انور کی صاحبزادیاں نہ تھیں بلکہ وہ دونوں خدیجہ کی لڑکیاں پہلے شوہر سے تھیں. غرض اس قسم کی افترا پردازیاں ناواجب اتہامات کس کس طرح اٹھانے گئے اور کیونکہ بے گناہوں کے سر چپک گئے ایسے ہی امام حسین کی شہادت کا واقعہ کس طرح بنالیا اور کیونکر اس کا رواج دیا گیا یہ ساری باتیں

نصیریہ فرقہ کی ایجاد ہیں. رافضیوں اور مسلمانوں پر تعجب آتا ہے کہ وہ نصیریہ فرقہ کی ایک من گھڑت بات یعنی امام حسین کی شہادت کو تو مان لیں اور باقی باتوں کا نفرت سے انکار کر دیں. حضور انور کی ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کو ام المومنین کہا جاتا ہے مثلاً عائشہ، حفصہ زینب بنت جحش. ام سلمہ، سودہ بنت زعہ، میمونہ بنت اکارث الھالہ، جویریہ بنت الکارث المصطفیہ صفیہ بنت حیی بن اخطب الھارونیہ، خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے النبی اولی بالمومنین وازواجه امها تهم یعنی نبی مسلمانوں کی نسبت انکی جانوں سے اولی ہیں اور اُن کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں. یہ بات ساری امت کو عام طور پر معلوم ہے کہ حضور انور کی وفات کے بعد ان ازاوج مطہرات سے نکاح حرام ہونے اور تحریم دونوں میں امہات المومنین ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نے پردہ کرنیکا حکم دیا چنانچہ فرماتا ہے یا ایها النبی لا زواجک وبناتک ونساء المومنین یدینین علیم من من جلابیبهم ذل ادنی ان یعرفن فلا یوذین یعنی اے نبی اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہدو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں اوڑھ لیں یہ اس بات سے زیادہ نزدیک ہے کہ پہچان لیجائیں تا کہ پھر اُنہیں تکلیف نہ دیجائے. اور فرمایا ہے واذ سالتمو هن متاعاً فاسئلون من وراء حجاب ذلکم اطهر لقو بکم وقلوبهن وما کان لکم ان تودو ارسول الله ولا ان تنکو ازواجه من بعده اباد ان ذلک کان عند الله عظیما. یعنی اور جب تم نبی کی بیوں سے کوئی چیز مانگو تو ان سے پردہ کی آڑ سے مانگو یہ تمہارے دلوں کے لئے اور ان کے دلوں کے لئے زیادہ پاک کرنے والا ہے اور تمہیں یہ سزا نہیں ہے کہ تم رسول اللہ کو تکلیف دو اور نہ یہ کہ تم اُن کی بی بیوں سے ان کے بعد کبھی نکاح کرو بے شک یہ اللہ کے نزدیک برا گناہ ہے. جب یہ ثابت ہو گیا کہ ازواج مطہرات ذی رحم محرم ہونے میں مسلمانوں کی مائیں نہیں ہیں بلکہ تحریم کے حکم میں بمنزلہ ماؤں کے ہیں یعنی اُن سے نکاح کرنا ایسا ہی حرام ہے جیسا اپنی ماں سے نکاح کرنا حرام ہے اس لحاظ سے ازواج مطہرات کے بھائیوں کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا انمیں سے کسی کو خال المومنین یعنی مسلمانوں کا ماموں کہا جائے یا نہیں بعض علماء اسے ناجائز نہیں سمجھتے۔ اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ امیر معاویہ کی اس حکم میں کچھ خصوصیات نہیں ہے بلکہ اس

میں صدیق اکبر کے دونوں صاحبزادے عبدالرحمٰن اور محمد اور فاروق اعظم کے تینوں صاحبزادے عبد اللہ عبید اللہ اور عاصم بھی داخل ہیں. اسی طرح جویریہ بنت حارث کا بھائی عمرو بن الحارث بن ضرار اور امیر معاویہ کے دو بھائیں عتبہ بن ابی سفیان اور یزید بن ابی سفیان بھی اس میں داخل ہیں بعض مسلمان علماء کا یہ قول ہے کہ ازواج مطہرات کے بھائیوں پر خال المومنین کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا اس لیے کہ پھر اُن کی بہنوں کو مسلمانوں کی خالا میں کہنا پڑے گا اس سے بمشکل پیدا ہوگی کہ مسلمان کو اپنی خالہ سے نکاح کرنا اور مسلمان عورت کو اپنے ماموں سے نکاح کرنا حرام ہوجائے گا حالانکہ نص اور اجماع دونوں سے ثابت ہوچکا ہے کہ مسلمان مردوں کو ازواج مطہرات کی بہنوں سے اور مسلمان عورتوں کو ازواج مطہرات کے بھائیوں سے نکاح کرلینا درست ہے جیسا کہ ام المومنین میومنہ بنت الحارت کی بہن ام الفضل سے حضرت عباس نے نکاح کیا اور ان سے عبداللہ اور فضل وغیرہ ان کی اولاد بھی ہوئی. اسی طرح ازواج مطہرات کے بھائیوں یعنی عبداللہ بن عمر، عبید اللہ امیر معاویہ، عبدالرحمان بن ابی بکر اور محمد بن ابی بکر نے مسلمان عورتوں سے نکاح کیئے گیئے گھے اگر یہ اُنکے ماموں ہوتے تو کیونکر اپنی بھانجیوں سے نکاح کرسکتے. اسی طرح ازواج مطہرات کی ماؤں کو کسی نے مسلمانوں کی نانیاں تسلیم نہیں کیا نہ اُن کے باپ کو مسلمانوں کے نانا کسی نے کہا کیونکہ امہات المومنین کے حق میں نسب کے سب احکام ثابت نہیں ہوتے فقط. احکام حرمت اور تحریم ثابت ہوئے ہیں. نسب کے احکام ہمیشہ مختلف ہوتے ہیں مثلاً رضاعت سے تحریم اور محرمیت ثابت ہوجاتی ہے اور نسب کے بتمامہ احکام اس سے بھی ثابت نہیں ہوتے کہ سب مسئلے متفق علیہ ہوں ج. جن علماء نے ازواج مطہرات کے بھائیوں میں سے ایک کو مسلمانوں کا ماموں کہدیا ہے اس سے کچھ نزاع پیدا نہیں ہوسکتا ان کا مقصود اس کہنے سے یہ ہے کہ جس شخص کو وہ ماموں قرار دیتے ہیں اُسکے یہ معنی ہیں کہ حضور انور سے اس کا ازار بندی رشتہ ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ حضور انور کا اور کسی سے یہ رشتہ نہ ہوا امیر معاوی چونکہ ایک مشہور ومعروف سپہ سالار، اور شام جیسے زرخیز صوبہ کے حکمران تھے لہٰذا خال المومنین کا لقب ان کے نام کے ساتھ زیادہ مشہور ہوگیا جس طرح کا لب وحی کا قلب ان کے نام کے ساتھ شہرت پکڑ گیا حالانکہ وحی کے کاتب تو اور بھی تھے. اس کے

علاوہ امیر معاویہ حضور انور کے ردیف بھی تھے حالانکہ حضور انور نے اوروں کو بھی اپنا ردیف مختلف اوقات میں بنایا ہے اصل مطلب یہ ہے کہ امیر معاویہ کو خال المومنین علماء کسی خصوصیت کی وجہ سے نہیں کہتے بلکہ معمولی طور پر حضور انور کا ایک تعلق ظاہر کرنے کے لیے کہہ دیتے ہیں جیسا کہ ایک صحابی کے فضائل میں وہ امورِ درکرتے ہیں جن میں اسکی کچھ خصوصیت نہیں ہوتی مثلاً حضرت علیؓ کے بارے میں حضور انور کا یہ ارشاد کہ میں ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جو اللہ سے اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتا ہے۔ اور اللہ اور اللہ کا رسول اُس سے محبت رکھتے ہیں. اور حضرت علیؓ کا یہ فرمانا کہ مجھ سے حضور انور نے یہ فرمایا تھا کہ تم سے اُسی کو محبت ہوگی جو مومن ہوگا اور تم سے اسی کو بغض ہوگا جو منافق ہوگا وغیرہ وغیرہ ان امور میں حضرت علی کو کچھ خصوصیت نہیں ہے اس میں اور لوگ بھی داخل ہیں مسلمانوں میں اِن فضائل کی روایتوں کو اِس لیے شہرت ہوگئی کہ خوارج مقابلہ میں حضرت علی کی نسبت کچھ طعن کیا کرتے تھے. خوارج وغیرہ کے اعتراضوں اور بدگوئیوں کو دفع کرنے کے لیے ایسی باتوں کو شہرت دی گئی. یہ لوگ علانیہ حضرت علی کو کافر اور ظالم کہتے ہیں. مسلمان ان کا منہ بند کرنے کے لیے حضرت علیؓ کے یہ مناقب اور فضائل بیان کردیتے تھے. اسی طرح امیر معاویہ کو سمجھنا چاہیے جن سے حضور انور کو ایک خاص تعلق تھا. پھر ایک زمانہ وہ آیا کہ امیر معاویہ کو بعض لوگوں نے کافر یا فاسق کہا یا ان پر لعنت ملامت کرنے کو حلال سمجھا لہذا مسلمان علماء نے ان کا منہ بند کرنے کے لیے امیر معاویہ کے مناقب بیان کئے اور حضور انور سے جو ان کا اتصال اور تعلق تھا اس کا کھلے الفاظ میں ذکر کیا تاکہ اسکے ذریعہ سے حضور انور کے متعلقین کے حق کی انکے مراتب کے اعتبار پر رعایت کی جائے۔ یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ اس بارے میں اگر کوئی اپنے اجتہاد سے کام لے اور اس اجتہاد میں غلطی ہوجائے تو یہ غلطی اُس غلطی سے بدرجہا بہتر ہے جو اُن سے بغض رکھنے میں اجتہاد کرے اور اس میں غلطی ہوجائے کیونکہ آدمیوں کے ساتھ احسان کرنا اُن کی خطاؤں سے درگزر کرنا اُن کی بُرائی کرنے اور اُن سے بدلہ لینے پر مقدم ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے ادروا الحد دوباج نفسھان یعنی شبہوں کی وجہ سے حدود کو قطع کر دیا کرو اور یہی بات ایک حاکم کے لیے بھی ہے کہ اگر وہ ایک مجرم کے بری کرنے میں غلطی کرے تو یہ غلطی اس غلطی سے بدرجہا بہتر ہے کہ سزا دینے

میں اس سے غلطی ہو جائے۔ سی علیٰ ہذا القیاس یہ بات مسلم ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے کو فقیر ظاہر کرے تو اسے صدقہ کے مال میں سے کچھ دے دیا جاوے جیسا کہ حضور انور سے دو تندرست اور قوی آدمیوں نے سوال کیا یعنی کچھ مانگا تو آپ نے انہیں صدقہ دے دیا مگر صدقہ دیتے وقت یہ فرمایا کہ ایسے مال میں دولتمند اور ہٹے کٹے لوگوں کا حصہ نہیں ہوتا وہی بات یہاں بھی سمجھنی چاہیے کہ دولت مند کو دے دینا فقیر کو محروم کر دینے سے بہتر ہے۔ اور بے گناہ کو سزا دینے سے مجرم کو معاف کر دینا بہتر ہی یعنی ایک شخص در حقیقت فقیر تھا اور تم نے اسے دولت مند سمجھ کے صدقہ سے محروم کر دیا ایک شخص واقع میں بے گناہ تھا اور تم نے اُسے گناہ گار سمجھ کے سزا دے دی تو اس سے یہ بدر جہا بہتر ہے کہ کوئی دولت مند ہوا اور تم اُسے فقیر سمجھ کے کچھ دے دیا اصل میں کوئی مجرم ہے اور تم اُسے بے گناہ سمجھ کے رہا کر دو۔ جب عام آدمیوں کے حق یہ حکم ہے تو صحابہ اس برتاؤ کے سب سے زیادہ حقدار ہیں اس لیے کہ مجتہد سے اس میں خطا ہو جانی کہ وہ اپنے اجتہاد سے لوگوں کے حق میں دعاے خیر کرے اُن کی تعریف کرے ان کی غلطیوں سے چشم پوشی کرے اس سے بدر جہا بہتر ہے کہ کوئی اپنے اجتہاد کی غلطی سے لوگوں پر لعنت وملامت اور طعن تشنیع کرنے لگے۔ صحابہ میں جو اختلاف ہوا ہے اس سے زیادہ سے زیادہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ وہ گنا ہو مگر گنا ہونکی مغفرت ہونے کے متعدد اسباب ہیں اور ان اسباب کے صحابہ ان لوگوں سے زیادہ مستحق ہیں جو اُن کے بعد ہوئے ہیں۔ مگر رافضی نہیں مانتے ان کے صغیرہ گناہوں پر علی الاعلان انہیں گالیاں دیتے ہیں اور اپنے معاونین۔ منافقین جیسے اسماعیلیہ اور نصیریہ وغیرہ کو اعلی درجہ کا پاکباز اور بے خطا سمجھتے ہیں۔ اب سمجھنا چاہیے کہ جو شخص مسلمانوں سے اُن کے معمولی گناہوں پر بھی مناقشات کرے اور کفار منافقین کے کفر و نفاق پر مناقشہ نہ کرے بلکہ اکثر اوقات ان کی تعریف اور تعظیم کرے تو اسکی یہ حالت اس امر کی دلیل ہے کہ یہ سب سے زیادہ ظالم اور جاہل ہے۔ اسکے علاوہ رافضیوں کے تناقض کی ایک اور صریح دلیل یہ ہے کہ رافضی امیر معاویہ اور محمد بن ابی بکر کا ذکر کر کے تو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ سنیوں یعنی مسلمانوں نے ان میں سے ایک ایک کو خال المومنین کہا مگر دوسرے کو نہ کہا اور ان لوگوں کا ذکر نہیں کرتے جو خال المومنین ہونے میں ان دونوں کے شریک اور دونوں سے افضل ہیں مثلاً فاروق اعظم کے

صاحبزادے عبداللہ وغیرہ۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مسلمان اس امر میں امیر معاویہ کی خصوصیات نہیں کرتے رافضی مقابلہ محمد بن ابی بکر کا ذکر کرتے ہیں حالانکہ محمد بن ابی بکر علم اور دینداری میں عبد اللہ ابن عمر کے پاسنگ بھی نہیں ہیں بلکہ اپنے بھائی عبدالرحمان کے مرتبہ کے بھی نہیں ہیں کیونکہ عبدالرحمان کو صحبت اور فضیلت دونوں حاصل ہیں۔ محمد بن ابی بکر حجتہ الوداع کے سال ذوالحلیفہ پیدا ہوئے تھے ان کی والدہ اسمابنت عمیس کو حضور انور نے یہ حکم دیا تھا کہ احرام کے لیے غسل کرلو اور وہ اُس وقت نفاس سے تھیں۔ پھر یہی سنت ہوگئی محمد بن ابی بکر نے حضور انور کی زندگی کا کل زمانہ اتنا دیکھا ہے کہ ذیقعدہ کے پانچ دن بھر ذی حجہ محرم، صفر، اور ربیع الاول کے کچھ دن یہ سب ملکر پورے چار مہینے بھی نہیں ہوتے۔ جب اُن کے والد صدیق اکبر کا انتقال ہوا تو اُن کی عمر تین برس کی بھی نہ تھی۔ نہ اُنہیں حضور انور کی اور نہ صدیق اکبر کی صحبت نصیب ہوئی۔ حضرت علی نے صدیق اکبر کی وفات کے بعد اُن کی بیوی یعنی محمد بن ابی بکر کی والدہ اسما سے نکاح کرلیا تھا اُنہوں نے وہیں پرورش پائی اور اسی لیے اُنہیں حضرت علی سے خصوصیات تھی اور یہ بات بھی پائیہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ محمد بن ابی بکر نے ایک ایسا فعل کیا تھا کہ جس سے شرعاً اُن پر حد لگائی جاتی چنانچہ حضرت عثمان نے شریعت کے قانون کے بموجب اُن پر حد لگادی اُس دن سے حضرت عثمان کی طرف سے اُن کے دل میں سخت غصہ پیدا ہوگیا۔ وہ موقع کی تاک میں لگے ہوئے تھے یہاں تک کہ مصری باغیوں نے مدینہ میں شور برپا کیا تو یہ بھی اُن میں مل گئے اور جس مکان میں اُنہیں قید کر رکھا تھا یہ اُس میں گھس گئے اور اندر جاکے اُس بوڑھے واجب التعظیم خلیفہ کی ڈاڑھی پکڑلی۔ حضرت عثمان خاموش بیٹھے رہے صرف اتنا فرمایا کہ جو ڈاڑھی تی رے ہاتھ میں ہے اُس ڈاڑھی کی تیرا باپ صدیق اکبر تعظیم کیا کرتا تھا۔ یہ سنتے ہی وہ پیچھے ہٹ گئے اور جس تلوار سے حضرت عثمان کی گردن اُتارنا چاہتے تھے وہ تلوار اُنہوں نے میاں میں دے لی۔ یہ ہمیشہ حضرت علی کے ساتھ رہے تھے حضرت علی نے اُنہیں مصر کا حاکم کردیا تھا مگر ان کی بہت سی ناروا باتوں سے مصری خوش نہیں تھے اُن ہی مصریوں نے جن کی مدد کے لیے یہ کھڑے ہوگئے تھے اور حضرت عثمان کو قتل کرنے کے لیے تیار تھے اُنہیں مار ڈالا اور اُن کی لاش کو گدھے کی کھال میں رکھ کے جلادیا۔ رافضی خواہ مخواہ ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں اور

اُن کی لاش کو گدھے کی کھال میں رکھ کے جلا دیا۔ رافضی خواہ مخواہ ان کی تعریف رطب اللسان ہیں اور اُن کی تعظیم و تکریم میں ایسا غلو کرتے ہیں کہ جسکی حد و پایان نہیں۔ تعریف کرنا صرف اس لئے ہے کہ اُنہوں نے حضرت عثمان پر خروج کیا اور فتنہ و فساد پھیلانے میں قدم آگے بڑھایا۔ اسی طرح اُن لوگوں کی تعریف میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں جنہوں نے حضرت علی کا ساتھ دیا تھا۔ یہ کھلم کھلا محمد بن ابی بکر کو صدیق اکبر اُن کے باپ سے بھی بڑھا دیتے ہیں صدیق اکبر وہ ہیں کہ جو حضور انور کے بعد ساری اُمت سے افضل ہیں تعجب ہے رافضی اُن کے اُس بیٹے کی تعریف کرتے ہیں کہ نہ اُسے حضور انور کی صحبت نصیب ہوئی نہ سابقیت اور فضیلت۔ اسکے علاوہ رافضی انساب کی تعظیم کرنے میں بھی تناقض پیدا کر دیتے ہیں۔ جب یہ امر مسلم ہے کہ کسی کے باپ کا کافر یا فاسق ہونا اُسے کچھ مضرت نہیں پہنچا سکتا تو پھر حضور انور اور حضرت ابراہیم علیہما السلام اور حضرت علی کے باپ کا کافر ہونا بھی انہیں کچھ مضر نہیں ہو سکتا اور اگر مضر ہوتا ہے تو پھر رافضیوں پر لازم آوے گا کہ یہ محمد بن ابی بکر کو بھی اُن کے باپ کی وجہ سے خوب گالیاں دیں حالانکہ اس کی یہ تعظیم کرتے ہیں اور پھر لطف دیکھئے کہ محمد بن ابی بکر کے بیٹے قسام اور اُنکے پوتے عبدالرحمٰن بن قاسم جو مسلمان کے نزدیک محمد بن ابی بکر سے بدرجہا بہتر ہیں مگر رافضی ان دنوں کو اچھا نہیں سمجھتے۔ محض اس لیے یہ دونوں فتنہ و فساد سے بالکل الگ تھلگ رہے۔ رافضی محمد بن ابی کو جلیل القدر کہتے ہیں اگر ان کا اس سے یہ مقصود ہے کہ وہ نسب کی رو سے جلیل القدر تھے تو نسب میں اُن کے نزدیک اُن کی کوئی عزت نہیں ہونی چاہیے کیونکہ یہ اُن کے باپ اور بہن کو علی الاعلان گالیاں دیتے ہیں۔ اب رہے مسلمان اُن کے ہاں نسب کی وجہ سے نہیں بلکہ تقوے کی وجہ سے تعظیم ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اور اگر اُن کے جلیل القدر ہونے سے اُن کی سابقیت۔ ہجرت، جہاد اور نصرت مراد ہے تو محمد بن ابی بکر نہ صحابہ میں سے تھے نہ مہاجرین میں سے نہ انصار میں سے۔ اور اگر جلیل القدر ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ بڑے معظم اور دینداروں میں سے تھے تو بھی غلط ہے کیونکہ یہ اپنے طبقہ کے مشہور علماء و صالحین میں سے نہیں گنے جاتے تھے۔ اور اگر جلیل القدر اُنہیں اسلیے کہا جاتا ہے کہ وہ مصر کے گورنر اور صاحب ریاست تھے تو اُن کے مقابلہ میں حضرت معاویہ اُن سے کہیں زیادہ

بڑھے ہوئے تھے. بلکہ حضرت معاویہ اُن سے علم، دینداری، بردباری، خوش اخلاقی اور خوش انتظامی میں کہیں زیادہ تھے. حضرت معاویہ نے حدیثیں روایت کی ہیں. فقہ میں بھی بحث کی ہے. اُن کی حدیثوں کو محدثین نے صحاح اور مسانید وغیرہ میں روایت کیا ہے محققین علماء نے اُن کے فتوے اور فیصلے بھی نقل کیے ہیں باقی محمد بن ابی بکر کا حدیث اور فقہ کی معتمد کتابوں میں کہیں بھی کچھ ذکر نہیں پھر رافضیوں کا یہ کہنا محمد بن ابی بکر کی بہن اور ان کے باپ معاویہ کی بہن اور اُن کے باپ سے مرتبہ میں بدرجہا بڑھے ہوئے تھے قابل بحث امر ہے یہ بات سمجھنی چاہیے کہ یہ حجت دونوں پہلوؤں پر باطل ہے اسکی تفصیل یہ ہے کہ مسلمان تو ہر شخص کو اسکی ذاتی فضیلت کی وجہ سے فضیلت دیتے ہیں اسلیے محمد بن ابی بکر کی صدیق اکبر اور عائشہ صدیقہ سے قرابت ہونی اُنہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتی اور نہ امیر معاویہ میں اس سے کچھ نقص آسکتا ہے کہ محمد بن ابی بکر کو اُن سے نسب میں افضل مانا جائے یہ قاعدہ مسلمانوں میں مشہور و معروف ہے جیسا کہ مہاجرین اور انصار میں سے وہ سابقین اولین جنھوں نے مکہ فتح ہونے سے پہلے اپنی جان و مال سے جہاد کیا تھا. مثلاً بلال صہیب خباب وغیرہ انہیں اُن طلقا کا (وہ لوگ جو مکہ فتح ہونے کے بعد مسلمان ہوئے تھے اور انہیں امان دیدگئی تھی) اُن سے نسب میں افضل ہونا مضر نہیں ہوسکتا جو اس جہاد میں اُن سے موخر ہیں جیسے ابوسفیان بن حرب. اُن کے دونوں بیٹے معاویہ اور یزید. ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب اور عقیل بن ابوطالب وغیرہ. یہ لوگ بنی عبد مناف کے ہیں جو قریش میں سب سے زیادہ واجب التعظیم خاندان تھا اور بلال وغیرہ ایسے شریف النسب نہیں ہیں لیکن انہیں فضیلت اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے عطا کی کہ اُنہوں نے مکہ فتح ہونے سے پہلے جہاد کیا تھا اور پھر جو لوگ اُن کے بعد ہوئے ہیں انہیں اُن پر فضیلت ہونی لازمی ہے. رافضی بھی عجب عقل کے پتلے ہیں کیونکہ اگر یہ نسب کا اعتبار کریں تو اُن پر یہ لازم آتا ہے کہ محمد بن ابی بکر کو سب میں سب سے گھٹا ہوا سمجھیں اسلیے کہ یہ اُن کے باپ اور بہن کو علی الاعلان بُرا کہتے ہیں اس قاعدہ کے مطابق اس رشتہ کی وجہ سے انہیں فضیلت دینی کسی طرح بھی جائز نہیں ہے اور اگر یہ مسلمانوں کو الزام دینے کے طریق پر ذکر کرتے ہیں تو مسلمانوں کے نزدیک وہی افضل ہے جو متقی و پرہیزگار ہے.

امیر معاویہ کے مطاعن: رافضیوں کا طعنہ رافضی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے معاویہ طلیق بن طلیق لعین بن لعین پر لعنت کی تھی اور یہ فرمایا تھا کہ میرے منبر پر جب تم معاویہ کو دیکھو تو فوراً قتل کر دو یہ معاویہ مؤلفۃ القلوب میں سے تھا اس نے علی سے جنگ کی حالانکہ علی سنیوں یعنی مسلمانوں کے نزدیک بھی چوتھے خلیفہ اور امام حق ہیں. جو کوئی امام حق سے جنگ کرے وہ باغی اور ظالم ہوتا ہے چونکہ محمد بن ابی بکر کو حضرت علی سے محبت تھی اور وہ اپنے باپ سے ناراض تھے اور جناب امیر کی وجہ سے معاویہ سے بغض رکھتے تھے اور اسکے مخالف تھے کیونکہ معاویہ کو جناب امیر سے بغض تھا مگر سنیوں نے معاویہ کا نام کاتب وحی رکھ دیا حالانکہ معاویہ نے ایک لفظ بھی وحی کا نہیں لکھا وہ فقط اپنے رسالے لکھا کرتا تھا. رسول اللہ ﷺ کے پاس چودہ آدمی جو وحی لکھا کرتے تھے اُن میں سب سے اعلی درجہ کے خاص مقرب کاتب جناب علی ابن ابی طالب تھے باوجودیکہ معاویہ نبی ﷺ کی مدت حیات میں مشرک رہا ہمیشہ وحی کو جھٹلاتا اور شریعت کا مضحکہ اڑاتا رہا لیکن سُنیوں نے اس کی ان باتوں کا ذرا بھی خیال نہیں کیا۔ فقط رافضیوں کا طعنہ ختم ہو گیا۔

جواب: یہ جو رافضی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے معاویہ پر لعنت کی تھی اور یہ فرمایا تھا کہ جب کوئی انہیں منبر پر دیکھے تو قتل کر دے اس روایت کا حدیث کی اُن کتابوں میں جو علم نقل میں مرجع سمجھی جاتی ہیں کہیں بھی پتہ نہیں ہے. محدثین کے نزدیک یہ بالکل من گھڑت کہانی، سفید، جھوٹ اور حضور انور رسول اللہ ﷺ پر نرا بہتان ہے. اس روایت کا راوی صرف شیخ حلی ہے مگر اُس نے اپنی کتاب مہناج الکرامہ میں کہیں بھی اسکی اسناد ذکر نہیں کی کہ اس پر غور کی جاتی ہاں ابوالفرح ابن جوزی نے یہ حدیث موضوعات میں ذکر کی ہے اسکے جھوٹ ہونے کی ایک صریح دلیل تو یہ ہے کہ حضور انور کے منبر پر امیر معاویہ کے بعد بہت سے آدمی کھڑے ہوئے ہیں پس اگر امیر معاویہ کو محض منبر پر چڑھنے کی وجہ سے قتل کرنا واجب تھا تو پھر اُن سب کو بھی قتل کرنا واجب ہوگا حالانکہ دین اسلام جو علی التواتر معلوم ہوا ہے یہ بات اسکے بالکل خلاف ہے منبر پر چڑھنا کسی مسلمان کے خون کرنے کو مباح نہیں کر سکتا اور اگر امیر معاویہ کو قتل کر دینے کا حکم اس وجہ سے ہوا تھا کہ یہ خلیفہ ہو گئے تھے اور اس قابل نہ

تھے تو پھر اس حکم کے موافق ان سب کو قتل کرنا واجب ہوگا جو امیر معاویہ کے بعد خلیفہ ہوئے تھے اور معاویہ ان سے یقیناً افضل تھے. حالانکہ یہ بات بھی متواتر حدیثوں کے بالکل خلاف ہے جو حضور انور سے مروی ہیں. یعنی آپ نے حاکموں سے لڑنے اور اُن سے قتال کرنے سے سختی کے ساتھ منع فرمادیا تھا. اسکے علاوہ ساری اُمت اس پر متفق ہے کہ حاکم کو قتل نہیں کرنا نہیں چاہیے اسلیے کبھی اس امت نے اپنے حاکم کو قتل نہیں کیا نہ اُس کے قتل کرنے کو حلال سمجھا. حاکم کے قتل کرنے سے فساد و خونریزی کا ہونا لازمی ہے اور یہ فساد و خونریزی ہر ظالم حاکم کے ہونے سے بدرجہا زیادہ ہے. پھر بھلا حضور انور ایسے کام کرنے کا کس طرح حکم دیتے جسکے کرنے میں نہ کرنے سے زیادہ فساد لازم آتا ہو. باقی رافضیوں کا امیر معاویہ کو طلیق بن طلیق کہنا اُن کی فضیلت میں کچھ قدح نہیں کرتا کیونکہ طلقا تو انہیں مسلمانوں کو کہتے ہیں جو فتح مکہ کے سال مسلمان ہوئے تھے اور حضور انور نے انہیں آزاد کر دیا تھا اور یہ تقریباً دو ہزار آدمی تھے. ان میں بعض ایسے ہیں جو خیار مسلمین یعنی بہترین مسلمانوں میں شمار ہوتے ہیں جیسے حارث بن ہشام سہل بن عمرو، صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل، یزید بن ابی سفیان، حکیم بن حزام اور حضور انور کا چچا زاد بھائی ابوسفیان بن حارث (جو مسلمان ہونے سے پہلے حضور انور کی ہجو کیا کرتا تھا لیکن آخر میں بڑا پکا مسلمان ہوگیا تھا) اور عتاب بن اسید جسے حضور انور نے مکہ فتح کرنے کے بعد مکہ کا حاکم بنا دیا تھا. ان کے علاوہ اور بھی ایسے مسلمان ہیں جنکا اسلام قابل تحسین ہے اور امیر معاویہ کے اسلام کے عمدہ ہونے پر تو تمام علماء کا اتفاق ہے اسی وجہ سے فاروق اعظم نے اُن کے بھائی یزید بن ابی سفیان کے انتقال کے بعد اُن کی جگہ امیر معاویہ کو ملک شام کا حاکم کر دیا تھا. اور یہ اُن افسروں میں سے تھے جنہیں صدیق اکبر اور فاروق اعظم نے ملک شام فتح کرنے کیلئے بھیجا تھا. یعنی یزید بن ابی سفیان، شرجیل بن حسنہ، عمرو بن العاص، ابوعبیدہ بن جراح، خالد بن ولید، امیر معاویہ کو خاص فاروق اعظم نے مقرر کیا تھا. فاروق اعظم کو احکام الٰہی بجالانے میں کسی ملامت وغیرہ کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی تھی نہ آپ عہدوں کے دینے میں کسی کی کچھ رعایت کرتے تھے نہ آپ اُن لوگوں میں سے تھے جنہیں امیر معاویہ کے باپ ابوسفیان سے محبت ہو بلکہ اُن کے مسلمان ہونے سے پہلے فاروق اعظم ہی کو اُن کے ساتھ

سب سے زیادہ عداوت اور مخالفت تھی. یہاں تک کہ جب فتح مکہ کے دن عباس اُنہیں پکڑ کر لائے ہیں تو اُن کے قتل کر دینے کے سب سے زیادہ مشتاق فاروق اعظم ہی تھے اور اسی معاملہ میں فاروق اعظم اور عباس کا آپس میں جھگڑا بھی ہو گیا. اس سے صاف ظاہر ہے کہ ابوسفیان کے بیٹے کو فاروق اعظم کا حاکم مقرر کرنا کسی دنیاوی غرض کے لیے ہرگز نہیں تھا. اگر ان میں حاکم ہونے کی قابلیت اور استحقاق نہ ہوتا تو فاروق اعظم اُنکو ہرگز حاکم مقرر نہ کرتے. اسکے علاوہ امیر معاویہ بیس برس حاکم اور خلیفہ رہے ان کی رعیت کو جیسی اُن سے محبت تھی اور اُن کا لشکر جیسا اُن کا جان نثار تھا. اُس کی نظیر اُن کے بعد یا اُنکے وقت میں ملنی مشکل ہے یہاں تک کہ جیسا کہ نہج البلاغہ میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت علیؓ یہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر امیر معاویہ اپنے ایک سپاہی کے عوض میں مجھ سے بیس سپاہی لے لیں تو میں دینے کے لیے تیار ہوں. اسمیں کلام نہیں کہ حضرت علیؓ اُن سے افضل بھی تھے اور اُن کا مرتبہ بھی عالی تھا اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت علیؓ کا حق امیر معاویہ سے زیادہ تھا خود امیر معاویہ کا لشکر بھی اِس بات کو مانتا تھا کہ امیر معاویہ سے حضرت علیؓ افضل بھی ہیں اور حق پر ہیں. یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ امیر معاویہ نے کبھی نہ تو اپنے کو امیر المومنین کہا نہ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں خلیفہ ہونے کا دعویٰ کیا امیر معاویہ کی فوج صاف صاف یہ کہتی تھی کہ ہم حضرت علیؓ سے تمھارے جھنڈے کے نیچے کس طرح جنگ کر سکتے ہیں۔ جبکہ وہ تم سے افضل ہیں سابقین اولین میں سے ہیں حضور انور کے داماد ہیں. غرض اُنہیں تم پر ہر طرح فضیلت حاصل ہے حضرت معاویہ بھی اس سے انکار نہیں کرتے تھے مگر حضرت علیؓ کے لشکر میں ایسے ہزاروں آدمی موجود تھے جن سے خود حضرت علی بھی سخت پریشان ہو گئے تھے جو جا و بیجا ظلم کرتے تھے، اور جس طرح اُن لشکریوں نے حضرت عثمان پر ظلم توڑے تھے. اسی طرح حضرت معاویہ کی فوج کے اُن لوگوں پر جو اُن کے ہتھے چڑھ جاتے تھے اس قدر شدائد توڑتے تھے. وہ اکثر اوقات ان شدائد سے جابر نہ ہو سکتے تھے۔ ایک آدھ دفعہ اگر فوجوں میں کچھ چھینا جھپٹی ہوئی تو وہ صرف مدافعت کے طریق سے تھی نہ کوئی باقاعدہ جنگ یا حملہ کے طریق سے اشتر نخعی نے صاف طور پر اس بات کو حضرت علی سے کہا کہ حضرت معاویہ کی فوج حملہ تو کیسے، مدافعت کے لیے بھی تلوار ہاتھ میں نہ اُٹھاتی اگر ہماری طرف سے اُن پر شدائد نہ ٹوٹتے حضرت علیؓ

پر اس کا کچھ حرف نہیں آ سکتا وہ خود اُن لوگوں سے مجبور تھے جو ظلم کر رہے تھے اور ساتھ ہی آپ کے حکم سے سرتابی بھی وہ بڑی دلیری سے کرتے تھے جس کا ذکر نہج البلاغت میں بالتفصیل موجود ہے.
ان مظالم کی جن کی بعض آدمیوں نے حضرت علیؓ پر تہمت لگائی ان کی ہم ہرگز تائید نہیں کرتے.
حضرت علیؓ مجبور تھے اور ایسے مظالم کا اشارہ بھی ان کی طرف ہونا بالکل لایعنی ہے. جب یہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تو امیر معاویہ کے لشکر نے علی الاعلان یہ کہا کہ ہم تو اسی سے بیعت کرینگے جو ہم میں انصاف کرے ہم پر ظلم نہ کرے ہم علیؓ سے کیونکر بیعت کریں جبکہ ان کا لشکر ہم پر برابر ظلم کر رہا ہے اور قابو پا کر اور بھی زیادہ ظلم کرے گا جیسا اس نے عثمان پر ظلم کیا علی یا تو ہم میں انصاف کرنے سے عاجز ہیں یا جان بوجھ کر نہیں کرتے لہٰذا جو انصاف کرنے سے عاجز ہو یا عمداً کرتا ہی نہ ہو اس سے بیعت کرنا ضرور نہیں ہے. اب شیعی علماء کا یہ کہنا کہ معاویہ مؤلفتہ القلوب میں سے تھے اسکے معنی سمجھ میں نہیں آئے کہ یہ کونسا عیب تھا ہم اسے مانتے ہیں کہ وہ ایسے ہی تھے اور اکثر طلقا بلکہ سارے ہی طلقا مؤلفتہ القلوب تھے مثلاً حارث بن ہشام اور ان کا بھتیجہ عکرمہ بن ابی جہل سہیل بن عمرو صفوان بن امیہ، حکیم بن حزام. ان کی نسبت سب کا اتفاق ہے کہ یہ بہترین مسلمانوں میں سے ہیں. اور مؤلفتہ القلوب میں اکثروں کا اسلام اچھا ہی ہوا ان میں بعض آدمی بیشک ایسے ہیں کہ صبح کو تو دنیا کے لالچ پر مسلمان ہوئے اور شام ہونے نہ پائی تھی کہ اسلام انہیں تمام دُنیا سے زیادہ محبوب ہو گیا.
مختلف لڑائیوں کی جو کہانیاں حضرت معاویہ اور حضرت علی کی بیان کی جاتی ہیں اس سے ہم صاف انکار کرتے ہیں. معمولی چھینا جھپٹی یا معمولی مدافعت کو ہم باقاعدہ جنگ قرار نہیں دیتے اس لحاظ سے یہ کہنا کہ مسلمانوں کے نزدیک جبکہ حضرت علیؓ چوتھے خلیفہ اور امام حق ہیں تو معاویہ باغی اور ظالم ہوئے. اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات کسی تاویل کی وجہ سے باغی کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ میں حق پر ہوں اور کبھی قصداً وہ بغاوت کرتا ہے اور یہ دل میں سمجھتا ہے کہ میں باغی ہوں اور کبھی بغاوت کسی شک شبہ یا خواہش کے باعث سے بھی ہوتی ہے اور اکثر باغی اس قسم کے ہوتے ہیں. ان تینوں صورتوں میں مسلمانوں کے مذہب میں کوئی برائی نہیں نکل سکتی اس لیے کہ مسلمان امیر معاویہ کو یا ایسے شخص کو جو اُن سے بھی افضل ہو گناہوں سے منزہ نہیں سمجھتا چہ جائیکہ اجتہاد میں غلطی ہونے سے

منزہ کہیں بلکہ ان کا تو صاف قول یہ ہے کہ گناہوں کے لئے بہت اسباب مثلاً توبہ، استغفار، حسنات ماحیہ، مصائب، مکفرہ وغیرہ ایسے ہیں جو اُن کی سزا کو بالکل رفع کرتے ہیں اور یہ حکم صحابہ وغیرہ سب کو شامل ہے مسعود بن مخزمہ کی ایک حکایت مشہور اور یہ مسور ہیں جو طبقہ ثانیہ کے صحابہ ہیں بہترین لوگوں میں سے ہیں جب یہ امیر معاویہ کے پاس پہنچے اور تخلیہ میں اُن سے ملاقات کی تو امیر معاویہ نے اُن سے کہا کہ جن خطاؤں کی وجہ سے تم مجھے بُرا کہتے ہو وہ سب میرے روبرو بیان کرو مسور نے نہایت آزادی سے ان کی ساری خطائیں بیان کردیں امیر معاویہ نے کہا کہ خیر جو خطائیں تم بیان کرتے ہو ممکن ہے کہ یہ سب صحیح ہوں لیکن میں تم سے یہ سوال کرتا ہوں کہ تم سے بھی گناہ ہوتے ہیں یا نہیں؟ اُنہوں نے کہا ہاں ہوتے ہیں. پھر امیر معاویہ نے کہا کیا تمہیں یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن گناہوں کی مغفرت کردیگا مسور نے کہا ہاں مجھے اُمید ہے پھر معاویہ نے یہ کہا کہ اب بتاؤ کہ تمہیں اللہ کی رحمت کا مجھ سے زیادہ امیدوار کس چیز نے کردیا میں خدا کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ جب مجھے اللہ کے اور غیر اللہ کے درمیان میں اختیار دیا گیا تو میں نے اللہ ہی کو اختیار کیا. اللہ کی قسم میں نے جہاد کرنے، حدود قائم کرنے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے میں کبھی دریغ نہیں کی حالانکہ یہ امور تمہارے عمل سے افضل ہیں اور میں اس دین پر ہوں کہ اُس دین والوں کی نیکیاں مقبول ہوتی ہیں اور ان کے گناہوں سے درگزر کی جاتی ہے تو بھی اللہ کی رحمت اور مغفرت کے مجھ سے زیادہ تم امیدوار ہو مسور کہتے ہیں کہ مجھ سے امیر معاویہ کی ان باتوں کا جواب مطلق نہیں دیا گیا اور میں خاموش ہو رہا۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ مسلمانوں کی اصل تو بالکل مستقیم اور اس بارے میں کل جزئیات کو شامل ہے لیکن شیعی علماء کے اقوال میں شرعی تناقض کا ہونا بدیہات سے ہے جسکی تفصیل یہ ہے مثلاً خوارج وغیرہ میں سے وہ نواصب جو حضرت علی کو کافر یا فاسق سمجھتے ہیں یا بعض معتزلہ مروانی خلفاء کے انصاف کرنے میں شک کرتے ہیں اگر وہ یہ کہیں کہ علی کے مسلمان ہونے امام ہونے اور عادل ہونیکی تمہارے پاس کیا دلیل ہے تو ہماری خیال میں شیعہ اسکی ایک حجت بھی پیش نہ کرسکیں گے کیونکہ اگر وہ یہ حجت پیش کریں کہ اُنکا اسلام اور اُنکی عبادت تواتر سے ثابت ہے تو خوارج یہ جواب

دیں گے کہ صحابہ تابعین خلفاء ثلاثہ، خلفاء بنی امیہ مثلاً امیر معاویہ یزید عبدالملک وغیرہ کا اسلام اور اُنکی عبادت بھی ایسی ہی تواتر سے ثابت ہے حالانکہ تم یعنی شیعہ اُن کے ایمان واسلام میں قدح کرتے ہو لہذا علی وغیرہ کے ایمان وااسلام میں ہمارا قدح کرنا تمہارے ان حضرات کے ایمان میں قدح کرنے سے بڑھ کرنہیں ہے۔ بلکہ جن میں تم قدح کرتے ہو وہ اُنسے بدرجہ اولی افضل ہیں جن میں ہم قدح کرتے ہیں۔ اور اگر شیعہ اس ثناومدح سے حجت کریں جو قرآن شریف میں ہے تو خوارج یہ کہیں گے کہ قرآن شریف کی آیتیں تو عام ہیں جنکا اطلاق جیسا حضرت علی پر ہوتا ہے ایسا ہی صدیق اکبر فاروق اعظم اور عثمان غنی پر بھی ہوتا ہے۔ حالانکہ شیعوں نے اُن کو اس مدح وثنا سے خارج کر دیا ہے تو بقول خوارج ان کا علی کو خارج کر دینا بہت ہی سہل ہے اور اگر شیعہ یہ کہیں کہ حضرت علی کے فضائل حضور انور سے مروی ہیں تو خوارج یہ جواب دینگے کہ ان فضائل کو انہیں صحابہ نے روایت کیا ہے جنہوں نے خلفائے ثلاثہ کے فضائل کو بھی روایت کیا ہے۔ اگر یہ راوی عادل ہیں تو سارے ہی فضائل تسلیم کرنے پڑینگے اور اگر وہ راوی فاسق ہیں تو فاسق کی نسبت تو اللہ یہ فیصلہ کر چکا ہے اِنْ جَاءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاءٍ فَتَبَیَّنُوْا۔ گواہوں کی نسبت کسی کو یہ کہنا جائز نہیں کہ اگر وہ میرے موافق گواہی دیں تو عادل ہیں اور اگر میرے خلاف گواہی دیں تو فاسق ہیں۔ اسی طرح اگر میرے دوست کی گواہی دیں تو عادل ہیں اور اگر میرے دشمن کی گواہی دیں تو فاسق ہیں۔ باقی رہی حضرت علی کی امامت تو اس میں بھی خوارج اور اُن کے سوا اور لوگ بھی شیعوں سے نزاع کر سکتے ہیں اُن کے جواب میں اگر شیعہ اس نص سے حجت کریں جسکے وہ مدعی ہیں تو اُن لوگوں کا اُن نصوص سے حجت کرنا جن سے وہ ابوبکر صدیق بلکہ حضرت عباس کے لیے امام ہونے کو ثابت کرتے ہیں شیعوں کی حجت کے معارض ہو جائے گا اور کسی محدث کو اسمیں شک کرنیکی گنجائش نہ ہوگی کیونکہ تسلیم و تصدیق کرنے کے زیادہ لائق ان ہی کی حجت ہے اور اسی وجہ سے اس حجت کی تصدیق پر بہت سی ایسی دلیلوں سے استدلال کرتے ہیں جنہیں علمائے حدیث کے علاوہ معمولی آدمی بھی جانتے ہوں اور اگر شیعہ یہ کہیں کہ حضرت علیؓ سے لوگوں نے بیعت کر لی تھی تو مقابل میں وہ لوگ یہ کہیں گے کہ جتنے آدمی ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کی بیعت پر جمع ہوئے تھے وہ علی کی بیعت پر جمع ہونے سے

بدرجہا زیادہ تھے اور پھر غضب یہ ہے کہ شیعہ ایسی بیعت میں بھی قدح کرتے ہیں تو اب حضرت علی کی بیعت میں قدح کرنا تو بہت سہل ہے. اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ حضرت علی کی امامت پر شیعہ نہ نص سے حجت کرسکتے ہیں نہ اجماع سے کیونکہ ان لوگوں کے پاس جو نص واجماع ہے وہ شیعوں کی حجت سے بدرجہا قوی ہے لہٰذا اے شیعو اسکی خلافت کا ثبوت جسکی خلافت میں تم قدح کرتے ہو اسکی خلافت کے ثبوت سے زیادہ ہوگا جسکی خلافت تم ثابت کرتے ہو مسلمانوں پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ تو سب ہی خلفاء کی خلافت کو ثابت کرتے اور اس پر ایسی نصوص سے استدلال کرتے ہیں جو اس پر صریح دال ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خلافت اہل شوکت کے بیعت کر لینے کی وجہ سے منعقد ہوئی تھی اگرچہ اہل شوکت نے حضرت علی سے بھی بیعت کی تھی مگر آپ پر ایسا اتفاق نہیں ہوا جیسا پہلے خلفاء پر ہوگیا تھا اس میں شک نہیں کہ اہل شوکت کے بیعت کر لینے کے بعد اُن میں قوت اور حکومت ہوگئی تھی اور نص سے یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ اُن کی خلافت نبوت کی خلافت تھی. ہاں جو لوگ اُن کی بیعت سے رہ گئے تھے ان کی بیعت نہ کرنیکا عذر ان لوگوں کے عذر سے زیادہ صریح نہیں ہے جو صدیق اکبر کی خلافت سے رہ گئے تھے جیسے سعد بن عبادہ وغیرہ اگرچہ سعد کے سوا اوروں نے اسی وقت بیعت کر لی تھی باقی حضرت علی وغیرہ کے صدیق اکبر بیعت کر لینے میں کسی اختلاف نہیں ہوا. ہاں بعض کمزور آوازیں ایسی موجود ہیں جن سے یہ پایا جاہے کہ حضرت علیؓ نے چھ مہینہ کے بعد بیعت کی تھی. باقی رافضی علماء کا یہ کہنا کہ محمد بن ابی بکر کو حضرت علی سے محبت تھی اور وہ اپنے باپ سے ناراض تھے محض غلط بالکل غلط اور سراپا جھوٹ ہے، ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ جس وقت حضرت صدیق اکبر کا انتقال ہوا ہے اسوقت محمد بن ابی بکر کی عمر تین برس کی بھی نہ تھی جب یہ صاحبزادے بڑے ہوئے تو اپنے باپ کا نام اُسی تعظیم وتکریم سے ملتے تھے جیسے سعادت مند فرزند لیا کرتے ہیں یہی وجہ تھی کہ انہیں شریف کہتے تھے اور لوگوں کے دلوں میں انکی عزت بھی تھی کسی مستند روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ محمد بن ابی بکر نے اپنے والا شان باپ کی ذات میں کچھ قدح کی یا اُن کے کسی کام پر کوئی اعتراض کیا. پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں رافضی اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ محمد بن ابی بکر اپنے والد سے ناراض تھے. اب رہی یہ بات کہ کل مسلمان

امیر معاویہ کو خال المومنین کہتے ہیں اور محمد بن ابی بکر کو نہیں کہتے اس کا سبب رافضی یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ محمد بن ابی بکر حضرت علی سے محبت رکھتے تھے اور معاویہ سے بغض اسی جلن کے مارے سنیوں نے انہیں معاویہ کے مقابلہ میں خال المؤمنین نہیں کہا اس کا جواب یہ ہے کہ خال المؤمنین کہنے کی جو وجہ رافضیوں نے بیان کی ہے یہ محض غلط اور سراسر دھوکہ ہے کیونکہ اس سبقت کے مستحق امیر معاویہ اور محمد بن ابی بکر دونوں سے عبداللہ بن عمر زیادہ ہیں وہ امیر معاویہ اور حضرت علی کے جھگڑے میں ایک کے بھی ساتھ نہیں ہوئے تو بھی حضرت علی کی بہت تعظیم کرتے تھے اُن سے انہیں بہت محبت تھی. اُن کے فضائل اور مناقب برابر ذکر کیا کرتے تھے ہاں جب اُنہوں نے یہ دیکھا کہ امیر معاویہ کی بیعت پر سب کا اتفاق ہو گیا ہے تو انہوں نے بھی بیعت کر لی کون نہیں جانتا اور اس سے انکار کرنے کا کسے زہرہ ہے کہ اُن کی بہن امیر معاویہ کی بہن سے اور اُن کے والد امیر معاویہ کے والد سے بدرجہا افضل تھے اور مسلمانوں کے دلوں میں بھی اُن کی تعظیم وتوقیر اور محبت معاویہ اور محمد بن ابی بکر دونوں سے زیادہ تھی باوجود اس کے کبھی انہیں خال المومنین کہہ کے نہیں پکارا گیا اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ اس کا یہ سبب نہیں ہے جو رافضی بیان کرتے ہیں دوسرے یہ کہ اہل سنت والجماعت کو ان لوگوں سے زیادہ محبت ہے جنہوں نے حضرت علی کے مقابلہ میں تلوار نہیں اٹھائی اور اُنہیں کو فضیلت بھی دیتے ہیں جیسے سعد بن ابی وقاص۔ اسامہ بن زید محمد بن سلمہ عبداللہ بن عمر. حضرت علی کی موالا اور محبت کے واجب ہو پر سب اہل سنت متفق ہیں خوارج جو حضرت علی کو کافر وظالم کہتے ہیں اُن کا دندان شکن جواب ہمیشہ اہل سنت ہی نے دیا ہے۔ اسکے مقابلہ میں رافضی علماء کبھی حضرت علی کی موالا کے واجب ہونے کو ثابت نہیں کر سکتے سُنیوں کا تو یہاں تک اتفاق ہے کہ خوارج سے اگر قوت ہو تو قتال کیا جائے پھر یہ کیونکہ سمجھ میں آ سکتا ہے کہ امیر معاویہ کی تعریف حضرت علی سے بغض ہونے کی وجہ سے کی جاتی ہے اور محمد بن ابی بکر کو اسلئے وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا کہ وہ حضرت علی سے محبت رکھتے تھے. ایک یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ سُنیوں میں نہ کوئی علیؓ سے بغض رکھنے کو طاعت سمجھتا ہے نہ اُسے نیکی قرار دیتا ہے نہ کوئی اُس کے کرنے کو کہتا ہے نہ اُن سے محبت رکھنے کو گناہ قرار دیتا ہے نہ اسے معصیت سمجھتا ہے اور نہ کوئی اس سے کسی کو منع کرتا ہے کہ تم علی سے محبت نہ رکھو.

سُنیوں کے تمام فرقوں کی کتابیں حضرت علیؓ کے فضائل و مناقب سے بھری ہوئی ہیں. اسی طرح خوارج کی برائیوں سے جو حضرت علی کو ظالم و کافر کہتے ہیں اُنکی کتابیں لبریز ہیں. رافضیوں کا یہ اعتراض کہ معاویہ کاتب وحی نہ تھے یہاں تک کہ انہوں نے ایک لفظ بھی کبھی وحی کا نہیں لکھا اور سنیوں نے انہیں کاتب وحی قرار دیا بالکل بے بنیاد ہے. اسکی کوئی حجت اور دلیل دیکھنے میں نہیں آئی کہ امیر معاویہ نے کبھی کوئی لفظ وحی کا نہیں لکھا خالی دعوی کر دینے سے کسی بات کا انقطاعی فیصلہ نہیں ہوسکتا. پھر یہ کہنا کاتب وحی چودہ آدمی تھے اور اُن سب میں حضور انور کے خاص مقرب حضرت علی تھے صریح مبالغہ ہے. یہ صحیح ہے کہ حضرت علی بھی کاتب وحی تھے چنانچہ حدیبیہ کے سال مشرکین اور پیغمبر خدا میں صلح ہو جانے پر جو معاہدہ ہوا تھا وہ حضرت علی ہی نے لکھا جس طرح حضرت علی کاتب تھے اسی طرح صدیق اکبر فاروق اعظم اور زید بن ثابت بھی کاتب وحی تھے. چنانچہ صحیحین میں آیا ہے کہ جب یہ آیت لَا يَسْتَوِى الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ نازل ہوئی تو یہ زید ہی نے لکھی تھی. حضور انور کے کاتبوں کے نام یہ ہیں ابوبکر، عمر، عثمان، علی، عامر بن فہیرہ، عبداللہ بن ارقم، ابی بن کعب، ثابت بن قیس، خالد بن سعید بن عاص، حنظلہ بن ربیع، اسدی، زید بن ثابت، معاویہ، شرجیل بن حسنہ. پھر رافضیوں کا یہ طعنہ کہ حضور انور رسول اللہ ﷺ کے پیغمبر ہونے کے زمانہ میں معاویہ مشرک رہا کچھ قابل توجہ نہیں ہے اس میں کسی کو شک نہیں کہ معاویہ اُن کے بھائی اور اُن کے والد حضور انور کی وفات سے تقریباً تین برس پہلے فتح مکہ کے سال مسلمان ہوئے تھے پھر یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ پیغمبری کے سارے زمانہ میں وہ مشرک تھے حضور انور جب پیغمبر ہوئے ہیں تو معاویہ کی بہت ہی کم عمر تھی معاویہ کا بھائی یزید سہیل بن عمرو، صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل، ابوسفیان بن حرب فتح مکہ کے مسلمانوں میں تھے اور یہ لوگ مسلمان ہونے سے پہلے کفر میں اور حضور انور کی مخالفت کرنے میں معاویہ سے بہت ہی بڑھے ہوئے تھے کیونکہ غزوہ احد اور غزوہ خندق میں صفوان بن امیہ عکرمہ بن ابی جہل اور ابوسفیان مشرکوں کے لشکر کے افسر تھے اس پر بھی سہیل، صفوان اور عکرمہ کے اچھے مسلمان ہونے میں کسی کو شک نہیں جنگ یرموک میں یہ شہید ہو گئے ان کے مقابلہ میں امیر معاویہ کے مسلمان ہونے سے پہلے کہیں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اُنہوں نے اپنے زمانہ

شرک میں حضور انور کو کبھی صدمہ پہنچایا ہو نہ ہاتھ سے نہ زبان سے تو اب اس کہنے میں کوئی حجت باقی نہیں رہی کہ جب وہ لوگ جو حضور سے عداوت رکھنے میں معاویہ سے بدرجہا بڑھے ہوئے تھے اچھے مسلمان ہو گئے اور ان میں شمار کیے گئے جو اللہ سے اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتے ہیں اور اللہ اور اللہ کا رسول اُن سے محبت رکھتا ہے تو پھر امیر معاویہ کے اچھا مسلمان ہونے میں کیونکر کلام ہو سکتا ہے. معاویہ سیرت کے اعتبار سے اپنی حکومت میں اعلیٰ درجہ کے لوگوں میں سے ہیں. یہ محض لغو اور مہمل بات ہے کہ اُن لوگوں پر جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے طعن کیا جائے یہی وہ لوگ ہیں جو حضور انور کے ہمرکاب ہو کے غزوہ حنین، طائف اور تبوک میں لڑے ہیں اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لانا اور جنگ میں حضور انور کی مدد کرنا اور اپنی تلواروں کو حضور انور کے قدموں پر نثار کرنا ایسا ہے جسکی نظیر نہیں ملتی پھر ان لوگوں کو کافر اور فاسق کیونکر کہہ سکتے ہیں حالانکہ یہ پورے تین سال یعنی ۸ ۹ھ، ۱۰ھ ہجری جسمیں ۱۱ھ کا بھی کچھ حصہ لے لینا چاہیے مومنین و مجاہدین رہ چکے ہیں مکہ معظمہ رمضان المبارک ۸ھ ہجری میں فتح ہوا اور حضور انور کا وصال باری تعالیٰ ربیع الاوّل ۱۱ھ ہجری میں ہوا حضور انور پر ایمان لانے سے پہلے سب آدمی کافر تھے اور بعض اُن میں حضور انور سے دشمنی رکھنے میں امیر معاویہ سے بدرجہا بڑھے ہوئے تھے. مگر مسلمان ہونے کے بعد وہ بہت نیک اور اچھے مسلمان ہو گئے مثلاً ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب حضور انور کا چچازاد بھائی جو مسلمان ہونے سے پہلے حضور انور کی ہجو کرنے اور آپ سے دشمنی رکھنے میں سب سے زیادہ تھا. اسی طرح معاویہ کے والد اور اُن کی ماں کو بھی حضور سے بہت بغض تھا یہاں تک کہ جب وہ مسلمان ہو گئی تو اس نے حضور انور کی خدمت یہ عرض کیا یا رسول اللہ اللہ کی قسم کھا کے کہتی ہوں کہ مسلمان ہونے سے پہلے مجھے اس سے زیادہ کوئی بات محبوب نہ تھی کہ سب آدمیوں سے زیادہ آپ کے آدمی ذلیل ہوں اور اب میری یہ کیفیت ہے کہ مجھے آپ کے آدمیوں کے معزز ہونے سے زیادہ روئے زمین پر کسی کا معزز ہونا محبوب نہیں اسے بخاری نے بھی نقل کیا ہے اور ان ہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے. عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (الممتحنہ:۷) یعنی عنقریب اللہ تم میں اور اُن لوگوں

میں جن سے تم نے عداوت کر لی ہے محبت پیدا کر دے گا اور اللہ بڑا قدرت والا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے. اس سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالی نے حضور انور اور آپ کے دشمنوں یعنی ابوسفیان اور ہندہ وغیرہ میں محبت پیدا کر دی تھی اور اِس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اللہ تعالی دشمنی کو محبت سے بدل دینے پر قادر ہے ان لوگوں نے جب شرک سے توبہ کر لی تو یقیناً اللہ تعالی نے انہیں بخش دیا بلاشک یہ لوگ مسلمان ہو گئے تھے اور ان کے مسلمان ہونے میں کسی کو بھی کچھ شک نہیں۔

امیر معاویہ پر شیعی علماء کا بہت بڑا طعنہ: رافضیوں کا سب سے بڑا فاضل اور سب سے بڑا مجتہد اور سب سے بڑا امام شیخ حلی اپنی کتاب مہناج الکرامہ میں لکھتا ہے کہ فتح مکہ کے دن معاویہ یمن میں تھا اور وہیں سے حضور انور پر طعن و تشنیع کیا کرتا تھا اُسی زمانہ میں اُس نے اپنے باپ صخر بن حرب کو ایک خط لکھا تھا جسکا مضمون یہ تھا کہ بڑے شرم کی بات ہے کہ تم محمد ﷺ کے دین میں آ گئے. حضور انور جب مدینہ میں تشریف لائے ہیں تو اُسکے آٹھیوں سال رمضان کے مہینہ میں مکہ فتح ہوا تھا اب بھی معاویہ اپنے شرک پر قائم تھا اور حضور انور کی صورت سے بھاگتا تھا اور چونکہ اسنے ایک خون کر دیا تھا لہذا مکہ سے فرار ہونے کی اس کی یہی وجہ ہے مگر جب وہ چاروں طرف سے مجبور ہو گیا تو حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں اسکے پانچ مہینے کے بعد حضور کی وفات ہو گئی. اس نے حضرت عباس آپ کے چچا کو اپنا سفارشی بنایا حضور نے اسکی خطا معاف کر دی ان ہی کی سفارش سے حضور نے حکم دے دیا کہ وحی کے کاتبوں میں تو بھی شریک ہو جا اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ کاتب وحی تھا تو اتنے تھوڑے زمانہ کے لیے اُسے یہ خطاب دینا سنیوں کی زیادتی ہے باوجود یکہ علامہ زمخشری جو مشائخ حنفیہ میں سے ہے اپنی کتاب ربیع الابرار میں یہ لکھتا ہے کہ معاویہ نے نبی ہونے کا دعویٰ بھی کیا تھا اسکے علاوہ وحی کے کاتبوں میں ایک عبداللہ بن سعد بن سرح بھی ہے جو اسلام سے مرتد ہو کر مشرک ہو گیا تھا اور اُسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (النحل:۱۰۶) لیکن جو دل کھول کر کفر کرے تو اُن پر اللہ کا غضب ہے اور اُن کے لیے بڑا سخت عذاب ہے. پھر یہی شیعہ شیخ حلی لکھ ہے عبداللہ بن عمر سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں حضور انور کی خدمت میں ایک دن جب حاضر ہوا تو

میں نے سنا آپ یہ فرمارہے تھے کہ اب ذراسی دیر میں تمہارے پاس ایک آدمی آئے گا جو میرے طریقہ کے مخالف ہوکر مرے گا اتنے میں معاویہ آیا حضور انور خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے تو معاویہ اپنے بیٹے یزید کا ہاتھ پکڑ کر اُسی وقت چل دیا اور خطبہ نہ سُنا اسکے جاتے ہی حضور نے فرمایا کہ اس قائد اور مقود (یعنی جو لے گیا ہے اور جسے لے گیا ہے) دونوں پر خدا کی لعنت ہے (پھر وہی شیخ حلی کہتا ہے) اس معاویہ بدکار سے امت کو کونسے دن نفع پہنچا ہے اس نے جناب امیر سے بڑی خون ریز جنگ کی اور بہت سے بہترین صحابہ کو قتل کردیا منبر پر کھڑے ہوکر اُس نے جناب امیر پر لعنت کی ۸۰ھ ہجری تک برابر یہ سلسلہ لعنت کا جاری رہا عمر بن عبدالعزیز نے خیر اس سلسلہ کو بند کیا. حضرت امام حسن کو اسی نے زہر دیا تھا اور اسکے بیٹے یزید نے حضرت حسین کو شہید کیا مستورات کو بے عزت کیا اور لوٹ لیا اور اُس کے باپ ابوسفیان نے حضور انور کے آگے کے دانت توڑ دیئے تھے اور اسکی ماں ہندہ نے حضور کے چچا حمزہ کا کلیجہ کھالیا تھا. فقط.

جواب: شیخ حلی باوجودیکہ مقدس علماء شیعہ سے ہے مگر بے پَر کی اُڑانے اور سفید جھوٹ بولنے میں اسنے اتنا ملکہ حاصل کرلیا ہے کہ بحارالانوار کا مصنف بھی شرماتا ہے یہ محض غلط اور بالکل غلط ہے کہ فتح مکہ کے دن امیر معاویہ یمن میں تھے لہٰذا وہ مراسلت جو اسنے اپنے باپ کو بھیجی تھی وہ درحقیقت شیخ حلی کی ایجاد کردہ ہے حضور انور کے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ابوسفیان مسلمان ہوچکے تھے اُن کے مسلمان ہونے سے پہلے حضرت عباس نے حضور انور کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ ابوسفیان مسلمان ہونا چاہتے ہیں یہ سنتے ہی حضور نے فرمایا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں آجائے وہ امن میں ہے اور جو مسجد میں آجائے وہ بھی امن میں ہے اور جو ہتھیار ڈال دے وہ بھی امن میں ہے. یہ بات ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ امیر معاویہ سے حالت شرک میں حضور انور کو یا اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچا نہ اُن کے بھائی یزید سے. پھر شیخ حلی کا کہنا کہ معاویہ حضور انور کی وفات سے پانچ مہینہ پہلے مسلمان ہوئے تھے بالکل سفید جھوٹ ہے کیونکہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ امیر معاویہ فتح کے سال مشرف باسلام ہوئے اور تماشا دیکھئے! کہ ادہر تو شیخ حلی اور اسکے ہم نوا معاویہ کو مولفۃ القلوب کہتے ہیں کہ جب وہ مولفۃ القلوب ہوئے تو مدینہ میں اُن کا مسلمان ہونا کیسا، ساتھ ہی یہ

بات بھی تعجب کی ہے کہ مؤلفۃ القلوب کو تو حضور انور نے جنگ حنین میں قبیلہ ہوازن کی بہت سی غنیمتیں دی تھیں اور اُن غنائم کا حصہ امیر معاویہ کے بھی ہاتھ تھا. پھر بھلا کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ آپ حضور کی وفات سے پانچ مہینہ پہلے ایمان لائیں اور حنین کے غنائم کے حصہ دار بنیں۔ اس کے بعد کسی شخص کے قتل کا الزام اور اُس سے امیر معاویہ کا بھاگے بھاگے پھرنا بھی مطلق سمجھ میں نہیں آتا اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ معاویہ نے کسی کو قتل کر ڈالا تھا تو یہ واقعہ مسلمان ہونے سے بہت پہلے کا ہوگا فتح مکہ کے سال امیر معاویہ نے کوئی خون نہیں کیا تھا اِس پر سب کا اتفاق ہے عروہ بن زبیر زہری، موسیٰ بن عقبہ ابن اسحاق، واقدی سعید بن یحییٰ اموی، محمد بن عائذ، اور ابواسحاق خزاری وغیرہ. کے مغازی اور کتب تفسیر وحدیث سب شیخ حلی کی افترا پردازی کی کھلے الفاظ میں تردید کر رہے ہیں. مسلمان ہونے کے بعد جاہلیت کے زمانہ کے سارے گناہ نیست و نابود ہوجاتے ہیں. پھر جاہلیت کے گناہوں پر امیر معاویہ کو ملزم گرداننا اور اُن پر طعن کرنا محض لغو اور بیہودہ بات ہے. اب رہا عبداللہ بن سعد بن سرح یہ بے شک اسلام سے پھر گیا تھا اور حضور انور پر افترا پردازی کیا کرتا تھا مگر بعدازاں پھر مسلمان ہوگیا اور مسلمانوں نے اُسے قبول کرلیا اِس پر بھی طعن کرنا انسانیت وشرافت سے بعید ہے. معاویہ کے کاتب الوحی ہونے کے متعلق ہم گزشتہ صفحات میں لکھ چکے ہیں اسلیے یہاں اسکا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں. باقی شیخ حلی کا یہ کہنا کہ آیت وَلٰـكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا اسی کے حق میں نازل ہوئی ہے. بالکل غلط ہے کیونکہ یہ آیت تو مکہ معظمہ میں اس وقت نازل ہوئی تھی کہ جب عمار اور بلال پر مشرکوں نے جبر کیا تھا کہ تم اسلام سے پھر جاؤ اور اپنے آبائی مذہب پر آجاؤ عبداللہ بن سعد کا مرتد ہونا ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ہوا تھا اور بفرض محال یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ یہ آیت اُسی کے حق میں نازل ہوئی ہے تو بھی یہ بات نہیں بن سکتی کیونکہ حضور انور اسکے اسلام کو قبول فرما چکے اور اس سے بیعت لے چکے تھے دیکھو اللہ تعالیٰ اس موقع پر کیا فرماتا ہے۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (آل عمران:۸۷تا۸۹)
یعنی بھلا ایسی قوم کو اللہ راہ راست پر کیوں لانے لگا جو اپنے اسلام لانیکے بعد کافر ہوگئی ہو اور یہ گواہی دے چکی ہو کہ رسول برحق ہیں اور اُن کے پاس کھلی کھلی نشانیاں آ چکی ہیں اور اللہ بے انصافوں کو راہ راست پر نہیں لاتا اس گروہ کی یہ سزا ہے کہ ان پر خدا کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہو وہ ابدالآ تک اسی میں رہیں گے نہ تو ان سے عذاب ہی ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت ہی دیجائے گی مگر جن لوگوں نے اس کے بعد توبہ کی اور اپنی اصلاح کرلی تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔اب شیخ حلی کا حضرت فاروق اعظم کے صاحبزادے عبداللہ کی روایت نقل کرنا ایک عجیب وغریب استدلال ہے.ہم اس پر زیادہ بحث کرنا نہیں چاہتے کیونکہ یہ روایت قطعی جھوٹ اور محض غلط ہے جنہیں حدیث میں معرفت ہے اور جنہوں نے صحیح اور غیر صحیح کا ایک معیار قائم کر دیا ہے وہ اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں یہ روایت اُن دواوینِ حدیث میں سے کسی میں بھی نہیں ہے جنکی طرف حدیث کی صحت معلوم کرنے میں رجوع کیا جاتا ہے نہ اسکی اسناد معروف ہیں شیخ حلی نے اس کی اسناد نقل کی اس سے زیادہ جہالت شیخ حلی کی اور کیا ہوسکتی ہے کہ اسنے عبداللہ بن عمر سے کہ جنہیں صحابہ کی برائیاں بیان کرنے سے سخت نفرت تھی بلکہ وہ مناقب بیان کرتے تھے ایسی روایت نقل کی ہے اُن کی عادت مشہور ومعروف ہے کہ وہ صحابہ کے مثالب بیان کرنے سے سب سے زیادہ دور رہتے تھے اُن کا تو اوڑھنا بچھونا یہی تھا تو صحابہ کہ مناقب بیان کریں خود امیر معاویہ کی تعریف میں ان کے بہت سے اقوال مشہور ومعروف ہیں یہاں تک آپ کا قول موجود ہے کہ حضور انور کے بعد امیر معاویہ سے زیادہ بردبار میں نے کوئی نہیں دیکھا کسی نے کہا کیا ابوبکر صدیق اور عمر فاروق بھی بردباری میں ان سے بڑھے ہوئے نہ تھے.اس کا جواب عبداللہ بن عمر نے یہ دیا کہ ابوبکر صدیق وعمر فاروق یقیناً ان سے افضل تھے اسکے بعد پھر یہی کہا حضور انور کے بعد امیر معاویہ سے زیادہ بردبار میں نے کوئی نہیں دیکھا۔خطبہ کے بارے میں جو شیخ حلی نے طعن کیا ہے کہ یہ حضور انور کا خطبہ سُنتے ہی اپنے بیٹے یزید کا ہاتھ پکڑ کے اُٹھ کر چلے گئے محض غلط اور بالکل مہمل ہے حضور انور ہر جمعہ کو خطبہ پڑھتے تھے ہر عید کو خطبہ پڑھتے تھے امیر معاویہ مثل اور مسلمانوں کے خطبہ میں حاضر رہتے تھے اور

سنتے تھے امیر معاویہ کی سیرت سے یہ بات ظاہر ہے اور اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا وہ اپنے ایذا دینے والے سے بردباری کرتے اور اس پر صبر کرتے تھے اپنے دشمن کی حد سے زیادہ دلجوئی کرتے تھے پھر اس طبیعت کا شخص کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ حضور انور سے نفرت کرتا حالانکہ حضور انور دین و دنیا میں خوش اخلاقی کے مراتب میں سب سے بڑھے ہوئے تھے اور امیر معاویہ اپنے سب کاموں میں حضور انور کے محتاج تھے پھر کون عقل کا دشمن یہ وہم بھی لاسکتا ہے کہ امیر معاویہ حضور کا کلام سننے کے متحمل نہیں ہوسکتے تھے۔ اور ایک تماشا کی بات ہے کہ شیخ حلی اپنے جھوٹ بولنے کی رو میں آ گا پیچھا کچھ نہیں دیکھتا اور جو زبان پر آتا ہے اناپ شناپ کہے جاتا ہے جیسے اُسنے لکھا ہے کہ معاویہ اپنے بیٹے یزید کا ہاتھ پکڑ حضور انور کے خطبہ کی مجلس سے اُٹھ کھڑا ہوا ایک ایسا مضحکہ انگیز ہے اور ایسی بے وقت کی راگنی ہے جسکی نظیر مشکل سے ملے گی یزید اسوقت تک پیدا ہی نہیں ہوا تھا دنیا میں اس کا وجود نہ تھا نہ صرف یزید بلکہ امیر معاویہ کا حضور انور کے زمانہ میں کوئی بیٹا ہی پیدا نہیں ہوا تھا۔ تمام مورخوں کا اس پر اتفاق ہے کہ یزید حضرت عثمان کی خلافت میں پیدا ہوا حافظ ابوالفضل بن ناصر نے لکھا ہے کہ حضور انور کے زمانہ میں معاویہ نے کئی جگہ شادی کا پیغام دیا مگر کسی نے منظور نہ کیا کیونکہ یہ فقیر آدمی تھے۔ فاروق اعظم کے زمانہ خلافت میں انکی شادی ہوئی اور پھر حضرت عثمان بن عفان کے زمانہ خلافت ۲۷ھ میں یزید پیدا ہوا۔ اور جواب سُنئے! اس حدیث کا اسی قسم کی دوسری حدیث سے معارضہ ہوسکتا ہے جو امیر معاویہ کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے شیخ ابوالفرح بن جوزی نے اپنی کتاب الموضوعات میں لکھا ہے کہ بعض مدعیان سنت نے رافضیوں کو جلانے کی غرض سے امیر معاویہ کے فضائل میں بہت سے حدیثیں وضع لرکی ہیں جیسا کہ رافضیوں نے تعصب سے امیر معاویہ کی برائی میں حدیثیں وضع کرلی ہیں لیکن دونوں فریق غلطی پر ہیں۔ فقط۔

جس کی جو اصلی حالت ہے وہ کس طرح بھی چھپی ہوئی نہیں رہ سکتی غلط واقعات خود اپنے غلط ہونے کی شہادت دیتے ہیں مثلاً یزید کا حضور انور کے زمانہ میں موجود ہونا اس بات کی علامت ہے کہ کس بے باکی سے امیر معاویہ پر الزام قائم کرنے کے لیے یہ روایت شیخ حلی یا اسکے اور ہم مذاقوں نے گھڑلی اسی طرح حضرت علیؓ پر امیر معاویہ کو فضیلت دینا یہ بھی ایک لغو اور بیہودہ بات

ہے. پھر شیخ علی کا جنگ کے متعلق لکھنا کہ علی اور معاویہ میں خونریز جنگ ہوئی ایک خیالی افسانہ ہے جسکی تشریح آئندہ علیحدہ موقع پر آئے گی. اب ہم اُن علماء کے اقوال نقل کرتے ہیں جنہوں نے معاویہ اور علی کی لڑائیوں کو تسلیم کرنے کے بعد اپنی رائے دی ہے. بعض کہتے ہیں کہ معاویہ اور علی دونوں مجتہد اور حق پر تھے چنانچہ متکلمین فقہا اور محدثین میں سے جو یہ کہتے ہیں کہ ہر مجتہد حق پر ہوتا ہے اُن کا یہی قول ہے کہ یہ دونوں مجتہد تھے اور دونوں حق پر تھے یہی قول اشعریہ، کرامیہ اور فقہا وغیرہ میں سے اکثر کا ہے اور یہی قول اکثر اصحاب ابی حنیفہ اصحاب شافعی اور اصحاب احمد وغیرہ کا ہے. کرامیہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں امام حق پر تھے ضرورت کے وقت دو اماموں کا مقرر کر لینا جائز ہے بعض کہتے ہیں دونوں میں سے حق پر ایک ہی تھا لیکن کسی کی تعیین نہیں کہ کونسا حق پر تھا بعض کہتے ہیں حق پر علی تھے اور امیر معاویہ سے اجتہاد میں غلطی ہوگئی تھی جو یقیناً معاف ہو جاتی ہے اہل کلام اور فقہا مذہب اربعہ میں سے بہت سے علماء کا یہی قول ہے اور یہ تینوں قول ابو عبید اللہ ابن حامد نے اصحاب احمد وغیرہ سے نقل کئے ہیں. بعض کہتے ہیں کہ حق یہی تھا کہ جنگ نہ ہوتی اس کا نہ کرنا دونوں فریق کے حق میں کرنے سے بہتر تھا مگر امیر معاویہ کی نسبت علی حق پر زیادہ تھے اور یہ جنگ فتنہ فساد کی تھی نہ واجب تھی نہ مستحب یہی قول امام احمد، اکثر محدثین اور اکثر ائمہ فقہا کا ہے اور یہی قول اکابر صحابہ اور تابعین کا ہے عمران بن حصین کا بھی یہی قول ہے یہ منع کرتے تھے کہ اس فتنہ وفساد کے وقت ہتھیاروں کی تجارت جائز نہیں ہے یہی قول اسامہ بن زید، محمد بن مسلمہ، ابن عمر، سعد بن وقاص اور اکثر سابقین اولین وغیرہ کا ان کے علاوہ ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جنہوں نے بڑی آزادی سے ان دونوں کی نسبت رائے قائم کی ہے ان میں سے بعض کا قول یہ ہے کہ علی نہیں بلکہ معاویہ فاسق تھے۔ یہی خیال بعض معتزلہ کا ہے بعض کہتے ہیں معاویہ کافر تھے جیسا کہ بعض رافضی کہتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ علی اور معاویہ دونوں کافر تھے جیسے کہ خوارج بعض کا قول یہ ہے کہ معاویہ حق پر تھے علی حق پر نہیں تھے جیسے کہ مروانیہ ان مختلف اقوال سے ہر شخص بشرطیکہ کوئی رائے قائم کرنا چاہے کرسکتا ہے. جن امور کا جاننا عوام الناس کے لئے ضرور ہے وہ یہ ہیں قتل وقتال کرنا، لعنت کرنا کسی کو کافر کہنا. ایسی باتیں تاویل کرنے کی وجہ سے واقع ہو جاتی ہیں بشرطیکہ وہ تاویل نیک نیتی سے کی گئی ہو صحیحین

میں اسامہ بن زید سے مروی ہے کہ حضور انور نے مجھے ایک رسالہ کا سرکردہ بنا کے کسی مہم میں بھیجا امیر ارسالہ علی الصباح قبیلہ وجہینہ کے موضع حرقات میں پہنچا تو مجھے پہلے ایک آدمی ملا میں اُسے بچھاڑ کر اس کی چھاتی پر چڑھ گیا اُسنے فوراً لا الـه الا اللّٰه پڑھا مگر میں نے اسکے پڑھنے کا کچھ خیال نہ کیا اور اُسے قتل کر دیا مگر اسکے خون کرنے سے میرے دل میں ایک خوف پیدا ہو گیا اس لیے میں نے ساری کیفیت حضور انور سے عرض کر دی حضور انور نے تعجب سے فرمایا ہائیں لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی تم نے اُسے قتل کر دیا میں نے کہا حضور اُسنے تو کلمہ ڈر کے مارے پڑھ دیا تھا آپ نے فرمایا کہ تم نے اس کا دل چیر کے کیوں نہ دیکھ لیا تا کہ تمہیں یقین ہو جاتا کہ اسنے یہ کلمہ خوف سے کہا ہے یا نہیں. آپ یہ بات لگاتار فرماتے رہے یہاں تک کہ میں اپنے دل میں یہ آرزو کرنے لگا کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا تو بہتر تھا تا کہ میرا یہ گناہ بھی معاف ہو جاتا ہے. یہ روایت اپنے موقع پر گزشتہ صفحوں میں بھی کہیں آ چکی ہے۔ صحیحین میں مقداد بن اسود سے مروی ہے آپ کہتے ہیں میں نے حضور انور سے عرض کیا یا رسول اللہ اگر کفار میں کسی سے میرا مقابلہ ہو جائے اور وہ میرا ایک ہاتھ کاٹ ڈالے اور پھر مجھ سے بچ کر ایک درخت کی آڑ میں پناہ لے لے اور کہنے لگے کہ میں مسلمان ہوں تو اس کہنے کے بعد بھی میں اُس کو قتل کر سکتا ہوں یا نہیں حضور نے ارشاد کیا نہیں تم اُسے قتل ہرگز نہ کرو میں نے کہا یا رسول اللہ اسنے میرا ہاتھ کاٹنے کے بعد یہ بات کہی کیا میں اس پر بھی اُسے قتل نہ کروں فرمایا نہیں کیونکہ اگر تم نے اسے قتل کر دیا تو وہ تمہارے اس مرتبہ میں شمار کیا جائے گا۔ جو اس کے قتل کرنے سے پہلے تمہیں حاصل تھا اور تم اسکے اس مرتبہ میں شمار ہو گئے جو قتل ہونے سے پہلے اس کا مرتبہ تھا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ وہ تمہارے مرتبہ میں ہو کر مسلمان شمار ہو گا۔ اور تم اسکے مرتبہ میں ہو کر دین سے خارج گنے جاؤ گے اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بعض نے ایسے مسلمانوں کو قتل کیا تھا جنکا قتل کرنا درست نہ تھا اور باوجود اسکے حضور انور نے ان کے عوض قاتلوں کو سزا نہیں دی اور نہ مقتول کے قصاص اور دیت کے آپ ضامن ہوئے نہ کفارہ کا حکم دیا اس کی وجہ صاف یہی سمجھ میں آتی ہے کہ قاتلوں نے یہ خون ایک تاویل کے وسیلہ سے کیا تھا. جمہور علماء مثلاً امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد، اور ایک قول کے مطابق امام شافعی فرماتے ہیں کہ اہل عدل اور

باغی جب کسی تاویل کے ذریعہ سے آپس میں جنگ کریں تو آپس میں ہر ایک گروہ ایک دوسرے کے جان و مال کے تاوان کا ذمہ دار نہیں ہونے کا جیسا کہ امام زہری کا قول ہے کہ یہ فتنہ ایسے وقت میں پھیلا تھا کہ جب حضور انور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ بکثرت موجود تھے. اور ان سب کا اس پر اجماع و اتفاق ہو گیا تھا کہ جو جان و مال قرآن میں تاویل ہونے کی وجہ سے ضائع ہو تو وہ ھدر رہے. یعنی اس کا قصاص، دیت، تاوان وغیرہ کچھ نہیں اور اُنہوں نے باتفاق اس واقعہ کو بمنزلہ واقعات جاہلیت کے رکھا تھا جسکا مطلب یہ ہے کہ اس واقعہ کے قاتلوں کا یہ عقیدہ نہیں تھا کہ ہم نے حرام فعل کیا ہے۔ صحیحین میں ہے کہ چند مسلمانوں نے مالک بن دخشن کی بابت یہ کہا تھا کہ یقیناً یہ منافق ہے حضور انور نے اس سے اُنہیں منع کر دیا کہ تم اُسے منافق نہ کہو اس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہے کہ صحابہ میں ایک دوسرے کو محض کسی تاویل کی وجہ سے منافق کہہ دیا کرتے تھے اور اس کے کہنے کی وجہ سے حضور انور ان میں سے کسی پر کفر کا حکم نہیں لگاتے تھے. صحیحین میں ہے کہ ایک صحابی نے عبداللہ خمار صحابی پر بکثرت شراب پینے کی وجہ سے لعنت کی تھی حضور انور نے اُسے منع کیا کہ اس پر لعنت مت کرو کیونکہ اُسے اللہ سے اور اللہ کے رسول سے محبت تھی اور لعنت کرنے والے صحابی کو بھی آپ نے کچھ سزا نہ دی کیونکہ اُسنے تاویل سے ایسا کہا تھا اور تاویل کرنے والے کی خطا معاف ہو جاتی ہے۔ کتاب سنت سے ثابت ہے چنانچہ مسلمانوں کی دعائیں اللہ جل شانہ، فرماتا ہے۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْ نَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا (البقرہ:۲۰۶) یعنی اے ہمارے پروردگار اگر ہم بھول جائیں یا غلطی سے کچھ کر لیں تو اس پر تو ہم سے مواخذہ نہ کرنا۔

سنن ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ حضور انور نے فرمایا تھا ان اللہ تجاوز عن امتی الخطاء والنسیان یعنی اللہ میری امت کی بھول چوک سے درگزر فرماتا ہے. اس بیان کے بعد ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ شیعی علماء کے اقوال کس قدر متناقض ہوتے ہیں مثلاً وہ سب سے زیادہ بُرائی اُس شخص کی کرتے ہیں جو حضرت علی سے لڑا ہو اسکے مقابلہ میں حضرت عثمان کے قاتلوں کی تعریف کرتے ہیں یہ عجیب تماشہ ہے ایک معمولی عقل کا آدمی بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ حضرت عثمان کے قاتلوں کی بُرائی اور خطا حضرت علی سے لڑائی کرنے والوں کی بُرائی اور خطا سے بدرجہا زیادہ ہونی چاہیے

کیونکہ عثمان وہ خلیفہ تھے کہ اُن پر سب مسلمانوں کا اتفاق اور اجماع ہو گیا تھا اس پر بھی وہ اپنے گرفتار ہونے پر کسی مسلمان سے نہیں لڑے حالانکہ بعض مسفد مسلمان اُن سے لڑنے پر آمادہ تھے تا کہ وہ خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔ آپ کا غدر اپنی خلافت پر قائم رہنے میں بہت محکم تھا برخلاف حضرت علی کے عذر سے وہ لوگوں سے اپنی اطاعت کرانا چاہتے تھے عثمان کے صبر کو دیکھو کہ انہوں نے اپنی جان بچانے کی ذرا کوشش نہ کی اور مظلومی کی حالت میں شہید ہو گئے. جبکہ علاوہ ان کے جنگجو غلاموں کے صحابہ کی ایک کثیر تعداد شمشیر بکف اُن کی مدد کرنے کے لیے تیار تھی اور جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اُنہوں نے صاف انکار کر دیا اور شہید ہو گئے. اسکے مقابلہ میں حضرت علیؑ نے جیسا کہ شیعی علماء کا اعتقاد ہے امیر معاویہ کے لشکر سے خود ہی جنگ کی ٹھرادی حالانکہ وہ لڑنا نہیں چاہتے تھے صرف حضرت علی کی بیعت سے رُکے ہوئے تھے. اب اگر ایسے لوگوں سے جنگ کرنا جائز ہو جنہوں نے فقط ایسے امام سے بیعت نہ کی ہو جسکی بیعت صرف چند مصری باغیوں تک محدود ہو تو ہمیں یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ جو لوگ ایسے امام سے لڑے ہوں بلکہ اُسے شہید بھی کر دیا ہو جسکی بیعت پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہو گیا ہو تو اُسکے مقابلے میں سے لڑنا بدرجہ اولیٰ جائز ہے. اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ حضرت علی کے لشکر میں مظلوم عثمان کے قاتل بہت سے تھے مگر کیا تو حضرت علی میں یہ قوت نہ تھی کہ وہ اُنہیں اپنے لشکر سے علیحدہ کر دیتے یا اُن کی دلی خواہش ہی نہ تھی کہ وہ مظلوم عثمان کے خون کا بدلہ لیتے اگر کوئی یہ کہے کہ عثمان نے بہت سے ناسزاوار امور کئے تھے اس سبب سے حضرت علی نے اُن کے قاتلوں کی ڈھیلی ڈوری چھوڑ رکھی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ہم اُن ناسزاوار امور کو تسلیم ہی کر لیں تو بھی ان سے یہ نہیں پایا جاتا کہ عثمان کو اسکی وجہ سے خلافت سے معزول کر دینا جائز اور مباح ہو گیا ہے اگر اُن کے قتل کو مباح اور جائز قرار دیا جائے گا تو پھر حضرت علی پر لوگوں کا ناراض ہو کر بیعت نہ کرنا بدرجہ اولیٰ مباح ہوگا۔ جو الزام حضرت عثمان پر لگائے گئے تھے ویسے ہی الزاموں سے حضرت علی بھی اپنا پہلو نہیں بچا سکتے ہزاروں آدمی اُنہیں علی الاعلان ظالم اور غیر منصف کہتے تھے اور سب یک زبان ہو کر یہ گویا تھے کہ حضرت علی نے امیر معاویہ کے معزول کرنے میں بے فائدہ جلدی کی اُنہیں اتنی جلدی معزول نہ کرنا چاہیے تھا۔ حضور انور نے امیر معاویہ

کے والد ابوسفیان کو خود نجران کا عامل مقرر کیا وہ ایک عرصہ دراز تک گورنری کرتے رہے اور حضور انور کے وصال کے بعد بھی آپ اُسی عہدہ پر مامور رہے ابوسفیان کے علاوہ بنی امیہ کے بہت سے آدمی حضور انور نے بڑے بڑے عہدوں پر مامور کئے تھے مثلاً مکہ معظمہ کا گورنر عتاب بن اسید بن ابی الاص بن امہ تھا۔ اسی طرح خالد بن سعید بن عاث اور آبان بن عاص کو دیگر صوبہ جات کا گورنر بنا کر بھیجا تھا۔ صحیح میں حضور نے فرمایا **لا تزال طائفہ من امتی ظاهرین علے الحق لا یضرهم من خالفهم و لا من خذلهم** یعنی میری امت میں سے ایک فرقہ ہمیشہ حق پر غالب رہے گا۔ انہیں کسی کا مخالف ہونا یا کسی کا اُن سے ترک تعلق کرنا ضرر نہ دے گا۔ فقط

مالک بن نخامر کہتے ہیں میں نے معاذ سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ یہ لوگ شام میں ہیں اس پر اکثر علماء کا اتفاق ہے کہ فرقہ سے مطلب امیر معاویہ کا لشکر تھا۔ پھر صحیح مسلم میں حضور سے مروی ہے **لا یزال اهل الغرب ظاهرین حتی تقوم الساعة** یعنی قیامت قائم ہونے تک اہل غرب برابر غالب رہیں گے۔ امام احمد کا قول ہے کہ اہل غرب سے مراد اہل شام ہیں اور اس نص سے امیر معاویہ کا لشکر مراد ہے اس پر کل علماء کا اتفاق ہے کہ جن لوگوں کو حضرت علی نے عہدے دئے تھے یا مختلف صوبوں پر گورنر مامور کئے تھے اُن میں اکثر سے امیر معاویہ بدر جہا بہتر تھے حضرت علی کو یہ استحقاق کب حاصل ہوسکتا تھا کہ امیر معاویہ کو تو معزول کر دیں اور اُن کی جگہ ایسے شخص کو تجویز کریں جو سیاست میں اُن سے بہت ہی کم درجہ ہو اس لیے کہ یہ عہدہ حضرت علی نے زیاد بن ابیع کو دینا چاہا تھا مگر صحابہ کا ایک جم غفیر یہ کہتا تھا کہ نہیں، حضرت معاویہ ہی کو اس عہدہ پر مامور رہنے دو زیادہ قابلیت اور جہانداری میں اُن کے آگے کوئی ہستی نہیں رکھتا۔ ہاں! حضرت علی کی طرف سے یہ عذر ہوسکتا ہے کہ وہ امیر معاویہ کی جگہ زیاد کو مقرر کرنے میں مجتہد تھے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عثمان بھی اپنے کاموں میں مجتہد تھے اُن پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے۔ عجب تماشا ہے کہ ایک قابل گورنر تو معزول کیا جاتا ہے اور اُسکی جگہ ایک کم درجہ کے شخص کو پیش کیا جاتا ہے اور وہ پیش کرنا تلوار کے ساتھ ہے۔ صرف زیاد کے مقرر کرنے کے لئے تلوار چلائی جاتی ہے جہاد کیا جاتا ہے اور ہمارے شیعی علماء کے خیال کے مطابق ایسی خونریزی جائز سمجھی گئی جن سے سارے مسلمان

ذلیل وخوار ہوکر دیگر مخالف بادشاہوں کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہوگئے مخالف مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر بغلیں بجانے لگے اور اس بات کے لئے تیار ہوگئے کہ مسلمانوں کو بس پیس دیا جائے وہ نیم مردہ ہوگئے ہیں اور ان میں کوئی سکت باقی نہیں رہا شیعی علماء معاویہ پر جو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اُنہوں نے حضور انور رسول اللہ ﷺ کے بہترین صحابہ کو قتل کر ڈالا تھا یہ اعتراض بھی ہماری سمجھ میں نہیں آتا. کوئی تاریخ اس بات کا پتہ نہیں دیتی کہ معاویہ کی تلوار ایک صحابی کی گردن پر بھی چلی ہو۔ رہا میدان جنگ میں (بشرطیکہ جنگ کا ہونا قبول کرلیا جائے) ایک دوسرے کے مقابلہ میں کٹ جانا جس طرح اس سے امیر معاویہ پر الزام آتا ہے حضرت علی بھی نہیں بچ سکتے دونوں طرف اشتعال دینے والے لوگ موجود تھے جنہوں نے لڑائیوں کی ایسی صورت پیدا کردی جس صورت کو ہم بدوی چھین جھپٹ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ ہم باقاعدہ جنگ اور خونریزی کے قائل نہیں ہیں مگر ہاں جنگ پریشان یعنی بدوی جنگ کو مانتے ہیں جو بعض اوقات طرفین کے لشکروں کے دستوں میں ہوگئی. یہ ہمارا ہی خیال نہیں ہے بلکہ زہری جیسا زبردست (شیعہ) بھی اس بات کا قائل ہے کہ حضرت علی اور امیر معاویہ کی لڑائیاں جاہلیت کی لڑائیاں شمار کی گئی ہیں جن پر باقاعدہ جنگ کا اطلاق نہیں ہوسکتا.

اب رہا شیعی علماء کا یہ کہنا کہ امیر معاویہ کے لشکری حضرت علی پر لعنت بھیجتے تھے تواتر سے ثابت نہیں ہوتا اور اگر ثابت ہوجائے تو مقابل لشکروں کا ایک دوسرے کے خلاف کہنا یا ایک دوسرے پر بددعا کرنا یہ خلاف فطرت نہیں جس طرح امیر معاویہ کے لشکری حضرت علی کے لشکریوں کے لیے بددعا کرتے تھے اسی طرح حضرت علی کے لشکری بھی امیر معاویہ کے لشکریوں کے لئے برابر بددعا کرتے رہتے تھے۔ یادرکھو کہ ہاتھ سے قتل کرنا زبان کی لعنت کرنے کی نسبت بہت بڑھا ہوا ہے. یہ سب امور خواہ گناہوں یا اجتہادی ہوں اور پھر اجتہادی بھی خواہ حق ہو یا غلط ہو سب برابر ہے کیونکہ اللہ کی رحمت اور مغفرت توبہ اور حسنات وغیرہ کے ذریعہ سے ان سب گناہوں یا کمزوریوں کو مٹادیتی ہے۔

تماشا در، تماشا دیکھئے! کہ شیعی اصحاب حضرت علی کو بُرا کہنے پر تو اعتراض کرتے ہیں اور خود صدیق اکبر، فاروق اعظم اور عثمان غنی کو علی الاعلان بُرا کہتے ہیں یہاں تک کہ ان کا درجہ کفر تک پہنچانے میں بھی دریغ نہیں کرتے حتیٰ کہ جو شخص ان سے محبت رکھے اُسے بھی گالیاں دیتے ہیں یہ بات بھی سمجھنے

کی ہے کہ امیر معاویہ اور اُن کے اصحاب حضرت علی کو کافر نہیں کہتے تھے. خوارج جو حضرت علی کو کافر کہتے ہیں امیر معاویہ اُن کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے اب شیعی اصحاب خوارج سے اپنا مقابلہ کر کے دیکھیں کہ اگر خوارج کو منع کریں کہ تم حضرت علی کو کافر نہ کہو تو انہیں اپنے گریبان میں منہ ڈالنا چاہیے کہ صدیق اکبر فاروق اعظم، عثمان غنی کو کیوں بُرا کہتے ہیں. صحابہ میں سے تو کسی کو بُرا کہنا جائز نہیں ہے نہ حضرت علی کو نہ حضرت عثمان کو نہ اور نہ حضرت معاویہ کو، اور نہ کسی کو جو شخص خلفائے ثلاثہ کو گالیاں دے وہ اُس سے یقیناً بدتر ہے جو تنہا حضرت علی کو گالیاں دیتا ہے. کیونکہ ان تینوں کو گالیاں دینے والے کا گناہ صرف ایک اکیلے کو گالیاں دینے والے سے بدر جہا بڑھا ہوا ہوگا ان تینوں کو بُرا کہنے کے جواز کی تاویل بھی اُسکی تاویل سے بالکل ردی ہوگی اور ان تینوں کو تاویل سے گالیاں دینے والا گنہگار نہیں ہوتا تو پھر حضرت علی کو تاویل سے گالیاں دینے والا کب گناہ گار ہو سکتا ہے۔ لہٰذا شیعوں کی گناہ گاری جو خلفائے ثلاثہ کو گالیاں دیتے ہیں ان ناصبیوں سے بدر جہا بڑھی ہوئی ہے جو صرف اکیلے حضرت علی کو گالیاں دیتے ہیں. حضور انور نے فرمایا ہے **لا تسبوا اصحابی فوالذی نفسی بیده لو انفق احدكم مثل احد ذهبا ما بلغ مد احدهم ولا نصيفه** یعنی میرے اصحاب کو گالیاں نہ دیا کرو قسم ہے اُس اللہ کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم میں کوئی شخص احد کے پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ اُن کے ایک مُد و سات چھٹانک جو کے بلکہ نصف مد کے برابر بھی نہیں ہو سکتا. اب شیعی علماء کا یہ کہنا کہ معاویہ نے امام حسن کو زہر دے دیا تھا محض غلط اور لغو ہے ممکن ہے کہ بعض کا یہ خیال ہو مگر کسی شرعی دلیل یا معتبر اقرار یا یقینی نقل سے اس کا ثبوت نہیں ہوتا۔ ایسے امر کا یقینی حال معلوم ہونا ممکن نہیں ہے لہٰذا ایسی وہمی بات کا قائل ہو جانا جہل کی دلیل ہے خود اپنے زمانہ پر غور کرو اور دیکھو کہ جس شہر میں تم رہتے ہو اُس میں روزمرہ بہت سے دقوعے اور حادثے ہوتے رہتے ہیں مگر ہر واقعہ اور حادثہ کے متعلق ایسی مختلف روائیتیں اڑتی ہیں کہ کبھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ نہیں ہو سکتا روایتوں کا اُتار چڑھاؤ خیالی اُمور پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ اُن لوگوں کی روایتوں میں اختلاف ہوتا ہے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے اس واقعہ کو دیکھا ہے تو پھر بالغ نظر کیونکر اس بات کا اعتراف کر سکتا ہے کہ حضرت امام حسن کی زہر خوارنی کی روایت کا منہ

بالکل امیر معاویہ کی طرف کر دیا جائے حضرت امام حسن کے زہر کے متعلق مختلف روایتیں ہیں بعض کہتے ہیں اُن کی بیوی نے زہر دیا تھا اور اس عورت کے زہر دینے میں کوئی غرض مخفی تھی اور وہ غرض تھی اور وہ غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ امام حسن بہت کثرت سے طلاقیں دیا کرتے تھے بعض کا قول یہ ہے کہ اس عورت کے باپ اشعث بن قیس نے اس عورت سے کہہ کے زہر دلوایا تھا کیونکہ در پردہ اس پر یہ تہمت لگائی جاتی تھی یہ حضرت علی اور آپ کے صاحبزادے حسن سے منحرف ہے. شیعی علماء اس پر جھکے ہوئے ہیں کہ معاویہ نے اس عورت کو اغوا کر کے امام حسن کو زہر دلوایا تھا یہ بات سمجھ میں نہیں آتی اس لیے کہ حضرت امام حسن کا انتقال مدینہ میں ہوا ہے حضرت معاویہ اس وقت شام میں تھے. یہ محض گمان ہی گمان ہے کہ حضرت معاویہ شام سے چند آدمی اس عورت کے پاس بھیجیں اور اُسے اس بات پر آمادہ کریں کہ تو اپنے شوہر کو قتل ڈال ایسا وہم و گمان شریعت میں کسی کو ملزم گردانے کے لیے کوئی چیز نہیں ہے۔ حضور انور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں. ایاکم والظن فان الظن الکذب الحدیث یعنی تم خواہ مخواہ گمان مت کیا کرو کیونکہ گمان بالکل جھوٹی بات ہوتی ہے. تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ شریعت میں ایسے گمان پر کبھی حکم نہیں کیا جاتا نہ اس پر ظاہر کوئی امر مرتب ہوتا ہے نہ اس سے مدح ہوسکتی ہے نہ ذم۔ اگر اس زہر خورانی کا محرک اشعث بن قیس کو قرار دیں تو سمجھ میں نہیں آتا اسکا انتقال ۴۰ھ یا ۴۱ھ ہجری میں ہوا اسی وجہ سے اس کا اس صلح میں کچھ ذکر نہیں ہے جو امیر معاویہ اور امام حسن میں اس سال ہوئی تھی جس کا نام عام الجماعت ہے یہ اشعث امام حسن کا سسر تھا یہ اگر موجود ہوتا تو اس کا ذکر ضرور ہوتا۔ صحیح روایت ہے یہ ہے کہ امام حسن سے تقریباً دس برس پہلے مر چکا تھا پھر یہ کتنا مضحکہ خیز امر ہے کہ اسنے امام حسن کو زہر دینے کے لیے اپنی بیٹی کو تحریک کی ہو پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ معاویہ کے باپ نے حضور انور رسول اللہ ﷺ کے دندان مبارک شہید کر دئے تھے اور اس کی ماں نے حضور انور کے چچا امیر حمزہ کا کلیجہ کھایا تھا. اس میں شک نہیں کہ جنگ اُحد میں ابوسفیان بن حرب مشرکوں کا سر گروہ اور اُن کی فوج کا افسر تھا اُسی جنگ میں حضور انور کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے مگر کوئی صحیح روایت اب تک ایسی نہیں ملی جس سے یہ پتہ چلے کہ دندان مبارک ابوسفیان کے ہاتھ سے شہید ہوئے یہ شیعی علماء کی خیال آفرینی اور بے دلیل حجت ہے.

عام قول یہ ہے کہ یہ کاروائی عتبہ بن ابی وقاص کی تھی اُسی نے پتھر مارا تھا اور اُسی سے حضور انور کے دانت شہید ہو گئے تھے اب رہی ہندہ، امیر معاویہ کی ماں اسنے امیر حمزہ کا کلیجہ بے شک لے کے چبایا اُسے نگل نہ سکی اور اُسے اٹھا کر زمین پر پھینک دیا یہ واقعہ یا واقعات ان سب مسلمان ہونے سے پہلے کے ہیں جب یہ مسلمان ہو گئے تو ان کا اسلام بہت اچھا رہا یہاں تک کہ حضور انور اس ہندہ کی بہت تعظیم وتکریم کرتے تھے. اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اسلام اپنے سے پہلے گناہوں کو بالکل مٹا دیتا ہے اللہ تعالی اس بات کی خود شہادت دیتا ہے قُلْ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ یعنی اے نبی تم ان کافروں سے کہدو کہ اگر یہ اپنے کفر سے باز آ جائیں تو جو کچھ گزر چکا وہ اُن کے لیے بخش دیا جائے گا. صحیح مسلم میں عبدالرحمٰن بن شماسۃ المہر ی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم عمرو بن العاص کے ہاں گئے وہ اُس وقت جانکنی کی حالت میں تھے اور رو رہے تھے دیوار کی طرف ان کا منہ تھا ان کے بیٹے نے کہا ابّا جان تم کیوں رو رہے ہو کیا حضور انور رسول اللہ ﷺ نے تمہیں فلاں بشارت نہیں دی یا فلاں خوشخبری نہیں سنائی یہ سنتے ہی اُنہوں نے اسی جانکنی کی حالت میں کروٹ بدلی اور بیٹے کی طرف مخاطب ہو کر یہ فرمایا بیٹا ہم ان خوشخبریوں سے بھی افضل اس شہادت کو گنتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد ﷺ اسکے سچے رسول ہیں. دیکھو میری تین حالتیں گزریں. ایک تو میری وہ حالت تھی کہ میں اپنے سے زیادہ حضور انور کا کسی کو جانی دشمن نہیں پاتا تھا مجھے سب سے زیادہ یہی بات بھاتی تھی کہ اگر میرا بس چلے تو میں رسول اللہ کی گردن اُتارلوں اگر میں اسی حالت میں مر جاتا تو بلاشک دوزخیوں میں سے شمار ہوتا جب اللہ تعالی نے میرے دل میں ایمان ڈال دیا میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا حضور اپنا سیدھا ہاتھ بڑھا میں میں آپ سے بیعت ہوتا ہوں جس وقت آپ نے ہاتھ بڑھایا میں نے اپنا ہاتھ بڑھا کر کھینچ لیا اس پر آپ نے فرمایا کہ عمرو تمہیں کیا ہو گیا ہاتھ بڑھایا کیوں اور پھر کھینچ کیوں لیا. میں نے عرض کیا حضور کچھ شرط کرنا چاہتا ہوں۔ حضور نے فرمایا کیا میں نے عرض کیا میرے مسلمان ہونے سے میری مغفرت ہو جائے گی آپ نے فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام اپنے سے پہلے سارے گناہوں کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔

خالد بن ولید کے بعض مطاعن: شیعی علماء کہتے ہیں کہ سُنیوں نے امیر المومنین علی سے عناد رکھنے کے باعث خالد بن ولید کا نام سیف اللہ (اللہ کی تلوار) رکھ لیا حالانکہ اس نام کے سب سے زیادہ مستحق جناب علی ہی ہیں اس لیے کہ آپ نے اپنی تلوار سے تمام کفار کو قتل کیا اور انہیں کے سبب سے دین کی بنیادیں قائم ہوگئیں اُن ہی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ علی سیف اللہ وسہم اللہ یعنی علی اللہ کی تلوار اور اللہ کا تیر ہے اور حضرت علی نے منبر پر کھڑے ہو کے سب کے آگے خود بھی فرمایا تھا کہ میں اللہ کے دشمنوں پر اللہ کی تلوار ہوں اور اُسکے اولیا کے حق میں رحمت ہوں. اسکے علاوہ یہ خالد ہمیشہ رسول اللہ کا دشمن رہا آپ کی تکذیب کرتا رہا جنگ اُحد میں مسلمانوں کو قتل کرانے رسول اللہ کے دندان مبارک شہید کرانے اور آپ کے چچا امیر حمزہ کو قتل کرانے کا بھی یہ باعث تھا جب اس نے اسلام ظاہر کیا تو رسول اللہ نے اُسے قبیلہ بنی خزیمہ کے پاس اس لیے بھیجا تھا کہ ان سے صدقات وصول کرلائے وہاں اسنے بڑی بھاری خیانت کی رسول اللہ کے حکم کو پس پشت ڈال دیا بہت سے مسلمانوں کو قتل کیا جب رسول اللہ کو یہ خبر پہنچی تو آپ منبر پر اس طرح کھڑے ہوئے کہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اس قدر اونچے کئے کہ دونوں بغلوں کی سپیدی لوگوں کو نظر آنے لگی اور آپ نے اس طرح دعا کی اللّٰھم انی ابرالیک مما منع خالد یعنی اے اللہ جو کارروائی خالد نے کی ہے میں اس سے تیری درگاہ میں اپنی بریت چاہتا ہوں اسکے بعد آپ نے خالد کی زیادتیوں کی تلافی کرنے کے لیے امیر المومنین علی کو اس قبیلہ کو راضی کرنے کے لئے بھیجا.

جواب: خالد کا نام سیف اللہ ہونا خالد سے خصوصیت نہیں رکھتا بلکہ اللہ کی اُن تلواروں میں سے جو اُسنے مشرکین وغیرہ پر سوتی تھیں ایک تلوار خالد بھی ہے حدیث میں حضور انور سے اسی طرح مروی ہے سب سے پہلے خالد کا یہ نام حضور ہی نے رکھا تھا چنانچہ صحیح بخاری میں ابوایوب ستانی سے مروی ہے وہ حمید بن احلال سے اور وہ مالک بن انس سے روایت کرتے ہیں کہ زید، جعفر، اور ابن رواحہ کے شہید ہونے کی خبر آنے سے پہلے حضور انور نے فرمایا کہ پہلے جھنڈا زید نے لیا وہ شہید ہو گئے. پھر جعفر نے لیا وہ بھی شہید ہو گئے پھر ابن رواحہ نے لیا تو وہ بھی شہید ہو گئے اب وہ جھنڈا اللہ کی

تلواروں میں سے ایک تلوار (یعنی خالد نے) پکڑا ہے اس پر اللہ نے مسلمانوں کو فتح دے دی. اس وقت حضور انور کی چشمان مبارک سے آنسوؤں کے قطرے بہہ رہے تھے. اس سے یہ بات پورے طور پر ثابت ہوگئی کہ کوئی خاص شخص سیف اللہ نہیں ہے بلکہ اللہ کی تلواریں بہت سی ہیں ان میں سے ایک تلوار خالد بھی ہے. اس میں کسی کو بھی کلام نہیں کہ خالد بہت بڑا صف شکن تھا اور بے دھڑک دلیری میں اس کا نظیر بہت کم نکلے گا وہ اکثر بڑی بڑی خونریز جنگوں میں فتح نصیب رہا مخالف اسکے نام سے کانپتے تھے اور بڑے بڑے جنگجوؤں کے کلیجے اسکے سامنے آنے سے تھرآتے تھے مکہ فتح ہونے سے پہلے اور غزوہ حدیبیہ کے بعد خالد، عمرو بن العاص اور شیبہ بن عثمان وغیرہ مسلمان ہو گئے تھے. خالد کے مسلمان ہوتے ہی حضور نے اُنہیں مختلف جہادوں میں فوج کا سرگروہ بنانا شروع کر دیا یہ جنگ موتہ میں بھی گئے تھے جسکے بارے میں حضور نے فوج کو مخاطب کر کے یہ فرمایا تھا کہ تمہارا افسر زید ہے اگر وہ شہید کر دیا جائے تو پھر جعفر ہے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائے تو عبداللہ بن رواحہ ہے یہ جنگ فتح مکہ سے پہلے ہوئی اسلئے یہ لوگ فتح مکہ میں حاضر نہیں ہوئے کیونکہ اس سے پہلے ہی شہید ہو چکے تھے ان تینوں سرداروں کے شہید ہونے کے بعد فوج بغیر افسر تھی خالد نے جھنڈا لے لیا اللہ نے اسی کے ہاتھ پر فتح دی اس جنگ میں خالد کے ہاتھ نو تلواریں ٹوٹیں اخیر میں صرف ایک ٹکڑا یمنی تلوار کا رہ گیا تھا. اس واقعہ کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے. اسکے علاوہ حضور انور نے فتح مکہ کے دن خالد کو افسر فوج بنایا اور عزیٰ بت کے توڑنے کو بھی انہیں کو مامور کیا تھا علاوہ بنی خزیمہ کے اور قبائل پر بھی آپ نے خالد کو سرگردہ بنا کر بھیجا تھا محض بشریت کے لحاظ سے اگر خالد سے کوئی غلطی ہوگئی اور حضور انور اس پر ناراض ہوئے یا اس غلطی کی باز پرس کی تو کونسا غضب برپا ہو گیا جیسا کہ بنی خزیمہ کا واقعہ ہو گیا تھا جسکو شیعی علماء بڑی رنگ آمیزی کر کے نقل کرتے ہیں یہ ہے صحیح بات اس حرکت سے حضور انور نے ضرور اپنی برأت ظاہر کی تھی مگر خالد کی اس کمزوری کے اظہار کے بعد بھی حضور نے معزول نہیں کیا بلکہ بدستور سابق اُسے اِسی عہدہ پر رکھا پھر صدیق اکبر نے خالد کو مرتدوں کی جنگ میں فوج کا سرگردہ بنا کے بھیجا فتح عراق اور شام میں بھی یہی افسر تھے یہ ایسے مشہور واقعات ہیں کہ اُن سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ ان کی بہادری اور فتح مندی مسلم ہے اب اس میں ذرا

شک نہیں رہا کہ یہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار تھے جو اللہ نے مشرکین پر سوت رکھی تھیں. باقی شیعی علماء یہ کہنا کہ جناب امیر یعنی حضرت علی امیر المومنین سیف اللہ کے لقب کے سب سے زیادہ مستحق ہیں. اس کا جواب یہ ہے کہ اس بات کا مخالف کون ہوسکتا ہے. کون کہتا ہے کہ حضرت علی سیف اللہ نہیں تھے اور حضور انور کا وہ ارشاد جو صحیح میں ثابت ہوا ہے اس پر صاف دلالت کرتا ہے کہ اللہ کی تلواریں متعدد ہیں اور بلا شک وشبہ حضرت علی ان سب میں سے بڑی تلوار ہیں. کوئی مسلمان خالد کو علی پر فضیلت نہیں دے سکتا پر یہ اعتراض کیونکر ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں یعنی سنیوں نے سیف اللہ کا لقب خالد ہے کے ساتھ مخصوص کر دیا تھا۔ خالد کا یہ نام تو خود حضور نے ہی رکھا ہے جسکا ذکر کر ہم پہلے کر چکے ہیں، دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت علی کا مرتبہ اور ان کی شان سیف اللہ کے لقب سے بہت ارفع واعلی ہے یہ اُن کی جناب میں سخت بے ادبی اور گستاخی ہوگی کہ اُن کی فضیلت کا انحصار سیف اللہ کے لقب پر ہی کر دیا جائے. ہم حضرت علی کے علم. دین وایمان اور سابقیت کو وقعت کی نظروں سے دیکھتے ہیں اور یہی صفتیں آپ کے علو مرتبت کی شہادت دیتی ہیں سیف اللہ فقط جنگ کے وقت کام آتی ہے اگر اسے حضرت علی کی فضیلتوں میں سے قرار دیا جائے تو منجملہ اور بہت سی فضیلتوں کے ایک یہ بھی فضیلت ہے. اب رہے خالد اُنہیں امتیاز دینے والی فضیلت صرف تلوار ہی ہے نہ اُن میں سابقیت ہے نہ کثرت علم اور نہ حضرت علی کے مرتبہ کا زہد ہاں جہاد میں وہ بے شک اول رہتے تھے اسی لیے حضور انور نے اُنہیں سیف من سیوف اللہ سے نامزد کیا ہے. پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ جناب امیر نے اپنی تلوار سے بہت سے مشرک قتل کئے تھے اسکے ماننے میں ہمیں تامل ہے. ہاں ملا باقر مجلسی کی کہانیاں اور قہوہ خانوں کی گپوں کو اگر ہم تسلیم کر لیں تو بے شک اس مان لینے میں کوئی عذر نہیں ہوسکتا مگر معتبر روایتیں اس بات کی شہادت نہیں دیتیں کہ مشکروں اور ظالموں کے قتل کرنے میں حضرت علی اور صحابہ سے بڑھے ہوئے تھے صرف چند ایسے ظالم یا مشرک ہیں. جو حضرت علی کی تلوار کے گھاٹ اُترے ہیں باقی صفر ہے ہاں وہ صحابہ جو جنگ کرنے میں مشہور تھے. مثلاً عمر، زبیر، حمزہ، مقداد، ابوطلحہ، براء بن مالک وغیرہ ان میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس نے اپنی تلواروں سے ظالم مشرکوں کے پرے کے پرے نہ کاٹ دئے ہوں. براء بن مالک نے بلا کسی کی شرکت اور مدد کے

بڑے جری اور دلیر سو مشرکوں کو میدان جنگ میں قتل کیا تھا ایسی نظیر حضرت علی میں ایک بھی نہیں پائی جاتی ایک بار حضور انور نے ان کی نسبت یہ فرماتا تھا **صوت ابی طلحة فی الجیش خیر من فئة** یعنی لشکر میں اکیلے ابوطلحہ کی آواز ایک فوج (کی قوت) سے بہتر (اور بڑھ کے) ہے پھر آپ نے یہ فرمایا **ان لکل نبی حواری وان حواری الزبیر** یعنی ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر ہیں. یہ دونوں حدیثیں صحیح میں ہیں. مغازی میں لکھا ہے کہ جنگ احد کے دن جب حضرت علی نے حضرت فاطمہؓ سے یہ کہا کہ اس تلوار کو دھوڈ والو اس میں کوئی بُرائی نہیں ہی یہ بہت اچھی تلوار ہے اس کے جواب میں حضور انور نے یہ فرمایا کہ اگر تم نے کوئی اچھا کام کیا ہے تو اس میں تمہاری خصوصیت ہی کیا ہے فلاں اور فلاں نے بھی بہت اچھا کام کیا ہے. پھر براء ابن مالک کے بارے میں آپ نے فرمایا **ان من عباد الله من لو اقسم علی الله لابره منهم البراء بن مالک** اللہ کے بندوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو کسی کام پر اللہ کی قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم پوری کر دیتا ہے منجملہ اُن میں ایک براء بن مالک بھی ہیں. لڑائیوں میں لوگ براء سے کہا کرتے تھے کہ اے براء فتح کے لیے قسم کھالو عجیب بات یہ دیکھنے میں آئی کہ جہاں اُنہوں نے قسم کھائی اور تلوار لے کے مشرکوں پر دوڑے فوراً مسلمانوں کو فتح ہوگئی. اخیر لڑائی میں اُنہوں نے اللہ تعالی سے یہ التجا کی تھی اے میرے پروردگار میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ ان مشرکوں پر ہمیں فتح دے انہیں ہمارے قبضہ میں کر دے اور مجھے اوّل درجہ کا مرتبہ شہادت عطا کر دے یہ بالکل جوں کا توں ہوا اُن کی دعا بارگاہِ صمدی میں قبول ہوئی وہ شہید ہوگئے اور مسلمانوں کو فتح ہوئی اس پر بھی ہم اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت علی براء ابن مالک سے ان فضیلتوں اور صفتوں کے ہونے پر بھی افضل ہیں پھر بھلا وہ خالد سے افضل کیوں نہ ہوں گے. پھر شیعی علماء کا یہ کہنا حضور انور نے حضرت علی کو سیف اللہ اور سہم اللہ فرمایا ہے محض غلط اور بالکل لغو ہے حدیث کی کتابوں میں سے کسی میں بھی یہ نہیں لکھا نہ اسکی کوئی معروف سند ہے اور اگر اسے تسلیم بھی کرلیں تو یہ بہت ہی لچر و پوچ بات ہوگی کیونکہ اس سے حصر لازم آتا ہے اور سیف اللہ یا سہم اللہ کا انحصار حضرت علیؓ ہی کی اکیلی ذات پر کسی طرح نہیں ہوسکتا.

پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ حضرت علی نے منبر پر کھڑے ہوکے یہ فرمایا تھا کہ میں اللہ کے

دشمنوں پر اللہ کی تلوار ہوں اور اولیاء اللہ کے لئے اسکی رحمت ہوں محض غلط اور بالکل جھوٹ ہے اسکی کوئی سند نہیں. نہ کہیں سے اسکی صحت کا پتہ چلتا ہے۔ ممکن ہے حضرت علی نے ایسا فرمایا ہو مگر یہ وصف علی اور ان کے ہم عصروں میں ایک قدر مشترک ہے جس کی نسبت خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ یعنی کفار پر تشدد کرنے والے اور آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرنے والے ہیں اور فرمایا اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکَافِرِیْنَ یعنی مسلمانوں کے ساتھ عاجزی سے پیش آنے والے اور کفار کے ساتھ دباؤ اور دبدبہ سے پیش آنے والے ہیں۔ مہاجرین مجاہدین میں سے ہر شخص اللہ کے دشمنوں کے حق میں اللہ کی تلوار تھا اور اولیا اللہ کے حق میں اللہ کی رحمت تھا حضرت علی ایسے نہیں تھے کہ ایسا خطرناک خیال اور قصد کر لیتے کہ میں ہی اکیلا اللہ کی تلوار ہوں اور اولیاء اللہ کے لیے میں ہی اکیلا رحمت ہوں. حضرت علی پر یہ ایک بہتان عظیم اُٹھایا گیا ہے اور اگر بفرض محال ہم اسے تسلیم کر لیں کہ حضرتِ علیؓ نے ہی ایسا فرمایا ہے تو یہ اُنہوں نے اپنے زمانہ کے لیے فرمایا ہوگا. کیونکہ جو نمایاں کام اُن سے پہلے خلفاء نے کئے اور اس خاص صفت میں جیسے پہلے خلفاء مشہور تھے. حضرت علیؓ اس سے ناواقف نہ تھے ہر شخص جانتا ہے کہ مشرکوں پر فاروق اعظم کا رعب داب حضرت علی سے کہیں زیادہ تھا اور بہ نسبت حضرت علی کے فاروقِ اعظم سے مسلمانوں کو بہت زیادہ فائدہ پہنچا جو شخص عمر اور علی کی سیرت سے واقف ہے وہ بلاخوف تردید یہ گواہی دے سکتا ہے کہ فاروق اعظم کی خلافت میں جو دینی اور دنیاوی فائدہ مسلمانوں کو پہنچا حضرت علی کی خلافت میں بجائے کوئی نیا فائدہ پہنچنے کے اُلٹا پہلے فائدہ میں بھی رخنہ پڑ گیا. اللہ کے تمام دشمنوں یعنی مشرکین اور منافقین کو طرح طرح کی ذلتیں اور شکستیں فاروق اعظم کی خلافت میں ہوئیں اسکے مقابلہ میں حضرت علی کی خلافت میں مسلمانوں کی گردنوں پر تلواریں چلیں ان دونوں حالتوں کا موازنہ کرنے کے بعد کوئی شخص یہ گمان کر سکتا ہے کہ فاروق اعظم اور فاروق عثمان غنی پر حضرت علی مقدم ہیں. شیعی علماء کے اقوال میں تناقص اس بلا کا ہوتا ہے کہ طبیعت پریشان ہو جاتی ہے ایک جگہ تو یہ دعویٰ کہ اگر حضرت علی حضور انور کے ناصر و معاون نہ ہوتے تو آپ کا دین بھی قائم نہ ہوتا اور پھر دوسری جگہ حضرت علی کو اول درجہ کا بیچارہ، عاجز اور ذلیل قرار دیا گیا ہے جیسا کہ مشہور ہے

کہ فاروق اعظم نے جلتا ہوا کواڑ آپ کی زوجہ محترمہ کے پیٹ پر گرادیا تھا اس سے حمل ساقط ہوگیا تھا چونکہ حضرت علی بہت ہی عاجز تھے اس لیے اسکا انتقام فاروق اعظم سے نہ لے سکے. پھر شیعی علماء کا خالد پر یہ الزام لگانا کہ وہ حضور انور کا ہمیشہ دشمن رہا ہر بات میں آپ کو جھٹلاتا رہا وغیرہ وغیرہ. ہم اسے تسلیم کرتے ہیں کہ خالد کی یہ کیفیت مسلمان ہونے سے پہلے تھی مگر اس میں خالد ہی کی خصوصیت کیا ہے مسلمان ہونے سے پہلے تو سب صحابہ کی یہی کیفیت تھی جس طرح خالد نے جھٹلایا تھا اُنہوں نے بھی جھٹلایا تھا بنی ہاشم اور غیر بنی ہاشم ایک حمام میں سب ہی ننگے تھے مثلاً ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب اُن کا بھائی ربیعہ حضور انور کے چچا حمزہ عقیل وغیرہ سب ایسے ہی تھے صرف خالد ہی پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا تعجب ہے کہ ایسے بے بنیاد اور مہمل طعن خواہ مخواہ کیوں کئے جاتے ہیں. پھر شیعی علماء کا خالد پر یہ طعن کرنا کہ بنی خزیمہ کے صدقات کی تحصیل کے لیے حضور انور نے خالد کو بھیجا تھا خالد نے ایک خیانت بھی کی اور آپ کے حکم سے سرتابی بھی کی مسلمانوں کا خون کردیا پھر حضور انور خالد کی غلطی ظاہر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے آپ نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اتنے اُٹھائے کہ بغلوں کی سفیدی معلوم ہونے لگی (الخ) اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت کے نقل کرنے میں ایسے تعصت اور تحریف سے کام لیا گیا ہے جو سیرت کے جاننے والوں میں سے کسی پر پوشیدہ نہیں رہ سکتی اس قصہ کی اصلیت یہ ہے کہ حضور انور فتح مکہ ہونے کے بعد خالد کو بنی خزیمہ کے پاس محض تبلیغ اسلام کو بھیجا تھا خالد نے نہایت قابلیت سے اُن میں تبلیغ اسلام کی اور وہ سب مسلمان ہونے لگے مگر ناواقفیت کی وجہ سے بجائے اسلمنا (ہم مسلمان ہوگئے) کہنے کے صبانا صبانا کہنے لگے جسکے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہم نے دین چھوڑ دیا ہم نے دین چھوڑ دیا خالد کو یہ سُن کر سخت غلط فہمی ہوئی اور انہیں اس بات کا یقین ہوگیا کہ یہ دین اسلام میں آنے سے انکار کرتے ہیں اور نہ خالد نے ان الفاظ کو اسلام کے معنوں میں قبول کیا. اس غلط فہمی کی وجہ سے چند آدمیوں کو قتل کر دیا تھا. بڑے بڑے صحابہ جو اُن کے ساتھ تھے مثلاً سالم مولی ابوحذیفہ اور عبداللہ بن عمر وغیرہ اُنہوں نے خالد پر اعتراض کیا اور اسے قتلِ عام سے روک دیا جب حضور انور کو یہ خبر ہوئی تو آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کے یہ دعا کی الھم انی ابرا الیک مما صنع خالد حضور انور کو یہ

اندیشہ ہوا تھا کہ خالد کی اس تعدی کا مطالبہ اللہ تعالی مجھ سے نہ کر لے. پھر اللہ تعالی نے آپ کی تسکین کے لیے یہ فرمایا فَاِنْ عَصَوْکَ فَقُلْ اِنِّی بَرِیْءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ. یعنی اے رسول اگر یہ تیری نافرمانی کریں تو تو کہدے کہ میں تمہارے عمل سے بیزار ہوں. اسکے بعد آپ نے بہت سا مال دیکر حضرت علی کو بنی خزیمہ کے پاس بھیجا کہ ہر مقتول کی نصف خون بہا دیکر اُنہیں راضی کر لیں. جو جو چیزیں اُنکی تلف ہوئی تھیں حضور انور نے سب اپنے ذمہ لے لیں یہاں تک کہ ان کے کُتے کے پانی پینے کا برتن بھی اپنے ذمہ لے لیا اور اندازہ سے زیادہ محض اس احتیاط کے لیے اُنہیں دے دیا کہ اُنکا کوئی ایسا حق ہمارے ذمہ نہ رہے جائے جو ہمیں معلوم نہ ہو. اب سمجھنے کی بات یہ ہے کہ حضور نے ان سب باتوں کے باوجود خالد کو اسکے عہدے سے معزول نہیں کیا جس کے معنی یہ ہیں کہ خالد کی یہ غلط فہمی نیک نیتی پر مبنی تھی آپ ہمیشہ اُسے افسر کرتے اور لشکروں کا پیشوا بناتے رہے ہیں۔ خدانخواستہ خالد کو حضور انور سے کوئی عناد نہ تھا بلکہ وہ آپ کے فرمانبردار غلام تھے. ہاں فقاہیت اور دین میں اوروں کے مرتبہ کے نہ تھے اسلیے اس واقعہ کا نفس الامری حکم اُنہیں نہیں معلوم نہ ہوا. بعض کا یہ قول ہے کہ خالد کے اور اس قوم کے درمیان جاہلیت کے زمانہ سے عداوت چلی آتی تھی اور اسی عداوت کے جوش میں خالد نے اُن میں سے چند آدمیوں کو قتل کر دیا مگر یہ صرف قصہ آفرینیاں ہیں جنہیں واقعات سے کچھ تعلق نہیں۔ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ خالد نے حضور انور کی کوئی خیانت نہیں کی نہ آپ کے حکم سے سرتابی کی نہ مسلمانوں کو قتل کیا یہ صریح جھوٹ اور خالد پر نرا اتہام ہے کیونکہ خالد نے کسی ایسے شخص کو بھی قتل نہیں کیا جو اُن کے نزدیک مسلمان اور بے جرم تھا ہاں غلط فہمی کی وجہ سے بے شک اُن سے یہ خطا سرزد ہو گئی جیسے اسامہ بن زید سے غلطی ہو گئی تھی کہ اُنہوں نے لا الـــه الا الله کہنے کے بعد بھی ایک شخص کو قتل کر دیا تھا جس کا مفصل ذکر گزشتہ صفحوں میں ہو چکا ہے اسی طرح ایک مسلمان بدرقہ نے ایک شخص کو اس حالت میں کہ وہ اپنی مسلمانی کا اقرار کرتا تھا قتل بھی کر دیا تھا اور اسکے مویشیوں پر بھی قبضہ کر لیا تھا جسکے بارے میں اللہ تعالے نے یہ آیت نازل فرمائی یَـٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ کَثِیْرَةٌ کَذٰلِکَ کُنْتُمْ مِّنْ

قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا. (النساء:۹۴) یعنی اے ایمان والو جب تم جہاد کے لیے سفر کرو تو تحقیق کو مدنظر رکھا کرو جو تمہیں سلام کرے اُسے مت کہو کہ تو مومن نہیں ہے تم دنیا کا مال متاع چاہتے ہو تو اللہ کے پاس بہت غنیمتیں ہیں پہلے تم بھی ایسے ہی تھے تم پر اللہ نے احسان کیا پس تم تحقیق کر لیا کرو بیشک اللہ تمہارے عملوں سے خبردار ہے۔

شیعی علماء کا خالد پر ایک اور بہت بڑا طعن: اس طعن میں حضرت صدیق اکبر پر بھی چوٹ ہے مگر چونکہ خالد عملی معد پر اُن معاملات میں شریک ہیں جن سے صدیق اکبر پر چوٹ کی گئی ہے لہٰذا خالد کے مطاعن میں اس کا ذکر کرنا کچھ نازیبا نہیں معلوم ہوتا۔ شیعی کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی تو ابوبکر نے اس خالد بن ولید کو اہل یمامہ سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا اس نے اُن میں سے بارہ سو آدمی قتل کر دئے جو اپنے کو علی الاعلان مسلمان کہتے تھے۔ اسی طرح مالک بن نویرہ کو مشکیں کس کے قتل کیا اس کی بیوہ کو اپنی بیوی بنا لیا پھر خالد نے بنی حنیفہ کا نام مرتدین رکھا محض اسلئے کہ اُنہوں نے ابوبکر کو زکوۃ کا روپیہ نہیں دیا۔ زکوۃ نہ دینے کی اصلی وجہ یہ تھی کہ وہ ابوبکر کی امامت و خلافت کے معتقد نہ تھے اس پر ابوبکر نے ان کا خون کرنے ان کا مال و اسباب لٹوانے اور ان کی عورتوں کو اپنے لیے حلال کرنے کی ٹھان لی حتیٰ کہ اس بارے میں ابوبر پر عمر نے بھی اعتراض کیا مگر شنوائی نہ ہوئی تعجب ہے کہ زکوۃ نہ دینے والوں کا نام تو مرتد رکھ دیا گیا اور جس نے سینکڑوں مسلمانوں کا خون کرنے اور اکثر مومنین سے لڑنے کو حلال سمجھ لیا اس کا نام مرتد نہ رکھا۔ باوجود یہ کہ لوگ رسول اللہ سے آپ کا یہ ارشاد سن چکے تھے کہ اے علی تجھ سے لڑنا مجھ سے لڑنا ہے اور تجھ سے صلح کرنا مجھ سے صلح کرنا ہے رسول اللہ ﷺ سے لڑنے والا بلا اجماع کافر ہے۔ اللہ غنی مرتدوں کی حمایت کرنے میں شیعوں نے اپنے دین و ایمان کا بھی بالکل پاس ولحاظ نہ کیا پھر کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ حامیان مرتدین حضور انور کے برگزیدہ صحابہ سے بغض اور حسد رکھیں۔ اس واقعہ کی تفصیل ملاحظہ ہو۔ اہل یمامہ ہی بنو حنیفہ ہیں جس لقب پر شیعی علماء فخر کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو مسیلمہ کذاب پر ایمان لے آئے تھے جسنے حضور انور کی زندگی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا پہلے تو وہ مدینہ منورہ میں آیا اور اس نے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا مگر در پردہ لوگوں سے یہ کہتا رہا کہ اگر محمد ﷺ مجھے اپنا

جانشین مقرر کردیں تو میں ان پر ایمان لے آؤں جب اسکی یہ مراد بر نہ آئی اور وہ ناکام واپس یمامہ چلا گیا تو وہاں اسنے یہ دعویٰ کیا کہ میں محمد کی نبوت میں برابر کا حصہ دار ہوں اور میری اس شرکت کی محمد نے بھی تصدیق کرلی دجال بن عنفوہ اس کا گواہ بن گیا اور سب کے سامنے یہ شہادت دینے لگا کہ مسلیمہ سچ کہتا ہے اسی تاریخ سے اسے کذاب کا خطاب دیا گیا. اس کذاب کے لقب کی وجہ تسمیہ یہی ہے. پھر اس نے حضور کی خدمت میں ایک خط لکھا **من مسلیمة رسول الله اما بعد فانی قد اشرکت فی الامر معک** یعنی مسلیمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کو واضح ہو کہ میں نے اس نبوت میں تمہاری شراکت کرلی ہے حضور انور نے اس کا جواب جو کچھ اسے دیا تھا اس جواب کے سرنامہ پر لفظ لکھے ہوئے تھے **من محمد رسول الله انی مسلیمة الکذاب** حضور کی وفات کے بعد صدیق اکبر نے خالد بن ولید کو فوج کا سرگروہ بنا کے مسلیمہ پر چڑھائی کرنے کے لیے بھیجا اس سے پہلے خالد بن ولید طلحہ اسدی سے لڑ چکے تھے اسنے بھی نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور مجذیوں کو شکست دی تھی. اور طلحہ اسدی مسلمان ہو گیا تو پھر مسلمانوں نے خالد کی سرکردگی میں مسلیمہ کذاب سے جنگ کرنے کے لیے یمامہ پر چڑھائی کی اس جنگ میں مسلمانوں کو سخت دقتیں اٹھانی پڑیں. بہترین صحابہ میں سے بہت سے شہید ہو گئے مثلاً زید بن خطاب، ثابت بن قیس بن شماس، اسید بن حضر وغیرہ۔ اصل مطلب یہ ہے کہ مسلیمہ کذاب کی حالت اور اس کا نبی ہونے کا دعویٰ کرنا اور بنی حنیفہ کا یمامہ میں اس کا پیرو ہو جانا اور صدیق اکبر کا اُن سے جہاد کرنا ایسا مشہور و متواتر امر ہے جیسے عام و خاص سب جانتے ہیں۔ اس واقعہ کا جاننا اُن امور میں سے نہیں ہے جن کا علم خواص ہی کو ہوتا علماء کے کسی گروہ نے بھی اس واقعہ کا **من اوله الی آخره** انکار نہیں کیا ہاں اس کے مقابلہ میں جنگ جمل اور جنگ صفین کو لو تو معلوم ہو کہ بہت سے علمائے اہل کلام اس سے انکار کرتے ہیں اور وہ ان لڑائیوں کو سراسر بے بنیاد اور لغو کہتے ہیں۔ مگر یہ امر متوار سے ثابت ہے اور آج تک لاکھوں نفوس میں ایک فرد بھی ایسا نہیں ہے جسنے اہل یمامہ کی جنگ سے انکار کیا ہو نہ اس بات کا کسی نے انکار کیا کہ مسلیمہ کذاب نے نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا. مسلمانوں کو اس سے لڑنے کی وجہ صرف یہی تھی مگر شیعی علماء کا اس پر اعتراض و انکار کرنا بعینہ ایسا ہے جیسا یہ لوگ صدیق

اکبراور فاروق اعظم کی بابت حضورانور کے پاس مدفون ہونے کا انکار کرتے ہیں اور شیخین کو حضور انور کا دوست نہیں تسلیم کرتے اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضورانور نے علی کی خلافت پر نص کر دی تھی بلکہ بعض شیعی علماء ایسے ہیں کہ زینب، رقیہ اور ام کلثوم کو حضورانور کی صاحبزادیاں نہیں کہتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ یہ لڑکیاں خدیجۃ الکبریٰ کے پہلے شوہر سے تھیں جو کافر تھا. ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ عمر نے علی کی بیٹی زبردستی چھین لی تھی اور پھر علی نے مجبور ہو کر عمر سے اس کا نکاح کر دیا تھا. بعض کا یہ قول ہے کہ عمر اور اُن کے ساتھیوں نے فاطمہؓ کے پیٹ پر جلتا ہوا کواڑ گرا دیا تھا جس سے اسقاط ہو گیا تھا. اور پھر اُن کے گھر کی چھت کو گرا دیا جتنے آدمی اس گھر میں تھے وہ سب کے سب دب کے مر گئے اس سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ شیعی علماء میں ایجادی قوت کتنی ہے اسی ایجادی قوت کے طفیل سے اُنہوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو میدان کربلا میں لا کر یزیدی فوج کے ہاتھ سے شہید کرا دیا عجیب بات ہے کہ امور متواتر معلوم اور مشہور سے تو صاف انکار اور جو امور بالکل معدوم ہوں اور جنکی کوئی حقیقت نہ ہو ان کو شیعی علماء ثابت مانتے ہیں اور اوروں پر بھی ثابت کرنا چاہتے ہیں اسلیے یہ اس آیت کے پورے مصداق ہیں۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِالْحَقِّ یعنی اس شخص سے بڑھ کے کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور سچ بات کو جھٹلائے پھر شیعی علماء کا یہ کہنا کہ سنیوں نے بنی حنیفہ کا نام مرتد اسلیے رکھ لیا ہے کہ اُنہوں نے اپنی زکوٰۃ کا روپیہ ابوبکر کو نہیں دیا تھا یہ محض غلط بالکل جھوٹ اور سراسر بہتان ہے۔ صدیق اکبر نے بنی حنفیہ سے تو محض اس لیے جہاد کیا تھا کہ یہ لوگ مسلیمہ کذاب پر ایمان لے آئے تھے اور اسکی نبوت کے معتقد ہو گئے تھے باقی زکوٰۃ نہ دینے والے تو اور لوگ تھے۔ بنی حنیفہ نہ تھے جن سے جہاد جائز ہونے نہ ہونے میں بعض صحابہ کو بھی شبہ ہوا تھا لیکن بنو حنیفہ سے جہاد واجب ہونے اور جہاد کرنے میں کسی نے بھی تامل و توقف نہیں کیا ہاں زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کی بابت بے شک عمر فاروق نے ابوبکر صدیق سے یہ کہا تھا کہ اے خلیفۂ رسول اللہ آپ ان لوگوں سے کس طرح یعنی کس دلیل سے جہاد کرینگے حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدون ان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ فاذا قالو ھا عصمو منی دماء ھم واموالھم الا تجھا

وحسابهم على الله. یعنی ان لوگوں سے جہاد کرنے کا مجھے حکم ہو گیا ہے یہاں تک کہ یہ اسکی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد اللہ کا رسول ہے جب یہ اسکے قائل ہو جائیں گے تو اپنی جان و مال مجھ سے بچالیں گے ہاں حق کا بدلہ اُن سے ضرور لیا جائے گا اور باقی حساب اللہ لینے والا ہے. اس کا جواب حضرت صدیق اکبر نے یہ دیا کہ اے عمر تو نے حضور انور کے ارشاد لا تجفها پر غور نہیں کیا یاد رکھو کہ زکوٰۃ اسی حق میں داخل ہے دیکھو میں خدا کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ اگر ایک بوتہ یعنی ایک رسی بھی جو یہ لوگ حضور انور کو زکوٰۃ میں دیتے تھے اور مجھے نہ دیں تو میں اس پر بھی ان پر جہاد کروں گا. فقط

یہ اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ صدیق نے ان لوگوں سے محض اس وجہ سے جہاد نہیں کیا تھا کہ انہوں نے صدیق اکبر کو زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا بلکہ یہ نفس زکوٰۃ ہی سے انکار کرتے تھے اگر انہیں زکوٰۃ سے انکار نہ ہوتا اور یہ اپنے طور پر مستحقین زکوٰۃ کو اپنی زکوٰۃ دے دیتے تو صدیق اکبر بھی کبھی ان سے جہاد نہ کرتے یہی قول جمہور علماء مثلاً امام ابو حنیفہ اور امام احمد وغیرہ کا ہے ان کا کھلا ہوا قول موجود ہے کہ اگر یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اپنی زکوٰۃ ہم آپ ہی دے لیں گے اور خلیفہ کو ہم اپنی زکوٰۃ نہیں دیتے تو صدیق کو اُن سے جہاد کرنا جائز نہ ہوتا کیونکہ صدیق نے اپنی اطاعت کرانے پر بھی کبھی کسی سے قتل و قتال نہیں کیا اور نہ کسی سے زبردستی اپنی بیعت کرائی یہی وجہ تھی کہ جب سعد بن عبادہ آپ کی بیعت سے رُک گیا تو آپ نے اس پر بھی زبردستی نہیں کی حاصل کلام یہ ہے کہ شیعی علماء کا یہ کہنا کہ سنیوں نے بنی حنیفہ کا نام مرتدین محض اسلیے رکھ لیا ہے کہ انہوں نے ابوبکر کو زکوٰۃ نہیں دی تھی اس لیے کہ وہ اُن کی امامت اور خلافت کے معتقد نہ تھے صریح جھوٹ اور اوّل درجہ کا بہتان ہے اور اسی طرح شیعوں کا یہ کہنا کہ بنی حنیفہ سے جہاد کرنے کا عمر نے بھی انکار کر دیا تھا ایک من گھڑت اور بہتان عظیم ہے. پھر شیعی علماء کا یہ اعتراض کہ جس نے مسلمانوں کا خون بہایا اس کا نام تو سنیوں نے مرتد نہ رکھا بلکہ اس شخص نے تو امیر المومنین علی مرتضی سے جنگ کرنے کو مباح سمجھ لیا تھا حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد موجود ہے کہ اے علی تم سے جنگ کرنا مجھ سے جنگ کرنا ہے اور تم سے صلح کرنا مجھ سے صلح کرنا ہے لہذا جس طرح کہ رسول اللہ سے جنگ کرنیوالا بلا اجماع کافر ہے اسی طرح حضرت علی سے جنگ کرنے والا بھی بلا اجماع کافر ہے اسکا پہلا جواب تو یہ ہے کہ اس حدیث

کا احادیث کی مشہور کتابوں میں سے کسی میں بھی پتہ نہیں لگتا اور نہ کسی معروف سند سے کہیں اور مروی ہے. تمام علمائے حدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر یقینی بہتان اور جھوٹ ہے اگر ہم جنگ صفین اور جمل کو تسلیم کر لیں کہ یہ دونوں لڑائیاں ہوئی تھیں جیسا کہ شیعی علماء مانتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ یہ لڑائیاں حضرت علی کی رائے اور مرضی سے ہوتی تھیں چنانچہ ابوداؤد نے اپنی سنن میں قیس بن عباد سے بالا سناد روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں نے علی سے دریافت کیا کہ آپ یہ بتائیے کہ آپ نے یہ لڑائیاں جو لڑی ہیں کیا ان کا حکم آپ کو حضور انور نے دے دیا تھا. یا صرف ان لڑائیوں کا دارومدار آپ ہی کی رائے پر ہے حضرت علی نے جواب دیا مجھے نبی ﷺ نے ان لڑائیوں کا حکم نہیں دیا میں نے اپنی رائے سے یہ لڑائیاں لڑیں ہیں. اس بات کو بھی غور سے دیکھو کہ اگر حضرت علی سے لڑنے والا ایسا ہی ہوتا کہ گویا وہ حضور انور سے لڑنے والا ہے تو حضرت علی کو نہایت ضروری تھا کہ اُن لوگوں یعنی مخالفین سے مرتدوں کا سا برتاؤ کرتے مگر جنگ جمل کے تسلیم کرنے والوں کی کتابوں میں صاف طور پر یہ لکھا ہوا ہے کہ حضرت علی نے بھاگنے والوں کا تعاقب کیا نہ کسی زخمی کو قتل کیا نہ مخالف کا مال لوٹا نہ اُن کے بال بچوں کو قید کیا بلکہ اپنے لشکر میں منادی کرادی کہ بھاگنے والے کا تعاقب نہ کیا جائے نہ کسی زخمی کو قتل کیا جائے نہ اُن کے مال کو لوٹا جائے اور نہ اُن کے بال بچوں کو قید کیا جائے اگر وہ لوگ مرتد ہوتے تو ایسا برتاؤ حضرت علی کبھی نہ کرتے خوارج نے حضرت علی پر یہی اعتراض کیا تھا کہ اگر یہ لوگ مسلمان ہیں تو ان سے جنگ کرنی کیونکر قرار دے لی گئی اور اگر یہ لوگ کافر ہیں تو پھر ان کا مال واسباب لوٹنے اور اُن کے بال بچوں کو قتل کرنے کو کیوں حرام سمجھتے ہو. اس کا جواب دینے کے لئے حضرت علی نے ابن عباس کو ان کے پاس بھیجا اُنہوں نے خوارج سے جا کے مناظرہ کیا اور یہ کہا کہ جو لوگ علی سے لڑے ہیں ان میں عائشہ صدیقہ بھی ہیں اب اگر تم یہ کہو کہ عائشہ ہماری ماں نہیں ہیں تو تم اللہ کی پاک اور سچی کتاب کے منکر اور کافر ہو اور اگر یہ کہو کہ وہ ہماری ماں ہیں اور پھر تم اُن کے قید کرنے کو درست سمجھو تب بھی تم منکر و کافر ہوتے ہو. اسی طرح دوسرے لوگوں کے بارے میں بھی حضرت علی یہ فرمایا کرتے تھے اخوانا بغوا علینا طھر ھم السیف یعنی ہمارے بھائیوں نے ہم پر بغاوت کی تھی تلوار نے انہیں پاک کر دیا حضرت علی سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ نے دونوں طرف مقتولین پر نماز جنازہ پڑھی تھی. اگر یہ لوگ مرتد تھے تو

حضرت امام حسن نے جو شیعوں کے نزدیک معصوم ہیں اسلامی حکومت سے کنارہ کر کے لاکھوں مسلمانوں کو ایک کافر مرتد کے حوالے کیوں کر دیا تھا ایسا کرنا ایک مسلمان کے لیے اور وہ بھی ایک معصوم مسلمان کے لئے ہرگز شایانِ شان نہیں ہے دوسرے یہ کہ اگر حضرت علی کے مخالف سارے مرتد تھے اور آپ کے ساتھی مومن مسلمان تھے تو کیوں ان مومنین مسلمانوں پر ہمیشہ ان مرتدوں اور کافروں ہی کا غلبہ رہا حالانکہ اللہ تعالی اپنی کتاب میں فرماتا ہے۔ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَاد. (المؤمن:۵۱) یعنی دنیا کی زندگی اور قیامت کے دن ہم اپنے رسولوں اور ایمان والوں کی ضرور مدد کرینگے پھر فرمایا وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (الصّٰفّٰت:۱۷۱تا۱۷۳) یعنی ہمارے پیغمبروں سے جو ہمارے بندے ہیں ہمارا پہلے ہی یہ عہد ہو چکا تھا کہ ضرور ان کی مدد کی جائے گی اور بلا شبہ ہمارا ہی لشکر غالب رہے گا اور فرمایا وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ یعنی عزت تو اللہ ہی کے لیے ہے اور اُس کے رسول اور ایمان والوں کے لئے تو اب حضرت علی کے لشکر حضرت امام حسن کے لشکر اور حضرت امام حسین کی فوج کی کیفیت دیکھی جائے کہ اُن پر کیا کیا بنی. اب ہم خود شیعی علماء سے یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر خوارج وغیرہ تم سے یہ کہیں کہ علی نے مسلمانوں کی خونریزی مباح کر دی تھی اور بغیر اللہ اور اسکے رسول کے حکم محض اپنی حکومت قائم کرنے کے لیے اُنہوں نے لڑائیاں لڑی تھیں حالانکہ حضور انور کا صاف ارشاد موجود ہے. سباب المسلم فسوق وقتاله كفر یعنی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے جنگ کرنا کفر ہے اور پھر فرمایا لا ترجعو بعدى كفار ا يضرب بعضكم رقاب بعض یعنی میرے بعد تم کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو خوارج کہتے ہیں کہ ان صحیح حدیثوں سے علی کا کافر ہونا ثابت ہو گیا بلا خوف تردید ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ خوارج کی حدیثیں شیعوں کی حدیثوں سے زیادہ صحیح و مستند ہوتی ہیں. خوارج یہ بھی کہتے ہیں کہ آدمیوں کا قتل کرنا مجسم فساد ہے اور جس نے اپنی حکومت کا سکہ بٹھانے اور اپنی اطاعت کرانے کے لئے بہت سے خون کر دئے ہوں تو وہ فساد کا بڑا از بردست بانی ہوا. یہی حال فرعون کا تھا جسکی نسبت اللہ تعالی فرماتا ہے تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ یعنی

ہم آخرت کا گھر اُن لوگوں کے لئے کرتے ہیں جو زمین میں تعلی اور فساد کرنے کا ارادہ نہیں کرتے اور نیک انجام تقویٰ والوں کا ہے. اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ جو شخص زمین میں تعلی اور فساد چاہے وہ آخرت میں اہل سعادت سے ہرگز نہ ہوگا. حضرت علی کی جنگ ابوبکر صدیق کی اس جنگ سے کبھی مشابہت نہیں پیدا کرسکتی جو ان کے زمانہ میں مرتدوں سے زکوۃ ادا نہ کرنے پر ہوئی تھی یہ جنگ محض اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرانے کی غرض سے ہوئی تھی کیونکہ انہوں نے زکوٰۃ جیسے فرض کا انکار کردیا تھا جنگ کا منشاء یہ تھا کہ وہ اس فرض کا اقرار کریں اور پھر اسے ادا کریں حضرت علی کی جنگ اس کے بالکل مخالف تھی اس جنگ کا منشاء محض اپنی اطاعت کرانا تھا اور اسکے سوا کچھ نہیں. اس سے کبھی بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ جن لوگوں سے صدیق نے جنگ کی تھی وہ اللہ کی اور اللہ کے رسول کا اطاعت نہیں کرتے تھے اور نہ شرعی احکام کا اقرار کرتے تھے اسی لیے انہیں مرتد کہا گیا. بخلاف اسکے جو شرعی احکام کا زبان ودل سے مقر ہوکر ایک خاص شخص کی اطاعت میں تامل کرتا ہو جیسے امیر معاویہ اور اہل شام شریعت کے تمام احکام کو مانتے انہیں حق جانتے اور اُن کا اقرار کرتے تھے پنجگانہ نماز پڑھتے تھے زکوٰۃ دیتے تھے اور علی الاعلان یہ کہتے تھے کہ ہم تمام واجبات اور فرائض کو ادا کریں گے مگر ان وجوہات سے علی اطاعت نہیں کرنے کے کیونکہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ علی کا لشکر سخت سفاک اور ظالم ہے اگر ہم نے اطاعت کرلی تو ہم پر ایک مصیبت ٹوٹ پڑے گی. اسی ضمن میں شیعی علماء امیر معاویہ کی نسبت یہ طعن کرتے ہیں. جس طعن کو شیخ حلی یعنی تمام شیعی علماء کے سرگروہ نے اپنی کتاب مہناج الکرامہ میں لکھا ہے وہ کہتا ہے کسی فاضل نے کیا اچھا کہا ہے. **شر من ابلیس من لم یسبقه فی معالف طاعة وجری معه فی میدان معصیة** یعنی وہ شخص ابلیس سے بھی بدتر ہے جس سے سابق میں کوئی اطاعت نہیں ہوئی اور میدان معصیت میں اُسکے برابر رہا۔ علماء میں سے اس میں کسی کو شک نہیں کہ ابلیس نے سارے فرشتوں سے زیادہ عبادت کی ہے اور چھ ہزار برس تک وہ اکیلا عرش کو لیے کھڑا رہا ہے۔ اسکے بعد جب اللہ نے آدم کو پیدا کرکے زمین میں خلیفہ کیا اور ابلیس کو ان کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا تو اس نے تکبر کیا اور وہ اپنے اس تکبر سے ملعون اور راندۂ درگاہ ہونے کا مستحق ہوگیا اس کے مقابلہ میں معاویہ کو دیکھا جائے تو وہ ہمیشہ شرک اور بُت پرستی کرنے میں رہا یہاں تک کہ نبی ﷺ کے ظاہر ہونے سے ایک عرصہ دراز کے بعد یہ مسلمان ہوا

تھا مگر اس کی شامت دیکھیئے کہ امیر المومنین علی کو اپنا امام تسلیم کرنے اور اُن کی اطاعت کرنے میں تکبر کر بیٹھا حالانکہ عثمان کے قتل ہونے کے بعد سب نے جناب امیر سے بیعت کر لی تھی مگر معاویہ اُن کا ہم پلہ بن کے بیٹھ گیا اسلیے وہ ابلیس سے بھی بدتر ہوا۔

جواب: اس سارے طعن کا خلاصہ یہ ہے کہ معاویہ شیطان سے بدتر تھا اس لئے کہ معاویہ گناہ گار تھا اور ابلیس گناہ گار نہ تھا صرف سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے وہ ملعون قرار پایا معاویہ گناہ گار بھی تھا۔ اور سب نے امیر المومنین علی کا اطاعت سے بھی انحراف کیا اس لیے وہ شیطان سے بھی بدتر ہوا۔ یہ طعن نہایت ناپاک مہمل اور بے بنیاد ہے جسکے دماغ میں کچھ بھی عقل ہو وہ کبھی اس قسم کی باتیں نہیں بنا سکتا۔ گناہ گار کو ابلیس سے بدتر قرار دینا ایک ایسی ناقابل معافی خطا ہے۔ جس کا بدل نہیں ہوسکتا حضور انور نے فرمایا کل بنی آدم خطاء و خیر الخطائیر التوابون یعنی کل بنی آدم خطاوار ہیں ☆

☆ اور خطاواروں میں بہتر توبہ کرنے والے ہیں اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ہر نبی اور ہر ولی اور ہر معصوم

اور خطاوار ہونے پر ابلیس سے بھی بدتر ہوگا۔ حضرت علی بھی چونکہ بنی آدم ہیں لہٰذا ان کا استثنا بھی اس سے نہیں ہوسکتا خیال تو کیجئے جس شخص کا اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان ہو کیا یہ کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں میں اگر کسی سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا تو وہ ابلیس سے بھی بدتر ہے یقیناً یہ بات ایسی ہے جس کا فاسدہ باطل ہونا دین اسلام سے بالا اضطرار معلوم ہوتا ہے اور ایسا شخص جو یہ عقیدہ رکھے بلا اجماع کافر ہے۔ اب سنئے! اگر خوارج اسکے مقابلہ میں یہ کہیں کہ علی نے بھی گناہ کیا ہے تو وہ بھی ابلیس سے بدتر ہوئے اسکے جواب میں شیعی علما کے پاس سوائے ان کی عصمت کے دعوے کے اور کوئی حجت نہیں یہ مانی ہوئی بات ہے اور ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ علمائے شیعہ میں سے کوئی بڑے سے بڑا فاضل بھی یہ قدرت نہیں رکھتا کہ خوارج کے سامنے حضرت علی کے مسلمان امام عادل ہونے پر کوئی دلیل پیش کر سکیں واللہ جو روایتیں شیعی کتب میں بھری ہوئی ہیں اگر وہ سب ایک جگہ جمع کر دیکھائیں تو اُن روایتوں کا پڑھنے والا یہ سمجھ جائے گا کہ علی سے بدتر گناہ گار ظالم، کافر، طمّاع کوئی مسلمان دنیا میں نہیں گزرا۔ خوارج کا دنداں شکن جواب ہمیشہ مسلمانوں یعنی سنیوں نے دیا ہے اور حضرت علی کے ایمان اور امامت کی جو حجتیں سنیوں نے قائم کی ہیں۔ وہ جگہ سے جنبش نہیں کھا سکتیں برخلاف اسکے شیعی علما کی حجتیں سب منقوض اور آپس میں ایک دوسرے کے معارض ہیں تو کیونکر ان

سے حجت کرنا ٹھیک ہوسکتا ہے۔ دوسری بات سنئے! کہ یہ استدلال کہ جس شخص نے سابق میں کوئی اطاعت نہیں کی اور میدان معصیت میں وہ ابلیس کے برابر رہا ابلیس سے بھی بدتر ہے کسی طرح ٹھیک نہیں ہوگا اس لئے کہ ہر معصیت کے میدان میں ابلیس کی برابری کوئی نہیں کرسکتا آدمیوں میں یہ خیال ہرگز نہیں کیا جاسکتا کہ کوئی اللہ کی معصیت میں ابلیس کے اس طرح برابر ہو کہ سب کو گمراہ اور سرکش بنادے اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ ابلیس کی پہلی عبادات اسکے کافر اور مرتد ہونے کے باعث بالکل نیست و نابود ہوگئی کیونکہ مرتد ہونا عمل کو کالعدم کردیتا ہے باقی اس کے موجودہ معاصی میں کوئی اسکے برابر نہیں ہوسکتا اس لئے کہ کسی آدمی کا ابلیس سے بدتر ہونا یقیناً ممتنع ہے اور اگر ہم ممتنع نہ مانیں تو شیعی مذہب کی اس سے بیخ و بنیاد اکھڑ کر پھک جائے گی مثلاً اس بات کو دیکھو کہ حضرت علیؓ کے وہ ساتھی جو جنگ میں اُنکی مدد کررہے تھے اور جو حضرت علی کی سخت نافرمانی کرتے تھے اور جس نافرمانی کے پیٹنے سے ساری نہج البلاغت بھری ہوئی ہے تو یہ لوگ ابلیس سے بھی بدتر ہوں گے۔ اور ایسے ابلیس سے بدتر لوگوں کا لشکر حضرت علی کے ساتھ تھا پھر بھلا ایسے شخص کو کیا فلاح ہوسکتی ہے جو شیطانوں کا لشکر اپنے ساتھ رکھے۔ اب رہی ابلیس کے متعلق یہ کہانیاں کہ اسنے چھ ہزار برس عبادت کی وہ اکیلا عرش معلیٰ کو تھامے رہا یا وہ فرشتوں کا طاؤس تھا یا آسمان و زمین میں اسنے کوئی جگہ ایسی نہیں چھوڑی جہاں رکوع اور سجدہ نہ کیا ہو محض چانڈو خانہ کی گپ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں نقلِ صادق سے جب تک کوئی بات ثابت نہ ہو اس پر یقین نہیں کیا جاسکتا نہ قرآن مجید میں کہیں اس کا اشارہ ہے نہ اس بارہ میں کوئی صحیح حدیث آئی ہے پھر ان چانڈو خانہ کی گپوں سے اصولِ دین میں کیونکر کوئی حجت قائم ہوسکتی ہے۔ شیعی علماء نے جو یہ کہا ہے کہ تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ ابلیس سب فرشتوں سے زیادہ عابد تھا یہ بھی محض ایک مغالطہ دھوکہ اور بہتان ہے ان سے کوئی پوچھے کہ علمائے صحابہ علماء تابعین علمائے مسلمین وغیرہ میں سے اس کا کون قائل ہے تو جواب سوائے نفی کے نہیں مل سکتا چہ جائے کہ سارے علماء میں یہ متفق علیہ ہو جائے حالانکہ مسلمین میں سے کوئی اس کا قائل نہیں ہے۔ جس کا قول تسلیم کیا جاتا یا اب تسلیم کیا جائے یہ ایسا امر ہے کہ بلا نقل کسی طرح معلوم و معروف نہیں ہوسکتا اور حضور انور سے آج تک کسی نے نقل نہیں کیا نہ صحیح سند سے نہ ضعیف سے ہاں اگر کسی واعظ نے اپنے وعظ میں جہاں اور قصے کہانیاں کیں وہاں ایسا قصہ بھی بیان کردیا یہ کوئی سند نہیں ہو

کتی یا کسی رسالہ میں کسی مصنف نے ایسا لکھ دیا ہو یا کسی تفسیر میں کسی مفسر نے جہاں اور اسرائیلی بے اصل باتیں نقل کی ہوں وہاں اسے بھی درج کر دیا ہو تو ایسی باتوں سے کوئی گھاس کاٹنے والا بھی حجت نہیں کر سکتا پھر بھلا ابلیس کو ایسی حجت سے سب میں زیادہ عبادت گزار وغیرہ ماننا کب سمجھ میں آسکتا ہے باقی یہ کہ اسنے چھ ہزار برس تک عرش کو اٹھائے رکھا محض لغو. بیہودہ اور جانڈوخان کی گپ ہے نہ قرآن مجید میں اس کا کوئی ذکر ہے نہ ہمارے آقائے نامدار حضور انور ﷺ نے اسکی نسبت کچھ فرمایا ہے. حاملین عرش کے متعلق خود اللہ تعالی نے یہ فرمایا ہے اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ عرش کے اٹھانے والے بہت سے ہیں اور وہ سب کے سب مومن ہیں ہمیشہ اللہ کی حمد تسبیح پڑھتے ہیں اور مسلمانوں کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں ابلیس کے متعلق ہزاروں روایتیں بہت سے شیعی علما اور بعض سنیوں نے گھڑ لی ہیں جنکا کہیں پتہ نہیں لہذا اس پر بحث کرنا فضول ہے یہ بحث تفصیل کے ساتھ پہلے ہو چکی ہے کہ اگر ایک شخص کافر ہے اور وہ پھر مسلمان ہو جائے تو جتنے گناہ اسنے کفر کی حالت میں کئے ہیں. وہ سب معاف ہو جاتے ہیں. اسی طرح اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ امیر معاویہ پہلے کافر و مشرک تھے تو مسلمان ہونے کے بعد ان کی گزشتہ خطائیں اللہ تعالی کے حکم کے مطابق قطعی معاف ہو گئیں یقیناً امیر معاویہ نماز پڑھتے تھے زکوۃ دیتے تھے جنکی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ یعنی اگر وہ توبہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکوۃ ادا کریں تو وہ تمھارے دینی بھائی ہیں لہذا کوئی وجہ نہیں کہ امیر معاویہ کو دینی بھائی نہ قرار دیا جائے. ابلیس کی اور امیر معاویہ کی حالت میں بعد المشرقین ہے ابلیس ایمان لانے کے بعد کافر ہوا لہذا اس کے کفر سے اس کا ایمان بھی رایگان ہو گیا اس کے برخلاف امیر معاویہ کا کفر اُن کے ایمان لانے سے نیست و نابود ہو گیا اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ جو شخص کفر کے بعد مومن ہوا ہو اس شخص کے مساوی کیونکر ہو سکتا ہے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گیا ہو. اب ایک بحث رہی جیسا کہ بعض شیعی علماء کہتے ہیں کہ امیر معاویہ مرتد ہو گئے تھے یہ نرا دعویٰ ہی دعویٰ ہے کیونکہ صحیح صحیح روایتوں سے امیر معاویہ کا اسلام ثابت ہو چکا ہے اور یہ بھی کامل طور پر محقق ہے کہ امیر معاویہ اپنے مرنے تک برابر اسلام پر رہے جیسا کہ اُن کے سوا اوروں کا اسلام پر

رہنا معلوم ہو چکا ہے خلاصہ یہ ہے کہ جس طریقہ سے دوسروں کے اسلام جانچے گئے ہیں وہی طریقہ امیر معاویہ کے اسلام کے جانچنے میں بھی برتا گیا ہے. اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا جو شخص نہ صرف امیر معاویہ بلکہ حضرت عثمان، صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے مرتد ہونے کا مدعی ہے یہ شخص حجت میں اس شخص سے ہرگز بڑھا ہوا نہیں ہے جو حضرت علی کے مرتد ہونے کا مدعی ہے پس اگر علی کے مرتد ہونے کے ثابت کرنے والا جھوٹا ہے امیر معاویہ اور خلفائے ثلاثہ کے مرتد ہونے کو ثابت کرنیوالا بدرجہ اولے اور یقیناً جھوٹا ہے کیونکہ ان بزرگان دین کے ایمان پر ہونے کی حجت قوی اور ظاہر ہے برخلاف اس کے حضرت علی کے ایمان واسلام پر رہنے میں خوارج کا شبہ شیعوں کے شبہ سے بدرجہ قوی اور ظاہر ہے برخلاف اس کے حضرت علی کے ایمان واسلام پر رہنے میں خوارج کا شبہ شیعوں کے شبہ سے بدرجہا قوی اور ظاہر ہے اور اگر تھوڑی دیر کے لئے امیر معاویہ کو مرتد تسلیم کر لیا جائے تو اس سے حضرت علیؓ اور حضرت امام حسن وغیرہ کی ایسی اہانت لازم آتی ہے جو کسی سے مخفی نہیں ہے۔ یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت علی ان مرتدوں سے مغلوب تھے اور حضرت امام حسن نے اسلامی حکومت انہیں مرتدوں کے حوالے کر دی تھی خالد بن ولید نے تو مرتدوں کو زیر کر دیا تھا اور حضرت علی زیر نہ کر سکے اس سے یہ نتیجہ آسانی سے نکل سکتا ہے کہ مرتدین کے مقابلہ میں خالد کے لئے اللہ کی مدد بہ نسبت حضرت علی کے بدرجہا زیادہ تھی اور چونکہ مدد میں خالد کا استحقاق حضرت علی کے استحقاق سے بڑھا رہا تو اللہ کے نزدیک خالد علیؓ سے افضل ہونگے کچھ خالد ہی کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ صدیق اکبر فاروق اعظم غنی کے تمام لشکری اور گماشتے سب حضرت علی سے افضل تھے کیونکہ کفار کے مقابلہ میں وہ ہمیشہ مظفر ومنصور رہے برخلاف اسکے حضرت علی مرتدوں اور کافروں سے ہمیشہ عاجز رہے اللہ تعالی فرماتا ہے وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ یعنی اگر تم ایماندار ہو تو سست و غمگین نہ ہو جاؤ اور تم ہی غالب رہو گے پھر فرمایا لَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلَامِ وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ یعنی پس تم سست مت ہو جاؤ اور انہیں صلح کی طرف نہ بلاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ ہرگز تمہارے اعمال ضائع نہ کرے گا. جب حضرت علی اس بات سے عاجز ہو گئے کہ جن شہروں پر امیر معاویہ نے قبضہ کر لیا تھا انہیں دوبارہ فتح کریں تو آپ نے امیر معاویہ کو صلح کی درخواست دی

اور یہ لکھ کے بھیجا کہ اس شرط پر صلح کر لیجئے کہ اسوقت جتنے شہر آپ کے قبضہ میں ہیں آپ اپنی حکومت اُن پر برقرار رکھئے اور جن شہروں پر میرا سکہ چل رہا ہے وہاں میری حکومت برقرار رہنے دیجئے اب اس بات کو سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اگر حضرت علی کے ساتھ مومن تھے اور امیر معاویہ کے ساتھی مرتد تھے تو حضرت علی کے ساتھیوں کا غالب ہونا ضروری تھی حالانکہ یہ نہیں ہوا۔اس کے بعد اب یہ اعتراض ہے کہ امیر معاویہ نے حضرت علی کو امیر المومنین تسلیم کرنے میں اللہ کی اطاعت سے تکبر کیا. یہ عجیب معما ہے جو سمجھ میں نہیں آتا پہلے تو یہ ثابت کرنا چاہیے کہ معاویہ کو یہ علم تھا کہ حضرت علی کی ولایت صحیح ہے اور ان کی اطاعت مجھ پر واجب ہے. حضرت علی کی ولایت کا ثبوت اور اُن کی اطاعت واجب ہونے کی دلیل ان مشتبہ مسائل میں سے ہے جو ابھی تک حل نہیں ہوئے کسی کو آج تک یہ جرات نہ ہوئی کہ اس بات کو ثابت کر سکتا ہے کہ حضرت علی کی ولایت اور اطاعت مسلمانوں پر واجب ہے. اب دوسری بحث یہ ہے کہ ایک لمحہ کے لیے اس بات کا یقین کر لیا جائے کہ امیر معاویہ کو اس بات کا علم تھا کہ حضرت علی کی ولایت صحیح ہے اور ان کی اطاعت مجھ پر واجب ہے تو پھر یہ بات ضروری نہیں کہ جس سے کوئی معصیت ہو جائے اُسے متکبر کہنے لگیں کیونکہ معصیت کبھی کسی خواہش سے ہوتی ہے اور کبھی تکبر سے یہ بالکل ناممکن ہے کہ کوئی شخص ہر عاصی پر یہ حکم لگا سکے کہ اسنے اللہ کی اطاعت سے ایسا ہی غرور کیا ہے جیسا ابلیس نے غرور کیا تھا. دوسری ایک اور تماشہ کی بات دیکھئے شیعی علما کہتے ہیں کہ عثمان کے بعد سب نے حضرت علی سے بیعت کر لی اب شیعی علما سے یہ سوال ہے کہ اگر بیعت کرنا حجت نہیں ہوتا تو بیعت کا استدلال بے فائدہ ہے اور اگر حجت ہوتا ہے تو حضرت عثمان کی بیعت پر حضرت علی کی بیعت سے بہت زیادہ اجماع تھا. پھر لطف یہ ہے کہ حضرت عثمان کی بیعت سے رُکنے والے کو تو شیعی علما کافر نہیں سمجھتے بلکہ عین مومن متقی قرار دیتے ہیں اور حضرت علی کی بیعت سے رکنے والے کو کافر اور مرتد سمجھتے ہیں۔

"ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا"

اور ایک عجیب نکتہ سنئے! کہ شیعی علماء اس بات کے قائل ہیں کہ صدیق اکبرؓ کی بیعت پر سب کا اجماع ہو گیا اور پھر اس بات کے بھی قائل ہیں کہ حضرت علی نے صدیق کی بعیت ایک عرصہ تک نہیں کی تو اب، اب ان ہی کے قول سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت علی نے صدیق کو اپنا امام تسلیم نہ کرنے

میں اللہ کی اطاعت سے تکبر اور غرور کیا اور شیعی علماء کی اسی حجت سے حضرت علی کا کافر ہونا لازم آتا ہے اور نہیں تو ایسی حجت کا باطل ہونا ضروری ہے ہمارے عقیدہ اور تحقیق کے بموجب حضرت علی کا کافر ہونا تو صریح جھوٹ اور غلط ہے مگر ہاں اس کے مقابلہ میں شیعی علماء کی حجت باطل اور بے اصل ہے. شیعی کا ایک اور بہتان عظیم دیکھیئے وہ کہتے ہیں کہ عثمان کے بعد علیؓ سے سب نے بیعت کر لی تھی یہ بالکل جھوٹ اور دروغ بے فروغ ہے کسی روایت سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سوائے چند آدمیوں کے جن میں زیادہ تر مصری باغی تھے حضرت علی سے بیعت کی ہو پھر شیعی علما کا یہ کہنا کہ معاویہ حضرت علی کا ہم پلہ بن کے بیٹھ گیا صریحی اتہام ہے کیونکہ امیر معاویہ نے ابتدا میں اپنے لیے حکومت نہیں چاہی تھی ہاں اتنا بے شک ہوا کہ یہ اوروں کے ساتھ حضرت علی کی بیعت کرنے سے رک گئے تھے اور جو ملک فاروق اعظم اور حضرت عثمان کے زمانہ میں اُن کے قبصہ میں تھے اُن پر بدستور قابض رہے اور جب دو حکموں نے فیصلہ کر دیا تو یہ فقط اپنی رعیت پر حاکم رہے بس اگر اُنہیں ہم پلہ کہنے سے شیعی علماء کی یہ مراد ہے کہ یہ اپنے اس ملک میں خود مختار بادشاہ ہو گئے تھے تو یہ صحیح ہے. امیر معاویہ ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے کہ جو ملک حضرت علی کے قبضہ میں ہیں میں انہیں فتح کرنا نہیں چاہتا میرے نزدیک کوئی ایسا امر ثابت نہیں ہوا جو مجھ پر حضرت علی کی بیعت لازم کر دے. اس میں کوئی کلام نہیں کہ اگر امیر معاویہ کے دلنشین یہ بات ہو جاتی کہ حضرت علی سے بیعت کرنا اُن پر واجب ہے تو وہ کبھی اس سے پہلو تہی نہ کرتے بغیر اطمینان کلی کے ایسے امور میں کوئی شخص قدم آگے نہیں بڑھا سکتا. کوئی ہم عصر تاریخ یا نوشتہ یا صحیح روایت اس بات کو ثابت نہیں کر سکتی کہ امیر معاویہ نے اسلامی فرائض میں سے کسی ایک فرض کے ادا کرنے میں بھی کبھی کوتاہی کی ہو جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ وہ پکے اور راست باز مسلمان تھے تو پر اس یقین کرنے میں تامل نہیں ہونے کا کہ اگر انہیں اس بات کا اطمینان ہو جاتا کہ حضرت علی کی بیعت تم پر واجب ہے تو وہ بلا تامل حضرت علی کی طرف ہاتھ بڑھانے میں کوتاہی نہ کرتے فقط

پہلا مقدمہ ختم ہوا

واقعاتِ کربلا کیا ہیں؟

اس کتاب میں محدثانہ و محققانہ دلائل ہیں ہمیں اس بات کا کامل یقین ہے کہ ہماری ہر دلیل قطعی الدلالت ہے اور کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا خواہ وہ دنیا کے کسی بھی خطے کا رہنے والا ہو۔ کسی کی مجال نہیں کہ ہماری کسی دلیل یا تحقیق کا کوئی جواب دے سکے ہماری جرأت اور دلیری کو دیکھئے کہ ہم حقیقتِ اظہار کرنے کے لیے "کتاب شہادت" شائع کر رہے ہیں۔ ہمیں اس پر بحث نہیں کہ کوئی اس پر کان لگائے یا نہ لگائے کوئی اس کا جواب دے یا نہ دے ہاں یہ بات مسلّم ہے تمام بیہودہ، مشکوک غلط الزامات، ناپاک افترا پردازیاں، شدید زبانی بے رحمیاں اور غلیظ تحریریں اسلام کے روشن مسائل پر لغو اتہامات سب مٹا دیئے جائیں گے۔ سب کو معلوم ہو جائے گا کہ اسلام کیا ہے اور یارانِ طریقت نے کیا سکھا رکھا تھا۔ اصلیت کیا ہے اور بیان کیا کیا جاتا تھا یہ ساری باتیں صاف طور پر عیاں ہو جائیں گی ہاں کوئی بھی ہمارے مقصد کو کسی غلط فہمی میں نہ ڈھالنے کی کوشش کرے کہ شیعی دنیا یا ان کے جھوٹے سچے مذہب پر حملہ کرنا ہمارا مقصود ہے نہیں۔ ہرگز نہیں۔ حاشا و کلا غرض صرف یہ ہے کہ اسلام اور بزرگانِ اسلام پر جو اتہامات لگائے گئے ہیں ان کا تار تار الگ کر کے دکھا دیا جائے اور محدثانہ و محققانہ بحثوں سے یہ بات ثابت کر دی جائے کہ ایسے غلط اتہامات اور الزامات سے ان کی شان بہت ارفع واعلیٰ ہے اس میں صدیق اکبرؓ بھی ہیں عمر فاروقؓ بھی ہیں عثمان غنیؓ بھی ہیں اور علی مرتضیٰؓ بھی ہیں ان پر اور ان جیسے جلیل القدر صحابہ پر ناخدا ترسوں نے اس قدر طوفان برپا کیے ہیں ایسے ایسے الزام ان پر لگائے ہیں کہ ناواقف شخص تو ایک دفعہ کانپ اٹھے گا اور دل میں یہ خیال کرے گا کہ جس دینِ خدا کی تعلیم کا یہ اثر ہو جس نبی کی اولوالعزمی اور اعلیٰ درجے کی شان و عظمت کا یہ دعویٰ کیا جاتا ہو اس کے خاص خاص صحابہ کی یہ کیفیت تھی پھر بھلا دین خدا اور رسول کا کیا اعتبار کیا جائے۔ بس اس بات کو خیال کر کے اسلام اور بزرگانِ اسلام دین خدا اور رسول خدا کی حمایت پر ہمارا قلم اٹھا ہے اور جب تک یہ قلم ہمارے ہاتھ میں ہے ہم ایسی حمایت کو کبھی بھی ترک نہ کریں گے۔ ہم اسے اپنا ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔ فقط۔